اوم

دیانند پرکاش

آریہ سماج کے مشہور سنیاسی سوامی ستیانند جی مہاراج

کی

آریہ بھاشا تصنیف

جسے

ملک کے نامور ادیب فطرت نگار فسانہ نویس

جناب **سدرشن** صاحب

نے

اردو کا جامہ پہنایا

اور

میسرز لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب

اندرون لوہاری دروازہ لاہور

مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر طبع کرایا

پہلی دفعہ ۲۰۰۰ قیمت [illegible]

فہرست مضامین

दयानन्द प्रकाश

आर्य्य समाजस्य प्रवर्त्तको दयानन्दर्षि ।

عرصہ قریباً ۹ سال کا ہوا۔ میں بحیثیت ایک پبلشر و بک سیلر مارکیٹ میں آیا۔ اس قلیل عرصہ میں سینکڑوں کتابیں چھاپیں جن کی تعداد شاید ایک ہزار سے کم نہ ہوگی۔ اس دوران میں بحیثیت ایک آریہ سماجی کے میری زبردست خواہش رہی کہ مہرشی سوامی دیانند جی سرسوتی کرت ستیارتھ پرکاش اور اُن کا جیون چرتر چھاپوں۔ جب کبھی اکیلا بیٹھتا ہمیشہ دماغ اچھے مصنفین کی تلاش میں لگا رہتا۔ آخر ستیارتھ پرکاش کے لئے میں نے سبھا کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ جہاں سے مجھے اجازت مل گئی۔ وہاں ساتھ ہی خوش قسمتی سے شریمان مہتہ رادھاکشن جی (آریہ سماج میں یہ وہی پہلے پریمی سجن ہیں۔ جنہوں نے سب سے پہلے ستیارتھ پرکاش کو اُردو جامہ پہنایا تھا) و پروفیسر راجہ رام جی کو جدید ہندی اڈیشن کے ساتھ مقابلہ کے لئے قیمتی وقت دینے پر تعینات فرمایا گیا۔ اب رہا سوامی جی کا جیون چرتر۔ جلد ہی ہندی زبان میں سب سے اچھا سب سے مکمل بلحاظ فصاحت۔ بلاغت و

واقعات اکیلا جیون چرتر شری سوامی جی مہاراج - سوامی ستیانند جی کرت مارکیٹ میں آگیا - میں نے فوراً سوامی ستیانند جی مہاراج کی خدمت میں جو بمبئی میں دیانند پرکاش چھپا رہے تھے - پتر لکھا - آپ نے بواپسی جواب دیا - کہ اُردو میں چھاپنے کا وچار نہیں ہے - یہ دیکھ کر میری مایوسی کی حد نہ رہی لیکن چونکہ پریم کے بس دونو پستکوں کے خوبصورت نکالنے کا میرا اٹل وچار تھا - برابر کوشش کرتا گیا - آخر بمصداق ؎

بہ ہر کارے کہ ہمت بستہ گردد اگر خارے بود گلدستہ گردد

سوامی ستیانند جی مہاراج نے اپنی اُدارتا سے مجھے اُردو میں دیانند پرکاش چھاپنے کی آگیا دے دی - اس شاندار کتاب کا ترجمہ بھی کوئی معمولی کام نہ تھا - اس لئے اس کام کو سرانجام دینے کے لئے مہاشہ سدرشن جی سے درخواست کی گئی - آپ ایک اعلےٰ درجہ کے مُصنّف ہیں - تاہم اس کام میں آپ کا دل نہ لگا - اور قریباً ایک سال کے خاتمہ تک بمشکل آپ نے ترجمہ کا کام شروع کیا - شومیِ قسمت کہ میں بیمار پڑ گیا - اور متواتر ۹ ماہ بستر علالت پر رہا - یہاں تک کہ بچنے کی امید بھی نہ رہی - اس وقت اگر میرے دل میں کوئی یاس تھی - کوئی ارمان تھا تو یہی کہ دونو کتابیں اپنی زندگی میں نہ چھاپ سکا - لیکن ہر کام اپنے

وقت پر ہوتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے۔ کہ پربھو کو یہی منظور تھا۔ کہ یہ دونو رشی سمبندھی پستکیں رشی جنم شتابدی کے موقع پر نکلنی چاہئیں۔ اِدھر جون میں مَیں صحت یاب ہوا۔ اُدھر مہاشہ سُدرشن جی نے کمر باندھ کر اس کا ترجمہ ختم کر دیا ٭

مہرشی سوامی دیانند سرسوتی کا مہان جیون چرتر شری سوامی ستیانند جی مہاراج کی پوتر لیکھنی سے لکھا ہوا اور ہمارے معزز مہربان مہاشہ سدرشن کا نہایت قابلیت اور جانفشانی سے ترجمہ کیا ہوا جنم شتابدی کے موقع پر اب آپ کے سامنے رکھتے ہوئے میرا دل اتنا پرسن ہے۔ کہ اگر اس سے پہلے بھی یہ کتاب نکالتا تو شاید اتنی خوشی نصیب نہ ہوتی۔ اس سے زیادہ خوبصورت بنانے کے واسطے اور وقت چاہئے لیکن پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے۔ اس واسطے مجھے اُمید ہے کہ جہاں ناظرین اس جیون چرتر کے مطالعہ سے لابھ اُٹھائینگے۔ اور مترجم کی قابلیت کی داد دینگے۔ وہاں میری محنت کی بھی قدر کرتے ہوئے اُن خامیوں پر جو اسے زیادہ خوبصورت بنانے میں رہ گئی ہیں چشم پوشی فرماتے ہوئے اصل مُدعا کو پیش نظر رکھینگے۔ کہ جو مقصد اس کتاب کے چھاپنے کا ہے ٭

لاجپت رائے ساہنی

مُترجم کی طرف سے

آریہ سماج کے حلقہ میں سوامی ستیانند جی کا نام بہت مشہور ہے۔آپ کی زبان میں جادو ہے۔معمولی سی بات بھی کہتے ہیں۔تو دل پر گرفت ہو جاتی ہے۔آپ کے ایک ایک لفظ میں تاثیر ہے۔اس قدر فصیح بولنے والے ہیں۔کہ آپ کے مقابلہ کے آدمی آریہ سماج میں کم ملینگے۔ چہرہ پر ہر وقت مسکراہٹ کھیلتی رہتی ہے۔ دوسرا کمال یہ ہے کہ یہ مُسکراہٹ آپ کی تقریر میں بھی صاف دکھائی دیتی ہے۔اب تیسرا درجہ کمال کا اُس وقت نظر آیا جب آپ نے دیانند پرکاش لکھا۔اور اپنے لبوں کی مُسکراہٹ کو کاغذوں پر بھی بکھیر دیا۔گویا جس خوبی سے تقریر مالا مال تھی۔اُس سے تحریر بھی محروم نہ رہی+

ہندی میں اس وقت تک اس کتاب کے تین ایڈیشن نکل چکے ہیں اور مطالبہ تا حال جاری ہے۔میرا خیال ہی نہیں بلکہ مجھے یقین ہے کہ اس کا اُردو ایڈیشن بھی دلچسپی سے پڑھا جائیگا۔اس کے متعلق میں خود کچھ نہ کہونگا۔میں

نے اسے آسان فہم اور دلکش بنانے کی کوشش کی ہے۔
ترجمہ کا کام آسان نہیں۔ اس راہ کی دشواریوں کو وہی
جانتے ہیں۔ جنہیں کبھی موقع یہ کام کرنے کا ملا ہے۔
تاہم میں یہ کر سکتا ہوں۔ کہ میں نے اپنی طرف سے اپنی
بہترین قابلیتیں صرف کر دی ہیں۔ اور اس قدر صبر آزما
ضخامت کے باوجود کتاب کی دلکشی کو قائم رکھنے کی کوشش
کی ہے۔ میں اس میں کامیاب ہوا ہوں یا نہیں۔ یہ میں
نہیں کہتا۔ کتاب خود کہیگی۔ مگر مجھے اپنی کم مائگی اور ہیچمدانی
کا اعتراف ہے۔ لہذا جہاں ناظرین کو دلکشی نظر آئے۔
اُس کا کریڈٹ مُصنّف دیانند پرکاش کو دیں۔ اور جہاں
تحریر خشک اور بدمزہ معلوم ہو۔ وہاں میری مجبوری سمجھ
کر معاف کر دیں ؞

رام گلیا لاہور
۱۲ر اکتوبر ۱۹۲۴ء

سُدرشن

سوامی دیانند جی مہاراج کی زندگی کا خاص کام دھرم پرچار تھا۔ اُن کا عقیدہ تھا۔ کہ ویدک دھرم سب سے پُرانا اور الٰہی مذہب ہے اور حقیقت میں یہ عقیدہ درست ہے۔ کیونکہ دیگر تمام مذاہب عمُر، منطق، فلسفہ اور فطرت کے نقطہ نگاہ سے ویدک دھرم سے بہت پیچھے ہیں۔ ویدک دھرم نے آتم وچار پر برھم گیان سے متعلق ایسا عمدہ بیان کیا ہے۔ کہ دوسرے مذہب اُس کا سوروپ اب تک خواب میں بھی نہیں دیکھ سکے۔ آتم گیان (فلسفۂ روح) ہی ویدک دھرم کے امتیاز کا مظہر ہے۔ آتم گیان ہی میں اس کی اہمیت ہے۔ اسی کے باعث آریوں نے پہلے عروج حاصل کیا تھا۔ اور اسی کے سہارے پر آج کل کے تنزّل کے زمانہ میں یہ زندہ ہیں۔ زمانہ آئندہ میں بھی ان کا کسب عروج آتم گیان ہی کے باعث روز افزوں ترقی کریگا۔ یہ اُن کی

ذاتی جائداد ہے۔ اس کے ساتھ اُن کا نہ ٹوٹنے والا رشتہ ہے۔ اس کے سبق اِنہوں نے ہی باقی تمام اقوام کو پڑھائے ہیں۔ اس باب میں یہ ساری دُنیا کے گورو رہے ہیں اور اب بھی ہیں ٭

اس آتم گیان کا سرچشمہ وید ہیں۔ وید ہی نے اس گیان کو سرسبز و شاداب کیا ہے۔ اس لئے سوامی جی کو ویدوں میں نہایت گہری عقیدت تھی۔ اتنا ہی نہیں۔ اُنہیں ویدوں سے عشق تھا۔ جب کوئی اُن کی صداقت میں شک کرتا۔ تو سوامی جی اُس سے فوراً علیحدگی اختیار کر لیتے۔ ویدوں کو پسِ پشت ڈال کر وہ کسی سے بھی اتحاد کرنے کو تیار نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنہوں نے بمبئی نیز احمدآباد کے پرارتھنا سماجیوں کی حوصلہ شکنی کا الزام بھی سر پر لیا۔ اور کلکتہ کے احباب میں غیر ہر دلعزیز ہو گئے۔ اُن کے لاہور کے ہمدرد اصحاب نے پہلے سوامی جی کی ہر طرح سے امداد کی اور اُن کی خاطر تواضع اور عزت افزائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ اُن کے اخراجات کا تمام تر بار اپنے ذمہ لیا۔ مگر جونہی وید کے مضمون پر اختلاف رائے ہوا براہمو سماجی اتنے آزردہ ہوئے۔ کہ سوامی جی کو ہر طرح کی امداد دینا بند کر دیا۔ لیکن سوامی جی اپنے عقیدہ سے بالشت بھر نہ ہلے ٭

سوامی جی کو پرماتما پر اعتماد تھا۔ ایسا اعتماد کہ اُس کے بھروسہ پر وہ مصیبتوں کے سخت ترین حملہ میں بھی ہمت نہ ہارتے تھے۔ چھوٹے چھوٹے متوں پر اور بڑے بڑے مذہبوں پر یکساں جوش سے تنقید کیا کرتے۔ اُن کو اس سے باز رکھنے کے لئے مخالف لوگوں نے اُن پر تلوار سے حملے کئے۔ زہر دئے۔ مگر سوامی جی بے خوفی سے جنگلوں میں پڑے رہتے۔ تنہا گھومتے پھرتے۔ اور ہزاروں مخالفوں سے بھڑ جاتے۔ اُن کی یہ ہمت محض ایک پرماتما کے سہارے پر تھی ؛

جس طرح اُنہیں ویدوں کی سچائی پر ناقابل تردید اعتقاد تھا۔ اُسی طرح اُنہیں پرماتما کی ہستی کا ناقابل تردید یقین تھا۔ جونہی اُنہیں علم ہوا۔ کہ میڈم بلیوٹسکی صاحبہ پرماتما کی ہستی سے منکر ہیں۔ اُسی وقت تھیاسوفیکل سوسائٹی سے تعلقات منقطع کرنے کو تیار ہو گئے۔ اور مغربی شاگردوں کی انتہا عقیدت و محبت بھی اُن کو اس خیال سے نہ روک سکی۔ وید کے احکام اور ایشور بھگتی کو وہ دھرم کے دو عالمگیر اصول سمجھتے تھے۔ اور ساری عمر تمام مذاہب کو اسی مرکز پر جمع کرنے کی کوشش فرماتے رہے۔ سوسائٹی کی اصلاح اور سدھار کے بغیر کسی قسم کی حالت تبدیل ہونا آسان نہیں۔ سوامی جی اپنے عہد کے سب سے بڑے اصلاح کرنے والے تھے۔ گو اُس زمانہ میں اور بھی کئی آدمی تھے۔ جو دن رات

اصلاح کے کام میں مصروف رہتے تھے۔ لیکن سوامی جی کا درجہ اُن سب سے بلند تھا۔ اُن کا کام مستقل تھا۔ وہ محض لوگوں کو اُٹھاتے نہ تھے۔ بلکہ اُنہیں اُٹھا کر اُس بلندی پر قائم رکھتے تھے۔ وہ قدیم طرز و طریقہ کو، قدیم رسم و رواج کو، قدیم تاریخ کو، قدیم سمرتیوں کو، اور نہایت پرانے زمانہ کے دھرم کرم کو اور قدیم تہذیب کو پیشانی پر بل ڈال کر دُور نہیں پھینکتے تھے۔ وہ ان چیزوں سے نفرت کرنے والے مُصلح نہ تھے۔ نہ وہ ان باتوں سے پرے بھاگتے تھے۔ بلکہ وہ قدامت کی درگا کے سچے پوجاری تھے۔ آریوں کے عہد گزشتہ کو وہ سُنہری خیالات و احساسات سے مزین اور خالص سونا سمجھتے تھے۔ اور اُس کی توہین برداشت نہ کر سکتے تھے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ آریوں کے قدیم تمدن کو زمانہ کی گردش نے مٹی میں ملا دیا ہے۔ اور اُن کی شکل و صورت کو بگاڑ دیا ہے۔ لیکن اس سے کیا؟ یہ رتن ہے اور ہمارا ہی چنتا منی رتن ہے۔ اور یہ رتن ہماری جدی جائداد ہے۔ اسے اصلاح کے ہاتھوں سے دھو دھو کر صاف کرنا ہمارا فرض منصبی ہے۔ دل و جان سے اِس کی حفاظت کرنا ہمارا دھرم ہے +

اُن کا خیال تھا۔ کہ بھارت کے مت متانتر دنیا کی نگاہوں میں آریوں کے مذہب و فلسفہ کو گرانے والے ہیں۔ اور کہ نئے مذہبوں نے، اور مٹھوں اور مہنتوں

نے قدیم زمانہ کی عظمت پر پانی پھیر دیا ہے۔ اور اس کی پاکیزگی میں میل ملا دی ہے۔ جب تک یہ چھوٹے چھوٹے مت مٹ نہ جائیں۔ تب تک آریوں کے قدیم دھرم میں اتحاد ہونا دشوار ہے ✦

سوامی جی عالمگیر بہبودی کے لئے دلائل و براہین کا تیر کمان لے کر بحث مباحثہ کے میدان میں اُترے تھے۔ مریض کے پھنسی پھوڑوں کو جب تک چیرا نہ جائے۔ تب تک وہ تندرست نہیں ہو سکتا۔ کھیت میں سے جب تک گھاس پھوس کو نہ نکال دیا جائے۔ تب تک اُس سے عمدہ فصل کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح جب تک کسی قوم اور ملک کی بُری رسموں کو دُور نہ کر دیا جائے اور جب تک اُس کے چلن اور خیالات کی اصلاح نہ کر دی جائے۔ تب تک اُس کا ترقی کے بام پر چڑھنا سخت دشوار ہے۔ اصلاح کا کام ہر دلعزیزی کا کام نہیں۔ مگر اس میں عالمگیر فلاح و بہبودی ضرور بھری ہوتی ہے ✦

کھنڈن کا کام شروع کرتے وقت سوامی جی کا فراخ دل رفاہ عام کے خیال سے بھرا تھا۔ اس کا بیّن ثبوت خود سوامی جی کی اپنی تحریر ہے۔ لکھتے ہیں:۔

گو آج کل بہت سے علما ہر مذہب میں پائے جاتے ہیں۔ لیکن اگر وہ تعصب کو چھوڑ کر عالمگیر

اصولوں کو قبول کریں - جو جو باتیں سب کے مطابق ہیں - اور جنہیں سب صداقت سمجھتے ہیں - اُنہیں اختیار کرلیں - اور جو جو باتیں ایک دوسرے کے خلاف ہیں - اُنہیں ترک کردیں - اور باہم پیار و محبت کا سلوک کریں - تو دنیا کو کامل فائدہ پہنچ سکتا ہے - علما کی باہمی مخاصمت ہی سے جاہلوں میں مخالفت بڑھ جاتی ہے - اور کئی قسم کی تکالیف رونما ہو جاتی ہیں اور سُکھ کم ہو جاتے ہیں - یہ نقصان خود غرض لوگوں کو بہت عزیز ہے - مگر اس نے عوام کو بحر رنج و الم میں ڈبو دیا ہے ؛

جو شخص عالمگیر بہبودی کو مدنظر رکھ کر کام شروع کرتا ہے - اُس کی مخالفت خود غرض لوگ بڑی سرگرمی سے کیا کرتے ہیں - اور اُس کی راہ میں کئی قسم کی رکاوٹیں ڈالتے ہیں - لیکن آخرکار سچائی کی فتح ہوتی ہے اور جھوٹ شکست کھاتا ہے - سچائی ہی کے باعث ودوان لوگوں کا رستہ وسیع ہو جاتا ہے - اسی خیال سے اصلاح کا کام کرنے والے لوگ پروپکار (رفاہ عام) کا کام کرنے سے بددل نہیں ہوتے - اور اظہار صداقت سے پیچھے نہیں ہٹتے ؛

سوامی جی نے آریہ ورت کے متوں کے علاوہ دیگر

مذاہب پر بھی نکتہ چینی کی ہے۔ اور اُن کی مستند کتابوں کی بنا پر کی ہے۔ جس میں کامل تحقیقات اور ناقابل تردید دلائل سے کام لیا ہے۔ اور اس کی غرض یہ ہے کہ آریہ دھرم کی حفاظت کی جائے۔ اور دوسرے مذاہب کی خامیاں دکھائی جائیں۔ یہ ثابت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ایسی اور اس سے بھی بڑھ کر سخت نکتہ چینی بھگوان بُدھ سے لیکر آج تک کے مذہبی لیڈر کرتے آئے ہیں۔ سوامی دیانند اپنے عہد کے سب سے بڑے مذہبی لیڈر تھے۔ اُنہوں نے کروڑوں آدمیوں کی بہتری کا کام کیا ہے۔ آریہ قوم کے افراد کی ہزاروں سال سے جمع کردہ جائداد کو تباہی کے منہ سے نکالا ہے۔ اس کے علاوہ ترقی کو آگے لے جانے کے لئے اپنی زندگی قربان کی۔ ہردلعزیزی کے بجائے بہتری عامہ کا خیال کیا ہے۔ ایسے مرد اعظم کے اصلاح کے کام کے مقابلہ میں حقیر اور نہایت ہی معمولی پایہ کی کتابوں سے کام لینے والے ٹٹ پونجئے اصلاح کے طریقوں سے محض ناواقف ہیں۔ اور ریفارم کا کام کرنا مطلقاً نہیں جانتے ؛

مہاراج سوامی جی نے دیگر مذاہب پر کس خیال سے نکتہ چینی کی ہے۔ اسے خود ظاہر فرماتے ہیں :۔ "اگرچہ میں آریہ ورت دیس میں پیدا ہوا ہوں۔ اور یہیں رہتا ہوں۔ تاہم جس طرح اس کے مت متانتروں کی لغو باتوں

کی طرفداری کئے بغیر انہیں اُن کے اصلی رنگ میں ظاہر کر دیتا ہوں۔ اسی طرح دوسرے ممالک کے مذاہب سے متعلق کرتا ہوں۔ میرا بنی نوع انسان کی ترقی کا سلوک جیسا اپنے ملک والوں کے ساتھ ہے۔ ویسا ہی غیر ممالک والوں کے ساتھ ہے۔ اور اسی طرح تمام لوگوں کو کرنا چاہیئے۔ اگر میں کسی ایک کا جانبدار ہوتا۔ تو جس طرح آج کل کے متعصب لوگ اپنے عقیدے کی تعریف کر کے اُس کی اشاعت کرتے ہیں اور دوسرے مذاہب پر نکتہ چینی کر کے اُنہیں نقصان پہنچاتے ہیں اور اُن کی اشاعت بند کرا دیتے ہیں۔ اُسی طرح میں بھی کرتا۔ لیکن یہ فعل انسان کے شایانِ شان نہیں۔ جس طرح طاقتور حیوان کمزوروں کو دُکھ دیتے ہیں اور اُنہیں ہلاک کر ڈالتے ہیں۔ اُسی طرح اگر انسانی جسم پاکر آدمی سے بھی ایسے افعال سرزد ہوں۔ تو یہ انسانی خصلت سے بعید ہوگا۔ اور انسان حیوانوں کے برابر ہو جائے گا۔ انسان وہی ہے جو طاقتور ہو کر کمزوروں کی حفاظت کرے۔ اور جو خود غرضی کے بس میں دوسروں کو نقصان پہنچانے پر تُل جائے۔ وہ تو جانوروں کا بھی بڑا بھائی ہے"۔

سوامی جی مہاراج نے اصلاح کے پروگرام میں برہمچریہ کو ضروری درجہ دیا ہے۔ ایک ایک دو دو سال کے بچّوں

کا بیاہ کر دینا وہ ملک کی گراوٹ کا خاص سبب سمجھتے تھے۔ اُنہوں نے اس رسم بد کو دُور ہٹانے کی بہت کوشش کی۔ اُنہوں نے اپنی کتب میں عین جوانی کے بیاہ کا ذکر کیا ہے اور اس کے لئے شاستروں کے حوالے دئے ہیں +

ورن آشرم کو وُہ گُن کرم (افعال و صفات) کے مطابق مانتے تھے۔ وہ یہ نہیں مانتے تھے کہ کوئی آدمی اس وجہ سے بُرا یا بھلا ہے کیونکہ وہ کسی بُرے یا بھلے ورن (ذات) میں پیدا ہو گیا ہے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ آدمی جیسے کام کرتا ہے ویسے ہی ورن کا بن جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے:۔ "جس آدمی کا جیسا پیشہ ہو۔ ویسے ہی ورن کے اُسے اختیارات دینا چاہئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ تمام ذاتوں کے آدمیوں کو ترقی کے مواقع حاصل ہونگے"۔

مہاراج شودروں کی اصلاح کے بڑے حامی تھے۔ وہ اُنہیں کائنات کے مصنّف کی دُنیا سے باہر نہ سمجھتے تھے۔ شودروں سے نفرت کرنا اور اُنہیں اچھوت سمجھنا اُن کے نزدیک انسانی درجہ سے گرا ہوا فعل تھا۔ جو لوگ کُتّوں کو چھو لیتے ہیں۔ بلّیوں کے ساتھ کھیلتے ہیں۔ بھینسوں کو ہاتھ لگاتے ہیں۔ اونٹ کے ساتھ چھونے میں پرہیز نہیں کرتے۔ دوسرے جانوروں سے بھی چھو لینے

ہیں۔ اور اپنے ہاتھ سے جوتا تک اُتار لیتے ہیں۔ وہ انسان کو اچھوت سمجھیں۔ اُن سے پرے ہٹیں۔ یہ کتنا ظلم ہے۔ کس قدر بے انصافی ہے۔ یہ سمجھنا چنداں مشکل نہیں۔ سوامی جی نے شودروں کو ویدوں کے مطالعہ کا اختیار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ جس طرح پرماتما نے زمین۔ پانی۔ آگ۔ ہوا۔ چاند۔ سورج اور اناج وغیرہ سب کے لئے پیدا کئے ہیں۔ اُسی طرح وید بھی تمام لوگوں کے لئے نازل کئے ہیں"۔

سوامی جی نے عورتوں کی اصلاح کا کار عظیم بھی بدرجۂ اُتم سرانجام دیا اور اُن کو شاستروں کے بموجب وید پڑھنے کے اختیارات دئے۔ عورتوں کی عظمت کو جس تفصیل سے اُنھوں نے بیان کیا ہے۔ ویسا کسی دوسرے آچاریہ نے نہیں کیا۔ اُن کی دلی خواہش تھی۔ کہ کچھ قابل عورتیں مل کر ماتری منڈل (مجلس خواتین) قائم کریں۔ اور عورتوں کی حالت میں اصلاح کریں۔ اُنھوں نے شری رما کو اس کام کے لئے زندگی وقف کرنے کی ترغیب دی۔ مگر اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ رما بائی اس کام کے لئے تیار نہ ہوئی۔ مہاراج نے عورتوں کی بزرگی کا بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ عورتوں کو بھی برہمچریہ رکھنا چاہیئے اور تعلیم کے حصول میں ساعی ہونا چاہیئے۔ بھارت کی عورتوں میں گارگی وغیرہ دیویاں

وید شاستر پڑھ کر ودُشی (قابل) ہوئی تھیں۔ اور راجاؤں کی رانیاں تیر اندازی اور جنگ کے فنون سے کامل طور پر آگاہ تھیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا۔ تو کیکئی وغیرہ رانیاں راجہ دشرتھ کے ساتھ جنگ میں کیوں شریک ہوتیں۔ اب بھی چاہئے کہ عورتیں گرامر۔ دھرم۔ طب۔ حساب اور دستکاری سیکھیں +

مہاراج نے طریقۂ تعلیم کی اصلاح پر بھی زور دیا ہے۔ وہ جانتے تھے کہ جب تک عوام میں اعلےٰ تعلیم نہیں پھیلتی۔ تب تک قوم ترقی نہ کر سکیگی۔ کروڑوں انسانوں کو ایک مرکز پر جمع کیا جا سکتا ہے۔ تو صرف اعلےٰ تعلیم کی امداد سے۔ آپ نے بتایا کہ تعلیم کے ساتھ مذہبیات اور قومیت کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ "جب بچہ (لڑکا ہو یا لڑکی) پانچ سال کا ہو جائے۔ تو اُن کو ہندی شروع کرا دینی چاہئے۔ اس کے بعد دوسری زبانیں بھی پڑھانا چاہئے"+

سب سے پہلے مہاراج ہی نے تعلیم کے لازمی اصولوں کو ظاہر کیا۔ وہ لازمی تعلیم کے حامی تھے اور ہرگز ہرگز نہ چاہتے تھے۔ کہ کوئی بھی فرد تعلیم سے محروم رہے۔ اس پر لکھتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ کہ حکومت اور قوم کی طرف سے احکام صادر ہونے چاہئیں۔ کہ پانچ یا آٹھ سال کی عمر کے بعد کوئی بھی آدمی اپنے بچوں کو

گھر میں نہ رکھ سکے۔ اور انہیں سکول بھیجنے پر مجبور ہو۔ اس کی خلاف ورزی پر اُسے سزا دی جائے؟

آپ سے ہندوستانیوں کا افلاس چھپا نہ تھا۔ اُنہوں نے اپنی سیاحت کے دوران میں قحط زدہ لوگوں کی قابلِ رحم حالت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اُن کے جگر خراش نالوں کو اپنے کانوں سے سُنا تھا۔ اُن کو معلوم تھا۔ کہ ہندوستان کے ہزاروں آدمی مشین کے مانند سارا دن محنت مزدوری کرنے کے باوجود اس قدر نہیں کما سکتے۔ کہ اپنا اور اپنے بچّوں کا پیٹ بھر سکیں۔ کئی ایسے گھرانے ہیں۔ جو اپنے بھوکے پیٹ کی تکلیف کو رفع نہیں کر سکتے۔ اشیائے خوردنی دن بدن گراں ہوتی جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ہندوستان کے بھکاریوں کی حالت زار ناقابلِ برداشت ہوتی جاتی ہے۔

مگر اُن کو یہ بھی علم تھا۔ کہ ہندوستان کی سرزمین سونے کی سرزمین ہے۔ اعلےٰ جلوں اور میٹھے پھلوں والی ہے۔ ویران اور ناقابل کاشتکاری نہیں۔ بڑی زرخیز اور سرسبز و شاداب ہے۔ یہاں اشیائے خوردنی بہتات میں پیدا ہوتی ہیں۔ پُر ذائقہ پھلوں کی کمی نہیں۔ پہننے کی اور دیگر مصرف کی تمام اشیا یہاں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ تو پھر بھارت ماتا اپنے بچّوں کی پرورش کیوں نہیں کر سکتی۔ اس کے لاڈلے بیٹے بھوک کے مارے اس کی

گود میں بیٹھے بلک بلک کر زار و قطار کیوں روتے رہتے ہیں ؛

اس سوال کا جواب سوامی جی نے بخوبی سمجھ لیا تھا۔ اُن کی نگاہ حقیقت شناس سے ہمیشہ کے قحطوں کا باعث چھپے رہنا بالکل ناممکن تھا۔ وہ جانتے تھے۔ کہ زمین کی پیداوار میں کمی نہیں ہوئی۔ بلکہ کچھ زیادتی ہوئی ہو۔ تو تعجب نہیں۔ پھر بھی یہاں فاقہ اور قحط ہے تو اس کا سبب دستکاری کا نہ ہونا ہے۔ ضرورت کی اشیاء یہاں بنانے کا کوئی انتظام نہیں۔ باہر سے چیزیں آتی ہیں۔ لاکھوں محنت کرنے والے آدمی نکمے ہو گئے ہیں۔ اور اُن کے پاس روٹی کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں رہا۔ پہلے معمولی درجہ کے لوگوں سے لیکر راجوں مہاراجوں تک اسی دیس کے بنے کپڑے پہنتے تھے۔ اسی دیس کے زری اور موتیوں والے زیورات استعمال کرتے تھے۔ اُن کے فلک بوس محلات اسی دیس کے معماروں اور انجنیئروں کی زیر ہدایت تیار ہوتے تھے۔ اُن کی آرائش کے لئے اسی دیس کے مصوّروں کی نادر تصویریں حاصل کی جاتی تھیں۔ لیکن آج حالات تبدیل ہو گئے ہیں ؛

سوامی جی دوسرے لیکچراروں کی طرح اپنے لیکچروں کو جلسہ گاہ کی کھلی کھڑکیوں سے باہر پہنچا دینے ہی میں اپنے ملک کی کامل کامیابی نہ تصوّر کرتے تھے۔

وہ اعلےٰ درجہ کے کرم یوگی (عالم باعمل) تھے - اس لئے جو کچھ کرتے تھے عملی طور پر کرتے تھے - لہذا اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اُنہوں نے اپنے دھرم پرچار میں سوسائٹی کی اصلاح کے بلند پایہ مقاصد میں صنعت و حرفت کا فروغ بھی شامل کر لیا تھا - اور اس کے لئے بہت بڑی کوشش فرماتے تھے - چنانچہ ایک جرمن شاگرد ویس نامی کو لکھا - کہ آپ بھارت باسیوں کو صنعت و حرفت کی تعلیم دینے کا انتظام کریں - جواب میں ویس صاحب نے جو خط سوامی جی کو لکھا - اُس کا ایک حصّہ ہم یہاں نقل کرتے ہیں - اُس سے ناظرین کو یہ معلوم ہو جائیگا - کہ سوامی جی ملکی اشیاء کے استعمال کی اہمیت سے کیسے باخبر تھے - ویس صاحب نے اپنے خط مورخہ ۲۱ جون ۱۸۸۰ء میں لکھا "جو جو طالب علم آپ کے ودیارتھیوں کے مقاصد کے لئے زیادہ موزوں اور اہم ہونگے - ہم اُنہیں سب کچھ سکھا دینگے - عام طلباء کی نسبت جن کے سامنے کوئی خاص مقصد نہیں - ہم آپ کے ودیارتھیوں کی تعلیم پر زیادہ توجہ دینگے - براہ کرم تحریر فرمائیے - کہ اس بارہ میں آپ کی کیا رائے ہے - جو کچھ لکھئے - تفصیل سے لکھئے - ہم ایسا انتظام کرنے کے لئے ہمیشہ تیار ہیں - جو آپ کے اہل ملک اور ہمارے لئے تسلی بخش ہو" اپنے دوسرے خط مورخہ ۳۰ جون ۱۸۸۰ء

میں پھر لکھا۔ اگر آپ دور اندیشی سے ابتدا کریں۔ اور شروع ہی میں بہت جلد بازی سے کام نہ لیں۔ تو وقت پر بھارت کی منڈی میں اُس کے حریف تاجروں کی شکست کا اچھا خاصہ امکان ہے کیونکہ آپ کو چند ایک ایسی سہولتیں حاصل ہیں۔ جو اُن کو نہیں۔ اوّل آپ کے ملک میں مزدوری ارزاں ہے۔ دوسرے آپ کے ملک میں ایسے محنتی آدمی ہیں۔ جن کا مقابلہ یورپ کے مزدور نہیں کر سکتے۔ اور جو لطیف کام کو نہایت عمدگی سے سر انجام دے سکتے ہیں۔ تیسرے بہت سے یوروپین لوگوں کی نسبت آپ کا چالچلن قابل تعریف ہے۔ آپ اپنے خریداروں کو ارزاں لیکن ناکارہ اشیاء دے کر اُن سے روپیہ نہ چھینیں گے۔ آپ زندگی میں، تجارت میں اور صنعت و حرفت میں صفائی کے سلوک کا خاص خیال رکھینگے۔ لہذا آپ جب چاہیں۔ اپنے ودیارتھیوں کو بھیج دیں۔ لیکن بہتر یہ ہوگا۔ کہ آپ جس قدر جلد ہوسکے بھیج دیں۔ کیونکہ ہم انہیں اُن کی تعلیم کے جُدا جُدا مقاصد کے مطابق کام میں لگانے کے خواہاں ہیں +

اپنے ایک دوسرے خط میں لکھا۔ میرے اس خط کا مقصد آپ کو اس امر کی اطلاع دینا ہے۔ کہ میں نے آپ کے نوجوان اہل ملک کو ایسے مقامات پر بھیجنے سے متعلق اور بھی امور دریافت کر لئے ہیں۔ جہاں وہ

مختلف فنون اور تجارتی کاروبار نہایت عمدہ قسم کے عملی طریقوں سے سیکھ سکیں۔ ہم آپ کے پیرو اور ہم خیال آریہ ودیارتھیوں کو تمام تر کار آمد فنون سکھانے کے لئے اور انہیں اپنی زیر نگاہ رکھنے کے لئے بےچین و مضطرب ہیں۔ یہاں وہ یہ کام اپنے وطن یا کسی دوسرے ملک کی نسبت زیادہ عمدگی سے سیکھ سکینگے۔ اُن کے لئے ایسے راہبروں کی سخت ضرورت ہے۔ جو اُن کو بتا سکیں کہ کس طرح وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں اور ناکامی سے بچ سکتے ہیں۔ اور اپنے وقت کا بہترین مصرف کر سکتے ہیں۔ آریہ ودیارتھیوں کے لئے یہ بار میں اپنے ذمہ لے سکتا ہوں۔ میں اپنے جسم و جان میں اور اُن میں ایک روحانی رشتہ محسوس کرتا ہوں۔ اس لئے اُن کی محافظت کا کام میں ذمہ داری اور توجہ سے سرانجام دُونگا۔ اُن کو میں کسی دوسرے کی نگرانی میں نہ چھوڑونگا۔ خواہ مجھے اپنے یوروپین طلبا کی نگرانی کے لئے دوسرے اصحاب کو مقرر کرنا پڑے "

آپ نے ۳۰ ستمبر ۱۸۸۰ء کو پھر لکھا ہے۔"آپ کے بیٹے ہم سے مادی ہنر اور علوم نیز صنعت و حرفت بخوشی تمام سیکھ سکتے ہیں۔ ہم کو آپ کی ترقی سے حسد نہیں ہوگا۔ میں غریب والدین کے لڑکے لینے اور انہیں قابل اصحاب سے تعلیم دلوانے کو تیار ہوں۔ ذرا وقت گزر لے۔ اور ہماری آمدنی اس قابل ہو جائے تو میں آپ کے غریب طلبا کو فوراً یہاں منگوا لونگا۔ اُن کو بہت تھوڑی فیس پر یا بالکل مفت تعلیم دلواؤنگا اور اُن کی ترقی میں اُنہیں امداد دُونگا"

ویس صاحب کے ان خطوط سے صاف ظاہر ہے۔ کہ مہاراج بھارت

ہیں صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے لئے بہت بڑی کوشش فرما رہے تھے۔ اُن کا ارادہ تھا۔ کہ یہ علوم سیکھنے کے لئے کچھ لڑکے ممالک غیر کو روانہ کئے جائیں۔ اُنہوں نے لاہور اور دیگر مقامات کے آریوں کو صنعت و حرفت سیکھنے کے لئے ہندوستان سے باہر جانے پر تیار بھی کیا۔ لیکن اس مقصد کی سرانجام دہی کے لئے آدمی اور روپے دونو کی ضرورت تھی۔ ان کی کمی کو رفع کرنے کے لئے رات دن کام کرتے تھے۔ اگر زمانہ کی گردش اُن کے رستہ میں رکاوٹ نہ ڈالتی تو وہ اس کام کو عملی طور پر سرانجام دے چکے ہوتے۔ اُن کی اس ہمت کو دیکھ کر یہ کہنا چنداں نا درست نہ ہوگا۔ کہ سوامی جی مہاراج پہلے آدمی تھے جنہوں نے قومی حالت کی اصلاح کے لئے، اس کی کشتی کو افلاس کے بھنور سے بچانے کے لئے اور برادران وطن کی مالی مشکلات کو رفع کرنے کے لئے محنت و کوشش کی۔ سوامی جی جہاں لوگوں کی روحانی پیاس کو بجھانے کے لئے کام کرتے تھے۔ وہاں اُن کی جسمانی بھوک کو مطمئن کرنے کے لئے صنعت و حرفت کی آسانیاں بہم پہنچانے کی طرف بھی اُن کا خیال تھا۔ وہ بڑے باہوش و باخبر تھے۔ اُن کی نگاہ دور رس تھی۔ وہ اس رمز سے آگاہ تھے۔ کہ کبوتر کے مانند آنکھیں بند کر لینے سے بھوک کی بلی سے جان نہیں بچ سکتی۔ نہ کوئیں کا مینڈک بننے سے قومی خلاح کا کام سرانجام پا سکتا ہے۔

اس عظیم الشان ہستی کی بزرگی میں ہم سب سے پہلا درجہ نہ دکھائی دینے والے پرماتما کی پرستش کو دیتے ہیں۔ ہمارے پاس تاریخ کے زبردست ثبوت ہیں۔ کہ مذہبی اختلاف رائے ہونے کے بعد سوامی جی پہلے مہاپرش تھے۔ جنہوں نے

اِس طرح کی پُوجا شروع کی اور بُتوں کو پرستش گاہ دل سے نکال کر خارج کر دیا ٭
مہاراج کی دوسری عظمت اُن کی ویدوں پر عقیدت ہے۔ گو جتنے بھی مت ہیں اور جتنے چھوٹے مذاہب ہیں۔ اُن سب میں وید کا درجہ بلند تسلیم کیا جاتا ہے۔ مگر اُن کے خیالات و عقائد وید سے اس قدر اختلاف رکھتے ہیں جس قدر رات دن سے یا سایہ روشنی سے۔ سوامی جی نے صرف وید کا سہارا لیا۔ اور اُس کے احاطہ کے باہر پیر نہ رکھا ٭
کُتب مقدسہ کی رُو سے مستورات کو آزادی کا درجہ دینا اور اُن کو وید کے مُطالعہ کے اختیارات تفویض کرنا سوامی جی کی تیسری خوبی ہے۔ اُن سے پہلے کے آچاریوں میں یہ فراخ دلی نہ تھی ٭
سوامی جی کی چوتھی بزرگی یہ ہے کہ آپ نے شودروں کی اصلاح کی۔ بھیل کول اور بھریہ وغیرہ لاکھوں آدمی آریوں میں اچھوت سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے آدمی بھی ہندوستان میں پائے جاتے ہیں۔ جو ان کے سائے سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ اس تنگ دلی کا جو نتیجہ ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ سوامی جی نے تمام شودروں کو آریوں کا حصہ بیان کیا۔ اور اپنے اصلاح کے کام میں سے اس بھاری غلطی کو' اس نفرت کے اختلاف کو اور بے بنیاد غرور کو نکال ڈالا ہے اور اچھوت کا سوال اُڑا دیا ہے۔
آریہ دھرم میں جب سے آچاریہ چکّر چلا ہے۔ جب سے متوں کی قائمی ہوئی ہے۔ اور جب سے اصلاح کا کام کرنے والے بڑے آدمی پیدا ہونے لگے ہیں۔ تب سے یہ عظیم الشان مرتبہ سوامی دیانند ہی کو حاصل ہوا ہے۔ جنھوں نے دوسری قوموں اور دوسرے مذہبوں کے آدمیوں کے لئے آریہ دھرم کے دروازے کھول دئے۔ اب جو چاہے آریہ دھرم

میں آجائے۔ اُسے روکنے کی کسی میں طاقت نہیں۔ انصاس میں یہ عظمت ہمیشہ یاد رکھی جائیگی ؎

پُرانے خیال کے پنڈت لوگ لوگوں کی بہتری کے کام میں دل نہیں دیتے۔ رام کا نام رٹنے والے بھگت خدمتِ خلق میں وقت نہیں لگاتے۔ بلکہ اس قسم کے کاموں سے نفرت کرنے لگتے ہیں۔ بہت تھوڑے سنت ایسے گزرے ہیں۔ جنہوں نے اپنے پیروؤں کو پرچار اور خدمت کے کام کی تلقین کی۔ لیکن جس طرح دُنیا کی کامل بہتری کرنا سوامی جی نے آریہ سماج کے مقاصد میں خاص جگہ رکھا ہے۔ قومی کام کے لئے جس طرح دوڑ دھوپ کی اور وسیع پیمانہ پر صنعت و حرفت کے کام کی ابتدا کی۔ اس سے پہلے آج تک کسی نے نہ کی تھی ؎

ویدک زمانہ کے بعد آریہ ورت میں جتنا مذہبی لٹریچر جمع ہوا ہے اُس میں نشکریہ واد (ترک فعل) کو بہت اونچا درجہ دیا گیا ہے۔ اور اُسے خود دھرم کہا گیا ہے۔ ایسے لٹریچر میں کرم (فعل) کی بہت مذمت کی گئی ہے اور یہاں تک کہ اسے جاہلوں کی باندھنے کی کھونٹی کہا گیا ہے۔ اور کرم کی مذمت کرتے کرتے کئی مہاپُرش تو یہاں تک پہنچ گئے۔ کہ اُنھوں نے کرم کانڈیوں کو حیوان کہنے سے بھی دریغ نہ کیا ؎

ہم مانتے ہیں۔ کہ اس خیال کے آثار مہابھارت کے وقت ہی میں نظر آنے لگے تھے۔ اور اُنہیں مٹانے کے لئے بڑے کرم یوگی سری کرشن دیو نے پورا زور لگایا تھا۔ وہ اُس وقت تو کچھ دب گئے۔ لیکن اڑھائی ہزار سال بعد ایسے زور سے ظاہر ہوئے۔ کہ سارا لٹریچر چکا چوند ہوگیا۔ بدھ مہاراج کے پرچار نے اس خیال کو بہت تقویت دی۔ اور

وہی زمانہ اس خیال کے شباب کا زمانہ کہا جا سکتا ہے ؛

مگر اس ترک دنیا و عمل کے خیال پر عمل درآمد کوئی شخص بھی نہیں کر سکتا - کیونکہ فعل کے بغیر کوئی شخص زندہ نہیں رہ سکتا - اپنے خیالات کے اظہار کے لئے بھی فعل کی ضرورت ہے - اور تو اور نشکریہ واد ایک دھرم ہے یہ سمجھنا - اس کا تصور کرنا اور اس خیال کو پھیلانا بھی فعل کی حدود میں آجاتا ہے ؛

کائنات میں کرم (فعل) خود بخود جاری ہے - ہر ایک ذرہ میں حرکت ہے - اگر ایک بھی ذرہ ایک لمحہ کے لئے ساکن ہو جائے - تو ساری کائنات کی حرکت بند ہو جائے - اور وہ تباہ تباہ و برباد ہو جائے ہمارے اجسام اس کائنات کا ایک حصہ ہیں - جو اصول دنیا میں رائج ہے - وہی ہمارے جسم پر حکومت کرتا ہے - اس لئے اس دنیا و فعل میں سکون کامل کا خواب دیکھنا بھی ناممکن ہے ؛

کام نہ کرنا دھرم نہیں - دھرم تو کام کرنا ہے - محنت اس کا جزو خاص ہے - لہذا علما نے دھرم کی خاصیت پریرنا (تحریک) قرار دی ہے - اسے اس دنیا اور آنے والی دنیا کے سکھ کا ذریعہ بیان کیا ہے - تمام قسم کے دھرموں کی تشریح و توضیح کرنے والے مہاراج منو نے بھی دھرم کے لکشن کرم والے ہی بیان کئے ہیں ؛

اگر فعل نہ کرنا دھرم ہے - تو بکریاں اور بھیڑیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں - ان کی گفتگو محض ممیانے تک محدود ہے - اس لئے راستبازوں میں ان کا مرتبہ سب سے بلند ہونا چاہیئے - بھولے بھالے ہرن انسانی قدموں کی چاپ سن کر کوسوں دور بھاگ جاتے ہیں - کبھی کسی کو ضرر نہیں پہنچاتے - مگر کرم وادی

اُن کو رحم دل نہیں مانتے۔ ایک اندھا بہرا گونگا لُنجا آدمی بن میں زندگی کے دن بسر کرتا ہوا نہ بُرا بولتا ہے نہ بُرا کرتا ہے۔ مگر وہ رشی نہیں کہلا سکتا۔ پاگل یا بیہوش آدمی بُرے خیالات سے خالی ہو جاتا ہے۔ پر وہ مہاتما نہیں بن جاتا۔ خواب غفلت میں آدمی بُرا کرم نہیں کر سکتا۔ مگر وہ وقت نیکی کا وقت نہیں کہا جاتا۔ بُرے خیالوں کو اور بُرے کاموں کو نیک کاموں اور ارادوں سے دھکے دے کر دل کے اندر سے نکال دینا اُنہیں اپنے نزدیک نہ آنے دینا نیکی جمع کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس میں فعل کی حرکت کی ضرورت ہے اور یہی دھرم ہے۔

آریوں نے جب سے اس نشکریہ واد کا خیال اپنایا۔ تب سے اُن کا تنزّل شروع ہوا۔ قوم کے جو بہترین بیٹے ہوتے ہیں۔ وہ عموماً مذہبی خیال کے ہوتے ہیں۔ سوسائٹی کے لئے اُن کی زندگی بڑے مصرف کی ہوتی ہے۔ اُن کا سوسائٹی سے الگ ہو جانا قوم کے لئے موجب ضرر ہوتا ہے۔ نشکریہ واد کے مقلد لوگوں سے پرے بھاگتے ہیں۔ اُن کو اصلاح اور خدمت کے خیال اپیل نہیں کرتے۔ بلکہ اُن سے اُلٹا نفرت کرنے لگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ان کے لٹریچر میں محنت و کوشش کی توہین کی گئی ہے۔ خانہ داری کو گناہ اور اسیری کہا گیا ہے۔ والدین اور رشتہ داروں کو دُکھ کا موجب بتایا گیا ہے۔ اور کشتری (سپاہی) کے عمدہ کام کو قابل تعریف نہیں خیال کیا گیا۔ آریہ قوم کے کئی منوّر دماغ آدمی اسی اُلجھن میں پھنس کر اپنی عظمت برباد کر گئے۔ اور اُنکی بلند مرتبہ ہستی سے لوگ فائدہ نہیں حاصل کر سکے۔

اِسی نشکریہ واد کی بیل کا پھل تیاگ واد (سب کچھ چھوڑ دو) ہے تیاگی کہلانے میں لوگ جب سے نجات اور بڑائی سمجھنے لگے ہیں تبھی سے اس قوم

میں کئی قسم کی تباہیاں اور بربادیاں داخل ہو گئی ہیں۔ اب یہاں لاکھوں تیاگی بسنے لگے ہیں۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے۔ اُن کے جھونپڑوں کے پاس اُن کے غاروں کے قریب روز روشن میں اُن کا دھرم دھن لُٹا جا رہا ہے۔ لوگ اپنا قدیم مذہب چھوڑ رہے ہیں۔ یتیم بلبلا رہے ہیں۔ اور کسانوں کی آہ و زاریوں سے زمین و آسمان ہل رہے ہیں۔ اسے دیکھ کر غریبوں کے دل پگھل جاتے ہیں۔ مگر یہ تیاگی ہیں۔ کہ بُرے دن کے دلے ہوئے غریب ہم قوموں پر دور کھڑے مہربانی کا اظہار کرنے سے بھی ہچکچاتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اُنھوں نے تیاگ (ایثار) کے معنی چھوا چھوت سمجھ لئے ہیں اور اس کا نتیجہ نفرت کرنا۔ الگ ہو جانا۔ تنگ دل بننا اور مصیبت زدہ لوگوں کو بھی امداد نہ دینا ہے*

مگر اعلیٰ تیاگی وہ ہے۔ جس نے نفرت کو ترک کیا ہے۔ دشمنی کو ترک کیا ہے۔ غرور کو ترک کیا ہے۔ دوسرے کے آرام کے لئے اپنی جان تنک کو بھی قربان کر دینا اصلی تیاگ ہے۔ یہ تیاگ ایشور بھگتی اور لوگوں کی خیر خواہی سے پیدا ہوتا ہے۔ سوامی جی نے سماج کا سنسکار کرتے وقت کرم کے دھرم کو قائم کیا۔ اور کئی جگہ کہا۔ کہ دوسروں کا نقصان گناہ اور دوسروں کی بہبودی نیکی کا دوسرا نام ہے۔ اور اپنی کتب میں گرہستھ وغیرہ چاروں آشرموں میں اور چاروں ورنوں میں نجات کا ذکر کیا ہے*

مہاراج نے وید بھاشیہ کے بھاؤ ارتھ میں محنت کے لئے کئی عظیم الشان اقوال لکھے ہیں۔ چنانچہ رگوید ۲-۲۷-۳ میں بیان کرتے ہیں۔ کہ کسی شخص کو محنت سے عار نہ ہونا چاہئے۔ رگوید ۱-۴-۷ میں لکھا ہے۔ ایشور اُس شخص پر مہربانی کرتا ہے۔ جو محنتی ہے۔ نہ کہ کاہل پر۔ جب تک آدمی

ٹھیک طور پر محنت نہیں کرتا۔ تب تک ایشور اُس پر کرم نہیں فرماتا۔ اور نہ وہ اپنی محنت سے حاصل کردہ اشیاء کی محافظت کرسکتا ہے۔ پھر رگوید ۲-۴-۱ میں لکھا ہے۔ جو انسان آگ کے مانند پاکیزہ۔ پانی کے مانند سرد۔ شیر کے مانند طاقتور اور ہوا کے مانند متحرک ہوکر بے انصافی کو رفع کریں۔ اُن کو تمام قسم کے آرام حاصل ہونگے ٭

سوامی جی پہلے مہاپُرش تھے۔ جو مغربی ممالک کے لوگوں کے گورو کہلائے۔ جن کو بے تعداد مغربی لوگ گورو۔ آچاریہ اور اپنا دھرم پتا مانتے تھے ٭

جس زمانہ میں سوامی جی ہوئے ہیں۔ اُس سے کئی سال پہلے سے آج تک ایسا ایک ہی آدمی ہوا ہے۔ جو بدیسی زبان نہیں جانتا تھا جس نے اپنے ملک سے باہر پیر نہ رکھا تھا۔ جو سودیش ان جل پر پلا تھا۔ جو خیالات کا سودیشی تھا۔ عادات و خصائل کا سودیسی تھا۔ جو زبان اور لباس کا سودیشی تھا۔ مگر جو ایثار اور قابلیت کی بدولت سب کا محبوب بنا تھا۔ اور جسے اپنے پرائے سبھی احترام سے دیکھتے تھے۔ بلند مرتبہ انگریز اور دیسی والیان ریاست جن کا ادب کرتے تھے۔ یہ مہاپرش سوامی دیانند سرسوتی تھے ٭

سوامی جی کے سوائے بھارت کے اس زمانہ میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہوا جس نے انگریزی نہ سیکھی ہو۔ یا مغرب کی سیاحت نہ کی ہو اور پھر اپنے ملک میں ممتاز ہوا ہو۔ علمی باب میں جس قدر لیڈر آج تک ہوئے ہیں۔ اُن سب پر مغربی زبان یا مغربی دماغ کی مُہر لگی ہے۔ اور اُسی کی بدولت دیس اور بدیس کے بازار میں اُن کا نام فروخت ہوا ہے۔ مگر سوامی جی سر سے پاؤں تک سودیشی تھے۔ اور صرف اپنی خوبی اور قابلیت سے بڑے بنے تھے۔ اُن کو بلند ہونے کے لئے کسی کے کندھوں پر سوار ہونے کی ضرورت نہ ہوئی ٭

سوامی جی غیر جانبداری سے تنقید کیا کرتے تھے۔ اور سب مذاہب پر رائے زنی فرماتے تھے۔ مگر اس کے باوجود اُن میں کوئی ایسی غیبی طاقت تھی۔ کہ وہ اپنے عہد کے تمام علما میں ممتاز اور ہر دلعزیز تھے۔ مسلمانوں کے نامور لیڈر سر سید احمد خاں صاحب سوامی جی کے مدّاحوں میں سے تھے۔ پادری سکاٹ جیسے مشہور آدمی بھی اُن کی عزت کرتے تھے۔ کئی موقع پر انہیں گرجا میں لیکچر کے لئے مدعو کیا گیا۔ لاہور میں مسلمانوں نے اپنا مکان اُن کے قیام کے لئے دیا۔ برامھو سماج کے شری کیشو چندر سین بھی آپ کی تعریف کرتے تھے۔ مہاتما دیویندر ناتھ ٹیگور بھی آپ کے ثنا خواں تھے۔ اور مہادیو گوبند راناڈے تو آپ کی بھگت مالا کے خاص موتی تھے ؞

مہاراج کی اعلیٰ زندگی کا مطالعہ کرتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج تک جس قدر بھی بڑے آدمی گزرے ہیں۔ اُن سب کی تمام خوبیاں اُن میں موجود تھیں۔ وہ خوبی خوبی نہیں۔ جس کا نشو و نما اُن کی ذات میں نہ ہوا ہو۔ اُن کا ہمالہ کی چوٹیوں پر گھومنا۔ بندھیاچل کی جاترا کرنا۔ نرمدا کے کنارے چکر لگانا۔ اور سادھو سنتوں کے درشن کرنا شری رام کی یاد کراتا ہے۔ کرنواس میں کرن سنگھ کی بجلی کے مانند چمکتی ہوئی تلوار کو دیکھ کر بھی مہاراج نہ گھبرائے اور اُسے کہنے لگے۔ کہ رُوح امر ہے اجر ہے۔ اور اسے کوئی برباد نہیں کر سکتا۔ یہ واقعہ اور ایسی ہی دیگر باتیں شری کرشن کی تصویر کو سامنے کھڑا کر دیتی ہیں۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ سامنے کھڑے بول رہے ہیں ؞

اپنی پیاری بہن اور چچا کی موت پر ویراگ کے خیال سے لنگوٹی باندھ کر بنوں میں پھرنا۔ اور سخت ریاضت کرنا اور آخر میں موت کو فتح کر کے پرماتما کے برمھ آنند میں محو ہو جانا مہاتما بُدھ کی زندگی کے مانند

ہے۔ دین دکھیوں اپاہجوں اور یتیموں کو دیکھ کر سوامی جی کے دل
میں وہ جذبات موجزن ہو جاتے ہیں۔ جو یسوع مسیح کے دل میں تھے۔
قابل پنڈتوں کے روبرو سوامی جی شنکرا چاریہ کی صورت میں جلوہ گر
ہوتے ہیں۔ ایک ایشور کا پرچار کرتے وقت اور باہمی اخوت کے خیال
پھیلاتے وقت سوامی جی حضرت محمد صاحب معلوم ہوتے ہیں۔ ایشور
کے بھجن گاتے ہوئے جب سوامی جی اپنے آپ کو بھول جاتے تو اُن
کی آنکھوں میں ایشور پریم کے آنسو آجاتے۔ اور اُن کے رخسارے
اس محبت کے پانی سے تر ہو جاتے۔ اُس وقت سنت رامداس۔
کبیر۔ نانک۔ دادُو۔ چیتن اور تُکارام کا سماں بندھ جاتا ہے۔ اور
سوامی جی اُن سب میں ممتاز نظر آتے ہیں۔ آریہ تمدّن کی محافظت
کے وقت وہ بہادر پرتاپ۔ شواجی۔ اور گورو گوبند سنگھ کی شکل اختیار
کر لیتے ہیں ٭

آپ کی زندگی کو جس پہلو میں دیکھیں۔ اُسی میں خوبصورت معلوم
ہوتی ہے۔ تیاگ اور ویراگ کی اُس میں کمی نہیں۔ شردھا اور بھگتی
اُس میں بہت زیادہ ہے۔ اُس میں گیان ہے۔ منطق ہے۔ وہ
پریم اور محبت کا سرچشمہ ہے۔ مہربانی اور کرم کا جذبہ اُس میں
کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ وہ تیج ہے۔ اوج ہے۔ پرتاپ ہے۔
لوگوں کا خیر خواہ ہے۔ اور سولہ کلا سمپورن ہے۔ اوم شم

ویراگ کانڈ

پہلا باب

سوامی دیانند بلند طبقہ کے سنّیاسی تھے۔ سنیاسیوں
کو اپنی مرجادا کا بہت خیال ہوتا ہے۔ وہ اپنے والدین
اور وطن کے بارے میں خاموش ہی رہتے ہیں۔ اس
باب میں وہ زبان کھولنا گناہ سے کم نہیں سمجھتے
سوامی دیانند نے بھی کسی کو یہ نہیں بتایا۔ کہ اُن کے

والدین کون تھے اور وہ کہاں پیدا ہوئے تھے۔ وہ گجرات گئے۔ کاٹھیاواڑ میں پھرے۔ راجکوٹ میں اُنہوں نے اپنے لیکچروں سے تہلکہ مچا دیا۔ مگر وہ کہاں کے رہنے والے تھے اور اُن کے والدین کون تھے۔ یہ کسی کو معلوم نہ ہُوا ۔

والدین اور وطن کے بارے میں اس قدر محتاط رہنے کی وجہ تھی۔ وہ جانتے تھے۔ کہ گجرات کے باشندوں میں بچوں کی محبت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر اُن کو پتہ مل جاتا۔ تو والدین اُن سے اکثر ملتے رہتے، گھر کے معاملات کا ذکر چھیڑتے رہتے۔ اور نتیجہ یہ ہوتا۔ کہ محبت کا رُکا ہُوا سوتا بہنے لگ جاتا۔ سوامی جی اس سے ڈرتے تھے۔ اُنہوں نے خدمت کا عہد کیا تھا۔ وہ ٹوٹ جاتا۔ اُنہوں نے جس کام میں ہاتھ ڈالا تھا۔ وہ پورا نہ ہو سکتا۔ جو برت دھارن کیا تھا۔ وہ بھنگ ہو جاتا ۔

کرنل الکاٹ اور دیگر احباب نے سوامی جی سے باصرار کہا۔ کہ ہندوستان، امریکہ اور یورپ میں آپ کے جو پیرو ہیں۔ اُن کی دلی آرزو ہے۔ کہ آپ کی مُقدس و متبرک زندگی کے حالات سے واقف ہوں۔ اس لئے آپ اپنی سوانح عمری تھیا سوفسٹ

نامی رسالہ میں شائع کرا دیں۔ سوامی جی نے یہ درخواست قبول کر لی۔ اور اپنی زندگی کے خاص خاص واقعات اخبار میں دے دیئے۔ مگر اپنے وطن اور والدین کے متعلق اتنا ہی لکھنے پر اکتفا کیا۔ کہ میں مچھو کاٹیا ندی کے کنارے ریاست موروی کے ایک قصبہ میں براہمن خاندان میں پیدا ہُوا۔ میرے باپ کی ذات اودیچیہ براہمن ہے۔ وہ زمیندار تھے۔ اور سرکاری عہدے پر متعین۔ اُنہیں انتظام قائم رکھنے کے لئے کچھ فوجی سپاہیوں کی خدمات حاصل تھیں۔ اس کے علاوہ اور کچھ اُنھوں نے نہ قلم سے بتایا۔ نہ زبان سے۔ سنیاس کی مرجادا نے دونو کو باندھ رکھا تھا۔ اس کے متعلق باقی تحقیقات قیاس کی حد سے باہر نہیں جاتی +

قابل تعظیم مرحوم پنڈت لیکھرام جی اس بارے میں بے حد تحقیقات کے بعد اس نتیجے پر پہنچے تھے۔ کہ سوامی جی موروی نگر میں پیدا ہوئے تھے۔ اُن کے والد صاحب کا نام امبا شنکر تھا۔ اور سوامی جی کا مول شنکر۔ پنڈت جی نے سوامی جی کا سنہ پیدائش سمت ۱۸۸۱ قرار دیا ہے اور یہی سنہ خود سوامی جی نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں درج کیا ہے +

پنڈت لیکھرام جی آریہ مسافر کی تحقیقات کی بنا پر

کہنا پڑتا ہے۔ کہ سوامی جی جس وقت پیدا ہوئے
اُس وقت ملک زبردست انقلاب کی حالت میں سے
گذر رہا تھا۔ اور ملکی طاقت کا شیرازہ بکھر چکا تھا۔
راجپوتانے کی صف شکن طاقت میں نہ آگے بڑھنے
کا جوش تھا۔ نہ اپنی جگہ کھڑا رہنے کی طاقت۔ اب
وہ بنجر زمینوں اور پہاڑی غاروں میں جا سوئی تھی۔
مہاراشٹر کی فوجی طاقت انگریزوں سے ٹکرا رہی تھی۔
اور پیشوا نیز سندھیا کی آزادی چراغ سحری کا منظر
پیش کر رہی تھی۔ باقی رہے نیپال کے سورما۔ اُنہوں
نے ملک میں جنگ کی آگ بھڑکائی ضرور تھی۔
مگر اب اپنے کوہستانی سلسلہ میں واپس جا رہے تھے۔
اُس وقت ایسٹ انڈیا کمپنی کے قائم مقام لارڈ
ایمہرسٹ ہندوستان کے کئی حصوں پر حکومت کر
رہے تھے۔ برما کی آزادی خطرے میں تھی۔ اور
اُس کا تباہ و برباد ہو جانا امر یقینی بن چلا تھا؛
دوسری طرف شیر پنجاب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے
نعرے پنجاب کے طول و عرض میں گونجتے تھے۔
اُن کی طاقت سارے صوبے پر چھا گئی تھی۔ اور
اتنا ہی نہیں۔ اُن کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر
کابل اور جلال آباد کی دیواریں بھی کانپنے لگ
جاتی تھیں؛

قصہ کوتاہ ملک میں بد امنی تھی۔ لوگ سہمے سہمے رہتے تھے۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کو کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ اُن کے مظالم کے قصے زبان زدِ خلائق تھے۔ کسی کو اپنے جان و مال کی سلامتی کا یقین نہ تھا۔ کون کہہ سکتا تھا۔ کہ آج کیا ہے اور کل کیا ہو جائیگا۔ چاروں طرف تباہی مچی ہوئی تھی۔ مگر اس کے ساتھ ہی لوگوں کی مجلسی حالت بھی بے حد افسوسناک تھی۔ چپہ چپہ توہمات میں بندھا تھا۔ بیواؤں کے جسم اندر ہی اندر اس طرح جل رہے تھے۔ جیسے چتا کی آگ سُلگ رہی ہو۔ باہمی بغض و عناد اور ذات پات کے سوال نے بھی خوفناک صورت اختیار کر رکھی تھی۔ یہ گھر کی اندرونی حالت تھی۔ باہر سے عیسائی لوگ اپنے مذہب کی اشاعت کے لئے ہر قسم کے ہتھیاروں سے مُسلح ہو کر حملہ آور ہو رہے تھے۔ یہ حملے معمولی نہ تھے۔ ان میں زور تھا۔ ہندو دھرم کی دیواریں کانپنے لگیں۔ اول اول عیسائیوں نے تعلیم کو اشاعت کا ذریعہ بنایا۔ کامیابی سامنے کھڑی تھی۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہ تھی۔ حکومت کے مذہب میں کشش ہوتی ہے۔ اور ترغیب۔ مگر جب اس کے ساتھ رفاہ عام اور بہبودیِ خلائق بھی شامل ہو جائے۔ تو پھر یہ کشش زیادہ ہو جاتی ہے۔

نئے تعلیم یافتہ لوگ خوشی سے عیسائی ہونے لگے ۔
اُس وقت کروڑوں ہندو مذہبی کتب کو پڑھنے کے تو درکنار سُننے کے مستحق بھی نہ سمجھے جاتے تھے۔ توہمات کا ایسا اثر تھا۔ کہ سمندر جانا سے، ممالک غیر کو جانے سے اُن کا دھرم بگڑ جاتا تھا۔ اُس وقت ہندوستان میں جہالت اور لامذہبی کا دور دورہ تھا۔ مغربی فیشن مشرقی تہذیب پر حملہ کر رہے تھے۔ پرانے رسم و رواج اس طرح متزلزل تھے۔ جس طرح آندھی میں درخت ہلتے ہیں۔ نیا تمدن پرانی تہذیب کو نگلنے کے لئے مُنہ کھول کر لپک رہا تھا۔ کوئی زندہ ملک ہوتا۔ تو مقابلہ میں سروں کی بازی لگا دیتا۔ مگر ہندوستانی لاپروا تھے۔ اُنہیں اس بات کا خیال تک نہ تھا۔ کہ ہمارا بھی کچھ فرض ہے۔ چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس تاریکی میں کبھی کبھی برھم وِدّیا کی روشنی اپنی چمک دکھا جاتی تھی۔ جیسے مایوسی میں کبھی کبھی اُمید کا خیال ٹوٹے ہوئے دلوں کو ہمت بندھا جاتا ہے۔ ورنہ ہر جگہ نا اُمیدی کے ڈیرے لگے ہوئے تھے ۔

اِس طرح کی مایوسی کی حالت تھی۔ جب سمبت ۱۸۸۱ میں ایک اقبال مند گھرانے میں سوامی دیانند کا ظہور ہوا۔ والدین کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ یہ اُن کے ہاں پہلا

لڑکا ہُوا تھا۔ دل خوشی کے ہچکولے لینے لگے۔کئی دن تک جشن ہوتے رہے۔ اپنے آدمی نصیبوں کو سراہتے تھے۔غیر مبارک باد دیتے تھے۔گجرات میں ابھی کرم دھرم کا خیال کسی حد تک زندہ تھا۔اس ہونہار لڑکے کے سنسکار کئے گئے۔ اور باقاعدہ طور سے کئے گئے۔ اُن کے دل سے کبھی مرجادا کا خیال اوجھل نہیں ہُوا۔ ان مواقع پر اُنہوں نے جی کھول کر خرچ کیا۔اور غربا کو دان دیا۔

مول شنکر باپ کے سائے اور ماں کی گود میں بڑھنے لگا۔جس طرح شکل پکش کا چاند آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا ہے۔ رشتہ دار دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔ اسی طرح پانچ سال نکل گئے۔اور مول شنکر کی تعلیم کا زمانہ شروع ہُوا۔والدین اپنی مذہبی اور تمدنی باتیں بھی ساتھ ہی ساتھ سکھانے لگے۔مول شنکر کو جو چند سال بعد اپنے زمانے کا فاضل اجل ریفارمر بننے والا تھا۔ کئی قسم کے شلوک، منتر، اور ستوتر حفظ کرائے گئے۔

آٹھویں سال میں یجیو پویت سنسکار ہُوا۔ اور بڑی دھوم دھام سے ہونہار بچّے نے گایتری اور سندھیا کرنے کا طریقہ سیکھا۔اُن کے والد صاحب اودیچیہ براہمن ہونے کی وجہ سے سام ویدی تھے۔ مگر اُنہوں نے اپنے بیٹے کو رودرا دھیائے کی تعلیم کے بعد یجر وید پڑھانا

شروع کیا۔ مول شنکر کے خاندان کے سبھی لوگ شیو تھے۔ اور خاص کر اُن کے والد صاحب تو اصلی معنوں میں شیو جی کے اُپاسک تھے۔ اس لیئے قدرتاً ان کی دلی آرزو تھی۔ کہ وہ بھی اسی خیال کے مرید، اسی دیوتا کے بھگت بنیں۔ اُن پر یہ رنگ چڑھانے کی کافی کوشش کی گئی۔ اُن کے والد صاحب اپنے مذہب کے برت رکھنے پر بہت زور دیا کرتے تھے۔ اور اُن سے اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ شو جی کی پوجا کیا کرو۔

سمت ۱۸۹۰ تک کہ سوامی جی نے اپنی عمر کے دسویں سال میں قدم رکھا۔ وہ معمولی طور پر پوجا پاٹ کرتے رہتے تھے۔ مگر اُن کے والد صاحب اس پر مطمئن نہ تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ کہ ان کا بیٹا کامل طور پر شیو سمپردائے کی تقلید کرے۔ برت رکھے۔ رات کو جاگے اور شو جی کی کتھا سُنے۔ مگر ماں کی ممتا بھی آخر کوئی شے ہے۔ وہ اس تپسیا کے رستے میں کھڑی ہو جاتی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کو بھوک سے بیتاب، اور رت جگے کے باعث بے چین نہ دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لئے اکثر اپنے خاوند سے کہہ دیا کرتی تھی۔ اور اصرار کے ساتھ۔ کہ ابھی یہ نازک بچہ اس قسم کے سخت

اور تکلیف وہ برت وغیرہ کے قابل نہیں ہے۔ مگر وہ ارادے کے پکے تھے۔ دُھن کے دھنی۔ مول شنکر کو شوالے میں کتھا میں۔ پوجا میں ہمراہ لے جاتے اور سمجھایا کرتے۔ کہ شو کی پوجا سے بڑھکر دنیا میں اور کوئی برکت نہیں +

اسی طرح جب چودہ سال گذر گئے۔ تو مول شنکر کو یجروید حفظ ہو چکا تھا۔ دوسرے وید بھی دیکھتے رہتے تھے۔ اور ویاکرن کی بعض کتابیں بھی پڑھ چکے تھے۔ اسی سال اُن کے باپ نے انہیں شوراتری کا برت رکھنے کا حکم دیا۔ مگر وہ تیار نہ ہوئے۔ تب اُن کے سامنے اس برت کی عظمت اور اس کے نتیجے کے طور پر حاصل ہونے والے بہشتی سکھوں سے متعلق مفصل تشریح کی گئی۔ اس سے اُن کے دل میں برت کا شوق پیدا ہوا۔ بھوک برداشت کرنے کو اور رات بھر جاگنے کو تیار ہو گئے۔ ماں نے کہا اس سے برت نہ رکھواؤ۔ یہ بھوکا نہ رہ سکیگا۔ اسے عادت نہیں ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں بیمار نہ ہو جائے۔ مگر امبا شنکر نے ان باتوں پر کان نہ دئے۔ اور کہا۔ کہ اب یہ بچہ نہیں ہے۔ اسے دھرم کرم کا خیال ہونا چاہئے۔ اور برت رکھ کر شوجی کی پوجا کرنا چاہئے

یہ کہہ کر اُنہوں نے اپنے بیٹے کو حکم دے دیا۔ کہ تمہیں آج لازمی طور پر برت رکھنا ہوگا ٭

کاٹھیاواڑ میں یہ برت پھاگن کے بجائے ماگھ ۱۴ بدی کو ہوتا ہے۔ اُس دن شام کے وقت مول شنکر کو سمجھایا گیا۔ کہ دیکھو آج رات تمہیں جاگنا ہوگا۔ ورنہ برت رکھنا بیکار ہے۔ پوجا کا طریقہ بھی بتا دیا گیا۔ اس شہر سے باہر ذرا فاصلے پر ایک شوالہ تھا۔ بھگت لوگ اس رات کو وہیں جاکر پوجا پاٹ اور رت جگا کیا کرتے تھے۔ مول شنکر کے والد بھی اُنہیں وہیں لے گئے۔ شام کا وقت تھا۔ بھگتوں کی منڈلیاں شوالہ میں داخل ہوئیں۔ اُن کے چہروں پر عقیدت تھی۔ ماتھوں پر بھبوت۔ ریشمی دھوتیاں پہنے، ہاتھوں میں صاف پانی سے بھرے ہوئے کلسے اور پوجا کا سامان لئے آہستہ آہستہ وہ مندر میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد اُنہوں نے مندر کے وزنی گھڑیال کو ہرہر۔ بم بم مہادیو کے نعرے مارتے ہوئے جب ہلایا۔ تو ٹن ٹن کی بلند آواز سے جو شوالہ سے بھی بلند تھی۔ شہر والوں کو معلوم ہوگیا۔ کہ شو کے بھگت شوالہ میں جا پہنچے ہیں۔ چراغ جگمگا رہے تھے، سُریلے سروںنروں کی ہم آہنگ آواز ایک

عجیب روحانی سماں باندھ رہی تھی ۔ دھوپ کا دھواں
مندر میں نہ سماتا تھا ۔ وہ باہر کی ہوا کو بھی معطر
کر رہا تھا ۔ پہلے پہر کی پوجا بڑے احترام اور شوق
سے ختم ہوئی ۔ مگر دوسرے پہر کی پوجا میں قدرے
لاپروائی آ گئی ۔ جیسے بچہ نئی چیز سے اکتا جاتا ہے ۔
اب پھر تیسرا پہر آیا ۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نیند
بھی داخل ہوئی ۔ لوگوں کی آنکھیں بند ہونے لگیں ۔
یہ نیند کی مایا تھی ۔ اس نے سب کو بے ہوش کر دیا ۔
اس بیہوشی کا سب سے پہلا حملہ پنڈت امبا شنکر پہ
ہوا ۔ اور اس کے بعد دوسرے بھگت اونگھنے لگے ۔
جو پجاری تھے ۔ وہ نسبتاً محتاط تھے ۔ انہوں نے
اپنی آنکھیں بند نہ ہونے دیں ۔ مگر جب سارے
لوگ سو گئے ۔ تو ان کا دل بھی للچانے لگا ۔ طبیعت
پرستی سی چھا گئی ۔ اب ان کے رستے میں
کھڑا ہونے والا کون تھا ۔ وہ باری باری سے اٹھ کر
باہر گئے اور سو گئے ۔

اس سناٹے ۔ اس سنجیدگی اس تنہائی کے وقت
اس پُر عظمت شوالہ کی چھت کو، دیواروں کو،
فرش کو ۔ پوجا کے ساز و سامان کو اور خود شو جی
کی مورتی کو دو ہی چیزیں منور کر رہی تھیں ۔
ایک چراغ کی تاریکی پاش لو اور دوسری روشن دماغ

مول شنکر کی بیدار طبیعت کی جوت - چراغ کی لو جس
کسی قوت سے محروم ہے - نہ سمجھتی ہے نہ سوچتی ہے -
نہ کسی واقعہ سے سبق حاصل کرتی ہے - نہ کر سکتی
ہے - وہ صرف جلتی ہے اور روشنی دیتی ہے - اگر
بجھنے لگے - تو اپنے آپ کو بچا بھی نہیں سکتی -
مگر مول شنکر کی طبیعت ، مول شنکر کا روشن دماغ -
ایک جیتی جاگتی جوت ہے - وہ ذی حس ہے - ذی
علم ہے - جو کچھ سامنے آتا ہے دیکھتی ہے - جو کچھ
ہوتا ہے سوچتی ہے اور اس سے نتیجے نکالتی ہے -
وہ سوتے نہ تھے جاگ رہے تھے - ان پر نیند
نے اپنا جادو نہ ڈالا ہو - یہ بات غلط تھی - مگر انہوں
نے آنکھیں بند نہ ہونے دیں - پانی کے چھینٹے نیند
کو بھگا دیتے تھے - انہیں خطرہ تھا - کہ کہیں آنکھ
لگ گئی - تو سارا برت ضائع ہو جائیگا - مگر ان کی
حیرت کا ٹھکانا نہ رہا - جب انہوں نے دیکھا - کہ
شوجی کی مورت پر حقیر ناچیز ناپاک چوہے اچھل
اچھل کر چڑھتے ہیں - اور بھگتوں کا چڑھاوا کھا رہے
ہیں - جس طرح بادلوں میں بجلی چمک جاتی ہے -
جس طرح سمندر میں لہریں بلند ہوتی ہیں - اسی طرح
مول شنکر کی طبیعت میں وسوسے اٹھنے لگے - ان
کے دل کے آسمان پر کئی سوالوں کے تارے

چمکنے لگے۔ وہ سوچتے تھے۔ کہ شو کتھا میں تو میں نے یہ سُنا ہے کہ شوجی کے ہاتھ میں ترسول رہتا ہے۔ اُس کی سواری بیل اور اُس کا وطن کیلاش پربت ہے۔ وہ قدِ آدم دیوتا۔ ڈمرو بجانے والا۔ ہتھیاروں سے مُسلح ہے۔ جس پر خوش ہوتا ہے اُسے نہال کر دیتا ہے جس سے ناراض ہوتا ہے۔ اُسے کہیں ٹھاؤ نہیں ملتی۔ وہ پار برھم ہے۔ طاقت اُس کے ہاتھ کا کھلونا اور موت اُس کے ہاتھ کی پتلی ہے۔ تو کیا یہ مورتی وہی مہادیو ہے۔ اس کے سر پہ چوہے کوُدتے ہیں۔ اور یہ اُن کو ہٹا بھی نہیں سکتا۔ کچھ لمحوں تک عقل پریشان رہی۔ اس کے بعد فیصلہ ہو گیا۔ یہ مہادیو نہیں ہو سکتے ہ

دُوسرا باب

کچھ دیر تک اس کشمکش کو اُنھوں نے اپنے سینہ میں دبائے رکھا۔ مگر اُس مُتبرّک نور نے جو قدرتی اور فوری خیال سے پیدا ہُوا تھا۔ اور اُس مترنم نغمہ نے جسے اُن کے دل کے کانوں نے سُنا تھا۔ اُنھیں مجبور کر دیا۔ کہ وہ اپنے شبہات اپنے

والد کے سامنے رکھیں ॰

اُنھوں نے اپنے والد کو جگایا۔ اور اُن کے سامنے اپنے شکوک پیش کر دیئے۔ اُنھوں نے نہایت ہی عاجزانہ پیرایہ میں پوچھا" کیا یہ وہی دیوتا ہے۔ جس کی کتھا میں ایک مُدّت سے سُن رہا ہوں۔ یا یہ مورتی جو ایک معمولی کم حقیقت و بے بضاعت چوہے کے سامنے عاجز پڑی ہے۔ کوئی دوسری شے ہے"؟

باپ کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اُنھوں نے گرج دار آواز میں کہا" تو یہ کیا پوچھتا ہے اور کیوں پوچھتا ہے؟ اس وقت جبکہ تمھارا ایک ایک لمحہ شو جی کے لئے وقف ہونا چاہیئے۔ ایسے سوالات بیحد قابلِ اعتراض ہیں" ॰

مول شنکر نے یہ دھمکی سُنی۔ مگر اُن پر اثر نہ ہُوا۔ جس افضل و برتر ہستی نے اپنے آپ ہی حقیقت کا جلوہ دیکھ لیا تھا۔ جس برگزیدہ رُوح نے ایک معمولی واقعہ سے غیر معمولی نتیجہ نکال لیا تھا۔ اُس کا مُنہ خفگی کے الفاظ بند نہ کر سکے۔ ان میں یہ طاقت نہ تھی نہ ہو سکتی تھی۔ مول شنکر مستقل مزاجی سے بولے۔" پتا جی! جس مہادیو کی کتھا میں نے سُنی ہے۔ وہ مُردہ نہیں۔ اُس میں زندگی ہے۔ حرکت ہے۔ حرارت ہے۔ اگر یہ مورتی ہی مہادیو

ہے۔ تو چوہوں کو اپنا بھوگ کھاتے دیکھ کر اس کے
تیور بدل جاتے۔ مگر یہ خاموش ہے۔ چوہے اس پر
چڑھتے ہیں۔ کودتے ہیں۔ اس کی توہین کرتے ہیں
مگر اسے غصّہ نہیں آتا۔ یہ اپنے آپ کو اس بےعزتی
سے نہ بچاتا ہے۔ نہ بچانا چاہتا ہے۔ اس خاموش
اس مُردہ مہادیو میں مَیں اُس زندہ اُس طاقتور
مہادیو کی موجودگی تسلیم نہیں کر سکتا۔ یہ کیا راز ہے۔
میں نے یہی پوچھنے کے لئے آپ کو جگایا ہے۔

ہونہار لڑکے کے ان مدلّل اعتراضوں کو سُن کر
باپ نے ناصحانہ انداز سے کہا۔ "بیٹا آج کل کلجگ کا
زمانہ ہے۔ مہادیو کو ان آنکھوں سے کوئی دیکھ نہیں
سکتا۔ اس لئے اُس کیلاش پربت کے مہادیو کی
مورت بنا کر اُس کی پوجا کی جاتی ہے۔ جو آدمی
سچے دل سے اُس کا سمرن کرتا ہے۔ مہادیو
اُس پر خوش ہو جاتے ہیں۔ مگر میں تمہارے اعتراض
کے وزن سے انکار نہیں کرتا۔ درحقیقت یہ مہادیو
کی مورت ہے۔ حقیقی مہادیو نہیں۔"

مول شنکر کی تشفی نہ ہوئی۔ البتہ مورتی پوجا سے
کچھ حاصل ہوتا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ اس کا یقین
ہو گیا۔ اُنھوں نے سمجھ لیا۔ کہ یہ مجھے ٹالنا چاہتے
ہیں۔ ان کے پاس میرے اعتراض کا جواب نہیں

اُنہوں نے تصفیہ کر لیا۔ کہ میں جب تک حقیقی مہا دیو کو تلاش نہ کر لونگا۔ تب تک اِس کی پوجا نہ کرونگا ❖

عہد طفلی ہی میں مول شنکر کی عادت تھی۔ کہ کسی بات کو آسانی سے قبول نہ کرتے تھے۔ مگر جب غور و خوض کے بعد کوئی خیال اُن کے ذہن میں بیٹھ جاتا تھا۔ تو اُس پر اس قدر مستقل مزاجی سے ڈٹ جاتے تھے۔ کہ ہزار مُصیبتیں آئیں۔ مگر اپنا خیال نہ بدلتے تھے۔ جب اُنہیں یقین ہو جاتا تھا۔ کہ میرے ہاتھ کی چیز بیکار و بے مصرف ہے تو اُسے آن واحد میں زمین پر پھینک دیتے تھے۔ گویا کہ وہ حقیر تنکا ہے۔ ان کی زندگی کے سوانحات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ صفت اُن کی زندگی کا جزو لاینفک تھا۔ جب تک عقیدت تھی۔ تب تک برت رکھتے تھے۔ پوجا کرتے تھے۔ جاگتے تھے۔ کیا یہ معمولی واقعہ ہے۔ کہ بڑے بڑوں کو نیند لٹا دیتی ہے۔ مگر مول شنکر کی آنکھوں پر اس کا جادو نہیں چلتا۔ وہ تیسرے پہر تک جاگتے ہیں اور سرد پانی کے چھینٹوں سے اپنے آپ کو بیدار رکھتے ہیں۔ مگر جب اُن کی روح پر آفتاب صداقت نے اپنی سُنہری کرن پھینکی اور جب اُن کا دل حقیقی نور سے منوّر ہُوا تو اُنہوں نے اپنے باپ سے صاف الفاظ میں کہہ دیا۔ کہ میں اس پتھر کی مورت میں اُس

بڑے، اُس عظیم الشان - اُس طاقت، عظمت، حشمت والے مہادیو کے درشن نہیں کر سکتا۔

اب اُن کو بھوک کی شدت محسوس ہوئی۔ خیال آیا۔ جسم میں کسلمندی آ گئی ہے۔ جب تک عقیدت تھی۔ تب تک پروا نہ تھی۔ مگر اب جب عقیدت نہ رہی۔ جب خیال بدل گیا۔ تو وہاں بیٹھنا اور جاگنا ایک فعل عبث معلوم ہونے لگا۔ اُنھوں نے باپ سے کہا۔ "گھر چلا جاؤں۔ تو کیا حرج ہے"؟

باپ اپنے بیٹے کی ذہنی قابلیت دیکھ چُکا تھا۔ اُس نے روکنا مناسب نہ سمجھا۔ بولے۔ "گھر جاتے ہو تو جاؤ۔ مگر سپاہی ساتھ لیتے جاؤ۔ اور مُنہ جھُوٹھا نہ کر بیٹھنا۔ برت ٹوٹ جائیگا"۔

خیالات بدل چُکے تھے۔ اب بھُوکا رہنے سے کیا حاصل تھا۔ مول شنکر نے گھر جاتے ہی ماں سے کہا۔ "مجھے بھوک لگی ہے"۔

ماں بولی۔ "میں نے پہلے ہی کہا تھا۔ کہ تو برت نہ رکھ سکیگا۔ مگر اُس وقت تو نے میری نہ سُنی۔ اب بھوک چلاتا آیا ہے"۔

یہ کہتے کہتے اُس نے بیٹے کے سامنے مٹھائی کا تھال رکھ دیا۔ اور کہا۔ "وہ بڑے پکے شیو ہیں۔ اگر اُنہیں معلوم ہو گیا۔ کہ تو نے برت توڑا ہے۔

تو تجھے سزا دئے بغیر نہ رہینگے۔ اس لئے اس معاملہ میں اُنہیں کچھ پتہ ہی نہ لگے تو اچھا ہے"۔

مول شنکر نے کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ اب نیند کے حملے کو روکنے والی عقیدت نہ رہی تھی۔ آنکھوں کے پہریدار خود لیٹے ہوئے تھے۔ مول شنکر سو گئے۔ اور آٹھ بجے سے پہلے نہ جاگے۔ مگر امبا شنکر کو کسی نہ کسی طرح اس واقعہ کا علم ہو گیا۔ گھر میں آتے ہی بولے۔" مول شنکر! تو نے یہ کام اچھا نہ کیا"۔

مول شنکر نے سر ادب جھکا کر جواب دیا۔" جب وہ مہادیو مندر میں موجود ہی نہ تھے۔ تو مجھے بھوکا رہنے سے کیا حاصل ہو جاتا"۔

یہ کہکر اُنہوں نے اپنے پیارے چچا سے کہا۔ کہ میں طالب علم ہوں۔ مجھ سے بھوک برداشت نہیں ہوتی۔ اسی لئے میں نے برت توڑ دیا۔ آپ پتا جی کو سمجھا دیں۔

امبا شنکر کی آنکھیں غصہ سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ مگر بیوی اور بھائی نے یہ کہہ کر اُنہیں مطمئن کر دیا۔ کہ آخر بچہ ہے۔ دن رات پڑھنے میں محو رہتا ہے۔ اُس سے اس قسم کے برت رکھنے کی اُمید رکھنا ٹھیک نہیں اس سے اُس کی صحت خراب ہو جائیگی۔

پہلے پڑھ لینے دیجئے۔ بعد میں بھگتی بھی کر لیگا۔ ہر کام کے لئے وقت مقرر ہے +

ان الفاظ نے امبا شنکر کے غصہ پر وہی کام کیا۔ جو پانی آگ پر کرتا ہے۔ اُنھوں نے مول شنکر کو پوجا پاٹھ کرنے نہ کرنے کی اجازت دے دی۔ مول شنکر اب سارے سارے دن کتابوں پر جھکے رہتے تھے۔ اُن کے مکان کے پاس ہی ایک پنڈت رہتے تھے۔ مول شنکر اُن سے نگھنٹو، نروکت اور بیاکرن پڑھنے لگے۔ ساتھ ہی ساتھ کرم کانڈ کی کتابوں کا بھی مطالعہ جاری رہا۔ اُن کی دو چھوٹی بہنیں تھیں۔ دو بھائی ان کی آپس میں بہت محبت تھی۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہو جاتے تھے۔ اس طرح محبت کے کُرۂ ہوائی میں بستے ہوئے مول شنکر نے سولھویں سال میں قدم رکھا +

اُنہی دنوں ایک دن اُنہیں بمعہ اپنے رشتہ داروں کے ایک دوست کے ہاں جانا پڑا۔ وہاں ناچ کی محفل آراستہ تھی۔ اُنہیں وہاں پہنچے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ مول شنکر کے گھر سے ایک نوکر دوڑتا ہوا آیا۔ معلوم ہوا۔ کہ مول شنکر کی چودہ سالہ بہن کو ہیضہ ہو گیا ہے۔ مول شنکر اور اُن کے رشتہ داروں کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ اُڑتے ہوئے گھر پہنچے۔

اور مریض کا علاج کرنے لگے۔ ویدوں نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی۔ کئی دوائیں دیں۔ مگر مرض میں افاقہ نہ ہوا۔ اُس کا چہرہ سوکھ گیا تھا۔ آنکھوں میں روشنی نہ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کنول کے پھول کو مست ہاتھی نے پاؤں تلے مسل ڈالا ہے۔ نہ اُس میں وہ دلکشی تھی۔ نہ جوبن جو کنوار پنے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ بار بار بیہوش ہوتی تھی۔ ماں باپ کا کلیجہ لرز گیا۔ رشتہ داروں کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ لاکھ کوشش کی، بہت علاج کئے۔ مگر ہ کرم گتی ٹاری نہ ٹرے ہے۔

تمام رشتہ داروں کے سامنے، چار ہی گھنٹوں کے اندر اندر بھائی بہنوں کی شاخ محبت ہمیشہ کے لئے مُرجھا گئی۔ والدین کی بیٹی دیکھتے دیکھتے نذر اجل ہو گئی۔ چراغ کی لو اپنی روشنی کی بہار دکھانے سے پہلے ہی بادِ صرصر کے ظالم جھونکوں سے بجھ گئی۔

جب اِس جوان بچی کی صبر آزما موت سے گھر کے تمام لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑیاں جاری تھیں اور چاروں طرف آہ و بکا کی آوازیں بلند تھیں۔ جب رو رو کر ماں کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ اور رشتہ داروں کے دلوں پر غم کی گھٹائیں

چھا گئی تھیں۔ اُس وقت مول شنکر ہی ایک ایسا آدمی
تھا۔ جو اپنی پیاری بہن کی لاش کے پاس دیوار سے
لگ کر کھڑا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں آنسو نہ تھے۔
مگر چہرے پر جذبات کا ہجوم تھا۔ وہ نہ روتا تھا۔ نہ
بین کرتا تھا۔ نگاہیں لاش پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کی
اس خاموشی کو نہ والدین نے سمجھا نہ رشتہ داروں نے۔
کہا۔ کہ یہ بڑا سنگدل ہے۔ بہن مر گئی ہے۔ مگر اس
کی آنکھ میں پانی نہیں۔ ماں باپ نے بھی یہی خیال
ظاہر کیا۔ مگر مول شنکر کے روبرو اس موت نے ایک
ایسا معمّا رکھ دیا تھا۔ جسے کھولنے کے لئے اُن کی روح
بیقرار و بیتاب ہو رہی تھی +

جس طرح ہوا کا پر زور تھپیڑا کشتی کا رُخ بدل
دیتا ہے جس طرح مہیب چٹان سے ٹکرا کر ندی کا بہاؤ
تبدیل ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح ان کی زندگی کے اس
پُر سحر اور پُر اسرار واقعہ کو دیکھ کر مول شنکر کی دماغی
طاقتوں کا رُخ بدل گیا۔ جس طرح بجلی گرنے سے آدمی
خوفزدہ ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح مول شنکر خوفزدہ ہو گئے
اور سوچنے لگے۔ کہ یہ کیا ہو گیا۔ کیا میری بہن کے
مانند سبھی لوگ ایک ایک کر کے موت کا نوالہ بن
جائینگے۔ تو یقیناً مجھے بھی اُن کی تقلید کرنا ہوگا۔ تو
کیا یہ سچ مچ ایسی عالمگیر شئے ہے کہ کسی کو نہیں

چھوڑتی ۔ کیا یہ جُدائی کے صدمے ہر کسی کو سہنے پڑینگے ۔ یہ بُرا دن ہر کسی کے نصیبوں میں بدا ہے تو معلوم ہوا۔ زندگی فانی ہے۔ پانی کے بلبلے کے مانند اس کا قیام چند ہی لمحوں کے لئے ہے ۔ جس طرح نغمے کا الاپ ہوا میں گونجتا ہے ۔اور آناً فاناً فنا ہو جاتا ہے ۔جس طرح کنول کے پتّے پر پڑا ہُوا شبنم کا قطرہ زمین پر گرتا ہے اور بے نشان ہو جاتا ہے ۔اسی طرح انسانی زندگی کی حقیقت ہے۔ اگر یہ بات سچ ہے جو یقیناً سچ ہے ۔تو کوئی ایسا طریقہ سوچنا چاہیئے ۔کہ اس جنم مرن کے دکھوں سے رہائی ہو ۔ اور ایسی زندگی حاصل ہو ۔جسے کبھی موت نہ آئے +

دو پتھر کے ٹکڑوں کے ٹکرانے سے آگ کی چنگاری نکلتی ہے ۔ مُثبت اور منفی چیزوں کے ملانے سے بجلی پیدا ہو جاتی ہے ۔یہی حالت مول شنکر کی ہوئی ۔ اُن کے دل پر پہلے موت نے چرکا لگایا ۔ یہ خیال ذہن نشین ہو گیا ۔ اس کے بعد عقل نے سوچنا شروع کیا۔ دن کا آرام اور رات کی نیند دونو حرام ہو گئے ۔ نتیجہ یہ ہوا ۔کہ ویراگ کا خیال دماغ میں لہرانے لگا ۔ پہلے دو پتھر ٹکرائے تھے ۔اب آگ کی چنگاری نکلی ۔ اس چنگاری میں ایسی جلنے اور جلانے

کی طاقت تھی کہ اس نے دُنیا کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیا ٭

ملک کی رسم کے بموجب پانچ دن تک اظہار افسوس اور ماتم پرسی کرنے کے لئے لوگ آتے جاتے رہے۔ اور گھر میں آہ و زاریاں ہوتی رہیں۔ مگر سول شنکر نہ روئے نہ چلائے۔ ویراگ کی جہاں سوز آگ نے اُن کے دل کو اس طرح جلا دیا تھا۔ کہ لوگوں کے طعن و تشنیع کے باوجود اُن کی آنکھیں تر نہ ہوئیں۔ اُن میں پانی نہ رہا تھا۔ وہ دن رات اپنے فکر میں محو رہتے تھے۔ آدھی آدھی رات گزر جاتی۔ مگر وہ اسی طرح بیٹھے سوچتے رہتے۔ اُن کے والدین اُن کا ہاتھ پکڑ کر اُنہیں چارپائی پر لے جاتے۔ مگر اس قدر چنتا میں، اس طرح کی امن پاش فکر میں نیند کیسے آسکتی ہے۔ وہ بچھونے پر جا لیٹتے۔ مگر آنکھوں میں نیند پھر بھی نہ آتی۔ سوچتے اس موت کی بیماری کی دوا کہاں ہے۔ وہ کونسی منزل ہے۔ جس پر پہنچ کر موت کا وار بےکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے یخ ہاتھوں کی سرد کر دینے والی اُنگلیاں اپنا مہلک اثر زائل کر بیٹھتی ہیں۔ وہ زندگی کہاں ہے۔ جسے کبھی موت نہ آئے گی۔ اُس کا رستہ کدھر ہے۔ اُس رستہ میں میری کون رہنمائی کریگا۔ انہی خیالات میں

رات گزر جاتی - سوچ سوچ کر اُنہوں نے فیصلہ کن تصفیہ کر لیا - کہ جس طرح بھی ہو سکے مکتی حاصل کرونگا۔ اور جنم مرن کے بندھنوں سے چھوٹ جاؤنگا - یہ فیصلہ کرنے کے ساتھ اُن کے دل سے دُنیا کی محبت دور ہو گئی - اُن کی طبیعت کو گیا ہوا قرار مل گیا - اور دماغ میں نئے نئے خیالات کوندنے لگے ؛

بڑے آدمیوں کی زندگی کا راز اسی قسم کے واقعات ہوتے ہیں - مہاتما بدھ کو بھی موت ہی کے منظر نے بیدار کیا تھا - مگر جو ویراگ مول شنکر کو ہُوا - جو خیال دُنیا کی طرف سے اُن کے دل میں پیدا ہُوا - اُس میں ایک خصوصیت تھی - اُنہوں نے اُسی وقت عزم کر لیا - کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو جائے - میں اب اس ویراگ کی آگ پر دُنیاوی محبت اور رشتہ داری کا گیلا ایندھن ڈال کر اپنا مستقبل دُھواں دھار نہ بناؤنگا مگر اُنہوں نے اپنے ان خیالات کو کسی پر ظاہر نہ کیا - اور اپنے مطالعہ میں مصروف رہے ؛

سمبت ۱۸۹۹ میں مول شنکر کی عمر اُنیس سال کی ہوئی - اس سال اُن کے چچا کو ہیضہ ہُوا - کئی علاج کئے - وید بُلائے - مگر کسی کی نہ چلی -

مرض لا علاج ہوتا گیا۔ اُن کو بستر مرگ پر لیٹے دیکھ کر مول شنکر کا دل پھٹا جاتا تھا۔ جب لوگ اُن کی معلوم نہ ہونے والی نبض پر انگلیاں رکھ کر اُن کی موت کے منتظر بیٹھے تھے۔ اُس وقت انہوں نے مول شنکر کو قریب بُلایا۔ اُن کو ان سے بے حد محبت تھی۔ اُنہوں نے انہیں بڑے پیار سے پالا تھا۔ ان پر اپنی کئی راتوں کا آرام نثار کیا تھا۔ ان سے ہمیشہ کی جُدائی کا خیال کر کے وہ آبدیدہ ہو گئے۔ انہیں روتے دیکھ کر مول شنکر کی بھی آنکھوں سے آنسو بہنے بہنے لگے۔ مگر اُس وقت اُن کا رونا بسورنا نہ تھا۔ بلند آواز سے رونے لگے یہاں تک کہ آنکھیں سُوج گئیں۔ وہ اس شدت سے آج تک کبھی نہ روئے تھے۔ اس دوسری موت نے اُن کے بیراگ پر وہی اثر کیا۔ جو آگ پر ہوا کرتی ہے۔ جس طرح ندی کے سیلاب میں بارش سے اضافہ ہو جاتا ہے۔ جس طرح ہون کنڈ میں گھی ڈالنے سے آگ زیادہ تیز ہو جاتی ہے۔ اُسی طرح اُن کا ویراگ زیادہ پر زور زیادہ زبردست ہو گیا۔

اُنہوں نے دیکھا۔ دُنیا ناپائدار ہے۔ یہاں کسی کو بقا نہیں۔ تباہی دُنیا کی ہر جاندار چیز کو گھسیٹتے ہوئے موت کے مُنہ میں لئے جا رہی ہے۔ میرا

جسم بھی اِسی طرح تباہ ہو جانے والا ہے۔ اس لئے اس سے بچنے کا طریقہ سوچنا چاہئے اور اُس پر پُورا پورا عمل کرنا چاہئے۔ یہ خیالات انہوں نے والدین سے تو چھپائے رکھے۔ مگر دوستوں اور پنڈتوں کے سامنے رکھ دئے۔ کہ نہ مرنے والی زندگی کا رستہ مِل سکے۔

پنڈتوں نے نوجوان محقق کے مرض کا علاج یوگا بھیاس تجویز کیا۔ مول شنکر نے سوچا۔ یہ یوگا بھیاس گھر میں نہ ہو سکیگا۔ اِدھر اُن کے کام کاج۔ ماں باپ کی محبت رستہ میں کھڑی ہو جائیگی۔ بہتر یہی ہے کہ گھر سے کنارہ کشی اختیار کی جاوے۔ سادہ دل نوجوان نے اپنے اس ارادہ سے بھی اپنے احباب کو مطلع کر دیا۔ اور کہہ دیا۔ کہ "میں نے سمجھ لیا ہے۔ کہ یہ دنیا پائدار نہیں۔ نہ اس میں کوئی ایسی شئے ہے۔ جس کے لئے جینے اور جیتا رہنے کی خواہش کی جائے۔ نہ یہاں کوئی ایسی چیز ہے۔ جس کے ساتھ اپنا دل اور اُس کی محبت وابستہ کی جا سکے۔ میری نگاہوں میں یہ اس رنگ سے محرُوم اور پھیکی ہے"۔ احباب نے یہ خیالات ان کے والدین تک پہنچا دئے۔

تاریخ میں ایسے واقعات کی کمی نہیں۔ ترک دنیا

پر آمادہ ہو چکے ہوئے بہادر سورماؤں کو محبت کی زنجیروں میں جکڑنے کے لئے اُن کے رشتہ داروں نے بیاہ ہی کو بہترین ذریعہ سمجھا۔ یہی خیال مول شنکر کے والدین کو سوجھا۔ بیاہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اُنہوں نے فیصلہ کر لیا۔کہ فوراً ہی مول شنکر کا بیاہ کر دیا جائے۔ اُن کو اُمید تھی۔کہ محبت کی اودی گھٹا ویراگ کی آگ کو بجھا دیگی۔جب مول شنکر کو یہ معلوم ہُوا۔کہ اُن کے پھنسانے کو یہ جال پھیلایا جانے والا ہے۔تو اُنہوں نے اپنے احباب کے ذریعے اس کی سخت مخالفت کی۔ یہ مخالفت معمولی نہ تھی۔ امبا شنکر نے اس سال بیاہ کا ارادہ ترک کر دیا ٭

مگر مول شنکر بے فکر نہ تھے۔ اُنہیں یقین تھا۔کہ اکیسواں سال شروع ہوتے ہی بیاہ کے چرچے از سرِ نو شروع ہو جائینگے۔ اُس وقت اس کو ٹالنا آسان نہ ہوگا۔آخر سوچ سوچ کر انہوں نے ایک رستہ نکالا۔ اپنے باپ سے کہا۔کہ اُب مجھے ویاکرن۔جیوتش اور ویدک کی کتب پڑھنا ہے۔اس لئے مجھے کاشی بھیج دیجئے۔وہاں بڑے بڑے پنڈت ہیں۔چند ہی سال میں کچھ سے کچھ بن جاؤنگا ٭

باپ کو معلوم تھا۔کہ بیٹے کا دل دُنیا میں نہیں۔ ترکِ وطن کے طریقے سوچ رہا ہے۔کاشی بھیجنا تو دُور کی بات تھی۔وہ اُنہیں آنکھ سے بھی اوجھل نہ کرنا چاہتے تھے۔آہستہ سے بولے"کاشی جانے کی کوئی ضرورت نہیں۔نہیں جو کچھ پڑھنا ہو۔یہیں پڑھو۔اور اگر سچ پوچھو۔تو جس قدر پڑھ چکے ہو وہی کافی ہے۔اور پڑھ کر کیا کر لوگے۔اب تمہارے بیاہ میں زیادہ دن باقی نہیں۔نہیں گرہستی بننا ہے۔ گرہستھ میں جی لگانا سیکھو"۔

ماں نے کہا"بیٹا! جو لڑکے بہت پڑھ جاتے ہیں۔وہ بیاہ نہیں کرتے۔تمہارے کاشی جانے کا بھی یہی نتیجہ ہوگا"۔

مول شنکر گھبرا گئے۔اُنہوں نے دو تین دفعہ پھر اصرار کیا۔اور آخر میں صاف کہہ دیا۔کہ جب تک میں کاشی جاکر اپنی تعلیم مکمّل نہ کر لونگا۔تب تک ہرگز ہرگز بیاہ نہ کرونگا۔

اس بات سے اُن کی ماتا کا شُبہہ یقین بن گیا۔ اُنہوں نے سختی سے کہا۔تم کاشی کبھی نہ جا سکوگے تمہارا بیاہ عنقریب کر دیا جائیگا۔

مول شنکر سمجھ گئے۔کہ بات بڑھانا نامُناسب ہے۔ اس سے کام بننے کی بجائے بگڑنے کا زیادہ اندیشہ

ہے۔ اُنھوں نے اس کے جواب میں خاموشی اختیار کر لی اور موقع ٹال گئے۔ باپ نے اُن کے دل بہلاوے کی غرض سے زمین کے متعلق کچھ کام اُن کے سپرد کر دیا۔ مگر اُنھوں نے اُس طرف توجہ نہ کی *

اب مول شنکر کو گھر میں ایک ایک دن کاٹنا مشکل ہو گیا۔ ایک دن باپ کے پاس جا کر بولے۔ "آپ نے مجھے کاشی نہیں بھیجا۔ نہ سہی۔ مگر اتنا تو کریں۔ کہ یہاں سے تین کوس کے فاصلے پر ایک پنڈت صاحب رہتے ہیں۔ اُن کے پاس جا کر پڑھنے کی اجازت دے دیں۔ یہ بات معمولی تھی۔ اُن کے پتا نے اعتراض نہ کیا۔ اور مول شنکر وہاں جا کر پڑھنے لگے۔ وہاں ایک دن دوران گفتگو میں بیاہ کا ذکر آ گیا۔ مول شنکر نے کہا۔ مجھے بیاہ سے نفرت ہے۔ اور یہ نفرت کبھی دُور نہ ہوگی۔ اگر یہ بات پنڈت صاحب کی ذات تک محدود رہتی۔ تو حرج نہ تھا۔ مگر یہ بات پاٹ شالہ سے نکل کر امبا شنکر کے کانوں تک جا پہنچی۔ اب اُنھیں فکر ہُوا۔ کہ لڑکا ہاتھ سے نکلتا جاتا ہے۔ کہیں بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔ اُنھوں نے بیٹے کو جلدی سے گھر بلا بھیجا اور بیاہ کے انتظام میں محو ہو گئے۔ مول شنکر گھر

آئے تو اُن کی حیرت کا ٹھکانا نہ تھا۔ کہیں کپڑے تیار ہو رہے تھے۔ کہیں گہنے۔ اُن کی طبیعت بے قرار ہو گئی ؛

مول شنکر کے دل میں ویراگ تھا۔ مگر اس باب میں اُن کا کوئی دوست اُن سے مُتفق نہ تھا۔ اُن کی دلی خواہش تھی۔ کہ مول شنکر کا جلد سے جلد بیاہ ہو جائے۔ مول شنکر نے جب اپنا کوئی ہمدرد نہ دیکھا۔ تو اپنے بحرِ دل میں غوطہ زن ہوئے اور سوچنے لگے۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ ایک طرف سے تعلیم کا دروازہ بند ہونے کو ہے۔ دوسری طرف دُنیا اپنی طاقتوں سے مسلح ہو کر بیاہ کی شکل میں حملہ کرنے کو ہے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ جو لوگ اُن کے بیاہ پر اصرار کر رہے ہیں۔ وہ اُن کا برہمچریہ توڑنا چاہتے ہیں۔ اور اتنا ہی نہیں۔ وہ اُن کو اپنے مستقبل کا دشمن سمجھتے تھے۔ آخر اُنہوں نے عزم کر لیا۔ کہ والدین کی اس خواہش کے آگے کبھی نہ جھکینگے۔ بلکہ ایسا طریقہ اختیار کرینگے۔ کہ عمر بھر کے لئے بیاہ کے سوال کا فیصلہ ہی ہو جائے۔ اُنہوں نے اس خیال کو کسی پر ظاہر نہ کیا۔ مگر موقع کے منتظر رہے۔ اس طرح ایک مہینا گزر گیا اور بیاہ کے انتظامات مکمّل ہو گئے ؛

تیسرا باب

یار دوست، رشتہ دار اور والدین مول شنکر کے بیاہ کے لئے بیتاب ہو رہے ہیں۔ باہر سے رشتہ داروں کے آنے کا وقت بھی قریب ہے۔ امیر گھر کا فراخ آنگن دُلھن کی طرح آراستہ ہے۔ خوبصورت کپڑے، بیش قیمت گہنے شاندار سامان فراہم کیا جا چکا ہے۔ مختلف النوع اشیا جن کے انتخاب میں اس بات کا بڑا خیال رکھا گیا ہے کہ وہ اِس موقع کے شایان شان ہوں۔ جمع کرنے میں پوری پوری کوششیں صرف کی جا رہی ہیں۔ باپ خوش ہے۔ ماں کی مسرت آنکھوں سے ٹپک رہی ہے۔ گھر کے دیگر لوگوں کے چہرے کِھلے ہوئے پھول کے مانند دیکھنے والی آنکھوں کے لئے ایک پُر لطف ضیافت بنے ہوئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے اس گھر میں لطف و کرم کا سوتا بہ رہا ہے۔ سارا گھر پھولا نہیں سماتا۔ پر مول شنکر کی یہ حالت نہیں۔ وہ ہر وقت کسی اپنے خیال میں کھوئے کھوئے رہتے ہیں۔ دل کی حالت چہرے پر کھیل رہی ہے۔ وہ بے چین ہیں۔ اور اچھی طرح جانتے

ہیں - کہ جس طرح شام کا دلفریب اور نظر نواز منظر مغرب کی تاریکی میں غرق ہو جاتا ہے - اسی طرح ان رشتہ داروں کی یہ خوشیاں اپنا سُرخ و سپید چہرہ تھوڑے ہی دنوں میں رنج و غم کی کالی گھٹا کے اندر چھپا لینگی ؎

یہ سمبت ۱۹۰۲ کی بات ہے - مول شنکر کی عُمر بائیس سال کی ہو چکی تھی - شام کا وقت تھا - اُن کا دل والدین اور رشتہ داروں کی سرگرمی سے بھرپور محبت کے بار کا متحمل نہ ہو سکا - آن واحد میں ایسا معلوم ہُوا - جیسے محبت کی بیڑیاں ہمیشہ کے لئے کٹ گئی ہوں - اُنہوں نے استقلال بھرے لہجہ میں کہا - اب دوبارہ اس گھر میں نہ آؤنگا - اور اپنے دنیوی مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کر کے گھر سے باہر نکلے - شادی والے بھرے پُرے پُر آرائش گھر کو، ماں باپ کے پیار کو، رشتہ داروں کی محبت کو، اور ان سب سے بڑھ کر شباب کی سحرکاریوں کو جو اپنے خوبصورت بازو پھیلائے اُن کا انتظار کر رہی تھیں - اور مستقبل کی بہار کو جو اُن کے سامنے اپنے نظر فریب منظر پیش کرنے کو بیچین و بےتاب ہو رہی تھی - ہمیشہ کے لئے ترک کر دینا اس امر کا بدیہی ثبوت ہے - کہ اُن کے دل میں جو خیالات جاگزین تھے - وہ معمولی نہ تھے - وہ

چاہتے تھے۔ کہ گھر بار کی ریشہ دوانیوں سے کامل طور پر آزاد ہو کر موت کے لاعلاج مرض کا تیر بہدف نسخہ دریافت کریں۔ تاکہ اُنہیں نہ مرنے والی زندگی حاصل ہو سکے +

سنسان رات کے وقت کسی نا معلوم جگہ کو روانہ ہوتے وقت نوجوان تیاگی کے دل میں کیا کیا خیالات اُٹھ رہے تھے۔ اسے یا مول شنکر جانتے ہیں یا مول شنکر کے اصلی سچے مہادیو +

مول شنکر نے گھر سے باہر اپنی پہلی رات اپنے شہر سے چھ کوس کے فاصلے پر بسر کی۔ اور ابھی رات کا ایک پہر باقی ہی تھا۔ کہ وہ پھر اپنی جاترا کو تیار ہو گئے اور شام ہوتے ہوتے بیس کوس کی مسافت طے کر گئے۔ یہ دوسری رات اُنہوں نے ایک معمولی سے گاؤں کے مندر میں گزاری۔ اس سفر میں اُنہوں نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ شاہراہ پر چلتے ہوئے اُنہیں اندیشہ تھا۔ کہ کہیں کوئی واقف آشنا سے ملاقات نہ ہو جائے۔ ساری محنت پر پانی پھر جاتا۔ اس لئے پگڈنڈیوں پر چلتے تھے اور وہ بھی چھپ چھپ کر +

اُدھر والدین کو معلوم ہوا۔ کہ بیٹا کہیں نکل گیا ہے۔ تو سناٹے میں آ گئے۔ اُن پر جیسے بجلی سی

گر پڑی - اُن کے باپ کی بیکلی دیکھی نہ جاتی تھی۔ جو حالت مچھلی کی پانی سے باہر آ کر ہوتی ہے۔ وہی حالت اُن کی تھی - دیگر رشتہ دار بھی حیران تھے۔ کہ کیا تھا۔ کیا ہو گیا - انہیں یہ خیال بھی نہ تھا۔ کہ یہ ہو جائیگا - بیاہ سے متعلق تمام دھوم دھام پھیکی پڑ گئی - در و دیوار پر اُداسی چھا گئی - تب یکایک تفتیش کا کام شروع ہوا - چاروں طرف پیادے اور سوار دوڑائے گئے - جہاں جہاں مول شنکر کے جانے کا امکان ہو سکتا تھا - وہ وہاں وہاں پہنچے - مگر مان سرور کی جاترا کے لئے پنجرہ توڑ کر نکلے ہوئے راج ہنس کا کسی کو بھی سراغ نہ ملا - پر اُسے علم ہو گیا - کہ لوگ تعاقب میں ہیں - نتیجہ یہ ہوا - کہ اُس نے اپنی پرواز کو اور بھی تیز کر دیا *

مول شنکر کو گھر سے نکلے تیسرا دن تھا - کہ اُنہیں ٹھگوں کی ایک جماعت ملی - اُن میں سے ایک آدمی بیراگی بن کر سرِراہ بیٹھا تھا - اور بظاہر ایک مورتی کی پوجا میں محو تھا - اُس نے مول شنکر سے ایسی میٹھی میٹھی باتیں کیں کہ انہوں نے اُس سے اپنے دل کی بات کہہ دی - مصنوعی بیراگی نے کہا - ذرا دیکھنا! یہ لڑکا بیراگی اور تیاگی بننے چلا ہے - مگر ہاتھ سے انگوٹھی نہیں اُتار سکتا - جس کا دل ایسا

لالچ میں پھنسا ہے۔ وہ کیا خاک تیاگ کر سکیگا۔ میرا اُپدیش یہ ہے۔ کہ اپنا سب کچھ اس مورت پر چڑھا دو۔ اس سے تمہیں دو فائدے ہونگے۔ ایک تو یہ کہ دیوتا خوش ہو جائیگا۔ دوسرے تمہاری طبیعت میں تیاگ کا مادہ پیدا ہو جائیگا۔ جس شخص نے ہاتھی دے دیا ہو۔ وہ ہاتھی باندھنے کا رسّا دینے میں کب ہچکچاتا ہے۔ مول شنکر نے انگوٹھیاں اُتار کر اُن ٹھگوں کے حوالے کیں۔ اور آپ آگے چلے +

پھرتے پھراتے ایک دن اُنہیں معلوم ہوا۔ کہ سائلے نامی گاؤں میں ایک لائق اہل دماغ لالہ بھگت رہتا ہے۔ اُس کے پاس اور بھی کئی سادھو آتے جاتے رہتے ہیں۔ خیال گزرا۔ شاید وہیں دل کی مراد پوری ہو مول شنکر اُڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ وہاں اُن سے اور ایک برھمچاری سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے مول شنکر کو برمھ چاری بننے کا اُپدیش کیا۔ مول شنکر نے مان لیا۔ تب اُس برمھ چاری نے مول شنکر کو گیروا لباس پہنا یا۔ ہاتھ میں تونبا دیا۔ اور کہا۔ کہ اب تمہارا نام شُدھ چیتن ہے۔ اس کے بعد وہ کچھ عرصہ وہیں رہے۔ اور سمادھی وغیرہ میں لگے رہے۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ کہ برمھ چاری شدھ چیتن ایک بڑے درخت کے نیچے بیٹھے تھے۔ اتنے میں کسی جانور نے گھُو گھُو کے نعرے

سے سارا جنگل ہلا دیا۔ مول شنکر جب چھوٹے تھے۔ اس زمانہ میں اُن کی ماں نے اُن کے دل میں جن بھوت بٹھا دئے تھے۔ وہ اس وقت تنہائی دیکھ کر باہر نکل آئے۔ برہمچاری جی ڈر گئے اور مٹھ کے اندر چلے گئے ۔

شدھ چیتن وہاں بہت دن تک ٹھیرے رہے۔ مگر انہیں یقین ہوگیا۔ کہ یہاں رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا اس لئے وہ وہاں سے کوٹ کنکڑا نامی گاؤں میں چلے گئے۔ یہ قصبہ احمدآباد کے قریب صوبہ گوجرات کی ایک ریاست میں شامل ہے۔ وہاں ایک رانی بیراگیوں کے دام فریب میں پھنسی ہوئی تھی۔ جب اُن بیراگیوں نے شدھ چیتن کو گیروے لباس میں دیکھا۔ تو اُن پر آوازے کسنے لگے۔ اُن کی ریشمی دھوتیوں پر بھی مذاق ہوئے۔ آخر میں اُنہوں نے اُنہیں بیراگیوں کی جماعت میں شامل ہوجانے کی نصیحت کی۔ یہ وہ وقت تھا۔ جب شدھ چیتن کے پاس صرف تین روپے باقی رہ گئے تھے۔ اُنہوں نے ریشمی دھوتیاں اُتار پھینکیں۔ اُن روپوں سے سوتی دھوتیاں خریدلیں۔ اور بیراگیوں سے پرے کسی اور جگہ رہنے لگے۔ یہاں اُنہوں نے تین ماہ گزار دئے۔ اُن دنوں وہاں شور مچا کہ سدھ پور میں ایک عظیم الشان میلہ لگنے والا ہے۔ وہاں ہزاروں باکمال سادھو جمع ہونگے۔ شدھ چیتن

نے سوچا۔ ممکن ہے وہیں کوئی ایسی ہستی رل جائے۔
جس سے میرے من کی مراد بر آئے۔ وہ وہاں چلے
گئے۔ رستے میں اُن سے اور اُن کے شہر کے ایک
بیراگی سے ملاقات ہو گئی۔ بیراگی اُن سے اور اُن کے
گھر والوں سے بخوبی واقف تھا۔ ترک وطن کے بعد
یہ پہلا موقع تھا۔ کہ مول شنکر کو کوئی محبت کا بندہ
دکھائی دیا۔ دونو کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔ جب
رو چکے۔ تو بیراگی نے مول شنکر کی زبانی تمام واقعہ سُنا۔
اُن کی سادہ لوحی پر بیراگی کو افسوس ہوا۔ لبوں پر ہنسی
لہرانے لگی۔ لیکن اُس نے اُسے ظاہر نہ ہونے دیا۔
اوّل اس طرح گھر سے نکل آنے پر اظہار ناراضگی کیا۔
پھر کہا کہ واپس لوٹ جاؤ۔ مگر نوجوان سورما نے اسے
نہ مانا۔ جواب دیا۔ اب گھر ترک کر چکا ہوں۔ واپس
جانا ناممکن ہے۔ اب تو سدھ پور جاؤنگا۔ شاید وہیں
کام بن جائے۔ اس کے بعد دونو الگ ہو گئے۔
شدھ چیتن گھومتے پھرتے سدھ پور پہنچے۔ اور نیل کنٹھ
مہادیو کے مندر میں ڈیرے ڈال دئے۔ یہاں ان کے
علاوہ کئی ڈنڈی سوامی اور برہمچاری ٹھیرے ہوئے تھے۔
شدھ چیتن اُن سب سے ملتے تھے۔ اُنہیں ان کے
پاس بیٹھنے اُٹھنے میں عار نہ تھا۔ مگر جب سُنتے۔ کہ
کہیں کوئی اور مہاتما ٹھیرا ہے۔ تو اُس کے پاس

اُڑتے۔ چلے جاتے۔ کہ شاید دل کی مُراد وہیں مِل جائے
دوسرے بیراگی اپنے رشتہ داروں سے ملتے تھے۔ شہر
کے چکّر کاٹتے تھے۔ کھاتے تھے پیتے تھے۔ میلے
کے تماشے دیکھتے تھے۔ مگر شدھ چیتن کو جن کا دل
و دماغ تیاگ کے رنگ میں شرابور تھا۔ اِن
باتوں کا خیال نہ تھا۔ وہ دن رات مہاتماؤں کو
ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ کہ کسی سے یوگ ودیا کا
طریقہ معلوم ہو۔ اور امر زندگی حاصل ہو سکے*

اُدھر اُس بیراگی نے جو اُنہیں کوٹ کنگرا کے
باہر ملا تھا۔ اُن کے والدین کو اطلاع دے دی۔
کہ تمہارا بیٹا بیراگی ہو چکا ہے۔ اور آجکل سدھ پور
گیا ہے۔ یہ خبر ملتے ہی امبا شنکر نے چار سپاہی
ساتھ لئے اور سدھ پور جا پہنچے۔ اب مول شنکر کی
تلاش ہونے لگی۔ صبح کا وقت تھا۔ مول شنکر ایک
شوالہ میں بیٹھے تھے۔ یکایک اُن کے پتا وہاں
داخل ہوئے۔ بیٹے کو اِس حالت میں دیکھ کر اُن
کے غصّہ کی انتہا نہ تھی۔ آنکھوں سے شرارے
نکلنے لگے۔ کڑک کر بولے۔ تو نے ہمارے خاندان کو داغ
لگا دیا ہے۔ ہمیں یہ نہ معلوم تھا۔ کہ تو ہمارے
خاندان کا سیاہ داغ ہے۔ اور اتنا ہی نہیں اُنہوں
نے اور بھی بہت کچھ کہا۔ زبان قابو میں نہ رہی

تھی۔ مول شنکر ڈر گئے۔ اُنہیں باپ کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اُنہیں باپ کی خفگی دور کرنے کا ایک ہی طریقہ سوجھا۔ آسن سے اُٹھ کر باپ کے پاؤں میں گر پڑے۔ اور روتے ہوئے بولے یہ گھر سے نکل کر میں نے جو دُکھ اُٹھائے ہیں۔ وہ تھوڑے نہیں۔ اب تو مجھے معاف ہی کر دیجئے۔ میں خود گھر آنے کو تیار تھا۔ اب آپ آ گئے ہیں۔ جب کہئے چلا چلوں ؟

مگر باپ کی خفگی ایسی نہ تھی۔ جو آسانی سے دُور ہو جاتی۔ اُنہوں نے جھپٹ کر برھمچاری کے گیروے کُرتے کو پکڑ کر اس کی دھجیاں اُڑا دیں۔ گالیوں کی بوچھاڑ بھی جاری تھی۔ اس کے بعد اُنہیں سفید کپڑے پہنائے گئے۔ اس کے بعد وہ اُن کے ساتھ اُن کے ڈیرے پر چلے گئے۔ مگر باپ کا غصہ تا حال فرو نہ ہُوا تھا۔ اُنہوں نے وہاں جا کر کہا۔ تو کیسا نرموہا ہے۔ تیری ماں تیری جُدائی میں مری جاتی ہے۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سوج گئی ہیں۔ کیا تو ماں کی ہتیا کرنا چاہتا ہے۔ مول شنکر نے عاجزانہ انداز سے جواب دیا۔ اب آپ ذرا فکر نہ کریں۔ میں اُن کے کہنے سے باہر نہ چلونگا۔ پر باپ بے فکر نہ تھا۔ مول شنکر

پر پہرہ لگ گیا۔ سپاہیوں کو حکم ملا، اسے کہیں جانے نہ دو۔ ساری ساری رات جاگتے ہوئے گزار دو۔ ایسا نہ ہو۔ کہیں پھر نکل بھاگے۔ اس وقت اسے پکڑنا آسان نہ ہوگا۔ اس طرح شدھ چیتن باپ کے قابو میں آگئے۔ مگر اُن کا دل اُسی طرح بے قابو، اسی طرح بے چین و مضطرب تھا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔ برہمچاری کو اس وقت مقصد برآری کے لئے جو بھی رستہ سوجھا۔ اس پر انہوں نے قدم رکھ دیا۔ ایک طرف باپ کو یقین دلاتے رہے کہ میں اب بیراگی نہ بنونگا۔ مجھے گھر لے چلئے۔ دوسری طرف سوچتے رہے۔ کہ موقع ملے۔ تو نکل چلوں *

اس اسیری کی حالت میں دو دن نکل گئے دو راتیں۔ تیسری رات سر پر آگئی۔ شدھ چیتن کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ بار بار کروٹیں بدلتے تھے۔ وہ بچھونے پر لیٹے ضرور تھے۔ دیکھنے والا یہی سمجھتا تھا کہ خواب غفلت میں چور ہیں۔ مگر نیند اُن سے کوسوں دُور تھی۔ اسی طرح رات نصف سے زیادہ گزر گئی۔ چوتھا پہر شروع ہو گیا۔ پہرہ والے کی آنکھ لگ گئی۔ مول شنکر نے دیکھا وقت آگیا۔ وہ بھاگنے کو تیار ہو گئے۔ ہاتھ

میں پانی کا گلسا لے لیا۔ کہ اگر کسی نے پوچھا۔ تو کہدونگا۔ پیشاب کرنے جا رہا ہوں۔ مگر کسی کی آنکھ نہ کھلی۔ مول شنکر قید سے نکل بھاگے۔ اور سدھ پور سے آدھ کوس کے فاصلے پر چلے گئے۔ یہاں پر ایک باغ تھا اور باغ میں قدیم وقتوں کا ایک مندر۔ مول شنکر بڑ کے درخت کے سہارے اِس مندر کی چوٹی پر جا چڑھے۔ اُس وقت سوچتے تھے۔ دیکھیں اب نصیبوں میں کیا بدا ہے ؛

پہرہ دار جاگے۔ تو مول شنکر کا پتہ نہ تھا۔ چاروں طرف ہلچل مچ گئی۔ لوگ اِدھر اُدھر دوڑے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے اُسی باغ میں آ پہنچے۔ جہاں برھمچاری چھپے ہوئے تھے۔ اُن کا کلیجہ دھڑکنے لگا۔ سمجھے اب پکڑے گئے۔ لوگوں نے اندر باہر دیکھا۔ پجاریوں سے پوچھا۔ اور مایوس ہو کر چلے گئے۔ مول شنکر کی پیش بندیاں کام آگئیں۔ اس کے بعد وہ کئی بار نیچے سے اِدھر اُدھر آتے جاتے رہے۔ مگر مول شنکر نے ہلنا جُلنا تو درکنار سانس تک لینے میں احتیاط کی۔ دن نکل آیا۔ مگر مول شنکر وہیں بیٹھے رہے۔ اُنہیں نیچے اُترتے ہوئے ڈر آتا تھا۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا چاروں طرف چھا گیا۔ تب برھمچاری جی آہستگی سے نیچے اُترے اور سڑک چھوڑ کر آگے کو روانہ ہوئے۔ وہاں سے دو

کوس کے فاصلے پر ایک گاؤں تھا وہاں رات کو ٹھیرے اور دن نکلنے سے پہلے پہلے وہاں سے بھی روانہ ہو گئے۔ گویا مول شنکر کی اپنے رشتہ داروں سے ملاقات جو سدھ پور میں ہوئی۔ آخری ملاقات تھی ؛

گاؤں گاؤں میں گھومتے ہوئے برہمچاری جی احمد آباد سے چل کر بڑودہ آئے۔ کچھ دیر وہاں قیام کیا۔ یہاں ایک چیتن مٹھ تھا۔ اس میں کچھ برہمچاری رہتے تھے۔ کچھ سنیاسی۔ اُن کے ساتھ برہمچاری شدھ چیتن بحث مباحثہ کیا کرتے تھے۔ اُن میں سے برہمانند وغیرہ برہمچاری ویدانت میں بہت دسترس رکھتے تھے۔ اُن کے خیالات اور دلیلوں کا شدھ چیتن پر ایسا اثر ہُوا۔ کہ وہ بھی ویدانتی بن گئے۔ اور اُس کے بعد مٹھ میں رہنے لگے۔ یہاں یہ رنگ ایسا چڑھا۔ کہ وہ تمام دنیا کو مایا سمجھنے لگے۔ اپنے آپ کو پرماتما کہنے میں بھی عار نہ تھا۔ وہ اپنے خیالات دوسروں کے ذہن میں بٹھا دیتے تھے۔ مگر جو آگ اُن کے دل میں لگی تھی۔ وہ بدستور سُلگ رہی تھی۔ اُنھیں دل کا اطمینان میسّر نہ تھا۔ اکثر بیٹھے بیٹھے چونک اُٹھتے۔ جیسے بھولا ہُوا مسافر منزل مقصود کے خیال سے کانپ اُٹھتا ہے۔ اُنہی دنوں اُنھیں وارانسی کی ایک بائی سے پتہ لگا۔ کہ نربدا کے کنارے جوگیوں اور پنڈتوں کی ایک سبھا

ہونے والی ہے۔ دل کا شوق پاؤں کی رفتار بن گیا۔ شدھ چینن وہاں چلے گئے۔ وہاں اُن کی ملاقات سچدانند نامی پرم ہنس سے ہوئی۔ نوجوان محقق نے اُن سے اپنے کئی شکوک رفع کئے۔ بعد میں سچدانند نے اُنہیں کہا۔ کہ اسی دریا کے کنارے چانود کرنال نامی ایک مقام ہے۔ وہاں ایک دو روز میں قابل ترین سنیاسیوں کی ایک جماعت آنے والی ہے۔ تم اُن سے ملو۔ یقیناً تمہیں فائدہ ہوگا۔ جس طرح مریادا پرشوتم بھگوان رام چندر بن باس کے زمانہ میں جہاں کہیں رشی منیوں کا آشرم سنتے تھے وہیں پہنچ جاتے تھے۔ اُسی طرح برہمچاری شدھ چینن جنہیں امر زندگی کی لگن لگ چکی تھی۔ چاروں طرف دوڑتے پھرتے تھے۔ چانود کرنالی کا نام سُنا تو وہاں جا پہنچے۔ وہاں شری چد آشرم وغیرہ سچے سنیاسیوں سے ان کی ملاقات ہوئی۔ دن رات گیان دھیان کے چرچے چھڑے رہتے تھے۔ وہاں پر ایک اور پرم ہنس کے بھی درشن ہوئے۔ ان کا نام پرمانند تھا۔ شدھ چینن اُن سے پڑھنے لگے۔ دل میں شوق تھا، دماغ میں قابلیت۔ چند ہی ماہ میں ویدانت سار، آریہ ہری میہڑے تو ٹک آریہ ہری ہر تو ٹک اور ویدانت پری بھاشا پرکھ نامی کتب پر عبور حاصل کر لیا۔

چوتھا باب

برہمچاری شدھ چیتن اپنے ہی ہاتھ کا بنا کھاتے تھے۔ اس لئے اُن کا بیشتر وقت ضائع ہو جاتا تھا۔ دنیا اور دُنیا کے ٹنٹوں سے پہلے آزاد ہو چکے تھے۔ اب اُنہوں نے باقاعدہ سنیاس لینے کی ضرورت محسوس کی۔ اس میں دو فائدے تھے۔ ایک تو یہ کہ کھانا تیار کرنے کی محنت سے چھٹ جائینگے۔ دوسرے یہ کہ اُن کی شناخت مشکل ہو جائیگی۔ ہر وقت کا دھڑکا نہ رہیگا۔ یہ سوچ کر اُنہوں نے ایک دکشنی پنڈت کے ذریعے شری چدآشرم سے کہا۔ کہ آپ مجھے سنیاس دے دیں۔ مگر اُنہوں نے جواب دیا۔ تم ابھی نوجوان ہو۔ اس لئے اس قابل نہیں ہو

لیکن اس سے شدھ چیتن مایوس نہیں ہو گئے۔ اُنہوں نے اپنے ابھیاس کو اور بھی سخت کر دیا۔ اور اُس وقت کے منتظر رہے۔ جب کوئی اور سنیاسی اُنہیں سنیاس دینے پر رضامند ہو جائے۔ اسی طرح سادھو سنتوں کی سنگت میں۔ رشی منیوں سے ملنے ملانے میں۔ پڑھنے پڑھانے میں۔ گیان دھیان کی

باتوں میں۔ روحانی ترقی کرتے ہوئے شدھ چیتن نے نربدا کے کنارے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزار دیا۔ اب اُن کی عمر ۲۴ سال ۲ مہینے کی ہو چکی تھی +

ایک دن معلوم ہُوا۔ کہ چانود سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ایک دکشنی ونڈی سوامی آکر ٹھیرے ہیں۔ صاحب علم و فضل ہیں۔ ساتھ میں ایک برہمچاری بھی ہے۔ سُننے کی دیر لگی۔ وہاں پہنچنے میں دیر نہ لگی۔ شدھ چیتن نے انہیں بڑے عجز سے نمسکار کی۔ اور سامنے مُؤدّب بیٹھ کر بات چیت کرنے لگے۔ گھنٹوں ویدانت پر گفتگو ہوتی رہی۔ شدھ چیتن کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ دنڈی پورنا نند سرسوتی اور اُن کے رفیق برہم ودّیا (علم الٰہی) کے پورے ماہر ہیں۔ شدھ چیتن کا دل للچا گیا۔ خواہش ہوئی۔ انہیں سے سنیاس لے لوں۔ وہ اپنے ایک دکشنی دوست کو ہمراہ لے گئے تھے۔ اُس سے کہا۔ ان سے کہو مجھے سنیاس دینا منظور کریں۔ ان سے اچّھا آدمی اور نہ ملیگا۔ اُس نے جا کر دنڈی سے کہا۔ مہاراج! یہ ودیارتھی برہمچاری شدھ چیتن بڑا نیک اور حلیم مزاج ہے۔ علم الٰہی (برہم ودّیا) کا پروانہ ہے۔ مگر کھانا بنانے ہی میں وقت چلا جاتا ہے۔ مطالعہ میں رُکاوٹ پڑ جاتی ہے۔ اگر آپ اسے

سنیاس دینا منظور کر لیں۔ تو ان جھنجھٹوں سے اس کی جان چھوٹ جائے ؛

دنڈی نے پہلے تو شدھ چیتن کی جوانی دیکھ کر انکار کر دیا۔ مگر بعد میں اصرار بسیار پر کہا۔ کہ اگر درحقیقت ان کا خیال اس طرف ہے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ مگر یہ کسی گوجراتی سے سنیاس لیں۔ ہم تو مرہٹہ ہیں ؛

پنڈت جی بولے۔ مہاراج دکشنی سنیاسی تو ان باتوں کی پروا نہیں کیا کرتے۔ گوڑ لوگ دراوڑوں سے باہر شمار ہوتے ہیں۔ دکشنی سنیاسیوں نے اُنہیں بھی سنیاس دیا ہے۔ آپ اسے کیوں نہیں دیتے۔ یہ تو گوجراتی براہمن ہے۔ اور گوجراتی براہمن دراوڑوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس دلیل نے دنڈی جی کی زبان پکڑ لی۔ اُنہوں نے شدھ چیتن کو سنیاس دینا منظور کر لیا۔ اور جاپ کرنے کا حکم دیا ؛

دو دن تک شدھ چیتن جاپ کرتے رہے۔ اس عرصہ میں اُنہیں تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ اس کے بعد دنڈی جی کی خدمت میں دست بستہ حاضر ہوئے۔ اُنہوں نے اُسی دن اُنہیں سنیاس دیدیا۔ اور ایک لکڑی دے کر ان کا نام دیانند سرسوتی

رکھ دیا۔ اس وقت اُن کا سر ادب سے جُھکا ہُوا تھا۔ جیسے پھلوں کے بوجھ سے درخت کی ڈالیاں جُھک جاتی ہیں۔ گورو نے چیلے کو سنیاس کی باتیں بتائیں۔ آشرم کی مرجادا قائم رکھنے اور لکھنے پڑھنے کی نصیحت کی۔ اس کے بعد کئی دن تک وہ گورو کے پاس پڑھنے میں محو رہے۔ ان دنوں اُن کے چہرے پر نیا جلال کھیلتا تھا۔ آخر ڈنڈی جی کے وہاں سے چلنے کا وقت آ گیا۔ سعادت مند چیلے نے بڑی عقیدت سے وہاں رہنے کی اجازت طلب کی۔ ڈنڈی جی ہردوار کو چلے گئے۔ سوامی دیانند وہیں ٹھہر گئے۔ وہاں اُنہیں ایک دن اطلاع ملی۔ کہ ویاس آشرم میں یوگانند نامی مہاتما آئے ہیں۔ اُنہیں یوگ میں کمال حاصل ہے۔ دیانند نے اُن سے بہت کچھ سیکھا۔ اس کے بعد پتہ لگا۔ کہ چھنتاڑہ میں کرشن شاستری نام کے ایک پنڈت رہتے ہیں۔ وہ ویاکرن (گرامر) کے سمندر ہیں۔ اُن کی تھاہ کسی نے آج تک نہیں پائی۔ سوامی جی وہاں بھی جا پہنچے۔ اور بہت عرصہ تک اُن سے گرامر پڑھتے رہے۔ اس کے بعد پھر چانود میں واپس آ گئے۔ اور ایک راج گورو سے وید پڑھنے لگے۔

سوامی دیانند اُن آدمیوں سے نہ تھے جو

تھوڑی سی تعلیم پر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ وہ تحصیل علم کے سامنے کسی بھی بات کی حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ نہ کسی کے پاس جاتے ہوئے اُنہیں شرم محسوس ہوتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنہوں نے ترک وطن کے ساتھ ہی اپنے دل سے غرور و تکبر کو بھی اُکھاڑ پھینکا تھا۔ جس طرح مالی پھل پھولوں کو بچانے کے لئے ناکارہ گھاس کو اُکھاڑ دیتا ہے۔ اب اُنہیں نہ شرم تھی نہ غرور۔ وہ روحانیت کے بھوکے تھے۔ لگن کی کشکول اُن کے ہاتھ میں تھی اور وہ کسی بھی مکان کے سامنے جانے اور آلکھ کی صدا لگانے سے پس و پیش نہ کرتے تھے۔ پھر کیسے ممکن ہے۔ کہ ایسے دلوں کی پاکیزہ خواہشیں بر نہ آئیں جن ڈھونڈا رتن پایا کا مقولہ سولھوں آنے سچ ہے۔

یہاں سوامی دیانند کو دو اور نیک روحوں کے درشن ہوئے۔ ان میں سے ایک جوالانند پوری تھے دوسرے شوانند گری۔ یہ دونو مہاتما ہنس مکھ اور مطمئن تھے۔ ان کے چہروں سے مسرت برستی تھی۔ سوامی دیانند نے ان کے ست سنگ کو غنیمت سمجھا۔ اور اُن سے بہت کچھ فائدہ حاصل کیا۔ اس کے بعد وہ احمد آباد چلے گئے۔ اور سوامی جی کہتے گئے۔ کہ ایک ماہ کے بعد ہمارے پاس آنا۔ ہم تمہیں

جوگ کے طریقے سکھائینگے۔ وہاں ہم ندی کے کنارے دھودھیشور مہادیو کے مندر میں ملینگے ✤

سوامی دیانند ایک ماہ تک جپ تپ (ریاضت) میں لگے رہے۔ اس کے بعد احمد آباد چلے گئے۔ وہاں جاکر وہ سیدھے دھودھیشور کے مندر میں پہنچے۔ دونو مہاتما وہیں تھے۔ اُن دیوتاؤں کی پاکیزہ صحبتوں نے سوامی دیانند کے دل کو جلا دے دی۔ جس طرح سونا آگ میں پڑکر چمکنے لگتا ہے۔ روحانیت کے بھوکے کو غذا ملنے لگی۔ مہاتماؤں کو یقین ہوگیا۔ کہ دیانند اعلےٰ درجہ کے آدمی ہیں۔ ان میں کھوٹ نہیں ہے۔ اس لئے یہ یوگ سیکھنے کے مستحق ہیں۔ پس اُنہوں نے جوگ اور اُس کی باریکیاں دیانند کو سکھا دیں۔ سوامی جی نے ان مہاتماؤں کے متعلق اظہار شکریہ کرتے ہوئے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے "وہاں اُنہوں نے اپنا عہد پُورا کیا اور مجھے نہال کر دیا۔ اب مجھ پر جوگ کی باتیں پورے طور سے واضح ہوگئیں۔ اس لئے میں اُن کا شکر گزار ہوں" ✤

جب یہاں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا۔ تو سوامی جی کوہ آبو کو روانہ ہوئے۔ اُنہوں نے سُنا تھا۔ کہ وہاں بہت سے جوگی رہتے ہیں۔ اُنہوں نے دل میں سوچا۔ چلو ان کے بھی درشن کرتے چلو۔ ممکن

ہے۔ کچھ حاصل ہو جائے۔ وہاں اربدا بھوانی کی چوٹی پر کچھ سادھو رہتے تھے۔ اُن میں دو بہت قابل تھے۔ سوامی جی نے اُن سے بھی ملاقات کی اور کئی راز کی باتیں سیکھیں ؎

اس طرح جگہ بجگہ گھومتے ہُوئے سوامی جی نے سادھو مہاتماؤں سے، جوگیوں ہیراگیوں سے بہت سے روحانی فیض حاصل کئے۔ اور طالب علم بن کر ہر کسی سے جو کچھ مُیسّر آتا رہا۔ سیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ سمبت ۱۹۱۲ کا کمبھ آ گیا۔ سوامی جی ہردوار پہنچ گئے۔ اُن کا خیال تھا۔ کہ اس میلے پر ہزاروں سادھو جمع ہونگے۔ اُن میں سے کئی ایسے بھی ہونگے۔ جو روحانی منازل طے کر چکے ہوں۔ ان سے ملاقات کا موقع ضائع نہ کرونگا۔ گنوار کے لئے ہیرا اور کنکر دونو یکساں ہیں۔ لیکن جو جواہر آشنا ہے۔ جس کی آنکھیں کچھ جانتی اور پہچانتی ہیں۔ وہ جواہر کی خوبیاں آن واحد میں سمجھ لیتا ہے۔ یہی حالت سوامی جی کی تھی۔ وہ جوگیوں کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ میلہ شروع ہُوا۔ ہر کی پوڑی پر لوگوں کے ہجوم تھے۔ آدمی پر آدمی گرتا تھا۔ کندھے سے کندھا چھلتا تھا۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی۔ آدمیوں کے سروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ جھوٹے پتوں پر، پھینکے ہوئے مٹی کے برتنوں پر

گھمیاں بھنبھنا رہی تھیں۔ گنگا کا پانی گدلا ہو رہا تھا۔ کہیں کوئی نہاتا تھا۔ کوئی کپڑے دھوتا تھا۔ کوئی برتن صاف کرتا تھا۔ کوئی بدن کی راکھ جھاڑتا تھا۔ یہ سب میل گنگا میں جاتا تھا۔ اُس کا پانی دوسروں کو پاک کرتا تھا۔ مگر خود ناپاک ہُوا جاتا تھا۔ جہاں آدمی کم تھے۔ وہاں مٹی اُڑتی تھی۔ گنگا کے اس کنارے سمادھی (مراقبہ) لگانا تو ایک طرف آسانی سے بیٹھنا بھی دشوار تھا۔ آدمیوں کا ہجوم دیکھ کر دل بیٹھ جاتا تھا۔ سوامی جی ان دنوں اِدھر نہ آئے۔ چنڈی پربت کے جنگلوں ہی میں مقیم رہے۔ اچھے جوگی سنیاسی اُسی طرف چلے جایا کرتے ہیں۔

میلہ ختم ہُوا۔ تو سوامی جی نے رشی کیش کا سفر کیا۔ وہاں اُنھیں کئی صاحب دل، صاحب دماغ جوگی سنیاسیوں کے درشن ہوئے۔ پیاسے کو پانی مل گیا۔ کئی دن تک اُن کی سنگت سے مستفید ہوتے رہے۔ سردی بڑھ جانے پر سنیاسی ہردوار چلے گئے۔ مگر سوامی جی وہیں ٹھیرے رہے۔ وہاں ایک دن ایک برھمچاری اور دو سادھوؤں سے ملاقات ہوئی۔ چند دن کے بعد تینوں ٹیہری کو روانہ ہوئے۔ اور وہاں شہر سے باہر ایک عمدہ جگہ ٹھیر گئے یہ شہر اُس زمانہ میں اعلیٰ درجہ کے سادھوؤں اور قابل ترین پنڈتوں کے لئے دور دور تک مشہور تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ایک پنڈت نے سوامی جی سے

اپنے گھر چل کر کھانا کھانے کی درخواست کی۔ اور وقت مقررہ پر بلانے کے لئے آدمی بھیج دیا۔ سوامی جی اور اُن کے رفیق اُس آدمی کے ہمراہ ہو لئے۔ مگر دروازہ میں پیر رکھتے ہی اُن کی طبیعت بیزار ہو گئی۔ ایک آدمی ماس کاٹ کاٹ کر پکا رہا تھا۔ آگے بڑھے۔ تو ہڈیوں کا ڈھیر نظر آیا۔ ساتھ ہی جانوروں کے کٹے ہوئے سروں پر کئی پنڈت چھریاں لئے کانٹ چھانٹ کر رہے تھے۔ سوامی جی کی حیرت اور ناراضگی کا ٹھکانا نہ تھا۔ اتنے میں اُن کے میزبان کی نظر اُن پر پڑی۔ وہ عاجزانہ انداز سے آگے بڑھا۔ اور سر جھکا کر بولا۔ "بلا تکلف اندر تشریف لے آئیے"۔ مگر سوامی جی وہاں نہ ٹھیر سکے۔ یہ منظر قتل اُن کے لئے نا قابل برداشت تھا۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ آپ اپنا کام کرتے جائیے۔ میرا فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ کہتے کہتے وہ وہاں سے واپس لوٹ آئے اور اپنے رہنے کی جگہ کو چلے گئے۔ پر تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ پنڈت پھر آ موجود ہوا۔ اور افسوسناک لہجہ میں بولا "آپ واپس کیوں چلے آئے۔ چلئے نا۔ آپ ہی کے لئے ماس وغیرہ عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے گئے ہیں"۔ سوامی جی بولے۔ آپ واپس لوٹ جائیے۔ آپ ماس کھاتے ہیں۔ اور میں ماس کھانا تو

ایک طرف اُسے دیکھنے ہی سے بیمار ہو جاتا ہوں۔ مجھے پھل وغیرہ مرغوب ہیں۔ اگر آپ مجھے کچھ ضرور ہی کھلانا چاہتے ہیں تو کچھ روٹیاں اور پھل بھجوا دیجئے۔ میں اور کچھ نہ کھاؤنگا۔

یہ سن کر وہ پنڈت بہت نادم ہُوا۔ سوامی جی کے لئے وہیں پھل آ گئے۔

سوامی جی کئی دن تک وہیں ٹھیرے رہے۔ مذکورہ بالا پنڈت اُن کے پاس اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ سوامی جی نے اُس سے عمدہ عمدہ کتابوں کے متعلق استفسار کیا۔ پنڈت نے کہا۔ کہ یہاں اچھے اچھے پنڈتوں کی تصنیف کردہ ہر قسم کی کتابیں مل سکتی ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ "تانترکوں سے متعلق کچھ کتابیں لے آؤ۔ ان کا بھی مطالعہ کر ڈالیں۔ اِس پر وہ پنڈت کچھ کتابیں لے آیا۔ سوامی جی نے ایک کتاب کو اُلٹ کر دیکھنا شروع کیا۔ تو اُن کی نگاہ ایک ایسے عریاں، لغو، اور شرمناک مضمون پر پڑی۔ کہ ان کا دل کانپ گیا۔ لکھا تھا۔ کہ مرد کا اپنی بہن، ماں، بیٹی۔ بھنگن۔ چمارن سے خاص تعلق قابل اعتراض نہیں۔ جب عورت ماہواری ایام سے ہو۔ تو اُس کی پوجا کرنا چاہئے۔ گوشت کھانا۔ شراب پینا۔ اور براہمن سے لے کر چنڈال تک

سب کا ایک ہی تھال میں بیٹھ کر کھا لینا کار ثواب ہے۔ نیز یہ بھی لکھا تھا۔ کہ شراب، گوشت۔ مچھلی۔ اور بد فعلی نجات کا ذریعہ ہیں۔ یہ پڑھکر اُنہیں یقین ہو گیا۔ کہ ان کتابوں کے مصنّف بے حیا۔ لعنتی۔ اور بد معاش ہیں ؀

یہاں سے سوامی جی نے شری نگر کا رستہ لیا۔ اور کیدار گھاٹ پر ایک مندر میں ڈیرہ لگا دیا۔ وہاں اُن کی جب کسی پنڈت سے بات چیت ہوتی۔ تو وہ ٹہری میں دیکھی ہوئی کتابوں کے اقتباسات سُنا دیتے۔ پنڈت کی زبان بند ہو جاتی۔ وہاں سے قریب ہی ایک پہاڑی تھی۔ اُس پر گنگا گری نامی ایک پنڈت رہتے تھے۔ وہ دن کے وقت کبھی پہاڑی سے نیچے نہ اُترتے تھے۔ سوامی جی اُن سے جا کر ملے۔ اور اِس ملاقات کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ دونو میں دوستی ہو گئی۔ سارے سارے دن جوگ سمادھی کے چرچے چھڑے رہتے تھے۔ چند ہی دنوں میں دونو کے دل مل گئے۔ سوامی جی کو یقین ہو گیا۔ کہ ہم دونو اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ سوامی جی دو مہینے وہیں پڑے رہے ؀

موسم گرما کے شروع میں سوامی جی اپنے ساتھیوں کے ساتھ کیدار گھاٹ سے روانہ ہوئے۔ اور رودر پریاگ وغیرہ مقامات پر گھومتے ہُوئے

اگست منی کی سمادھ پر پہنچے۔ یہاں سے جنوب کی طرف ایک پہاڑی شوپوری کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں سوامی جی نے سردی کے چار مہینے بسر کئے۔ اور اس کے بعد تن تنہا پھر کیدار گھاٹ آ گئے۔ اب اُنہوں نے اپنے ساتھیوں کا ساتھ بھی چھوڑ دیا تھا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ گپت کاشی میں قیام کیا۔ پھر گوری کنڈ۔ بھیم گُفا۔ تری یگی نارائن کا چکر لگاکر تیسری دفعہ پھر کیدار گھاٹ آئے۔ یہ جگہ اُنہیں بہت پسند تھی۔ مہاتما گنگاگری کی ذات سے بھی اُنس ہو چلا تھا۔ اس لئے اب کے وہ بہت عرصہ تک یہاں ٹھیرے رہے۔ اس جگہ جنگھم ذات کے کچھ پجاری بھی مقیم تھے۔ اسی اثنا میں سوامی جی کے رفیق ایک برھمچاری اور دو سادھو بھی آ ملے۔ یہاں انہوں نے کیدار گھاٹ کے براہمنوں اور پنڈتوں کی کرتوتیں بھی دیکھیں۔ اُن لوگوں کی جو باتیں قابل یاد ہوتیں۔ اُنہیں حافظہ میں محفوظ کر لیتے۔ جب وہ وہاں کے رسم و رواج سے کامل طور پر واقف ہو گئے۔ تو اُن کے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ کہ کوہ ہمالہ کے برفانی علاقہ کو بھی دیکھنا چاہئے۔ اُنہوں نے یہ بھی عزم کر لیا کہ خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو۔ جن نیک اور سعید سادھوؤں کا ذکر سُنا ہے۔

اُن کے درشن ضرور ضرور کرونگا۔ وہ مہاتما ان پہاڑوں پر اور ان غاروں میں بھی ہیں یا نہیں۔ اس کا جلد تصفیہ ہو جائیگا۔ ان پہاڑوں کی خون کو منجمد کر دینے والی سردی اور ان کے خوفناک رستوں کا خیال کر کے پہلے سوامی جی نے اُن مہاتماؤں کے پتے دریافت کرنا شروع کئے۔ آخر میں اُنہیں معلوم ہُوا کہ پہاڑی لوگ سادہ لوح ہیں۔ جو سُنتے ہیں۔ اُن پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ اور اتنا ہی نہیں۔ بعض اوقات تو جھوٹ بولنے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔ مہاتماؤں کے متعلق اُنہیں ذرا بھی واقفیت نہ تھی۔ سوامی جی کے رفیق سردی کے مارے بھاگ چُکے تھے۔ اس لئے سوامی جی تن تنہا برف سے پٹی ہوئی۔ آسمان میں گھُسی ہوئی چوٹیوں پر چڑھ گئے۔ اور بیس دن تک بھٹکتے رہے۔ مگر کسی مہاتما، کسی جوگی، کسی پرم ہنس کا پتہ نہ لگا ٭

اس کے بعد سوامی جی تُنگ ناتھ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ وہاں کا مندر مورتیوں اور پجاریوں سے بھرا تھا۔ سوامی جی اُن پجاریوں کو دیکھتے ہی واپس لوٹ آئے۔ مگر واپسی پر اُنہیں دو رستے نظر آئے۔ ان میں سے ایک رستہ ایک جنگل کو جاتا تھا۔ سوامی جی اس رستے پر ہو لئے۔ آگے بڑھے۔

تو زمین کنکروں اور پتھر کے ٹکڑوں سے بھری تھی۔ نالوں میں پانی نہ رہا تھا۔ اس پر طرّہ یہ کہ آگے بڑھنے کے لیئے نہ کوئی رستہ تھا۔ نہ پگڈنڈی۔ چاروں طرف اونچے اونچے درخت کھڑے تھے۔ اتنے اونچے کہ سورج کی کرنیں بھی زمین پر نہ آ سکتی تھیں۔ دن بھی رات بنا ہوا تھا۔ سوامی جی سوچنے لگے۔ کہ اب اوپر چڑھیں۔ یا نیچے اُتر جائیں۔ پہلے اُنھوں نے اوپر کی طرف نگاہ کی۔ جو رستہ نیچے اُترتے وقت بہت آسان نظر آتا تھا۔ وہ اوپر کی طرف لکیر کے مانند کھڑا دکھائی دیا۔ سوامی جی نے اوپر چڑھنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ اور نیچے اُترنے لگے۔ درختوں کی جڑوں اور خشک گھاس کو پکڑ پکڑ کر وہ بہزار دقّت ایک نالے پر اُترے۔ وہاں ایک جسیم پتھّر پڑا تھا۔ سوامی جی اُس پر چڑھ گئے۔ اور چاروں طرف دیکھنے لگے۔ بلندیوں پر درخت تھے۔ اور وہاں کوئی ایسی جگہ نظر نہ آتی تھی۔ جہاں انسان کا چڑھنا اور چلنا ممکنات سے ہو۔ اُس وقت سورج غروب ہو چکا تھا۔ تاریکی دم بدم زیادہ خوفناک صورت اختیار کر رہی تھی۔ سوامی جی سوچ رہے ہیں۔ کہ ایسے مقام پر جہاں نہ کچھ کھانے کو ہے نہ پینے کو۔ نہ آگ جلانے کا سامان ہے

نہ لیٹنے کا۔ میری حالت کیا ہو گی۔ آخر میں اُنہوں نے یہی فیصلہ کیا کہ ؎

پُرشارتھ اور یتن کو کبھی نہ تیاگیں دھیر
سکل وگھن کو بادھ کر انت سپھل ہوں بیر

پر اُس جنگل سے نکلنا آسان نہ تھا۔ سوامی جی جھاڑیوں کے نیچے بیٹھ بیٹھ کر گزرتے تھے۔ کانٹے دامن کو پکڑ لیتے تھے۔ کپڑے ریزہ ریزہ ہو گئے۔ پاؤں کانٹوں اور کنکروں سے لہولہان ہو گئے۔ جسم سے بھی خون بہنے لگا۔ درد چلنے نہ دیتا تھا۔ مشکلات رستہ روکتی تھیں۔ مگر بہادر سنیاسی، کرم بیر یوگی کانٹوں پر سے گھسٹتا گھسٹاتا جنگل کا پُرخطر راستہ طے کئے جاتا تھا۔ آخر مشکل آسان ہوئی۔ سوامی جی تُنگ ناتھ کی وادیوں میں اُتر آئے۔ اور اُنہیں یہ دیکھ کر کیا تعجب ہوا۔ کہ اب ان کا رستہ بہت صاف بہت ہموار ہے۔ رات ہو چکی تھی۔ چاروں طرف تاریکی کی حکومت تھی۔ سوامی جی آہستہ آہستہ چل رہے تھے۔ اندیشہ تھا۔ کہ کہیں رستے سے بھٹک نہ جائیں۔ آخر چلتے چلتے وہ ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں کچھ پھوس کے جھونپڑے بنے ہوئے تھے۔ اب معلوم ہوا۔ کہ یہی رستہ اوکھی مٹھ کو جاتا ہے۔ سوامی جی بہت رات گئے مٹھ میں پہنچے۔ اور باقی رات وہیں بسر

کی۔صبح کو اُٹھے۔ تو جسم میں کچھ جان آئی۔ تب سوامی جی شمال کی طرف روانہ ہوئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر جا کر لوٹ آئے۔ کیونکہ مٹھ دیکھنے کی خواہش دل میں تھی۔ ساتھ ہی وہاں کے سادھوؤں کی حالت بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اس واپسی سے مٹھ دیکھنے کا زرّیں موقع مل گیا۔ اُس وقت وہاں اکثر ایسے سادھو ٹھیرے ہوئے تھے۔ جن کی عملی زندگیاں زندہ جہنم کا نمونہ تھیں۔ دن رات گناہ میں غرق رہتے تھے۔ اُس مٹھ کے مہنت نے سوامی جی کو دیکھا۔ تو لٹّو ہو گیا۔ سوامی جی سے بولا۔ اگر تم میرے چیلے بن جاؤ۔ تو میرے بعد گدّی تمہیں کو ملیگی۔ لاکھوں کے مالک بنو گے۔ اور صرف اتنا ہی نہیں۔ دولت کے ساتھ عزّت بھی آئیگی۔ لوگ دیکھ کر سر جھکا لینگے ٭

مہنت کا یہ دام ہوس سوامی دیانند کو باندھنے کے لئے بہت کمزور تھا۔ جس طرح ایراوت ہاتھی سوت کے تاروں سے قابو میں نہیں آتا۔ اُسی طرح سوامی دیانند اس لالچ میں نہ پھنسے۔ اُنہوں نے مہنت سے کہا۔ آپ مجھے لالچ نہ دکھائیں۔ میں قابو میں آنے والا آدمی نہیں۔ آپ مجھے غریب سمجھ رہے ہیں۔ مگر میرے باپ کے پاس آپ کی گدّی سے زیادہ روپیہ تھا۔ میں نے اُسے اس طرح

چھوڑ دیا ہے۔گویا وہ راکھ کی مٹھی ہو۔ میں نے جس خیال سے متحرک ہو کر گھر بار ترک کیا ہے۔ اور والدین کی صحبت چھوڑی ہے۔ اُسے نہ تم سمجھتے ہو۔ نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہو۔ ایسی حالت میں تمہارا چیلا بننا تو درکنار میرے لئے تمہارے پاس رہنا بھی دشوار ہے"۔

الفاظ سخت تھے۔مہنت نادم ہو گیا مگر ڈھٹائی سے بولا۔" اچھا بتائیے تو آپ کا مقصد کیا ہے؟ اور وہ کونسی شے ہے۔ جس کے لئے آپ اس قدر تکالیف برداشت کر رہے ہیں"؟

سوامی جی نے جواب دیا۔" میں چاہتا ہوں۔ مجھے سچا جوگ حاصل ہو اور دُنیا کے جنم مرن سے مُکتی مل جائے اور جب تک یہ مرادیں پُوری نہ ہو جائینگی تب تک تپ کرونگا۔ انسان کی بھلائی کا خیال رکھونگا۔ اور اپنے ملک کی خدمت کو اپنا شعار بنائے رہونگا"۔

مہنت اس بات سے بیحد خوش ہُوا۔ اور بولا۔ "آپ مبارک ہیں۔ مگر کچھ دن تو ہمارے پاس ٹھیرئیے"۔

سوامی جی نے اُس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ مگر دوسرے ہی دن جوشی مٹھ کو روانہ ہو گئے۔ یہاں کئی ایسے مرہٹہ سنیاسی رہتے تھے۔ جو پورے معنوں میں سنیاسی تھے۔ سوامی جی نے وہاں آسن

جما دیا۔ اور کئی دن تک وہیں قیام رہا۔ وہاں بھی اُنہیں اُن سنیاسیوں سے کئی فیض پہنچے ۔

پانچواں باب

جوشی مٹھ سے چلے تو سوامی جی بدری نارائن پہنچے۔ وہاں کے بڑے مہنت اُس وقت راول جی تھے۔ سوامی جی اُنہیں کے پاس ٹھیرے۔ اکثر ویدوں اور شاستروں پر مباحثہ شروع ہو جایا کرتا تھا۔ ایک دن سوامی جی نے راول جی سے پوچھا۔ ان پہاڑوں پر کوئی سچا جوگی بھی رہتا ہے یا نہیں"؟

راول جی نے جواب دیا" آج کل کوئی نہیں۔ مگر میں نے سُنا ہے۔ کہ اس مندر کو دیکھنے کے لئے اکثر باکمال مہاتما آتے رہتے ہیں"۔

سوامی جی نے عزم کر لیا۔ کہ اس علاقہ کا اور پہاڑی قطعوں کا چپہ چپہ چھان ڈالونگا۔ شاید کوئی مہاتما مل جائے ۔

شام کا وقت تھا۔ سوامی جی بدری نارائن سے روانہ ہوئے۔ اور پہاڑ کی وادی مین چلتے چلتے

الکھ نندا ندی کے کنارے جا پہنچے۔ اس ندی کے دوسری طرف ایک گاؤں تھا۔ اس کا نام مانس تھا۔ یہ گاؤں پہلے کبھی دیکھ چکے تھے۔ اس لئے اسے دیکھنے کی ضرورت نہ تھی۔ سوامی جی ندی کے کنارے کنارے چلنے لگے۔ پہاڑ کی طرف دیکھنے سے آسمان میں گھسی ہوئی سفید برفانی چوٹیاں دیکھ کر دل پر دہشت طاری ہو جاتی تھی۔ الکھ نندا کا پانی اُس کے بہاؤ میں پڑے ہوئے جسیم پتھروں سے ٹکراتا تھا۔ اُچھلتا تھا۔ جھاگ چھوڑتا تھا۔ گرجتا تھا۔ اور بادل کے مانند شور کرتا ہُوا انتہا درجے کی تیزی سے نیچے کی طرف دوڑتا چلا جاتا تھا۔ اس طرح سوامی جی قدرت کی خوبصورتی کے جلوے دیکھتے ہوئے ندی کے کنارے کنارے اس کے منبع کی جانب بڑھے جاتے تھے۔ راستہ بڑا بےڈھب اور دشوارگزار تھا۔ آخر بہزار دقّت و خرابی سوامی جی منزلِ مقصود پر پہنچے۔ وہاں اُنہوں نے دیکھا۔ کہ وہ اُن مقامات سے ناواقف ہیں۔ نالے میں برف بھرا تھا۔ چوٹیاں سیدھی آسمان کو چلی گئی تھیں۔ آگے بڑھنے کو کوئی رستہ نظر نہ آتا تھا۔ تب سوامی جی کے تیز رفتار قدموں میں سُستی آ گئی۔ حیران ہو کر سوچنے لگے۔ کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ سوچ سوچ کر فیصلہ کیا۔ کہ ندی کے

دوسری طرف چلیں۔ شاید اُدھر کوئی راستہ مِل جائے۔

جو کپڑے سوامی جی پہنے ہوئے تھے۔ وہ بہت تھوڑے تھے۔ اس لئے پہاڑی علاقہ کی برفانی ہوا اُن کے جسم پر گویا تیر بارانی کر رہی تھی۔ ایک دفعہ تو سوامی جی کو ایسا معلوم ہوا۔ کہ اس ہوا کے پر زور تھپیڑوں کو برداشت کرنا ناممکن ہے۔ پیاس کے مارے زبان سوکھ گئی تھی۔ لب خشک ہو گئے تھے۔ حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے۔ بھوک سمندِ ناز پر اک اور تازیانہ کا کام کر رہی تھی۔ سوامی جی نے برف کا ایک ٹکڑا اُٹھایا اور اُسے چبانے لگے۔ اس سے پیاس تو بجھ گئی۔ مگر بھوک کی آگ پر کوئی اثر نہ ہُوا۔ تب اُنہوں نے کمر ہمت باندھی اور ندی عبور کرنے کو تیار ہوئے۔ اس جگہ پانی کہیں زیادہ تھا۔ کہیں تھوڑا۔ مگر پاٹ آٹھ دس گز سے زیادہ نہ تھا۔ معمولی حالت میں شاید یہ ندی پار کرنا بچّوں کا کھیل ہوتا۔ اسے کوئی اہمیت نہ دیتا۔ مگر اس میں برف کے ترچھے اور نوکیلے ٹکڑے شیشہ کے مانند تباہی آور اور صبر آزما تھے۔ سوامی جی نے ندی میں پاؤں رکھ دیا۔ برف کے ٹکڑے ان پر حملہ آور ہوئے۔ جس طرح کسی نے بھڑوں کا چھتّہ چھیڑ دیا ہو۔ سوامی جی کے پاؤں زخمی ہو گئے۔ جگہ جگہ سے خون بہنے لگا۔ مگر انتہا درجہ کی

سردی کے مارے اُن کا جسم یخ ہو گیا تھا۔اس لئے کچھ دیر تک اُنہیں علم ہی نہ ہوا۔کہ میرے جسم سے خون بھی بہ رہا ہے۔اس وقت زمین، آسمان، ہوا سب کے سب برف کے ساتھ مل گئے تھے۔سوامی جی گھبرا گئے۔جسم کی سُدھ نہ رہی۔یہاں تک کہ وہ بیہوش ہو کر برفانی نالہ کے برف بھرے پانی میں گرنے کو تھے۔کہ معاً اُن کے دل میں ہمت نے سر بلند کیا۔گرتا ہوا حوصلہ استوار ہو گیا۔اُکھڑتے ہوئے پاؤں جم گئے۔جس طرح پسپا ہوتی ہوئی سپاہ کو کمک پہنچ جاتی ہے۔اُنہوں نے سوچا۔اگر میں ایک دفعہ یہاں گر گیا۔تو پھر نہ اُٹھ سکونگا۔پہاڑی نالہ کی لہریں مجھے آناً فاناً نگل جائینگی ٭

تب اُنہوں نے اپنی بچی کھچی ہمّت جمع کی۔اور اپنی روح کی پُوری قوّت سے باہر نکلے۔اور دوسرے کنارے پر پاؤں دھرا۔مگر طاقت جواب دے رہی تھی۔ایسا معلوم ہوتا تھا۔کہ اُن کا آخری وقت آ پہنچا۔مگر اُنہوں نے ہمت نہ ہاری۔اور اپنے جسم کے بالائی حصّہ کے کپڑے اُتار کر اُن سے اپنے پاؤں اور گھٹنوں کو لپیٹ لیا۔اس وقت نہ اُن کے پاؤں میں طاقت تھی۔نہ ہاتھوں میں ہمّت۔طبیعت پر افسردگی چھائی تھی۔صرف نگاہیں چاروں طرف دوڑتی پھرتی تھیں۔

کہ شاید کوئی مددگار آ جائے۔ تو اس مصیبت کی بلا سے چھٹکارا ہو۔ وہ اس وقت پورے معنوں میں بے بس بےکس تھے۔ ناچار تھے۔ کوئی رفیق نہ تھا۔ کوئی اُمید نہ تھی۔ کوئی سہارا نہ تھا۔ مگر پھر بھی حوصلہ نہ ہارتے تھے۔ اور چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ جس طرح اماوس کی اندھیری رات میں کبھی کبھی بجلی چمک جاتی ہے۔ ٹھیک اُسی طرح سوامی جی کو اس عالم یاس میں دور فاصلے پر دو پہاڑی آدمی آتے دکھائی دیئے۔ آہستہ آہستہ وہ اُمید کی شعاعیں قریب آ گئیں۔ اُنھوں نے ایک سنیاسی کو اس حالت میں دیکھ کر پہلے نمسکار کیا۔ پھر کہا۔ چلئے! ہمارے ہاں تشریف لے چلئے۔ آپ سردی اور بھوک پیاس کے مارے ہوئے ہیں۔ ہم آپ کی ہر طرح سے خدمت کرینگے۔ کوئی اور ہوتا۔ تو اُس وقت اپنے مقصد کو بھول جاتا۔ جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ مگر سوامی جی نے اپنے اس طول طویل اور صبر آزما سفر کا مقصد آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیا۔ اُن کی داستان سُن کر پہاڑی سناٹے میں آ گئے۔ اور بولے۔ آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کو سدھ پت تیرتھ تک بھی پہنچا دینگے۔ مگر سوامی جی میں چلنے کی ہمت نہ تھی۔ اس لئے اُنھوں نے کہا۔ افسوس ہے کہ میں آپ کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ کیونکہ مجھ میں ہلنے کی بھی طاقت نہیں۔ اُن پہاڑی

آدمیوں نے اپنی طرف سے بہت زور مارا۔ مگر سوامی جی نے چلنا منظور نہ کیا۔ نہ کر سکتے تھے۔ آخر وہ پہاڑی آدمی مایوس ہو کر چلے گئے۔ اور دیکھتے دیکھتے پہاڑی چوٹیوں اور ٹیلوں کے سلسلہ میں غائب ہو گئے؛

جب سوامی جی بہت دیر تک وہیں لیٹے رہے۔ تو اُن کے جسم میں طاقت اور طبیعت میں قرار آیا۔ اُٹھ کر پھر روانہ ہوئے اور "وسودھارا" نامی تیرتھ پر جا پہنچے۔ کچھ دیر دم لیا اور پھر چل نکلے۔ تکلیفیں اُٹھاتے، مصیبتیں جھیلتے مگرم کے علاقہ سے گزرتے ہوئے رات کے آٹھ بجے بدری نارائن پہنچے۔ راول جی نے اُن کی حالت زار دیکھی۔ تو گھبرا گئے۔ حیران ہو کر بولے۔ یہ آپ سارا دن کدھر رہے۔ اور آپ کی حالت ایسی کیوں ہو رہی ہے۔ سوامی جی نے اپنے سفر کا حال بلا کم و کاست کہ سُنایا۔ راول جی نے اُنہیں کچھ کھانے کو دیا۔ کھانا کھاتے وقت سوامی جی کو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے مردہ جسم میں جان پڑ رہی ہے۔ گئی ہوئی طاقت واپس آ رہی ہے۔ کھانا کھا کر سوامی جی لیٹ گئے۔ اور رات بھر سوئے رہے۔ دوسرے دن اُٹھتے ہی اُنہوں نے چلنے کی اجازت مانگی۔ راول جی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اجازت دینے کو جی نہ چاہتا تھا۔ مگر کیا کرتے۔

سوامی جی وداع ہوئے اور رام پور کی طرف چلے۔ پہلی شام کو ایک یوگی کے ہاں ٹھیرے۔ یہ بلند درجے کا تیاگی تھا۔ اس پاس کوئی ساڈھو اُن کے مقابلے کا نہ تھا۔ وہ عبادت کا پُتلا تھا۔ سوامی جی اُس سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ رات کو روحانی مضامین پر گفتگو ہونے لگی۔ دوسرے دن سوامی جی آگے کو روانہ ہوئے۔ اور جنگلوں بنوں میں سے گزرتے ہوئے داخلِ رام پور ہوئے۔ یہاں ایک مہاتما رام گری رہتے تھے۔ یہ اپنی عبادت اور صفائی چلن کے لئے دور دور تک مشہور تھے۔ سوامی جی اُن کے پاس جا ٹھیرے مگر رات کے وقت معلوم ہوا۔ کہ وہ رات بھر جاگتے رہتے ہیں۔ کبھی زور زور سے باتیں کرنے لگتے ہیں۔ کبھی رونا شروع کر دیتے ہیں۔ سوامی جی بہت متعجب ہوئے۔ اُنھوں نے ایک چیلے سے پوچھا یہ رات کو کیا ہوتا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ گورو جی ہمیشہ ایسا ہی کرتے ہیں۔ مگر سوامی جی کی اس جواب سے تشفی نہ ہوئی۔ اُنھوں نے خود مہاتما رام گری سے پوچھا۔ کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ اور آخر اُن پر یہ راز کھل گیا۔ کہ یہ کامل یوگی نہیں۔ ابھی ادھورا ہے۔ ہاں یوگ کے رموز سے بے خبر نہیں۔ پر جو چیز مجھے چاہیئے۔ جس شے کے لئے میں بھٹک رہا ہوں۔ اُس سے یہ بھی محروم ہے۔

چھٹا باب

کچھ عرصہ رام پور میں قیام کیا۔ پھر کاشی پور ہوتے ہوئے درون ساگر آئے۔ اور سردی کا سارا موسم یہیں بسر کیا۔ اس دوران میں ایک دفعہ سوامی جی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا۔ کہ کیوں نہ ہمالہ پر جا کر برف میں اپنا جسم گلا دیا جائے؟ پھر دوسرا خیال آیا۔ کہ ابھی گیان حاصل کرو۔ مرنا ہے۔ تو گیان حاصل کر چکنے کے بعد مرنا چاہئے۔ جس طرح بھاگیرتھ کی کوششوں سے گنگا جی کی متبرک دھارا برفانی چوٹیوں کو چھوڑ کر میدانی علاقہ کو سیراب کرنے لگی تھی۔ اُسی طرح گیان حاصل کرنے کے خیال نے یوگ کے پروانے دیانند سے ہمالہ میں گل جانے کا خیال چھین کر اُسے میدان میں اُترنے پر مجبور کر دیا۔ اب وہ کسی گورو کی تلاش میں مصروف ہوئے۔ درون ساگر سے مراد آباد آئے۔ اور وہاں سے سنبھل، گڑھ مکتیشر ہوتے ہوئے گنگا کے کنارے پہنچے۔ اس وقت اُن کے پاس کئی دیگر کتابوں کے علاوہ شوسندھیا۔ ہٹھ پردیپکا۔ یوگ بیج اور کیشن رائی سنگت نامی کتابیں بھی تھیں۔

ان کتابوں میں (ناڑی چکر) نظام عصبی کا پورا پورا بیان درج تھا - یہ پریشان کن مضمون سوامی جی کبھی نہ سمجھ سکے تھے - نہ اسے حفظ کر سکے - انہیں اس مضمون کی صداقت میں شبہہ تھا - یہاں تک کہ انہوں نے معمولی سے معمولی صداقتوں کو بھی تجربہ کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کی - اور نتیجہ یہ ہوا - کہ اُن کے شبہات یقین بننے لگے - ایک دن گنگا کے کنارے ٹہل رہے تھے - کہ اس میں ایک لاش بہتی ہوئی آئی - یہ سوچ کر سوامی جی نے کتابیں کنارے پر رکھ دیں - اور گنگا میں کود پڑے - لاش کو لے کر باہر نکلے اور چاقو سے اُسے چیرنے پھاڑنے لگے - سب سے پہلے انہوں نے دل باہر نکالا - اور اُسے بغور دیکھا - اُس کی شکل صورت - لمبائی چوڑائی رنگ سب کا معائنہ کیا - تب انہیں معلوم ہوا - کہ جو کچھ کتابوں میں لکھا ہے - حقیقت و صداقت سے کوسوں دور ہے - اس میں سچائی کا شائبہ بھی نہیں - اس تجربہ نے اُن پر یہ حقیقت آشکارا کر دی - کہ ان کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے - لغو و بے بنیاد ہے - سوامی جی نے اُن کتابوں کو پھاڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا - اور لاش کے ساتھ ہی پانی میں بہا دیا - اب انہیں یقین ہو گیا - کہ ویدوں - اُپنشدوں - پاتنجل اور سانکھ

شاستروں کے علاوہ باقی جن کتابوں میں سائنس اور روحانیت کا بیان درج ہے وہ از بس بے بنیاد ہے۔

اسی طرح وقت گزرتا گیا اور سمبت ۱۹۱۲ کے اختتام پر سوامی جی فرخ آباد گئے۔ وہاں سے شرنگی رام پور ہوتے ہوئے کانپور پہنچے اور پانچ مہینے تک کانپور اور پریاگ کے وسطی علاقہ میں پھرتے رہے۔ بھادوں کے ابتدائی ایام میں گنگا کے کنارے کنارے چلتے ہوئے مرزا پور پہنچے۔ اور وہاں وندھیاچل اشول جی کے مندر میں ٹھہرے۔ وہاں سے چلے۔ تو ورونا اور گنگا جی کے سنگم (مقام اتصال) کے قریب ایک گپھا (غار) میں جا پہنچے۔ اس غار پر اُس وقت بھوانند سرسوتی کا قبضہ تھا۔ کاشی میں رہتے ہوئے کاکا رام راجا رام وغیرہ کئی پنڈتوں سے سوامی جی کی ملاقات ہو گئی۔ سوامی جی بارہ دن یہاں رہے۔

مہاراج کاشی سے چل کر چنڈال گڑھ کے درگا کنڈ نامی مندر میں آئے اور دس دن یہیں مقیم رہے۔ یہاں آکر چاول کھانا ترک کر دیا۔ صرف دودھ پر گزارہ کرتے تھے اور یوگا بھیاس (مراقبہ) اور مطالعہ میں لگے رہتے تھے۔ ہمالہ میں گھومنے والے اور گنگا کے کنارے پھرنے والے اچھے اچھے سادھو بھی اس بُری عادت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کہ پانی

کی لاگ سے بچنے کی خاطر بھنگ کا استعمال شروع کر دیتے ہیں۔ جب کوئی نیا سادھو اُس طرف آ نکلے۔ تو یہ سادھو جھٹ اُسے یہ دوا بتا دیتے ہیں۔ اِس مرض بد سے سوامی جی بھی نہ بچے۔ بھنگ پینے لگے۔ کئی دفعہ بے سدھ بھی ہو جاتے تھے ؛

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ سوامی جی چنڈال گڑھ سے نکل کر ایک قریبی گاؤں کی طرف چلے۔ رستہ میں اُنہیں ایک پُرانا دوست مِل گیا۔ کچھ دیر اُس سے باتیں کرتے رہے۔ پھر ایک شوالہ میں جا کر رات گُزارنے کا ارادہ کیا۔ جب وہ بھنگ کی ترنگ میں بیہوش سے ہو رہے تھے۔ تو اُنھوں نے خواب میں دیکھا۔ کہ مہادیو اور پاروتی اُن کے پاس کھڑے ہیں۔ اور آپس میں باتیں کر رہے ہیں۔ گورو نے مہادیو سے کہا۔ کہ مہاراج اب تو اگر دیانند کا بیاہ ہو جائے۔ تو اچھا ہے۔ مگر شوجی بھنگ کا اعتراض اُٹھا کر اس تجویز کی مخالفت کرتے تھے۔ اتنے میں سوامی کی آنکھ کُھل گئی۔ خواب کے خیال سے اُنہیں بہت تکلیف ہوئی۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ اور موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ سوامی جی مندر کے اندر سے نکل کر برآمدے میں آئے۔ وہاں بیل کا بُت کھڑا تھا۔ سوامی جی نے اپنی کتابیں اُس کی

پیٹھ پر رکھ دیں۔ اور آپ اُن کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے۔ معاً اُن کی نگاہ بُت کے پیٹ کی طرف گئی۔ تو وہاں ایک آدمی بیٹھا نظر آیا۔ سوامی جی نے اُس کی طرف ہاتھ پسارا۔ تو وہ خوف زدہ ہو کر باہر نکلا۔ اور قصبہ کی طرف بھاگ گیا۔ تب سوامی جی اُس بیل کے پیٹ میں گھُس گئے۔ اور آرام سے سو رہے۔ جب صبح ہوئی تو ایک بوڑھی عورت نے آکر اُس بیل کی پوجا کی۔ سوامی جی اُسے دیکھتے رہے۔ وہ عورت چلی گئی اور تھوڑی دیر بعد کچھ گُڑ اور کچھ دہی لے کر پھر واپس آئی۔ اُس نے یہ سمجھ لیا۔ کہ یہ آدمی نہیں۔ بلکہ دیوتا ہے۔ اس لئے اُس نے اُن کے سامنے بھی نذر رکھی۔ اور کہا "بیل دیوتا! آپ میری نذر کو قبول کریں اور اس کا کچھ حصّہ منہ لگا لیں" سوامی جی کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ اُنہوں نے سب کچھ کھا لیا۔ دہی کھٹا تھا۔ اُس کی ترشی بھنگ کے نشے کا علاج بن گئی۔ سوامی جی کا نشہ اُتر گیا ؏

چیت سمت ۱۹۱۴ میں وہاں سے چل کر سوامی جی نے نربدا کا منبع دیکھنے کا ارادہ کیا۔ پہاڑی رستہ غیر ہموار اور غیر یقینی تھا۔ مگر سوامی نے کسی سے رستہ نہ پوچھا۔ چپ چاپ چلتے گئے۔ یہاں تک کہ

رستہ میں ایک جنگل مِلا۔ یہ جنگل غیر آباد معلوم ہوتا تھا۔ آبادی کے نشان دکھائی نہ دیتے تھے۔ مگر بغور دیکھنے سے پتہ چلا۔ کہ کہیں کہیں ٹوٹے پھوٹے جھونپڑے بھی ہیں۔ سوامی جی کو بھوک لگی تھی۔ وہ اُن جھونپڑیوں میں چلے گئے۔ اور کچھ کھانے کو مانگا۔ اُنھوں نے دودھ دیا۔ تھکاوٹ دُور ہو گئی۔ پھر سوامی جی آگے بڑھے۔ مگر ابھی پون کوس ہی گئے ہونگے۔ کہ رستہ بند ہو گیا۔ صرف پگڈنڈیاں جو بھیڑ بکریوں کے چرنے سے بن جاتی ہیں۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ سوامی جی اُن میں سے ایک پر چلنے لگے۔ مگر تھوڑی ہی دُور گئے ہونگے۔ کہ رستہ پھر بند ہو گیا۔ یہاں اوپر درخت تھے۔ نیچے گھاس اب پگڈنڈی بھی نظر نہ آتی تھی۔ سوامی جی سوچنے لگے۔ کہ اب آگے کیسے بڑھیں۔ اتنے میں ایک سیاہ ریچھ تیزی سے بھاگتا ہوا اُن کی طرف آتا نظر آیا۔ قریب آیا۔ تو پچھلے پاؤں پر کھڑا ہو گیا۔ اور اپنی خوفناک آواز میں چنگھاڑنے لگا۔ تب اُس نے اپنا خوفناک مُنہ کھولا۔ اور سوامی جی کی طرف لپکا۔ سوامی جی کچھ دیر تک حیران کھڑے رہے۔ لیکن جب اُنھوں نے دیکھا۔ کہ یہ جانور ہمیں مار ہی ڈالیگا۔ تو اُنھوں نے اپنا ڈنڈا ریچھ کی طرف بڑھایا۔ ریچھ

بھاگ نکلا۔ اُس کی آواز اُن آدمیوں کے کانوں میں بھی پہنچی۔ جنہوں نے سوامی جی کو دودھ دیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے شکاری کُتّے لئے اور موقع پر آ دھمکے۔ جب اُنہوں نے سوامی جی کو بخیریت دیکھا تو بہت خوش ہوئے۔ اور سوامی جی سے کہنے لگے "مہاراج! اگر آپ ذرا بھی اور آگے جائینگے۔ تو بچاؤ مشکل ہو جائیگا۔ یہاں بڑے خوفناک جانور رہتے ہیں۔ ریچھ۔ بھیڑیے، شیر، قدم قدم پر ملتے ہیں۔ بہتر ہے۔ آپ واپس آ جائیے"۔

اُن کی محبت سے بھری باتیں سُن کر سوامی جی کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے۔ آپ میرا فکر نہ کریں۔ مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچیگی۔ اُنہوں نے نربدا کا سرچشمہ دیکھنے کا عزم کر لیا تھا۔ وہ اس امر سے بےخبر نہ تھے۔ کہ رستہ میں خوفناک جانور ملینگے۔ مگر اُنہوں نے اس خوف کو دل سے دُور کر دیا۔ اور آگے کو روانہ ہُوئے۔ جب اُن بھگتوں نے دیکھا۔ کہ سوامی جی کی طبیعت پر خوف کا اثر نہیں ہوا۔ تو اُنہوں نے سوامی جی کو ایک ایسی لکڑی دی جو سوامی جی کی لکڑی سے زیادہ موٹی اور لمبی تھی۔ اور سوامی جی کے حوصلے کی تعریف کرتے ہوئے اپنے جھونپڑوں کو واپس چلے گئے۔

دھرتی دھرم کا مول ہے ہے جیون کا سار
کی جس نے دھارن دھرتی اُس پائے پھل چار
دھرو تا دھرتی پر دھریں پاؤں تشچے کے جو
اُن کو بادھک کاریہ میں بھے سنکٹ نہ ہو

سوامی جی نے اُن لوگوں کی لکڑی وہیں پھینک دی اور آگے بڑھے۔ اُس دن راستہ میں بڑی بڑی مصیبتیں آئیں۔ مگر اُن کے ماتھے پر شکن نہیں تھی۔ چلتے چلتے شام ہو گئی۔ جہاں تک نگاہ جاتی تھی۔ آبادی کا نشان نظر نہ آتا تھا۔ چاروں طرف جنگل تھا۔ اور جگہ بجگہ مست ہاتھیوں کے اُکھاڑے ہُوئے درخت زمین پر پڑے تھے۔ کوئی اور ہوتا۔ تو ان حالات میں ہمت ہار دیتا۔ مگر سوامی جی نے طبیعت ڈانواں ڈول نہ ہونے دی۔ اس جنگل کو عبور کرنا آسان نہ تھا۔ سوامی جی نے جونہی پاؤں اندر رکھا۔ جھاڑیوں نے کپڑے پکڑ لیئے۔ جوں جوں سوامی جی آگے قدم بڑھاتے تھے۔ کانٹے اور درختوں کی ٹہنیاں اُنہیں پیچھے کی طرف کھینچتی تھیں۔ سوامی جی نے اپنے کپڑے پھاڑ کر پھینک دئے۔ مگر مصیبت کا خاتمہ نہ ہوا۔ درختوں کی ٹہنیوں اور جھاڑیوں نے آپس میں بغلگیر ہو کر کسی راہگزر کے لیئے رستہ نہ چھوڑا تھا۔ سوامی جی کو ایسا محسوس ہُوا۔ کہ اس جنگل سے گزرنا نا ممکن ہے۔ اُس وقت وہ کانٹوں کی بستی

میں کھڑے تھے۔ مگر کھڑا ہونا ناممکن تھا۔ ایسے بھی مقام آئے جہاں سوامی جی کو بیٹھ کر اور پیٹ کے بل رینگ کر گزرنا پڑا۔ پاؤں اور گھٹنے لہولہان ہو گئے۔ جسم کے اکثر حصوں سے خون بہنے لگا۔ اور بعض جگہ سے بوٹیاں اڑ گئیں۔ مگر سوامی جی حوصلہ نہ ہارتے تھے۔ اور آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ جنگل ختم ہو گیا۔ اور سوامی جی اس سے فتحیاب ہو کر باہر نکلے۔ مگر جسم میں جان معلوم نہ ہوتی تھی۔

اس وقت چاروں طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ دیکھنے سے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ نہ رستے کا پتہ چلتا تھا۔ مگر سوامی جی نے پھر بھی حوصلہ نہ ہارا۔ اور نہ قدموں کو روکا۔ اندھیرے میں چلتے رہے۔ کہ کہیں تو رستہ مل ہی جائیگا۔ چلتے چلتے وہ ایسی جگہ جا پہنچے۔ جہاں چاروں طرف پہاڑ ہی پہاڑ تھے۔ باہر نکلنے کا کوئی رستہ نظر نہ آتا تھا۔ مگر زمین پر ہریاول بچھی تھی۔ آبادی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ سوامی جی آگے بڑھے۔ تو ٹمٹماتے ہوئے چراغ دکھائی دئے۔ ان چراغوں نے تھکے ہوئے سنیاسی کا خیر مقدم کیا۔ جب پاس گئے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ یہ چراغ گوبر کے ڈھیروں سے ڈھکی ہوئی جھونپڑیوں کے ہیں۔ ان کے قریب ہی صاف پانی کا ایک چشمہ بہ رہا تھا۔

اور اس پر بکریوں کا ایک ریوڑ چر رہا تھا۔ وہاں ایک درخت کے نیچے سوامی جی ٹھہر گئے۔ اور لیٹتے ہی سو گئے۔ اپنے زخموں کا دھیان نہ رہا۔ صبح اُٹھ کر اُنہوں نے زخم دھوئے۔ ہاتھ پاؤں صاف کئے اور اپنی لاٹھی کو نہلایا۔ اس کے بعد سندھیا کرنے ہی لگے تھے۔ کہ اُنہیں کچھ شور سا سُنائی دیا۔ سمجھے کہ کوئی جنگلی جانور ہے۔ مگر تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتے ہیں۔ کہ ایک ٹمٹم چلی آ رہی ہے۔ یہ شور اس کی گڑگڑاہٹ تھی۔ پھر جھونپڑیوں سے عورت مرد اور بال بچے باہر نکلے اور گاڑی کی طرف بڑھے۔ اب سوامی جی کو خیال ہوا۔ کہ یہ لوگ کسی تہوار کو منانے یہاں آئے تھے اور اب واپس جا رہے ہیں۔ جب اُنہوں نے ندی کنارے ایک سنیاسی کو دیکھا۔ تو وہ ان کے پاس آ گئے اور بڑے مُؤدّبانہ لہجہ میں بولے۔ مہاراج! آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ میں کاشی سے آیا ہوں اور نربدا کا سرچشمہ دیکھنے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد سوامی جی سندھیا میں مصروف ہو گئے اور وہ لوگ بھی چلے گئے۔ آدھ گھنٹے کے بعد اُن لوگوں میں سے ایک آدمی دو پہاڑی آدمیوں کو لے کر سوامی جی کے پاس آیا۔

اور بولا۔ کہ آپ ہمارے جھونپڑوں میں تشریف لے چلیں۔
مگر سوامی جی نے اس خیال سے کہ یہ لوگ مورتی پوجا
(بت پرستی) کرتے ہیں۔ اُن کی درخواست رد کر دی۔
اس پر اُس آدمی نے وہاں آگ جلا دی۔ اور اُن
آدمیوں سے کہا۔ تم رات بھر یہیں ٹھیرو۔ اور سوامی
جی کی حفاظت کرو۔ پھر اُس نے ہاتھ باندھ کر سوامی جی
سے کھانے کے لیئے عرض کی۔ سوامی جی نے کہا۔ میں
آج کل اناج نہیں کھاتا۔ صرف دودھ پیتا ہوں۔ یہ سُن کر
اُس نے سوامی جی سے اُن کا تونبا (کشکول) مانگ لیا۔
اور اُسے دودھ سے بھر کر سوامی جی کو دے دیا۔
جاتے وقت اُس نے پھر اپنے آدمیوں سے کہا۔ کہ
دیکھو ساری رات جاگتے رہنا۔ سوامی جی کی حفاظت کا
خیال نہ بھول جائے۔ سوامی جی وہیں بیٹھے رہے۔ اور
رات گزر گئی تو وہیں سو گئے۔ پچھلے دن کے سفر کی
وجہ سے اُن کا جسم چُور چُور ہو رہا تھا۔ اس لیئے سورج
نکلنے سے پہلے اُن کی آنکھ نہ کھلی۔ جاگ کر اُنہوں نے
سندھیا کی اور پھر سفر کو تیار ہو گئے۔ اس طرح تین
سال کا عرصہ سوامی جی نے نربدا کے کنارے بسر کر دیا۔
اِس اثنا میں کئی مہاتماؤں کے درشن بھی ہوئے۔ اب
تک اُن کا دل سونا تھا۔ اب کندن بنا۔ وہ یوگا ابھیاس
کے ابتدائی منازل طے کر چکے تھے۔ اب اُنہیں بالائی

طبقہ میں پرواز کرتا تھا۔ اتنے میں اُنہوں نے شری سوامی ورجانند کی شہرت سُنی اور متھرا آ پہنچے ۔

ساتواں باب

سوامی ورجانند جی کا وطن پنجاب میں کرتار پور کے قریب کوئی قصبہ تھا۔ کہتے ہیں۔ وہ کپورتھلہ کے پاس سے بہنے والی بہین ندی کے کنارے کسی گاؤں میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ سارسوت براہمن تھے، گوتر کے بھار دواج۔ اُن کے باپ کا نام نارائن دت تھا۔ جب ورجانند کی عمر پانچ سال کی ہوئی۔ تو اُن پر چیچک نے حملہ کیا۔ علاج سے جان تو بچ گئی مگر بینائی جاتی رہی۔ اُس پر غضب یہ ہوا۔ کہ گیارہ سال کے بھی نہ ہونے پائے تھے۔ کہ والدین کی وفات ہو گئی۔ بڑے بھائی نے بات بات میں ستانا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اندھے بچے کو گھر چھوڑنا پڑا۔ سب سے پہلے یہ رشی کیش آئے۔ اور گنگا جل میں کھڑے ہو کر گایتری کا جاپ کرتے رہے۔ ایک سال گزر گیا۔ ایک دن اُنہوں نے خواب میں سُنا۔ کہ اب تم

یہاں سے چلے جاؤ۔ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ ورجانند نے اسے صدائے غیب سمجھا۔ اور کنکھل چلے گئے۔ وہاں اُس زمانہ میں سوامی پورنانند بڑے پنڈت رہتے تھے۔ ورجانند اُن سے وباکرن (گرامر) پڑھتے رہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ گھربار چھوڑتے ہی ورجانند سنیاسی ہو گئے تھے ٭

کنکھل سے چل کر ورجانند پریاگ وغیرہ تیرتھوں میں پھرتے رہے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ نہا دھو کر ورجانند وشنو ستوتر پڑھ رہے تھے۔ الور کے مہاراج ونے سنگھ اُس وقت وہیں تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی کا صحیح تلفظ اور شیریں لہجہ سُنا۔ تو لٹو ہو گئے۔ سوامی جی سے بات چیت کرتے وقت اُن کو معلوم ہوا۔ کہ غضب کے آدمی ہیں۔ علمِ اِلٰہی سے ان کا سینہ معمور ہے۔ تب اُنہوں نے اُنہیں اپنے ساتھ چلنے کے لئے کہا۔ سوامی ورجانند نے اوّل اوّل تو انکار کر دیا۔ مگر بعد میں مان گئے۔ پر اِس شرط پر کہ مہاراج اُن سے ہر روز سنسکرت پڑھا کریں۔ مہاراج نے یہ شرط قبول کر لی۔ اور سوامی جی کو اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں خور و نوش کا انتظام ریاست کی طرف سے ہوا۔ اور دو روپے روزانہ دیگر اخراجات کے لئے ملنے لگے۔ مہاراج نے روزانہ تین گھنٹے سنسکرت پڑھنا

شروع کیا۔ جب کبھی ریاست کی کوئی پیچیدگی آ پڑتی۔ تب بھی سوامی جی سے مشورہ کرتے۔ سوامی جی ہر روز وقت مقررہ پر مہاراج کو جا کر پڑھاتے تھے۔ ایک دن جب سوامی جی پڑھانے گئے۔ تو مہاراج موجود نہ تھے۔ اُن کو بازاری عورتوں کے ناچ نے روک رکھا تھا۔ سوامی ورجانند کی طبیعت خراب ہو گئی۔ وہ اُسی دن وہاں سے واپس آ گئے۔ پھر کچھ دن مہاراجہ مرسان کے پاس رہے۔ وہاں سے بھرتپور چلے آئے۔ وہاں چھ مہینے ٹھہرے رہے۔ اس کے بعد مستقل طور سے متھرا میں رہنے لگے +

ریلوے سٹیشن سے جمنا کے وشرام گھاٹ کو جو سڑک جاتی ہے۔ اُسی طرف ایک معمولی سے بالا خانہ میں ورجانند رہا کرتے تھے۔ یہ چھوٹا سا بالا خانہ اُن کی پاٹشالہ کا کام دیتا تھا۔ اس کا خرچ کچھ مہاراجہ الور دیتے تھے کچھ مہاراجہ جے پور۔ اس کے علاوہ متھرا میں جو امرا آتے رہتے تھے وہ بھی اس کار خیر میں امداد دیتے رہتے۔ سوامی ورجانند اناج بہت کم کھاتے تھے۔ اکثر دودھ پر گزارہ کرتے تھے۔ رات کو سوتے بھی کم تھے۔ تیسرے پہر اُٹھ بیٹھتے تھے۔ اور نہا دھو کر پرانا یام (حبس دم) کرنے لگ جاتے تھے۔ اِدھر سورج طلوع ہوتا۔ ادھر وہ حاجات ضروری سے فارغ ہو چکتے تھے۔ اس کے

بعد پڑھائی کا کام شروع ہوتا۔ تو دو پہر ہو جاتی۔ پھر کچھ آرام کرتے اور تھوڑے سے وقفہ کے بعد پھر پڑھائی شروع ہو جاتی۔ یہاں تک کہ دن کے چار پہر گزر جاتے۔ کبھی کبھی چیلوں کو کچھ خاص راز کی باتیں بھی بتایا کرتے تھے۔ جب شام ہوتی۔ تو پھر غسل کرتے۔ اور گیان دھیان میں محو ہو جاتے۔ اس طرح سوامی ورجانند کی زندگی کے دن بسر ہوتے تھے۔ اُن کا دماغ بہت نکتہ رس تھا۔ بال کی کھال نکالتے تھے۔ اُن کی غیر معمولی قابلیتوں نے اُن کی شہرت کو پر لگا دئے تھے۔ اور اتنا ہی نہیں۔ اُن کا حافظہ بھی غضب کا تھا۔ جو شلوک ایک دو دفعہ سُن لیتے۔ وہ حفظ ہو جاتا۔ اور پھر کبھی نہ بھولتا تھا۔ اُنہیں کئی کتابیں زبانی یاد تھیں۔ کاشی کے پنڈت اُن کا سکّہ مانتے تھے۔ جس مضمون کو لیتے تھے۔ اس خوبی سے نبھاتے تھے۔ کہ لوگ دنگ رہ جاتے تھے۔ وہ صاف گو، سادہ لوح اور نیک فطرت تھے۔ چھل کپٹ نہ جانتے تھے۔ اُنہیں انارش گرنتھوں پر عقیدت نہ تھی۔ اس لئے وہ اپنے ودیارتھیوں کو نگھنٹو۔ نرکت اشٹادھیائی اور مہابھاشیہ کے سوا دوسری کتابیں پڑھانا گناہ سمجھتے تھے۔ اُنہیں بھاگوت سے نفرت تھی۔ اکثر لوگوں کو اس کے پڑھنے پڑھانے

سے منع کیا کرتے تھے۔ قصہ کوتاہ جب سوامی دیانند اُن کے پاس پہنچے۔ اُس وقت وہ ویاکرن (گرامر) کے آفتاب متصوّر ہوتے تھے۔ دور دور تک کوئی اُن کے سامنے سر نہ اُٹھا سکتا تھا۔ اس وقت اُن کی عمر ۸۱ برس کی تھی ۔

سمبت ۱۹۱۴ کی زبردست فوجی ہلچل بند ہو چکی تھی۔ اب کہیں کہیں اُس کی سُلگتی ہوئی چنگاریاں دکھائی دیتی تھیں۔ جو لمحہ بہ لمحہ موت کے تاریک پردے میں فنا ہو رہی تھیں۔ کہ کاتک سدی ۲ سمت ۱۹۱۷ کو سوامی دیانند سرسوتی متھرا میں داخل ہوئے اور سیدھے ڈنڈی ورجانند کی کٹیا کے دروازے پر جا پہنچے ۔ ڈنڈی نے پوچھا "کون ہے"؟

جواب ملا۔" دیانند سرسوتی" ۔

"کچھ ویاکرن بھی پڑھا ہے"؟

"مہاراج ! سارسوت وغیرہ کتابیں دیکھی ہیں" ۔

یہ سُنتے ہی ڈنڈی نے دروازہ کھول دیا۔ سوامی دیانند نے اندر داخل ہو کر نہایت ہی مؤدبانہ انداز سے نمسکار کیا ۔ اور اجازت پا کر ادب کے ساتھ اُن کے قریب بیٹھ گئے ۔ سوامی ورجانند نے اوّل امتحان کے طور پر سوامی جی سے کچھ سوالات پوچھے ۔ سوامی جی نے جواب دئے ۔ جواب سُن کر ورجانند نے کہا ۔ دیانند ! تم نے

جو کچھ اب تک پڑھا ہے۔ اُس کا اکثر حصہ انارش ہے
رشیوں نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ بڑا مدلل اور خوبصورت
ہے۔ تم دیکھ کر خوش ہو جاؤ گے۔ مگر لوگ اُن کا مطالعہ
نہیں کرتے۔ تم بھی جب تک اُن کتابوں کو حافظہ سے
محو نہ کر دو گے۔ تب تک تم کو حقیقت کا علم نہ ہوگا۔
ونڈی نے سلسلۂ تقریر کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔ کہ
اُن لغو کتابوں کے مصنف کس طبیعت کے آدمی تھے۔
وہ اسی بات سے ظاہر ہو جائیگا۔ کہ انوبھوتی سوروپ
آچاریہ ایک دن پنڈتوں کے ساتھ بات چیت کر رہے
تھے۔ بڑھاپے کی وجہ سے زبان سے تلفظ ٹھیک
نہ نکلتا تھا۔ پُنسو کی بجائے پُنکشو کہہ گئے۔ ایک
پنڈت نے اعتراض کیا۔ مگر آچاریہ نے اپنی غلطی
تسلیم نہ کی۔ البتہ پُنکشو لفظ صحیح ثابت کرنے کے
لئے ایک کتاب لکھ ڈالی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے
کہ اس قسم کی کوششیں کس قدر تباہی آور و
گمراہ کن ہیں۔ اس لئے اگر تم مجھ سے کچھ پڑھنا
چاہتے ہو۔ تو عام مصنفوں کی کتابیں بھلا دو۔
اور ان کا ذکر تک اپنے منہ پر نہ آنے دو۔
سوامی دیانند نے اس حکم کے سامنے سر جھکا دیا۔

سوامی ورجانند نے یہ بھی کہا۔ کہ ہم سنیاسیوں
کو نہیں پڑھایا کرتے۔ وجہ یہ کہ اُن کے کھانے

کا یہاں انتظام نہیں۔ اِس لئے پڑھنا شروع کرنے سے پہلے آپ کو اپنے کھانے پینے کا انتظام خود کر لینا چاہیئے۔ جب تک فکر ہوگا۔ تب تک پڑھنا ناممکن ہے۔ سوامی دیانند نے پھر سر نیاز جُھکایا اور کہا۔ "مہاراج! آپ پڑھانا شروع کر دیں۔ کھانے پینے کا انتظام میں خود کر لونگا"۔

کہتے ہیں ڈنڈی ورجانند جی سدھانت کومدی کے مُصنّف سے ایسے ناراض تھے۔ کہ اپنے ودیارتھیوں سے اُس کے نام پر جوتے لگوایا کرتے تھے۔ اس سے مقصود یہ تھا۔ کہ ودیارتھی سدھانت کومدی سے نفرت کرنے لگیں۔ سوامی دیانند کو بھی یہی حکم ملا۔ اور جب وہ تعمیل کر چکے۔ تو اُن کی تعلیم شروع ہوئی۔ ڈنڈی جی نے سارے شہر سے چندہ جمع کرایا۔ اور سوامی دیانند کے لئے اکتیس روپے کو مہابھاشیہ کی ایک جلد منگوائی گئی۔

آٹھواں باب

اُس سال ملک بھر میں قحط پڑا تھا۔ خصوصاً شمالی ہند میں اس نے غضب ڈھا رکھا تھا۔ دوسرے صوبوں

کے لوگ اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کرتے تھے مگر پھر بھی سب کا پیٹ نہ بھرتا تھا نہ بھر سکتا تھا۔ ہزاروں آدمی سسک سسک کر مر گئے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس قحط میں قریباً دو لاکھ آدمی لقمۂ اجل ہوئے۔ اس اثر سے متھرا کا شہر بھی محفوظ نہ رہا۔ سوامی جی کے وہاں پہنچنے سے چھ مہینے بعد تک قحط کا اثر قائم رہا۔ ان ایام میں سوامی دیانند چنوں پر گزارہ کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد درگا پرشاد کھتری نے اُن کی خوراک کا ذمہ لیا ؛

اُن دنوں متھرا میں ایک بڑے دانی رہتے تھے امرلال۔ اُنہیں علم نجوم (جیوتش) میں ید طولےٰ حاصل تھا۔ مہاراج سیندھیا اُن کی اس قابلیت پر اتنے خوش ہوئے۔ کہ اُنہیں دس بارہ گاؤں جاگیر میں دیدئے۔ اور ساتھ ہی جیوتش بابا کے خطاب سے سرفراز کیا۔ اس کے بعد اُن کا نام جیوتش بابا ہی مشہور ہوگیا۔ اُن کے گھر پر روزانہ سو براہمن روٹی کھاتے تھے۔ ایک دن اُنہوں نے سوامی دیانند سرسوتی کی شہرت سُن کر اُن سے ملاقات کی۔ سوامی جی کا لاثانی جلال۔ حیران کر دینے والی عقل اور سڈول جسم برھمچریہ (تجرد) کی تاثیر سے دمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر اُن پر رعب طاری ہوگیا۔ حُسن اتّفاق سے وہ بھی اودیچیہ براہمن تھے۔

محبت زیادہ بڑھی ۔ اُنہوں نے سوامی جی سے کہا ۔ کہ آپ اب سے میرے ہی ہاں کھانا کھایا کریں ۔ سوامی جی نے اسے منظور کر لیا ۔ پنڈت امرلال جی کے دل میں سوامی جی کے لئے ایسی عقیدت کا جذبہ تھا ۔ کہ وہ اُنہیں روزانہ خود آ کر اپنے ساتھ گھر لے جایا کرتے تھے ۔ اور اتنا ہی نہیں ۔ جب تک سوامی جی کو کھانا نہ کھلا لیتے تب تک خود بھوکے رہتے تھے ۔ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا ۔ کہ اُنہیں خود کسی ججمان کے گھر روٹی کھانا ہوتا تھا ۔ اُس دن بھی پہلے سوامی جی کو کھلا لیتے ۔ بعد میں خود کھانے جاتے ۔ سوامی جی مہاراج نے اپنی خود نوشت سوانح عمری میں لکھا ہے ۔ " روٹی کپڑے اور کتابوں سے متعلق امرلال جی نے مجھے کھلے دل سے امداد دی ۔ اُن کا یہ احسان میں ساری عمر نہ بھولونگا " ۔

سوامی جی رات کو بھی مطالعہ میں منہمک رہتے تھے ۔ اُن کے تیل کے لئے لالہ گوردھن صراف چار آنہ ماہوار دیا کرتے تھے ۔ دودھ کا انتظام شری ابردیو پتھر والے کے دو روپوں سے ہوتا تھا ۔ رہنے کے لئے اُنہیں کوئی تکلیف نہ تھی ۔ وشرام گھاٹ کے لکشمی نارائن مندر میں ایک چھوٹا سا کمرہ اُنہیں مل گیا تھا ۔ وہ کمرہ مندر میں داخل ہو کر بائیں طرف کو ہے اور اس قدر مختصر ہے کہ سوامی جی پاؤں پسار کر سو بھی نہ سکتے تھے ۔

اُن دنوں سوامی جی ماتھے پر راکھ (بھبوت) ملا کرتے تھے۔ گلے میں رودراکش کی مالا پہنا کرتے۔ سر پر پٹکا لپیٹ لیتے اور ہاتھ میں سوٹی اور لمبی لکڑی رکھتے تھے۔ وہ بہت سویرے اُٹھتے تھے۔ اور سندھیا اپاسنا میں محو ہو جایا کرتے تھے۔ اکثر اپنے ودّیارتھی دوستوں کو بھی سندھیا کرنے کی نصیحت کیا کرتے تھے۔ کوئی ملنے آ جاتا تو اُس سے سنسکرت میں گفتگو کرتے اور کنٹھی تلک (قشقہ) وغیرہ کی مخالفت کیا کرتے۔ صحت کی خاطر گھومنے کے لئے بہت دُور نکل جاتے تھے۔ ورزش کا خاص شوق تھا۔ مگر یہ مصروفیتیں کبھی اُن کے وقت پر گورو کے پاس پہنچ جانے کے رستے میں رکاوٹ نہ بنیں ٭

ورجانند جی کا قاعدہ تھا۔ کہ بہت سویرے اُٹھ کر ندی کے پانی سے نہایا کرتے۔ مگر سوامی جی ایسے محنتی تھے۔ کہ بہت رات گئے اُٹھ کر جمنا کے کنارے چلے جاتے اور پانی کے کئی گھڑے بھر کر گورو جی کے لئے لا رکھتے۔ اِسی طرح گورو جی کے شام کو نہانے کے لئے بھی وہی پانی لایا کرتے تھے۔ اس دوران میں کئی دفعہ آندھیاں آئیں۔ بارشیں ہوئیں۔ لیکن سوامی جی کے معمول میں کبھی ناغہ نہ ہُوا۔ اُنہیں نہ اندھیری راتوں نے روکا۔ نہ کیچڑ نے۔ نہ سردی نے نہ گرمی نے۔ وہ

پانی لانے میں ایسے باقاعدہ تھے ۔ جیسے گھڑی کی سوئیاں۔ وہ اوسطاً پندرہ بیس پانی کے گھڑے روزانہ لایا کرتے تھے ۔ گوروجی کی سیوا کرتے ہوئے انہیں کوئی تکلیف تکلیف نہ محسوس ہوتی تھی ۔ دل کے نیک تھے ۔ طبیعت کے سادہ ۔ حلیم مزاجی ۔ خدمت گزاری نے گرو کا من موہ لیا ؎

شیت اوشن پرتی کولتا تھا انوکول سمان
مانا مان جو نہ گنے سو سیوک گنوان
سیوا میں جو لین ہو کرے ایک دن رات
ہچکے نہ پانی پون سے مہانم واتپات
دور سنکٹ جانے نہیں کشت پیاس ایک مان
دکھ سکھ میں بھی رت رہے سیو سیوک پہچان
جاتی جیون سیوا ہے سبھا کا یہ سنگار
نر جیون کا سار ہے سکل کٹمب آدھار
سیوا جہاں نہ دکھ وہاں جہاں سیوا نہ ہان
پنتھ ہے اننی شکھر کا سورگ دھام سوپان
آریہ جنوں کی ریت یہ کریں سیوا نشکام
تن من تک ارپن کریں ۔ پر چاہیں نہ دام
وشوامتر منی راج کی سیوا کی شری رام
نیند چھوڑی چھ رات دن تب ہوئے پورن کام
جنک ہردے میں جگمگا برہم گیان کا دیپ

یا جیہ ولکیہ منی دیو کا سیوک ہوا سمیپ
والمیک نارد آدی نے اس سے دھوئے پاپ
چرن دھلانے دوجوں کے مادھو دھلئے آپ
جتنا ہو سیوک بڑا اُتنا وہی مہان
یہ بڑائی تاتو کی شبش اڈمبر جان

سوامی جی کی قوتِ حافظہ بھی بلا کی تھی۔ جو بات ایک دو دفعہ سُن لیتے۔ دماغ پر نقش ہو جاتی۔ ودیارتھی کی ان خوبیوں پر گوروجی فریفتہ ہو گئے۔ مگر ایک دن اشٹادھیائی کا سبق کچھ ایسا مشکل تھا۔ کہ سوامی جی کو اپنے ڈیرے جاکر یاد نہ رہا۔ اس سے پہلے ایسا اتفاق آج تک نہ ہُوا تھا۔ دل میں بڑے پریشان ہوئے۔ آخر گھبرا کر گوروجی کے پاس گئے اور اپنی غلطی کا اقبال کرکے سبق پھر پوچھا۔ گوروجی دیانند کو بار بار سبق نہ دیا کرتے تھے۔ غصہ سے بولے۔ جاؤ! خود یاد کرو۔ ہم بار بار ایک ہی بات کو دہرانے کا عادی نہیں۔ سوامی جی نے دماغ پر بہت زور ڈالا۔ مگر بھولا ہوا سبق یاد نہ آیا۔ دو تین دن برابر گوروجی سے پوچھتے رہے۔ مگر اُنھوں نے نہ بتایا۔ کہا۔ ہم پہلے ہی کہ چکے ہیں۔ کہ جب تک پہلا سبق نہ سنا لوگے۔ ہم آگے نہ پڑھینگے۔ اگر تمہیں وہ سبق یاد نہیں آتا۔ تو جاؤ جاکر جمنا میں ڈوب مرو۔ میرا سر بار بار کیوں

کھاتے ہو۔ سوامی جی نے گوروجی کے پاؤں کو ہاتھ لگایا۔ اور وہاں سے چلے آئے۔ وشرام گھاٹ پر پہنچ کر پھر دماغ پر زور دینے لگے۔ دل میں عزم کر لیا۔ کہ اگر شام تک بھولا ہوا سبق یاد نہ آگیا۔ تو جمنا میں گر کر جان دیدونگا۔ یہ عزم کر کے پھر سبق یاد کرنے لگے۔ اور اس خیال میں ایسے منہمک ہوئے۔ کہ تن بدن کا ہوش نہ رہا۔ خواب کی سی حالت طاری ہو گئی۔ یکایک ایسا محسوس ہوا۔ جیسے کوئی غیبی طاقت اُنہیں اشٹا دھیائی کا سوتر سمجھا رہی ہے۔ جب سمجھا چکی۔ تو اُن کو ہوش آگیا۔ اب اُن کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا۔ بھاگے بھاگے گوروجی کے پاس چلے گئے۔ اور اپنا سبق سُنا دیا۔ شاگرد کی سعادت مندی اور مستقل مزاجی دیکھکر گوروجی بہت خوش ہوئے۔ اندھی آنکھوں میں پانی آگیا۔ اُنہوں نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے سوامی جی کو گلے لگا لیا۔ اور دعائیں دینے لگے۔ اُس دن کے بعد جب کبھی اُنہیں کوئی بات بھول جاتی۔ تو اُسی طرح سمادھی لگا کر یاد کر لیتے ٭

نواں باب

اِس وقت سوامی جی کی عُمر ۳۵ برس کی ہو چکی تھی۔ اُن کا چہرہ تپے ہوئے تانبے اور کندن کے مانند چمکتا تھا۔ برہمچریہ کا جلال کسی کو اُن کی طرف نگاہ جما کر دیکھنے نہ دیتا تھا۔ اُن کا سڈول خوبصورت جسم دیکھ کر لوگ اُن کے برہمچریہ کی تعریف کرنے لگ جاتے تھے۔ پانی لانے کے لئے وہ بار بار جمنا کے کنارے پر جاتے تھے۔ رہتے بھی وہیں تھے۔ وہاں بے شمار مرد عورتیں آتی جاتی رہتی تھیں۔ بعض وقت لوگ ایک دوسرے سے مذاق بھی کر دیتے ہیں۔ مگر سوامی جی سے مذاق کرنے کا کسی میں حوصلہ نہ تھا۔ وہ بازاروں میں چلتے، گلیوں سے گزرتے، سڑکوں پر نکلتے۔ ان جگہوں پر لوگوں کا ہجوم ہوتا تھا۔ مگر ڈھائی سال کے عرصہ میں کسی نے نہیں دیکھا۔ کہ سوامی جی نے کسی عورت کی طرف آنکھ اُٹھا کر دیکھا ہو۔ اُن کی آنکھیں ہمیشہ زمین کی طرف رہتی تھیں۔ اُن کے اس ضبط کی متھرا میں دھاک بندھ گئی۔ مندروں میں، گھاٹوں پر۔ آشرموں میں۔ پاٹشالاؤں میں۔ بازاروں میں۔ دُکانوں میں۔ گھروں میں۔ اکھاڑوں میں۔ جہاں چار آدمی جمع ہو جاتے۔ سوامی جی کی خود ضبطی

کے چرچے چھڑ جاتے۔

ایک دن کا ذکر ہے۔ سوامی جی آسن جمائے پل پر بیٹھے تھے۔ اتنے میں ایک عورت آئی۔ اس نے انہیں دیکھا۔ پُر جلال چہرہ نے دل کو عقیدت سے بھرپور کر دیا۔ وہ بڑے ادب سے آگے بڑھی۔ اور سوامی جی کے پاؤں پر سر رکھ کر نسکار کیا۔ عورت کے بھیگے ہوئے کپڑے کی نمی سے سوامی جی کی آنکھیں کھل گئیں۔ دیکھا۔ ایک عورت پاؤں میں پڑی ہے۔ وہ چونک پڑے اور ماں ماں کہتے ہوئے اس جگہ سے چلے گئے۔ سوامی جی اسے بُرا سمجھتے تھے۔ لیکن اُس دن ایک عورت نے اُن کے پاؤں پر سر رکھ دیا۔ اس لئے سوامی جی ایک تنہا جگہ چلے گئے۔ اور تین دن تک برابر گیان دھیان میں لگے رہے۔ چوتھے دن جب گورو جی کے پاس پہنچے۔ تو انہوں نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ اور پوچھا۔ تم تین دن تک کہاں غائب رہے۔ سوامی جی نے ساری کہانی سُنا دی۔ سُن کر ورجانند جی کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُن کا شاگرد ایسا زبردست آدمی ہے۔ اس کی انہیں اُمید نہ تھی۔ انہوں نے انہیں شاباش دی اور تعریف کے پُل باندھ دئے۔ کبھی کبھی ایسا بھی اتفاق ہوتا تھا۔ کہ گورو جی انہیں سزا دیتے تھے۔ مگر سوامی جی کے چہرے پر میل نہ آتا تھا۔ سمجھتے تھے۔

گورو جی کی سزا محبت کی سزا ہے۔ ایک دن غصہ میں آکر انہوں نے سوامی جی پر لاٹھی چلا دی۔ سوامی جی کے بازو پر بڑی سخت چوٹ آئی۔ مگر انہیں اس چوٹ کی پروا نہ تھی۔ گورو جی سے بولے۔ مہاراج! میرا جسم سخت ہے اور آپ کے ہاتھ نرم۔ مجھے خود نہ مارا کریں۔ آپ کو تکلیف ہوتی ہے۔ کہتے ہیں۔ اس چوٹ کا نشان اُن کے بازو سے عمر بھر نہ گیا۔ جب دیکھتے تھے۔ گورو جی کے احسان یاد کرنے لگ جاتے تھے ؞

سوامی ورجانند کے شاگردوں میں سے ایک نین سُکھ بھی تھا۔ اُس کی قوّت حافظہ بلا کی تھی۔ سوامی ورجانند اُس پر خاص طور سے مہربان تھے۔ وہ کچھ پڑھا لکھا نہ تھا۔ مگر جب دوسرے ودیارتھی اپنا سبق یاد کرتے۔ وہ پاس بیٹھا سُنا کرتا۔ اپنی قوّت حافظہ کی بدولت اُس نے سُنتے سُنتے اشٹادھیائی اور مہابھاشیہ یاد کر لیا۔ اُس کا تلفظ بڑا صاف تھا۔ سنسکرت بھی بڑی آسانی سے بولتا تھا۔ سوامی جی سے اُسے بہت محبت تھی۔ اور وہ اُن کی بڑی عزّت کیا کرتا تھا ؞

ایک دن ایسا اتفاق ہُوا۔ کہ سبق پڑھاتے وقت دنڈی جی کو غصہ چڑھ گیا۔ انہوں نے سوامی جی پر لاٹھی چلا دی۔ سوامی جی نے زبان نہ کھولی۔ مگر نین سُکھ بول اُٹھا۔ "سوامی جی مہاراج! یہ دیانند ہمارے مانند معمولی

گرہستی نہیں۔ سنیاسی ہیں۔ ان کا آپ کو خاص خیال رکھنا چاہیے۔" یہ سنتے ہی ڈنڈی جی کے ہاتھ رُک گئے۔ کچھ دیر کے بعد بولے۔ بہت اچھا! آئندہ سے ہم انہیں ہرگز نہ مارینگے اور بڑی عزت اور محبت سے پڑھائینگے۔ شام کو جب سب ودیارتھی باہر نکلے۔ تو سوامی جی نے نین سکھ سے اظہار ناراضگی کیا اور کہا۔ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ اُن کو ہم سے عداوت تھوڑا ہی ہے۔ اس پر بھی اگر سزا دیتے ہیں۔ تو ہماری ہی بہتری کے لئے ہے۔ جس طرح کمہار مٹی کو مل مل کر اُس سے خوبصورت گھڑا تیار کر لیتا ہے۔ اُسی طرح گورو چیلے کی عمر سنوار دیتے ہیں ٭

ایک دفعہ شری ڈنڈی ورجانند کا رنگا چاریہ سے برندابن میں مباحثہ ہُوا۔ سوامی جی ساتھ گئے تھے۔ وہاں رنگا چاریہ کے ایک ودیارتھی نے سنسکرت میں بولنا شروع کیا۔ مگر اُس کی زبان غت ربود اور تلفظ غلط تھا۔ سوامی دیانند نے اُسے ٹوک دیا مگر ڈنڈی جی نے سوامی جی سے کہا۔ بولنے دو۔ ڈنڈی جی یوں تو سنیاسی تھے۔ مگر طبیعت بادشاہوں کی سی پائی تھی۔ لب و لہجہ میں یہی شان جھلکتی تھی۔ سچ ہے ؎

چاہ چنتا کو دور کر ہوا جو وگت کلیش
اندریہ گن کو دمن کر وہی راج راجیش

کلھ کلپنا میٹ کے رنو پیکبشنت پری دراٹ
اُس کے مانس محل میں سوئی راجسی ٹھاٹ

چنانچہ ایک دفعہ ونڈی ورجانند کا کوئی قریبی رشتہ دار متھرا آیا۔ ونڈی جی سے ملنے کو جی چاہا۔ مگر اُن کا حکم تھا۔ کہ آج کل وِدیارتھیوں کے علاوہ دوسرا کوئی شخص ہمارے پاس نہ آئے۔ یہ سُن کر اُس کو بہت افسوس ہُوا۔ ایک دن اُس سے اور سوامی دیانند جی سے راہ میں ملاقات ہوگئی۔ اُس نے سوامی جی سے کہا۔ مہاراج! جس طرح ہوسکے۔ ونڈی جی کے درشن کرا دیں۔ بڑی دُور سے آیا ہوں۔ اگر اب بھی نہ دیکھ سکا۔ تو پھر ساری عمر میں یہ موقع میسّر نہ ہوگا۔ سوامی جی نے اُسے بہت سمجھایا۔ کہ آج کل وُہ کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔ اگر میں تمہیں ساتھ لے گیا۔ تو وہ مجھ پر بھی ناراض ہونگے۔ مگر اُس شخص نے اپنا سر سوامی جی کے پاؤں پر رکھ دیا اور کہا" وہ آپ پر ناراض ہونگے۔ تو کیا ہُوا۔ مجھے درشن کرا دیجئے۔ میں دُور ہی سے دیکھ کر چلا جاؤنگا"۔ اب سوامی جی انکار نہ کر سکے۔ اُسے اپنے ساتھ لے گئے۔ اُس شخص نے ونڈی جی کے درشن کئے۔ اور سوامی جی کے اشارے سے چپ چاپ نیچے اُتر چلا۔ سوامی جی بھی ساتھ ہی اُتر آئے۔ مگر ابھی سیڑھیوں سے اُترنے نہ پائے تھے۔ کہ ایک دُوسرا

ودّیارتھی اوپر آتے ہوئے ملا۔سوامی جی نے اُسے اشارہ سے سمجھا دیا۔مگر اُس نے جانتے ہی ونڈی جی سے کہا۔"کیوں ونڈی جی! یہ آدمی جو سوامی دیانند کے ساتھ آیا تھا۔کون تھا؟ لباس سے تو پنجابی معلوم ہوتا تھا۔" ونڈی جی کو زہر چڑھ گیا۔سوامی جی سے بولے" تو نے ہمیں اندھا سمجھ کر ہمیں دھوکا دیا ہے۔اب ہم تجھے نہ پڑھائینگے۔جا آج سے یہ دروازہ تجھ پر بند کیا جاتا ہے" سوامی جی نے اُن کے پاؤں پکڑ لئے۔مگر شنوائی نہ ہوئی۔آخر نین سکھ نے کئی دن کی کوششوں سے گورو جی کا غصہ ٹھنڈا کیا۔جس طرح شہد کا لوبھی بھنورا کمل سے اُڑ کر پھر اُسی پر آ بیٹھتا ہے۔ اسی طرح سوامی جی عزّت بےعزّتی کی پروا نہ کرکے گورو جی کے پیروں سے لپٹ گئے۔

ایک اور موقع پر سوامی جی پر گورو کا دربار بند ہوا۔سوامی جی نے گورو جی کے بیٹھنے کی جگہ کو صاف کیا۔اور کوڑا کرکٹ ایک کونے میں جمع کر کے جھاڑو رکھ کر کسی چیز کی تلاش کرنے گئے۔ اتنے میں ونڈی جی رستہ ٹٹولتے ٹٹولتے وہاں آ گئے۔اور اُن کا پاؤں کوڑے کرکٹ میں پڑا۔بس کیا تھا۔غصّہ سے تیور بدل گئے۔بولے۔دیانند بڑا کاہل ہے۔اب کبھی ہمارے بالاخانہ پر نہ چڑھے۔یہ اُس موقع کی بات ہے

جب سوامی جی کی تعلیم ختم ہونے میں چند ہی دن باقی تھے۔ اُنہوں نے نندن چوبے اور نین سُکھ سے کہا۔ گورو جی کچھ اتنے ناراض نہیں۔ غصہ میں آکر کہہ بیٹھے ہیں۔ ادھر میری تعلیم کا زمانہ بھی ختم ہونے کو ہے۔ اور میں نہیں چاہتا۔ کہ اب میری طرف سے اُن کے دل میں غبار رہے۔ یہ امر میرے دل پہ بوجھ بنا رہیگا۔ اس لئے آپ چل کر مجھے معاف کرا دیں۔ یہ کہکر اُنہوں نے دونو کو ساتھ لیا اور آکر گورو جی کے پاؤں پکڑ لئے۔ شری ڈنڈی جی ودیارتھیوں پر غصے ہو جاتے تھے۔ مگر اُن کا غصہ دودھ کا اُبال اور پانی کی لکیر تھا۔ معاف بھی بہت جلد کر دیتے تھے۔ سوامی دیانند پر بھی فوراً ہی خوش ہو گئے +

دسواں باب

سوامی ورجانند کو اپنے ودیارتھیوں سے بڑی محبت تھی۔ ایک دن معلوم ہوا کہ ایک ودیارتھی بیمار ہے۔ جھٹ جوش میں آگئے۔ اُسی وقت لاٹھی لے کر کھڑے ہو گئے۔ اور ایک ودیارتھی سے بولے۔ چلو مجھے اُس کے گھر لے چلو۔ وہاں جاکر اُسے تسلی دی اور بہت دیر تک

اُس کے سرہانے بیٹھے رہے۔ سوامی دیانند جی سے اُنہیں بے حد محبت تھی۔ اکثر اپنے ودیارتھیوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ میرے ودّیارتھیوں میں دیانند جیسا ایک بھی نہیں۔ یہ میرے اشارے کو سمجھتا ہے۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ اپنی وِدّیا کو سپھل کریگا ؞

سوامی جی کی دلیل بازیاں ونڈی جی کو بہت پسند تھیں۔ جب کبھی آپس میں بحث چھڑ جاتی۔ تو دروِن آچاریہ اور ارجن کی لڑائی کا سماں بندھ جاتا تھا۔ ونڈی جی اپنے ودیارتھی کی تعریف کرنے لگ جاتے۔ اور بعض وقت تو یہاں تک کہ دیتے "دیانند! تم سے کوئی کیا بحث کریگا۔ زبان پکڑ لیتے ہو۔ کسی کو مُنہ نہیں کھولنے دیتے"۔ دوسرے ودیارتھیوں میں بحث کرنے کا یہ مادّہ نہ تھا۔ گورو جی جو کچھ پڑھا دیتے۔ سُن لیتے۔ اُس کی جیسی تشریح کرتے۔ یاد کر لیتے۔ درمیان میں کسی کو بولنے کی ہمت نہ تھی۔ مگر جب سوامی دیانند پڑھنے آتے۔ تو بات بات پر سوال کرتے۔ دلیلوں کی بھرکھا ہونے لگتی تھی۔ اکثر گورو جی کہ دیا کرتے تھے "دیانند میں نے سینکڑوں ودّیارتھیوں کو پڑھایا ہے۔ پرنتو جو لطف تجھے پڑھانے میں آتا ہے۔ وہ آج تک نہ آیا تھا" ؞

کتابی علم کے علاوہ اور بھی کئی باتیں ہوتی ہیں۔ جو اُستاد لوگ اپنے سینوں میں محفوظ رکھا کرتے ہیں۔

ایسی باتیں سُننا کسی کسی خوش نصیب ہی کو نصیب ہوتا ہے۔ سوامی دیانند اِسی قسم کے خوش نصیب تھے۔ ونڈی جی اُنہیں اکثر ایسی راز کی باتیں بتاتے رہتے تھے۔ گورو چیلے میں باتیں شروع ہوتیں۔ تو کئی کئی گھنٹے گزر جاتے۔ وید شاستروں پر بحث ہوتی رہتی۔ اس طرح سوامی دیانند نے اپنے گورو سے سب کچھ جو اُنھوں نے جوانی سے لے کر اب تک جمع کیا تھا۔ حاصل کر لیا۔ سوامی ورجانند جی مطمئن ہوئے ؁

اڑھائی سال گزر گئے۔ سوامی دیانند نے سوامی ورجانند کے پاؤں میں بیٹھ کر اشٹا دھیائی۔ مہابھاشیہ۔ ویدانت سوتر اور دوسری کتابیں ختم کر لیں۔ اس قدر عرصہ تک سوامی جی کا ڈنڈی جی کے پاس رہنا سونے پر سوہاگہ کا کام کر گیا۔ جب تعلیم ختم ہو گئی۔ تو سوامی جی کا ارادہ ہُوا۔ کہ اجازت لے کر دیس میں گھومیں۔ نہ ڈنڈی جی روپیہ پیسہ لینا چاہتے تھے۔ نہ دیانند کے پاس چار پیسے تھے۔ کہ اُن کے قدموں میں رکھتے۔ مگر گورو جی سے وداع ہوتے وقت اُن کے پاس خالی ہاتھ جانا مُناسب نہ سمجھا۔ جاتے وقت کچھ لونگ لے گئے۔ اور گورو جی کے پاؤں چھو کر بولے ”مہاراج! آپ نے مجھ پر بڑی دیا کی ہے۔ آپ نے مجھے پڑھایا ہے۔ اس کے لئے میرا بال بال آپ کا شُکر گزار ہے۔

اب آپ سے ویس میں پھرنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ مَیں غریب ہوں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جو آپ کی نذر کے قابل ہو۔ صرف یہ لونگ ہیں۔ انہیں قبول کریں"۔

سچے گوروؤں کو اپنے وِدّیارتھیوں کے ساتھ اولاد سے بڑھ کر محبت ہوتی ہے۔ مہاتما ورجانند کے ہاں اولاد نہ تھی۔ اُن کے لئے ودّیارتھی ہی اُن کے بیٹے تھے۔ اُن کا کوئی رشتہ دار نہ تھا۔ اُن وِدیارتھیوں میں دیانند کو سب سے بڑھ کر چاہتے تھے۔ اُنہوں نے اُس کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ اُس سے کوئی بات چھپا نہ رکھی تھی۔ اُسے وداع ہوتے دیکھ کر اُن کا جی بھر آیا۔ اُس کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولے۔ بیٹا! مَیں تُمہارے لئے پرماتما سے بہتری کی دعا کرتا ہوں۔ وُہ تُمہاری ودیا کو سپھل کریں۔ مگر میں تم سے لونگ نہیں کچھ اور چیز چاہتا ہوں۔ اور وہ تم دے سکتے ہو"۔

سوامی دیانند نے کہا۔" مہاراج! حُکم کیجئے۔ میرا جسم اور دل آپ کے قدموں میں ہے۔ مَیں آپ کی خاطر جو کچھ کر سکتا ہوں کر گزرونگا"۔

اپنے عزیز ترین ودّیارتھی کے مُنہ سے یہ الفاظ سُن کر ورجانند خوش ہو گئے۔ اُن کے دل میں محبّت کا دریا

اُمڈ آیا۔ پیار سے بولے "بیٹا! بھارت میں بے شمار لوگ دُکھ پا رہے ہیں۔ اُن کو مُصیبت سے چھڑاؤ۔ اور مختلف مذاہب کی وجہ سے جو بُرے رسم و رواج پڑ گئے ہیں۔ اُن کو دُور کرو۔ آریہ جاتی کی حالت بگڑ گئی ہے۔ اِس کی اصلاح کرو۔ لوگ رشیوں کی کتابوں کو بھُول گئے ہیں۔ اُنہیں اُن کی طرف واپس لے جاؤ۔ اور جس طرح گنگا جمنا کی دھارا ہمیشہ لوگوں کے لئے بہتی ہے۔ اُسی طرح تم بھی اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ لوگوں کی بہبودی و بہتری کے لئے وقف کر دو۔ بیٹا! مَیں تم سے کوئی دُنیاوی شے نہ مانگتا ہوں۔ نہ مجھے مانگنے کی ضرُورت ہے۔ مَیں تم سے یہی مانگتا ہوں۔ کہ تم ہندوستان کی سوتی ہوئی قسمت کو جگا دو"۔

سوامی دیانند نے گورو کے ایک ایک لفظ پر سر تسلیم خم کیا۔ اور بھرّائے ہوئے گلے سے بولے "مَیں زیادہ نہیں کہتا۔ صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ کہ آپ دیکھینگے۔ کہ آپ کا عزیز شاگرد کیا کچھ کر دکھاتا ہے"۔

ڈنڈی جی نے پھر اپنے ودیارتھی کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ اور دُعا دے کر کہا "بہت اچھا! دیانند جاؤ۔ پرماتما تمہاری امداد کریں اور تمہیں اپنے مقصد میں کامیابی حاصل ہو"۔

سوامی جی وہاں سے وداع ہوئے۔ اور آگرہ

جانے کو تیار ہوئے۔ اُس وقت گورو نے اُنہیں کہا۔ "بیٹا! یاد رکھنا۔ جن کتابوں میں پرماتما اور رشی منیوں پر مذاق اُڑائے گئے ہیں۔ وہ انارش ہیں۔ آریہ گرنتھوں میں یہ بات نہ ہے نہ ہو سکتی ہے۔ اس فرق کو ہمیشہ یاد رکھنا۔ یہ سچ جھوٹ سمجھنے کی کسوٹی ہے"۔

گنگا کانڈ

پہلا باب

زمانۂ قدیم میں لوگوں کی بہتری کے لئے موت کو بھی وچھاڑنے والے مہا یوگی اگست رشی کے آشرم سے جس طرح قسم قسم کے ہتھیاروں سے مسلح ہو کر شری رام نکلے تھے۔ اسی طرح مہاتما ورجانند کی کٹیا سے مہاراج بھگوان دیانند وِدّیا کے ہتھیار پہن کر میدان عمل میں داخل ہوئے۔ شری کرشن سے حوصلہ کی تعلیم حاصل کرکے جس طرح ارجن کی رگ رگ میں بہادری کا خون کھولنے لگ گیا تھا اسی طرح مہاتما ورجانند کے لفظوں سے سوامی دیانند کے سینہ میں بجلی بھر گئی۔اور وہ ہندوستان کے مذہبی میدان میں اس طرح داخل ہوئے جس طرح سورما سپہ سالار اپنے زور بازو پر نازاں میدان جنگ میں داخل ہوتا ہے۔ اس وقت اس کے

چہرے پر کیسی بے خوفی ہوتی ہے۔ آنکھوں میں کیسی چمک۔ یہی حالت سوامی جی کی تھی۔ وہ فتحیاب ہونے کے لئے آگے بڑھے۔ جہالت اور حسد کے مارے لوگوں کے دم گھٹے جاتے تھے۔ مخالفت کی مٹی چاروں طرف اُڑ رہی تھی اور لوگ خودغرضی ہی کو سب سے بڑی بہادری کا کام سمجھ رہے تھے۔ سوامی دیانند دو ہتھیار لے کر میدان میں اُترے۔ ایک لوگوں کی بہبودی دوسرے صداقت۔ ان دونو ہتھیاروں سے وہ مذہبی جنگ کو مٹانے اور اُڑتے ہوئے دھوئیں کے بادلوں کو اُڑانے کے لئے آگے بڑھے۔

مہاراج بساکھ سمت ۱۹۲۰ کے آخر میں آگرہ پہنچے۔ یہ شہر اُس وقت بڑی رونق پر تھا۔ ہائی کورٹ نے اس کی اہمیت کو اور بھی بڑھا دیا تھا۔ سوامی جی نے جمنا کے کنارے بھیرو مندر کے قریب لالہ گانٹے مل روپ چند اگروال کے باغیچہ میں ڈیرہ لگا دیا۔ وہاں اُن دنوں ایک اور سادھو بھی ٹھیرا ہُوا تھا۔ وہ سوامی جی کی علمیت پر فریفتہ ہو گیا۔ دل میں عقیدت کا دریا لہرانے لگا۔ اُس نے پوسٹ ماسٹر جنرل کے دفتر میں جا کر رائے بہادر پنڈت سُندر لال جی اور دیگر ذی اثر اصحاب کو اطلاع دی۔ کہ اُس باغیچہ میں ایک بڑے قابل پنڈت سنیاسی آئے ہیں۔ اُن کا اُپدیش تو ایک

طرف درشن کرنے سے دل کو قرار آ جاتا ہے ؛
سوامی جی کے پاس بہت سے لوگ آنے لگے۔ پنڈت سُندر لال پر تو بے حد اثر ہُوا۔ اُنہی دنوں کیلاش پربت نامی ایک سنیاسی اُسی باغیچہ میں آ ٹھیرے۔ اُن سے اور سوامی جی سے بھی ملاقات ہو گئی۔ ایک دن ایک آدمی نے کیلاش پربت سے گیتا کے ایک شلوک کا ترجمہ پوچھا۔ مگر اُس کا اطمینان نہ ہُوا۔ شلوک یہ تھا۔ सर्वधमान् परित्यज्य ۔۔ دوسرے دن وہ یہی شلوک لے کر سوامی جی کے پاس چلا گیا۔ سوامی جی نے کہا۔ اس شلوک میں अकार چھوٹ گیا ہے۔ اصل شلوک یہ ہے۔ सर्वाधर्मान् परित्यज्य یعنی تمام ادھرموں کو ترک کر کے۔ یہ سُن کر لوگ دنگ رہ گئے اور سوامی جی کی قابلیت پر واہ وا کرنے لگے۔ اِس واہ واہ میں کیلاش پربت نے بھی حصّہ لیا۔ اور لوگوں سے کہا۔ کہ سوامی جی فاضل اجل ہیں۔ ان کے سامنے میری کوئی حقیقت نہیں۔ اگر آپ میں سے کسی کو کچھ پڑھنا ہو۔ تو اُن ہی سے پڑھنا چاہیئے۔ اِس واقعہ سے سوامی جی کا نام آگرہ کے بچّے بچّے کی زبان پر جاری ہو گیا۔ اور لوگ اُن کے پاس جوق جوق آنے لگے ؛
کیلاش سوامی تو دس دن کے بعد بھرتپور چلے گئے۔ مگر سوامی جی وہیں رہے۔ وہاں اُنہوں نے بھگوت گیتا

کی کتھا رکھ دی۔ اُن کی کتھا کا طریقہ عجیب وغریب اور دلچسپ تھا۔ اُن کا تلفظ، اُن کی شیرینی، اُن کی تشریح، اُن کے معنی، اُن کا لب و لہجہ یہ سب ایسی چیزیں تھیں۔ جنھوں نے لوگوں پر حیرت طاری کر دی۔ گھروں کو جاتے وقت کہتے۔ گیتا کی ایسی عالمانہ اور دلچسپ، سادہ اور دل میں اُتر جانے والی تشریح ہم نے آج تک نہ سُنی تھی۔ یہ کتھا ایک ماہ تک ہوتی رہی۔ اس کے بعد لوگوں کے زور دینے پر اپنشدوں پر لیکچر دیئے۔ مگر ایک دن اُسے پڑھتے پڑھتے یہ الفاظ نگاہوں سے گزرے۔ کہ پرماتما کو کبھی کبھی واہمہ بھی ہو جاتا ہے۔ یہ لفظ پڑھنا تھا۔ کہ سوامی جی کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔ اور اُنھوں نے کتاب کو زمین پر پٹک دیا۔ اُن کے لیکچروں میں صرف عوام ہی آتے ہوں۔ یہ بات نہ تھی۔ بڑے بڑے پنڈت آتے تھے اور جھومتے تھے۔

اتوار کا دن تھا۔ پنڈت سُندر لال جی نے کہا۔ سنسکرت زبان تو مرتی جاتی ہے۔ کسی ملک میں رائج نہیں۔ آپ نے اس پر اتنا وقت کیوں خرچ کیا؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ اپنا پرلوک (عاقبت) سُدھارنے کے لئے۔ اور اگر کسی دوسرے شخص کو بھی یہی خواہش ہو۔ تو اُس کی امداد کرنے کے لئے۔

اس جواب نے پنڈت سندرلال کی آنکھیں کھول دیں۔ تب اُنھوں نے اور بابو بالمکند نے سوامی جی سے اشٹادھیائی پڑھنا شروع کر دیا۔ پنڈت سندرلال کے دماغ میں کچھ ایسا نقص تھا۔ کہ اُنہیں خوشبو بدبو کا علم نہ ہوتا تھا۔ سوامی جی نے نیتی۔ دھوتی۔ نیولی وغیرہ سے اُن کا یہ نقص دُور کر دیا۔ اور کئی آدمی سوامی جی سے یوگ سیکھتے تھے۔ مگر جب سوامی جی چلنے لگے تو اُنھوں نے اُنہیں کہا۔ کہ تم گرہستی (خانہ دار) ہو۔ نیولی کرم نہ کیا کرو۔ تم سے نباہ نہ ہو سکیگا ❊

آگرہ کے قیام میں سوامی جی کو پُھنسیاں نکل آئیں۔ ایک دن کچھ آدمیوں کے ساتھ وہ جمنا کے گھاٹ پر گئے۔ اور وہاں اُنھوں نے نیولی کرم کیا۔ یہ ایک ایسا طریقہ ہے۔ جس سے ندی میں کھڑے ہو کر انتڑیوں کی صفائی کی جاتی ہے۔ اُس دن سوامی جی نے صرف دال اور بھات کھایا۔ سوامی جی کا بیان ہے۔ کہ یہ طریقہ اُنھوں نے نرمدا کے کنارے ایک کن پھٹا جوگی سے سیکھا تھا۔ اس طرح سوامی جی کی پُھنسیاں جاتی رہیں۔ یہاں اُنھوں نے یہ بھی کہا۔ کہ ہم بہت دیر تک پانی میں بیٹھ کر تپ (عبادت) کرتے رہے ہیں۔ اس لئے سر پر سردی کا بہت اثر ہو گیا ہے۔ ؎ اُسے رفع کرنے

کی خاطر کبھی کبھی کشتہ ابرک کا استعمال کرنا پڑ جاتا ہے +
آگرہ میں سوامی جی نے سندھیا کی کتاب تالیف کی اور اُس کے آخر میں لکشمی سوکت رکھا۔ مہاشہ روپ لال جی نے ڈیڑھ سو روپیہ کے خرچ سے تین سو جلدیں شائع کرائیں۔ اُس پر اوّل اوّل پنڈتوں نے اعتراض کیا۔ مگر بعد میں مان گئے۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ سندھیا کرنے کا حق براہمن (علما)۔ کشتری (سپاہی)۔ ویش (تجار) تینوں ورنوں (ذاتوں) کو حاصل ہے +
اُس وقت سوامی جی مورتی پوجا (بُت پرستی) کے خلاف تھے۔ اس کے متعلق مشہور پنڈت چیتو لال اور کالیداس کے ساتھ بات چیت بھی ہوئی۔ وہ دونو سوامی کی دلیلوں کا سکہ تو مان گئے۔ مگر کہنے لگے۔ کہ "ہم دنیا دار ہیں۔ آزاد نہیں۔ اس لئے اس کے خلاف زبان ہلانا مشکل ہے" کہتے ہیں۔ سوامی جی کے کہنے پر اور سمجھانے پر پنڈت سُندر لال نے بھی شو پوجا (پرستش شو) ترک کر دی۔ اُس وقت سوامی جی بھاگوت پر بڑی سخت تنقید کرتے تھے۔ اُنہی دنوں متھرا کا ایک پنڈت گھاسی رام وہاں آیا۔ اُس پر سوامی جی کی صحبت کا ایسا رنگ چڑھا۔ کہ مورتی پوجا سے متنفر ہو گیا۔ ایک اور نا تعلیم یافتہ براہمن تھا۔ وہ چونسٹھ آسن لگایا کرتا تھا۔ مگر نیک اور سمجھدار تھا۔ سوامی جی نے

اُسے اپنے پاس رکھ لیا۔ کبھی کبھی تفریح کے لیئے اُس
کے آسن دیکھا کرتے تھے۔ ایک برہمچاری کھانا بنانے والا
اُن کے ساتھ تھا۔ لحاف کے علاوہ دوسرا کوئی سلا ہُوا
کپڑا نہ پہنتے تھے۔ مہا بھاشیہ وغیرہ کتابیں پاس تھیں۔
اُنہیں دنوں بھاگوت کھنڈن (تکذیب بھاگوت) پر سنسکرت
میں ایک کتاب تیار کی۔ آپ وید کے متعلق زیادہ غور
کرنا چاہتے تھے۔ پنڈت کالیداس وید کے اوراق لائے۔
مگر اُن سے کام نہ چلا۔ اس کے بعد پنڈت سندر لال
جی نے جے پور سے وید منگوا دیا۔ اگر کسی بات میں شُبہہ
ہوتا۔ تو خط لکھ کر یا خود جا کر گورو جی سے پوچھ آتے۔
اُنہیں دنوں اکثر لوگوں نے سوامی جی کو اٹھارہ اٹھارہ
گھنٹے سمادھی (مراقبہ) میں بیٹھے دیکھا تھا۔

آگرہ سے چل کر سوامی جی جودھپور آئے۔ اور
پندرہ دن وہاں ٹھیر کر کوہ آبو پر چلے گئے۔ وہاں
سے ماگھ بدی ۱۲ سمت ۱۹۲۱ کو گوالیار پہنچے۔
اُس وقت اُن کے ساتھ چار ودیارتھی تھے۔ وہاں
اُنہوں نے رام کوئی باپو آپاڑ جرنیل کے گنگا مندر میں
قیام کیا۔ اُن دنوں مہاراج گوالیار نے بھاگوت کی کتھا
رکھائی تھی۔ سوامی جی سے پوچھا۔ اس کا نتیجہ کیا
ہوگا؟ سوامی جی نے کہلوا بھیجا۔ ایسے کاموں کا نتیجہ
سوائے مُصیبت و رُسوائی کے اَور کچھ نہ ہوگا۔ نہ مانو تو

آزمایش کر لو۔ مہاراجہ ہنسے۔کہ سوامی جی سنیاسی ہیں۔ اُن میں طاقت ہے۔ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ ہم دنیادار آدمی۔ ہمیں سب کچھ کرنا ہی پڑیگا۔ اور اب تو سب سامان بھی جمع ہو چکا۔ آخر سوامی جی کو بھی شمولیت کا رقعہ ملا۔ اُنہوں نے جواب میں کہلا بھیجا۔کہ ہم اس میں شامل نہ ہونگے۔ گایتری کا جاپ ضرور ہو جاے۔اس پر مہاراج نے پھر کہا۔کہ اب یہ کچھ نہیں ہو سکتا*

ساری ریاست میں خوشی کا سماں بندھا تھا۔ شہر صاف، خوبصورت اور سجا ہُوا تھا۔کاشی سے، کلکتہ سے، دکھن سے پنڈت لوگ آئے ہوئے تھے۔آس پاس کے لوگ اور راجہ مہاراجہ بھی شان و شکوہ سے آئے تھے۔ شہر کی خوبصورتی زیادہ ہو گئی تھی۔روپے پیسے کا کوئی خیال نہ کرتا تھا۔ گھر گھر جشن منائے جا رہے تھے۔ ہر جگہ بھاگوت کے تذکرے چھڑے ہوئے تھے۔اُدھر سوامی جی نے بھاگوت کی مخالفت میں لیکچر دینا شروع کر دیا۔ لوگ دریا کے دھارے کے مانند اُمڈ پڑے۔ سوامی جی کی بےخوفی نے اُنہیں بھی دلیری سکھا دی تھی۔وہ حوصلہ سے لیکچر سُنتے تھے اور سوامی جی کی صداقت آفرینی پر واہ وا کے نعرے بلند کرتے تھے۔ سوامی جی یہ بھی کہتے تھے کہ کچھ گڑبڑ مچ جانے کو ہے۔دیکھ لینا کیا ہوتا ہے*

مگر ہفتہ گزر گیا۔ کتھا ختم ہوئی۔ شہر میں شادیانے بجنے لگے۔ معاً خبر مشہور ہوئی۔ کہ مہارانی کا حمل گر گیا ہے۔ سارا مزا کرکرا ہو گیا۔ اور ابھی ایک مہینا بھی نہ گزرنے پایا تھا۔ کہ شہر میں خوفناک ہیضہ پھوٹا۔ اور راجکمار ــــــ وہی راجکمار جس کی درازیٔ عمر کے لئے بھاگوت کی کتھا رکھی گئی تھی۔ اور جسے تمام پنڈتوں نے دُعا دی تھی۔ لقمۂ اجل ہو گیا۔ شہر بھر میں شور مچ گیا۔ شاہی محلوں سے آہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں +

دُوسرا باب

گوالیار سے چل کر شری سوامی جی مئی کے آخر میں کرولی پہنچے۔ وہاں شری راجہ کے ساتھ مذہبی معاملات پر بات چیت ہوتی رہی۔ پنڈتوں سے بھی تھوڑا بہت مباحثہ ہوا۔ مگر زیادہ تر سوامی جی وید پڑھتے رہتے تھے۔ اسی طرح کئی مہینے گزر گئے۔ اور اکتوبر ۱۸۳۵ء میں سوامی جی داخل جے پور ہوئے۔ اور راجکمار اور نندرام مودی کے باغ میں ٹھیرے۔ اُس وقت اُن کے ساتھ سچدانند، چیت رام اور ایک اور برھمچاری تھے۔

سچدانند نے سوامی جی سے گایتری کا اُپدیش لیا تھا۔ اور روزانہ شام کے وقت سورج کی طرف مُنہ کرکے جاپ کیا کرتا تھا۔ گھاٹ پر ایک سنیاسی گوپال آنند رہتے تھے۔ اُنہوں نے آتما پرماتما (روح اور خدا) کے مُتعلق کچھ سوالات لکھ کر بھیجے۔ اُن کے جواب جو سوامی جی نے دئے وہ ایسے زبردست اور قطعی تھے۔ کہ گوپال آنند لوٹ گیا۔ اور سوامی جی کے پاس چلا آیا۔ وہ اکثر اپنے شکوک رفع کرتا رہتا تھا۔

شرون ناتھ کے شاگرد لکشمن ناتھ کا بھی وہیں قیام تھا۔ اُنہیں مہاراجہ رام سنگھ جودھپور سے جے پور لائے تھے۔ برج نندن جی کے مندر میں اُن سے اور سوامی جی سے ملاقات ہوئی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اُنہیں یقین ہو گیا۔ کہ یہ سوامی بڑے قابل ہیں۔ سارے شاستر جانتے ہیں۔ ان کی ودیا کی تھاہ نہیں۔ اُنہوں نے سوامی جی سے کہا۔ کہ آپ اسی مندر میں تشریف رکھیں۔ ہمارا ایک دوسرے گروہ سے مباحثہ ہونے والا ہے اُس میں ہمیں امداد دیجئے گا۔ سوامی جی نے کہا۔ "اگر مجھے مباحثہ میں بُلاتے ہو۔ تو ایک بات کا خیال رکھنا۔ میں وہی کہونگا۔ جسے ٹھیک سمجھتا ہوں" ناتھ جی نے یہ بات منظور کر لی۔ جے پور میں سوامی جی نے ویاکرن سے متعلق پندرہ سوال لکھ کر پنڈتوں کے پاس

بھیجے۔ پنڈتوں نے وہ سوال پڑھے۔ تو بوکھلا گئے۔ اور
جواب میں سوامی جی کو گالیاں دینے لگے۔ سوامی جی نے
اُن کے جواب میں آٹھ قسم کے نقص نکال کر ہربشچندر
وغیرہ وہاں کے مشہور پنڈتوں کے پاس خط بھیج دیا۔
اُنہوں نے سوامی جی کی قابلیت کو سراہا۔ اور پنڈتوں
کے خلاف رائے دی ❖

ایک دن سب پنڈت مل کر ویاس بخشی رام کے پاس
گئے اور اُن سے کہنے لگے۔ کہ کسی طرح ہمارا مباحثہ
سوامی دیانند سے کرا دیجئے۔ اُن کے کہنے کے بموجب
ویاس جی نے سوامی جی کو محلوں میں بُلا بھیجا۔ پنڈت بھی
وہاں جمع ہو گئے۔ پنڈتوں کی طرف سے ایک پنڈت
نے پوچھا۔ کہ کیا پندرہ سوال کرنے والے اور آٹھ قسم
کے نقص نکالنے والے آپ ہی ہیں۔ سوامی جی نے
اثبات میں جواب دیا۔ اس پر ایک پنڈت نے جواب
دینے کی کوشش کی۔ مگر سوامی جی نے وہیں ٹوک دیا۔
اب تو پنڈت بہت گھبرائے اور آخر میں کہنے لگے۔
اچھا اس کا ترجمہ آپ ہی کریں۔ سوامی جی بولے۔
یہ سب باتیں تحریر میں آ جائیں۔ مگر پنڈتوں نے
منظور نہ کیا۔ تب سوامی جی نے بولنا شروع کیا۔ اور
پنڈت تو سُنتے رہے۔ مگر ایک میتھل پنڈت نے
اعتراض کیا۔ کہ یہ ترجمہ کہاں لکھا ہے؟ سوامی جی

نے کہا - جو کچھ میں نے بیان کیا ہے - وہ مہا بھاشیہ کے مطابق ہے - میتھل پنڈت بولا مہا بھاشیہ تو ویاکرن ہی نہیں - سوامی جی بولے - اچھا یہ لکھ دو - مگر وہ لکھنے کو رضامند نہ ہُوا - آخر پنڈتوں نے یہ کہتے ہوئے کہ رات زیادہ ہو گئی ہے - آپ کو باغ میں جانا ہے - دروازے بند ہو جائینگے - اُٹھ کھڑے ہوئے - سوامی جی نے کہا یہ عجیب سبھا ہے - جس میں مہا بھاشیہ کو ویاکرن نہیں مانا جاتا - اور یہ عجیب پنڈت ہے جو اس قسم کی بات زبان پر لانے کی ہمت کر سکتا ہے *

اس کے بعد ایک جین پنڈت نے سوامی جی سے مباحثہ کرنے کا ارادہ کیا - سوامی جی نے کہلوا بھیجا - جب آپ کا جی چاہے - تشریف لے آئیں - میں حاضر ہوں - جین پنڈت نے جواب دیا - کسی کے مکان پر جانا ہمارے اصول کے خلاف ہے - ہاں اگر آتے جاتے کسی باغ میں ملاقات ہو جائے - تو مضائقہ نہیں - سوامی جی نے جب ایسا موقعہ آئیگا - دیکھا جائیگا کہکر پندرہ سوال جین پنڈت کے پاس بھجوا دئے - اُن سوالوں کا جواب جین پنڈت کو نہ سوجھا - اُنھوں نے بھی جواب میں سوامی جی سے آٹھ سوال دریافت کئے - سوامی جی نے اُسی وقت جواب دیا - اب جین پنڈت کی زبان پر مُہر لگ گئی *

اچرولی کے ٹھاکر رنجیت سنگھ قابل آدمی تھے سادھو مہنتوں میں اُن کی بہت عقیدت تھی۔ اکثر رادھا کرشن کے نام کا جاپ کیا کرتے۔ بیکانیر کے رہنے والے ٹھاکر دمیر سنگھ کسی مقدمہ میں جے پور آئے ہوئے تھے۔ اُن سے اور سوامی جی سے تعارف تھا۔ وہ مورتی پوجا کو ذریعہ نجات نہ سمجھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے ٹھاکر رنجیت سنگھ کو سمجھایا۔ کہ یہ تم کس وہم میں مبتلا ہو۔ بہتری کی خواہش ہے۔ تو راہ راست پر آؤ٭

ٹھاکر رنجیت سنگھ حیران ہوکر بولے "پوجا پاٹھ نہ کریں۔ تو اور کیا کریں۔ اس کے بغیر مکتی (نجات) نہ ہو سکیگی"٭

ٹھاکر دمیر سنگھ نے جواب دیا "حُسن اتفاق سے آج کل سوامی دیانند جی جے پور آئے ہوئے ہیں۔ اُن کے اُپدیش سے تمہاری آنکھیں کھُل جائینگی"٭

الفاظ معمولی تھے، مگر ٹھاکر رنجیت سنگھ کے دل میں عقیدت کا دریا لہریں مارنے لگا۔ وہ جے پور چلے آئے۔ اور سوامی جی کو اچرولی آنے کی دعوت دیتے آئے۔ دوسرے دن اُنہوں نے پالکی بھجوادی۔ مگر سوامی جی پیدل ہی پہنچ گئے۔ اُن کے خیالات نے ٹھاکر کی کایا پلٹ دی۔ تمام شکوک رفع ہو گئے۔ حقیقت کا علم ہوا۔ اور

مورتی پوجا سے نفرت ہو گئی ۔
پہلے چار دن سوامی جی کا قیام راج مندر میں رہا۔ مگر بعد میں ایک کٹیا میں چلے گئے ۔ یہ کٹیا بارہ دری کے طرز پر بنی تھی ۔ ٹھاکر ہر روز اپنے ساتھ کئی آدمی لے کر وہاں حاضر ہوتا تھا ۔ اور سوامی جی انہیں منوسمرتی ۔ اپنشد اور گیتا وغیرہ سے اقتباسات سنایا کرتے تھے ۔ ہوتے ہوتے کئی ودیارتھی بھی وہاں آنے لگے ۔ سوامی جی انہیں برہمچریہ کا اپدیش دیا کرتے تھے ۔ ایک دن کا ذکر ہے ۔ کہ ٹھاکر صاحب کا کارندہ ہیرا لال کائستھ شراب کے نشہ میں بے ہوش اسی رستہ سے جا رہا تھا ۔ کہ رستہ میں سوامی جی کی کٹیا پڑی ۔ تب اسے یکایک یاد آیا ۔ کہ ٹھاکر نے سوامی جی کو بلوایا تھا ۔ یہاں بھی ہوتے چلیں ۔ آہستہ آہستہ وہ ان کے پاس چلا گیا ۔ اور نمسکار کر کے بیٹھ گیا ۔ اس وقت سوامی جی منوسمرتی کا وہ حصّہ سنا رہے تھے ۔ جہاں پرائشچت (کفارہ) کا ذکر ہے ۔ گؤ مارنے کا، شراب پینے کا، چوری کرنے کا بیان سوامی جی نے ایسے طور سے کیا ۔ کہ ہیرا لال کا کلیجہ دہل گیا ۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے ۔ پہلی زندگی کے گناہوں پر اشکباری کرتے ہوئے اس نے آیندہ کے لئے عہد کیا ۔ کہ پھر یہ گناہ نہ کرونگا ۔ سوامی جی کا اثر

دل پر ایسا ہُوا۔ کہ باہر آتے جاتے سوامی جی کی خدمت میں حاضر ہونے لگا +

سوامی جی وہاں چار مہینے ٹھیرے۔ اکثر گیتا اور منوسمرتی کی کتھا کیا کرتے تھے۔ مورتی پوجا کو خلاف وید بتاتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے۔ کہ دل کے اندر دھیان لگانا چاہیئے۔ اُنھی ایام میں اُنہوں نے تکذیب بھاگوت پر ایک ٹریکٹ شائع کیا۔ نیز تتو بودھ (علم حقیقت) نامی ایک پمفلٹ لکھ کر ٹھاکر جی کو دیا۔ سوامی جی شو کا مطلب پرماتما لیتے تھے اور پاربتی کے خاوند شو کے لئے اُن کے لیکچروں میں کوئی جگہ نہ تھی +

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب مہاراج رام سنگھ ویشنوؤں اور شیوؤں کے مابین مباحثہ کا انتظام کر رہے تھے۔ دونو مذہبوں کے سنت مہنت اور قابل پنڈت جمع ہو رہے تھے۔ اس جنگ کے بانی مبانی شیو مذہب کے جرنیل لچھمن ناتھ جی تھے۔ مگر اُنہیں اپنے کسی پنڈت کسی جرنیل سے فتح کی اُمید نہ تھی۔ ویاس بخشی رام اور اُن کے بھائی کنی رام کے ذمہ تمام کام تھا۔ وہ جانتے تھے۔ کہ سوامی دیانند کے سامنے کوئی مشکل سے کھڑا ہوسکیگا۔ اُنہیں نیچا دکھانا ناممکن ہے۔ اپنی فتح کو یقینی بنانے کے لئے اُنہوں نے اپنی طرف سے سوامی دیانند کو کھڑا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے لئے ویاس جی سوامی جی

کے پاس آئے۔ اور اُن سے سب کچھ کہا۔ مگر سوامی جی نے کچھ پروا نہ کی۔ بخشی رام جی نے پھر مہاراج رام سنگھ سے کہا۔ سوامی دیانند برہمچاری ہیں اور بڑے قابل آدمی۔ وہ ہماری طرف سے کھڑے ہونگے۔ آپ اُن کے درشن کریں۔ اُن کے سامنے کوئی بات نہ کر سکیگا۔ مہاراج کو درشن کا شوق ہُوا۔ اُنہوں نے رنجیت سنگھ سے کہا۔ سوامی جی کو دربار میں لے آؤ۔ دوسرے دن کنٹھی رام پہن لے کر حاضر خدمت ہُوا۔ سوامی جی مندر کی طرف چلے۔ اُن کے دل میں شوراتری کے واقعہ کے بعد مورتی پوجا کے لئے کوئی کشش نہ رہی تھی۔ اس لئے اُنہوں نے مندر میں داخل ہوتے وقت مورتیوں کا خیال نہ کیا۔ ویاس بخشی رام جی سوامی جی کی اطلاع کرنے چلے گئے۔ مگر کسی دوسرے آدمی نے ویاس جی کو سمجھایا۔ کہ سوامی جی تو مورتی پوجا کے خلاف ہوتے ہیں۔ اگر ان کی ملاقات مہاراج سے ہو گئی۔ تو تمہارا کام خراب ہو جائیگا۔ برسوں کی محنت پر پانی پھر جائیگا۔ بات درست تھی۔ ویاس جی نے سوامی جی کو مہاراج سے نہ ملنے دیا۔

دو قوموں کی جنگ کے موقع پر جیسے کوئی غیر جانبدار سورما اُن دونو قوموں میں سے اپنے ساتھ قریبی تعلق رکھنے والی قوم کی طرفداری کرنے کی خاطر میدانِ جنگ میں

کود پڑتا ہے۔ اسی طرح وشنوؤں کی بجائے شیوؤں کو
اپنے قریب دیکھ کر سوامی دیانند وشنوؤں کے آچاریہ
کے مقابلہ میں کھڑے ہو گئے۔ اُن کا مدمقابل پنڈت
ہریشچندر تھا۔ اس مباحثہ میں سوامی جی کو یہ ثابت کرنا
تھا کہ وشنو زمانۂ حال کا مذہب ہے۔ خیالی ہے۔
بے بنیاد ہے اور نیک چلنی سے محروم ہے۔ سوامی جی
نے جب اُن کی اپنی کتب مقدسہ سے حوالے دے دیکر
اُن کے مذہب پر روشنی ڈالنا شروع کیا۔ تو وشنوؤں
کے سر شرم سے نیچے جھک گئے۔ مگر شیوؤں کے
چہروں پر خوشی کھیل رہی تھی۔ اُن کی مسرت کا
ٹھکانا نہ تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اُچھل رہے تھے۔
اُن کے چہرے گلاب کے مانند کھل گئے تھے۔ نتیجہ
یہ ہوا۔ کہ لوگ دھڑا دھڑ شیو مذہب کے پیرو ہونے
لگے۔ کنٹھیوں کے بجائے مالائیں بکنے لگیں۔ یہاں
تک کہ مہاراج رام سنگھ نے بھی شیو مذہب اختیار
کر لیا۔ اب کیا تھا۔ ہاتھیوں اور گھوڑوں کے گلوں
میں بھی مالائیں پڑ گئیں۔ سوامی جی کی شہرت کو پر
لگ گئے۔ پنڈتوں پر اُن کا رعب بیٹھ گیا۔ اس طرح
سوامی جی نے چار مہینے جے پور میں بسر کئے۔
سینکڑوں ٹھاکر اُن کے بھگت بن گئے۔ بگرو کے
ٹھاکر جی نے اپنے گاؤں لے جانے کے لئے بہت

کوشش کی۔ سوامی جی دو دن کے لئے وہاں گئے۔ اور وہاں سے ڈوڈوکے چلے گئے۔ ڈوڈوکے کے ٹھاکر نے صرف دو دِن سوامی جی کے اُپدیش سُننے اور سوامی جی کے بھگت بن گئے۔ اس کے بعد سوامی جی کرشن گڑھ جاکر ٹھہرے۔ وہاں سے اجمیر گئے۔ اور چار دن تک رائے دولت رام کے باغ میں ٹھہرے۔ اور یہاں سے چل کر پُشکر راج چلے گئے ◆

تیسرا باب

سوامی جی مہاراج ۱۳ مارچ سنہ ۱۸۶۶ء کو پشکر راج پہنچے۔ اور برہما کے مندر میں مقیم ہوئے۔ وہاں جاتے ہی اُنھوں نے مورتی پوجا کا کھنڈن شروع کر دیا۔ اور بڑے زور سے۔ کئی پنڈت جوش کھا کر مباحثہ کے لئے آئے۔ مگر کسی کو بات کرنے کی جُرأت نہ ہوئی۔ سوامی جی نے سب کا منہ بند کر دیا۔ تب وہ وینکٹ شاستری کے پاس پہنچے۔ یہ صاحب بال شاستری کے مانند بڑے قابل تھے۔ اور منطق میں تو دور دور تک اُن کا کوئی ثانی نہ تھا۔ ناگ پربت کے ایک غار میں رہتے تھے۔ اُنھوں نے ایک اگھوری سادھو سے تعلیم حاصل کی تھی۔

پنڈتوں کی بے بسی دیکھ کر اُن کا دل پسیج گیا۔ سوامی جی سے مباحثہ کرنے کو آمادہ ہو گئے۔ مگر بعد میں انکار کر گئے۔ یہ دیکھ کر سوامی جی خود اُن کے پاس چلے آئے۔ تین چار سو براہمن تھے۔ سوامی جی مباحثہ کے لئے للکار رہے تھے۔ اب انکار کرنا آسان نہ تھا۔ مجبوراً تیار ہو گئے۔ مضمون مقرر ہُوا بھاگوت۔ شاستری نے اس کے حق میں تقریر کی۔ مگر مہاراج نے ٹانکے اُدھیڑ کے رکھ دیئے۔ اُس وقت اُن کی تقریر میں ندی کی سی روانی تھی۔ شاستری صاحب کا سر جُھک گیا۔ وقت ٹالنے کے لئے ایک لفظ پر بحث کرنے لگے۔ سوامی جی دیو آسُر कहते تھے۔ بال شاستری کہتے تھے۔ یہ غلط ہے۔ اصل لفظ دیو آسُر देवासुर ہے۔ مگر سوامی جی نے اُس کا یہ ناکہ بھی بند کر دیا۔ اب باہر نکلنے کو کوئی رستہ نہ تھا۔ ہار کر اُس نے سوامی جی کے سامنے دستار فضیلت پھینک دی۔ اور کہا۔ سوامی جی کے سامنے بولنا آسان نہیں۔ یہ علم کے سمندر ہیں۔ اس کے بعد اُنہوں نے سوامی جی کو اپنے اگھوری گورو سے بھی ملایا۔ وہ اگھوری بڑا موٹا تازہ اور زبردست تھا۔ اُسے جو کوئی ملنے جاتا۔ اُسے پتھر اُٹھا اُٹھا کر مارا کرتا تھا۔ جلتی ہوئی چتاؤں سے لاشیں اُٹھا کر لے جاتا۔ یہ اُس کی خوراک تھی۔ مگر سنسکرت کا عالم تھا۔ سوامی جی

سے بڑی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ اور تب لوگوں سے مخاطب ہو کر بولا۔ یہ جو کچھ کہتے ہیں۔ درست کہتے ہیں۔ ان کی بات سولھوں آنے سچ ہے۔ ان سے جھگڑا کرنا بےکار ہے۔ یہ سُن کر براہمنوں کی صف پر اوس پڑ گئی۔ اور وہ وہاں سے سر جھکا کر چلے گئے۔ اور وینکٹ شاستری پر سوامی جی کا جادو ایسا چلا۔ کہ اُس نے صاف کہ دیا۔ اگر کہیں مباحثہ کرنا ہو۔ تو مجھے یاد فرمایا کریں۔ فوراً حاضر ہو جایا کرونگا۔ مجھے اب اپنا داس سمجھئے ۔

ان دنوں اُدھر وہاں میلے کی دھوم دھام تھی۔ اِدھر سوامی جی بیہودہ رسوم کے خلاف لیکچر دے رہے تھے۔ لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ جس طرح ہوا کے تھپیڑوں سے پانی ہلنے لگتا ہے۔ اُسی طرح سوامی جی کے لیکچروں سے لوگوں کے دل شک و شبہہ کے ہچکولے کھانے لگے۔ اور اتنا ہی نہیں۔ لوگوں نے کنٹھیاں اُتار اُتار کر برہما جی کے مندر کے ایک کونے میں ڈھیر لگا دیا۔ براہمن پھر گھبرائے۔ اور بھاگے بھاگے وینکٹ شاستری کے پاس گئے۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ہم کیا کریں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ بجا کہتے ہیں۔ مگر ایک بات ہے جب تک ان کا کوئی راجہ شاگرد نہ بن جائیگا۔ اُس وقت تک نہ ان کی چل سکتی ہے نہ تمہیں کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے ۔

ایک دن سوامی جی نے ایک مشہور پنڈت نانو رام سے کہا - یہ آپ کنٹھی کیا پہنے ہوئے ہیں - اُتار دیجئے اس سے کوئی فائدہ نہیں حاصل ہوتا - اُس نے جواب دیا - اگر غیر براہمن لوگ سنیاس بننا چھوڑ دیں - تو میں کنٹھی اُتار پھینکونگا - سوامی جی نے کہا - یہاں تو زمین آسمان ہی بدلے ہوئے ہیں - ہم کیا کریں - اگر میری رائے پوچھتے ہو - تو میں صاف کہونگا - کہ وہ وان براہمن کے علاوہ اور کسی شخص کو بھی سنیاس لینے کا حق حاصل نہیں ٭

اُس مندر کے مہنت مان پوری جی بڑے نیک آدمی تھے - ایک دفعہ اُنھوں نے ٹھاکروں کو بھوگ لگانے کے بعد سوامی جی کو دودھ دیا - تو سوامی جی نے یہ کہکر واپس لوٹا دیا - کہ میں یہ پتھر پوجا کا دُودھ نہیں پیا کرتا - مان پوری جی روٹھ گئے - سوامی جی کو دودھ ملنا بند ہو گیا - مگر بعد میں اُن کے سوامی جی کے ساتھ اچھے تعلّقات ہو گئے - کبھی کبھی ہنسی مذاق میں سوامی جی اُن سے یہاں تک کہ دیا کرتے تھے - پجاری! تمہیں یہ ڈیڑھ ہاتھ کی مورتی کیا ملی ہے - پارس پتھر مل گیا ہے - اِس سے جتنا سونا بنایا کرو - سب کا سب سادھو سنیاسیوں کو دیا کرو - بھانڈوں کو اس میں سے ایک پائی بھی نہ ملنی

چاہئے ٭
ایک دن کا ذکر ہے - بہت سے براہمنوں نے متفق ہو کر گنگو گھاٹ پر سوامی جی کو مباحثہ کے لئے مدعو کیا - سوامی جی فوراً تیار ہو کر جا پہنچے - مباحثہ شروع ہوا - براہمنوں کے پاؤں اُکھڑ گئے - بغلیں جھانکنے لگے - معاً کئی لٹھ بند سبھا میں آ کودے اور بکواس کرنے لگے - اُن کا ارادہ یہ تھا - کہ فساد ہو جائے - اتنے میں مان پوری جی آ گئے - اور اُنھوں نے اپنے اثر سے فساد روک دیا - مگر عوام پر جو اثر پڑ چکا تھا - اُسے کون روک سکتا تھا - لوگوں نے کنٹھیاں اُتارنا شروع کر دیا - یہ سوامی جی کی کامیابی کا بیّن ثبوت تھا - براہمنوں کے دل کانپ گئے - ادھر سوامی جی نے رامانجیوں کو خط لکھا - کہ مباحثہ کرو - میں تمہارا کھنڈن کرونگا - مگر اُنھیں یہ حوصلہ نہ تھا - وہ ٹال گئے ٭
ایک دن ایک پنڈت نے آ کر سوامی جی سے کہا - کہ میں سنیاسیوں کا پروہت ہوں - اس سے پہلے کئی سنیاسی میرے لئے شلوک بنا چکے ہیں - آپ بھی مہربانی کریں - سوامی جی نے ہنس کر جواب دیا - کہ ارے تو ہمارا پروہت بنتا ہے - یہ کہکر اُسے اُپدیش کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ اُسے شلوک بنوانا بھول گیا - البتہ اپنی کنٹھی اُتار کے پھینک دی -

کچھ لینے آیا تھا۔ دے کر گیا ۔
ایک پجاری شودیال نامی برہما جی کی پوجا کرتا تھا۔ سوامی جی نے اُس سے پوچھا۔ کہو بھائی شودیال! تمہارا دیوتا تم سے کبھی بولتا بھی ہے یا نہیں۔ جب وہ نقارہ بجاتا۔ تو کہتے۔ اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جھانج بجاتا۔ تو بھی روکتے۔ اُس نے ایک دن ہاتھ جوڑ کر کہا مجھے ایشور کا نام بتائیے۔ سوامی جی نے کہا۔ "سچدانند" بات معمولی تھی۔ مگر دل پر اثر ہو گیا۔ اُس نے اُسی وقت کنٹھی اُتار دی۔ مورتی پوجا چھوڑ دی۔ اور دوسرے براہمنوں کے مانند گھاٹ پر جا کر مانگنا بھی ترک کر دیا۔ ڈاک خانہ میں ملازمت سے پیٹ پالنے لگا۔
ایک دن ایک بوڑھی عورت مندر سے واپس جا رہی تھی۔ کہ رستے میں سوامی جی کے درشن کرنے ٹھیر گئی۔ سوامی جی نے پوچھا "ماتا! کہاں سے آ رہی ہو"؟ اُس نے جواب دیا۔ برہما جی کے درشن کر کے آ رہی ہوں۔ سوامی جی نے پوچھا۔ برہما جی نے کچھ اُپدیش بھی دیا۔ عورت بولی۔ ہاں دیا ہے۔ سوامی جی بیٹھے تھے۔ کھڑے ہو گئے۔ اور اُس عورت کو ہمراہ لے کر مندر کے اندر جا کر مورتی کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ پھر اُس عورت سے بولے۔ ماتا! اب ذرا اِسے کہو۔ پھر بولے۔ اِس پر اُس عورت نے ہنس کر جواب دیا۔ بیٹا

تمہارے سامنے کون بول سکتا ہے۔ جو بولتا ہے تمہاری پیٹھ پر بولتا ہے ٭

ایک دن ایک سیٹھ نے آکر پوچھا۔ میرا ارادہ ہے۔ ایک مندر بنواؤں۔ آپ کی کیا رائے ہے۔ سوامی جی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ سیٹھ ٹیک کام کرنا ہے۔ تو کسی اچھے کام میں روپیہ لگاؤ۔ مندر بنوانا اور آیندہ نسل کے لئے تباہی کا گڑھا کھود جانا دونو یکساں ہیں۔ سیٹھ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا ٭

سوامی جی کہا کرتے تھے۔ کہ بے شمار منتر جو پڑھے جاتے ہیں۔ وہ پنڈتوں نے خود بنا کر قدیم آچاریوں کے نام سے منسوب کر دئے ہیں۔ بھاگوت کے مصنف ویاس جی نہیں۔ بلکہ باپو دیو ہیں۔ پنڈتوں سے کہتے تھے۔ صداقت سے ڈرتے کیوں ہو۔ اس سے تمہاری کھیر پوری بند نہ ہو جائے گی ٭

ایک آدمی کے سوال پر کہا۔ کہ شو پرماتما کا نام ہے۔ اُسے میں مانتا ہوں۔ لیکن جو شو پاروتی کا خاوند تھا۔ اُسے میں پرماتما نہیں تسلیم کرتا۔ اور نہ کرونگا ٭

سوامی جی کی قناعت کا۔ بردباری کا۔ سادگی کا سبھوں پر اثر ہوتا تھا۔ اُن کی قابلیت کا لوہا مخالف بھی مانتے تھے۔ اُن کی تعریف کے نغموں سے پُشکر راج

سے لے کر ریگستان تک دھوم مچ گئی ۔ لوگ اُنہیں اپنے اپنے گاؤں میں لے جانا چاہتے تھے ۔ اس سے ظاہر ہے ۔کہ اُن کے خیالات کو لوگ کس شوق و رغبت سے قبول کر رہے تھے ۔ جودھپور کے ایک وکیل اُنہیں جودھپور لے جانے کے لئے آئے تھے ۔ خود سوامی جی کی بھی یہی خواہش تھی ۔کہ مارواڑ کا سفر کریں ۔ مگر اچرولی سے ایک صاحب جوشی رام سروپ کئی دن سے وہاں ڈیرہ ڈالے پڑے تھے ۔ اُن کے اصرار سے سوامی جی نے اپنا پروگرام تبدیل کر دیا ۔

پُشکر راج سے تین کوس کے فاصلے پر مارکنڈے کی ایک گپھا (غار) ہے ۔ سوامی جی وہاں سے بھبُوت منگا کر جسم پر ملا کرتے تھے ۔ گلے میں رودراکش کی مالا تھی اور اُس کے درمیان میں ایک سفید کانچ کا ٹکڑا تھا ۔ سوامی جی اُن دنوں اپنشدوں کے مطالعہ میں لگے رہتے تھے ۔ اس طرح بائیس یوم پُشکر راج میں قیام کر کے سوامی جی اجمیر کی طرف روانہ ہوئے ۔

چوتھا باب

۲۳ مئی ۱۸۶۶ء کو سوامی جی اجمیر پہنچے۔ اور بنسی لال کے باغ میں مقیم ہوئے۔ اُس وقت سوامی جی کے ساتھ پانچ آدمی تھے۔ جن میں سے ایک نوے سال کا بوڑھا برہمچاری تھا۔ ان کے کھانے پینے کا انتظام سیٹھ کرشن چند نے اپنے ذمّہ لیا۔

سوامی جی نے آتے ہی اشتہار دے دیا۔ کہ مورتی پوجا وغیرہ مضامین پر جن اصحاب کو کچھ شُبہ ہو۔ آکر دُور کر لیں۔ لوگوں میں کانا پُھسکیاں ہونے لگیں۔ مگر سامنے نکلنے کا کسی کو حوصلہ نہ ہوا۔ آخر سوچ سوچ کر اُنھوں نے سوامی جی کو کہلا بھیجا۔ کہ سنیاسی کا کسی جگہ تین دن سے زیادہ ٹھیرنا قابلِ اعتراض ہے۔ نیز بگھی وغیرہ پر چڑھنا منع ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ اگر لوگوں کی بہتری کا کام کرنا مقصود ہو تو تین دن سے زیادہ ٹھیرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اسی طرح سواری ممنوع نہیں۔ اگر سنیاسی آرام طلب نہ بن گیا ہو۔ اس کے بعد سوامی جی نے اُن کے خط کی اصلاح کی۔ اور کہئی

غلطیاں دکھائیں۔ یہاں آتے ہی شیو مذہب کا کھنڈن بھی شروع کر دیا ؏

یہاں پادری رابنسن، گرے اور شول برېڈ کے ساتھ تین دن تک مباحثہ ہوتا رہا۔ مضمون روح اور پرماتما کا تعلق۔ پیدائش دنیا اور وید تھے۔ سوامی جی کے جوابات بیحد معقول تھے۔ چوتھے دن مباحثہ کا مضمون یہ تھا۔ کہ یسوع مسیح پرماتما تھا یا نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ موت کے بعد جی اُٹھا ہو۔ اور آسمان پر چڑھ گیا ہو۔ ایک ایک سوال ہتھوڑے کی چوٹ تھا۔ پادریوں کے مُنہ سے بات نہ نکلتی تھی۔ لڑکوں نے تالی پیٹ دی۔ مگر سوامی جی کے تیور بدل گئے۔ اُنھوں نے کہا۔ یہ بیہودگی ہم لوگوں کی شان کے شایاں نہیں۔ دوران مباحثہ میں ایک پادری صاحب نے ایک وید منتر پڑھا۔ سوامی جی نے کہا حوالہ دیجئے۔ مگر پادری جواب نہ دے سکے۔ اور دوسرے دن مباحثہ کے لئے نہ آئے۔ سوامی جی کی عیسائی مذہب پر تنقید نے پادریوں کے چھکے چھڑا دئے۔ ایک دن پادری شول برېڈ نے کہا۔ یہی لیل و نہار ہیں۔ تو کسی دن آپ جیل خانہ میں ہونگے۔ سوامی جی نے مسکرا کر جواب دیا۔ سچ کہنے کے لئے جیل خانہ چلے جانا کوئی ایسی بات نہیں جو قابلِ شرم ہو۔

میں سمجھتا ہوں۔ میں راستی پر ہوں۔ اس لئے میری زبان کو خوف نہیں۔ اگر میرے مخالف مجھے اپنا اثر استعمال کر کے قید کرا دینگے۔ تو بھی سچ کہنے سے نہ رکونگا۔ نہ میری طبیعت اداس ہوگی۔ نہ میں اپنے مخالفوں پر خفا ہونگا۔ نہ اُن کا بُرا چاہونگا۔ پادری صاحب! میں کسی کے ڈرانے سے اپنی زبان بند نہیں کر سکتا۔ آخر مسیح کو بھی تو لوگوں نے پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیا تھا۔

اس کے بعد پادری رابسن نے سوامی جی کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ اور اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد پوچھا کہ برہما جی نے اپنی بیٹی کے ساتھ جو بدفعلی کی تھی۔ اس کا آپ کے پاس کیا جواب ہے۔ سوامی جی نے فوراً جواب دیا۔ ایک ہی نام کے ہزاروں آدمی ہوتے ہیں۔ آپ کے پاس کیا ثبوت ہے۔ کہ یہ برہما وہی تھے۔ مہرشی برہما تو نہایت عمدہ چال چلن کے آدمی تھے۔ یہ جواب سُن کر پادری صاحب دنگ رہ گئے۔ اُنھوں نے سوامی جی کو سرٹیفکٹ دیا۔ کہ یہ ویدوں کے عالم ہیں۔ میں نے اپنی ساری عمر میں ویدوں کا ایسا عالم نہیں دیکھا۔ مجھے اُمید ہے۔ کہ جو آدمی ان سے ملیگا۔ ان کی عزت کریگا۔

سوامی جی میجر اے جی ڈیوڈسن سے بھی ملے۔

دوران گفتگو میں سوامی جی نے کہا "راجہ پرجا کا باپ ہوتا ہے۔ اور پرجا راجہ کی اولاد۔ اگر لڑکا غلطی کرے۔ تو باپ کا فرض ہے کہ اُسے صحیح رستہ پر ڈالے۔ آپ بھی ایک قسم کے راجہ ہی ہیں۔ ملک میں اندھیر مچا ہوا ہے۔ آپ کے عہد حکومت میں مذہب کا سہارا لے کر چالاک لوگ بھولے بھالے لوگوں کو نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں۔ اس سے ہندوستانی لوگ بیحد تکلیف میں ہیں۔ آپ کا فرض ہے کہ اپنی پرجا کی حفاظت کا کوئی انتظام کریں۔" کمشنر صاحب نے جواب دیا "یہ سوال مذہب سے مُتعلق ہے۔ ہم اس میں دخل نہیں دے سکتے۔ اس کے علاوہ اور کسی قسم کی امداد درکار ہو۔ تو ہم حاضر ہیں۔" اس کے بعد آپ نائب کمشنر ریپٹن صاحب سے ملے۔

اُس زمانہ میں کرنل برُوک گورنر جنرل کے ایجنٹ تھے۔ وہ بھگوے کپڑے دیکھ کر آگ ہو جاتے تھے۔ ایک دن اُنہیں بنسی لال کے باغ میں آنا پڑا۔ سوامی جی کرُسی پر بیٹھے تھے۔ پاس کئی آدمی جمع تھے۔ اُنہوں نے کرنل برُوک کو دیکھ کر سوامی جی سے کہا۔ آپ اپنی کرُسی سرکا لیں۔ مگر سوامی جی نے کرُسی اور بھی آگے بڑھا لی۔ کرنل صاحب باغ میں داخل ہوئے۔ اب لوگ گھبرا گئے۔ مگر سوامی جی کے چہرے پر

خوف کے کوئی آثار نہ تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا۔ گھبراتے کیوں ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ اتنے میں کرنل صاحب اور قریب آ گئے۔ سوامی جی اُٹھ کر ٹہلنے لگے۔ اتنے میں کرنل صاحب نے ٹوپی اُتار کر سوامی جی سے ہاتھ ملایا۔ اور سامنے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ سوامی جی نے پوچھا۔ آپ دھرم کی ترقی چاہتے ہیں یا تنزل؟ کرنل صاحب نے جواب دیا۔ ترقی۔ مگر فائدہ کا خیال اکثر مدِ نظر رہتا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ میرا تو یہ خیال ہے۔ کہ آپ فائدہ کا خیال نہیں رکھتے۔ کرنل نے حیرت سے پوچھا۔ یہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ سوامی جی بولے۔ آپ جانتے ہیں۔ ایک گائے کی ہستی سے دنیا کو کتنا فائدہ پہنچتا ہے۔ مگر آپ ہیں کہ اُسے مار کر کھا جاتے ہیں۔ کیا یہ سراسر نقصان دہ سودا نہیں ہے۔ کرنل صاحب نے جواب دیا۔ "آپ کا اعتراض بجا ہے۔ کل ہمارے بنگلہ پر آئیے۔ پھر بات چیت ہوگی"۔ دوسرے دن کرنل صاحب نے گاڑی بھیج دی۔ سوامی جی اور جوشی رام سروپ دونو کرنل صاحب کے بنگلہ پر پہنچے۔ پون گھنٹہ تک گئوکشی پر بحث ہوتی رہی۔ آخر میں کرنل صاحب نے کہا۔ آپ کا خیال حقیقت میں درست ہے۔ گئوکشی نہ ہونی چاہئے۔ سوامی جی بولے۔ تو آپ کوشش کر کے اسے بند کرائیں۔

کرنل صاحب نے کہا - یہ میرے اختیار سے باہر ہے - میں آپ کو تعارف کا خط لکھے دیتا ہوں - آپ لاٹ صاحب سے ملیں - یہ کام اُن سے متعلق ہے - سوامی جی چٹھی لے کر واپس آ گئے ؀

کرنل بروک نے جے پور کے واقعہ کی تفصیل سُن کر ایک خط مہاراجہ رام سنگھ کو بھی لکھا - کہ افسوس آپ نے ایک لاثانی پنڈت سے ملاقات کا موقع کھو دیا - اس پر رام سنگھ ٹھاکر اچرولی کے ذریعے سوامی جی سے ملنے کی کوشش کرنے لگے ؀

ایک دن سانولے رنگ کے دو نوجوان سادھو ناگ پربت کے جنگل سے سوامی جی کو ملنے آئے - سوامی جی نے اُنہیں عزت سے بٹھایا - وہ سوائے سنسکرت کے اور کسی زبان میں بات چیت نہ کرتے تھے - کچھ دیر تک یوگ سے متعلق گفتگو ہوتی رہی - جاتے وقت بولے - سوامی جی! آپ نے ہماری تشفی کر دی - ہمارا اطمینان ہو گیا - سوامی جی نے ہنس کر کہا - ابھی غرور جیتنا باقی ہے - وہ بولے - جی نہیں - ہم نے غرور کو کامل طور پر فتح کر لیا ہے - یہ کہہ کر وہ رخصت ہو گئے - مگر ابھی باہر نکلے ہی تھے - کہ سوامی جی نے ایک چیلے کو اشارہ کر دیا - وہ باہر نکل کر اُن سے لڑنے لگا - یہ جھگڑا اتنا بڑھا - کہ وہ دونو برہمچاری اور چیلہ گتھم گتھا ہو گئے -

یہ شور سُن کر سب آدمی اور سوامی جی باہر آگئے۔ اُنہیں دیکھ کر لڑائی بند ہو گئی۔ سوامی جی نے کہا۔ کیوں! میں نہ کہتا تھا۔ کہ ابھی غرور جیتنا باقی ہے۔ آپ نہ مانتے تھے۔ آزمائش نے میری بات ثابت کر دی۔ سنیاسیوں اور سادھوؤں کو غرور نہ کرنا چاہیئے ؎

کلش پورن چھلکے نہیں گھوش ادنا کرے
گرو کریں نہ گیانی جن اگیانی وبھ کرے
گرچہ بہت برسے نہیں ہوچھے میں اہنکار
نجے کھنا تھوتھا چنا کر گئے گیانی سار

دونو نوجوانوں نے سوامی جی سے معافی مانگی۔ اور "نارائن" کہہ کر چلے گئے۔ یہ نوجوان دو دفعہ پھر بھی سوامی جی سے مِلنے آئے۔

اُن دنوں اجمیر میں رام سنیہیوں کے بڑے مہنت آئے ہوئے تھے۔ سوامی جی نے اُنہیں مباحثہ کا چیلنج دیا۔ اُنہوں نے جواب میں کہلوا بھیجا۔ کہ "ہم آپ سے مباحثہ نہ کر سکینگے۔ کیونکہ نہ تو ہم کسی کے مکان پر جاتے ہیں۔ اور نہ کسی آتے ہوئے کی خاطر گدی سے اُتر کر اُس کا خیر مقدم کرتے ہیں"۔ سوامی جی نے یہ بات سُنی تو جواب دیا۔ "مجھے آپ کو گدی سے اُتارنے کی ضرورت نہیں۔ آپ آرام سے آسن پر بیٹھے رہیئے گا۔ مجھے تو آپ سے مباحثہ کرنا ہے"۔ اب

تو مہنت جی بہت گھبرائے - اور اُنہوں نے صاف
الفاظ میں کہ دیا - بھئی ! ہم تو رام نام جپتے ہیں اور
عمدہ روٹی کھا کر آرام کرتے ہیں - ہمیں مباحثوں سے
کیا غرض - ہمیں معاف ہی کیجئے - مگر سوامی جی اس طرح
معاف کرنا نہ سیکھے تھے - اُنہوں نے کچھ اعتراض لکھ کر
مہنت صاحب کے پاس بھیج دئیے - مہنت صاحب نے
اعتراض پڑھے - تو ہوش گم ہو گئے - جواب دینا دشوار
تھا - آہستہ سے بولے - کل آنا - جواب دینگے - اور
دوسرے دن سورج کی پہلی کرن نکلنے سے پیشتر
ہی بوریا بستر اُٹھا کر بھاگ گئے ؎

پنڈت ہریشچندر کے گورو بھائی اجمیر آئے - اور
سوامی جی سے ملے - ویدوں پر بات چیت ہوتی
رہی - گئے تو اُن کی زبان پر سوامی جی کی تعریف
تھی - اُسی زمانہ کا ذکر ہے - ایک جین دھنا لال نامی
اپنے مذہب کی ایک کتاب لے کر سوامی جی کے پاس
آیا اور آتے ہی ویدوں پر اعتراضات کی بوچھاڑ
کر دی - سوامی جی نے ایک ایک اعتراض کا جواب
دیا - اور پھر اُس کے ہاتھ سے کتاب چھین کر بولے -
کسی وقت پھر آنا - اُس وقت تو وہ چلا گیا - مگر گھر
جا کر اُس کا دل گھبرانے لگا - اُس نے سوچا - یہ
یکتہ جین سنیاسی ہے - جین مذہب کی کتاب پڑھ کر

ہمارے مذہب کو بھی رگڑ ڈالیگا۔ اس لئے کتاب واپس لینی چاہئے۔ مگر سامنے جانے کا حوصلہ نہ ہُوا۔ اس لئے اُس نے کمشنر صاحب کے دفتر میں درخواست کر کے کتاب واپس لی ۔

ایک دن بہت سی عورتیں سوامی جی کے پاس آئیں۔ سوامی جی نے پوچھا۔ بہنو! کہاں سے آئی ہو؟ اُنہوں نے جواب دیا" سادھوؤں کے پاس ہو کر آئی ہیں" ۔

" وہاں کیا کرنے گئی تھیں"؟

" درشن کرنے" ۔

" نہ جایا کرو" ۔

" اگر آپ کہیں۔ تو آپ کے پاس آجایا کریں؟

سوامی جی نے سر جُھکا کر جواب دیا" ہمارے پاس آنے سے تمہارا کیا مقصد ہے"؟

" ہم اُپدیش لینا چاہتی ہیں" ۔

" اگر یہی مطلب ہے۔ تو ہم عورتوں کو اپدیش نہیں دیا کرتے۔ اپنے خاوندوں کو ہمارے پاس بھیجدیا کرو۔ ہمیں جو کچھ کہنا ہوگا اُنہیں کہ دینگے۔ اُن سے تم پوچھ لیا کرو۔ عورتوں کا سادھوؤں کے پاس جانا بیحد قابل اعتراض ہے" ۔

یہ سُن کر وہ چلی گئیں۔ اور پھر کبھی نہ آئیں ۔

یہاں بھی بہت سے لوگوں نے کنٹھیاں اُتار دیں۔
جے پور کے مہاراجہ رام سنگھ کو لاٹ صاحب سے ملنے آگرہ جانا تھا۔ اُنھوں نے سوچا کہ اگر متھرا میں اُترنے پر رنگا چاریہ سے مباحثہ ہو گیا۔ تو بڑی دقت ہو گی۔ اُنہیں یہ علم تھا۔ کہ اُسے نیچا دکھانے والا سوامی دیانند کے سوائے دوسرا کوئی نہیں۔ اس لئے اُنھوں نے اچرولی کے ٹھاکر کی زبانی سوامی جی کی خدمت میں پھر عرض کی۔ کہ جے پور ضرور آیئے ؁
سوامی جی کو ایک دو بھگت کرشن گڑھ لے گئے۔ اور شبھ ساگر کے کنارے اُنہیں اُتارا۔ یہاں کے قابل پنڈت کرشن ولبھ جوشی اور مہیش داس اوسوال کی سوامی جی میں بہت عقیدت تھی اور کرشن گڑھ کے راجہ ولبھ خاندان کے نیازمند تھے۔ جب اُنھوں نے سُنا۔ کہ ایک سنیاسی بھاگوت پر بڑے سخت حملے کرتا ہے۔ تو کئی پنڈتوں کی ہمراہی میں ٹھاکر گوپال سنگھ کو فساد کی غرض سے روانہ کیا۔ سوامی جی انسانی جذبات کو پرکھنے میں ماہر تھے۔ چہرے سے دل کے خیالات تاڑ گئے۔ اُس وقت وہ بدن پر بھبوت مل رہے تھے۔ جب اس کام سے فارغ ہوئے۔ تو آسن پر آ بیٹھے۔ اتنے میں ایک پنڈت نے کچھ ورق سامنے پیش کئے۔ سوامی جی بولے۔ پڑھو۔ کیا لکھا ہے۔ اِس پر اُس پنڈت

نے بآواز بلند پڑھنا شروع کیا۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ ولبھ مت سب متوں میں ممتاز ہے۔ یہ سُننا تھا۔ کہ سوامی جی کے تیور بدل گئے۔ اور اُنہوں نے اِس مذہب کا پول کھولنا شروع کر دیا۔ اس کا جواب تو کیا ہو سکتا تھا۔ شور مچانے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر سوامی جی اپنے آسن پر کھڑے ہو گئے اور شیر کے مانند دھاڑ کر بولے۔ خبردار مجھے اکیلا سمجھ کر ہاتھ نہ بڑھانا۔ میں تم سب کی گردن توڑ سکتا ہوں۔ میں جہاں شاسترارتھ کرنے کو تیار ہوں وہاں شستراتھ (لڑائی) کرنے سے بھی پیچھے نہ ہٹونگا ؁

سوامی جی کی بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ تیس چالیس اُن کے بھگت آ پہنچے۔ یہ دیکھ کر مفسد بھاگ گئے۔ سوامی جی کو ڈرانے آئے تھے۔ خود ہی نادم ہو نکلے۔ یہ معلوم نہ تھا ؎

روشٹر گال سموہ کا یتھا سُن سنگھ ست ویر
ہسنی یوتھ کو دیکھ کر ہووے نہیں ادھیر
تتھا ساہس سُتنوُیت ڈرے نہ پُرش پردھان
شدُر منج مل کر کریں چاہے وِرودھ مہان

پانچواں باب

کرشن گڑھ سے سوامی جی دُودُو گئے۔ اور راج مندر میں قیام کیا۔ یہاں تین دن لیکچر ہوئے۔ اس کے بعد ایک رات بگرو ٹھیر کر جے پور چلے گئے۔ اچرولی کے ٹھاکر نے مہاراج کو اطلاع دی۔ کہ سوامی جی آ رہے ہیں۔ اُنھوں نے ویاس بخشی رام جی کی زبانی سوامی جی سے راج مندر میں ٹھیرنے کی درخواست کی۔ سوامی جی نے کہا۔ آپ بخوبی جانتے ہیں۔ کہ مجھے راج مندروں میں ٹھیرنے کی چنداں خواہش نہیں۔ اگر مہاراج کو کچھ بات چیت کرنا ہو۔ تو کسی وقت یہیں چلے آئیں۔ ویاس نے یہ جواب مہاراج تک پہنچا دیا۔ تب مہاراج نے ٹھاکر رنجیت سنگھ سے کہا۔ کہ آپ جس طرح ہو سکے۔ سوامی جی کو ہمارے مندر میں لے آئیے۔ میں نہیں چاہتا۔ کہ وہ کسی جگہ ٹھیریں۔ ٹھاکر رنجیت سنگھ کئی آدمیوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کی خدمت میں پہنچے اور بولے۔ کہ آپ وہیں چلئے۔ مہاراجہ صاحب کی یہی خواہش ہے۔ آپ نہ مانینگے۔ تو وہ ملول رہینگے۔ اس قدر اصرار کے بعد سوامی جی

نے ضد مناسب نہ سمجھی اور راج مندر میں چلے گئے۔ اُس وقت وہاں کئی پنڈت جمع تھے۔ مگر اتفاق سے مہاراج زنانہ میں تھے۔ ایک آدمی نے آ کر کہا۔ مہاراجہ صاحب اس وقت نہ آ سکینگے۔ یہ سُن کر سب لوگ اُٹھ گئے۔ مہاراج رام سنگھ نے اپنی طرف سے پوری پوری کوشش کی۔ کہ سوامی جی راج مندر میں چلے چلیں۔ مگر وہ کسی طرح بھی رضامند نہ ہوئے۔ کچھ دنوں کے بعد جب آگرہ جانے کی تیاری ہوئی۔ تو ٹھاکر رنجیت سنگھ اور اُن کے کارندے رام دیال کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔ سوامی جی نے محبت بھرے لہجہ میں کہا۔ میں نے جو اُپدیش کیا ہے۔ وہ رُلانے والا ہے یا ہنسانے والا۔ میری باتیں شاستروں کا نچوڑ ہیں۔ ان پر عمل کروگے۔ تو کبھی دُکھی نہ ہوگے ❖

کارتک بدی ۹ سمت ۱۹۲۳ کو سوامی جی آگرہ پہنچے۔ اُس زمانہ میں وہاں ایک دربار منعقد ہونے والا تھا۔ دُور دُور سے راجہ مہاراجہ آ رہے تھے۔ دکانوں پر رونق تھی، بازاروں میں آرائش۔ چاروں طرف گاڑیاں دوڑتی پھرتی تھیں۔ سوامی جی نے اس نادر موقع سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا۔ اور لیکچروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ نیز بھاگوت سے متعلق ایک کتاب بھی شائع کی۔ چند ہی روز میں اس کی ہزاروں جلدیں اُڑ گئیں۔

کچھ جلدیں متھرا جاتے ہوئے ہردوار تقسیم کرنے کے لئے بھی لے گئے۔ اور پانچ ودیارتھیوں سمیت گورو کی خدمت میں حاضر ہوئے۔
گورو اور چیلے کا ملاپ ایک عجیب منظر تھا۔ سوامی جی نے ایک اشرفی اور ایک ململ کا تھان نذر کیا۔ گورو اپنے سعادت مند چیلے کی فتحیابیوں کے قصے سن کر پھولے نہ سماتے تھے۔ ان کی محنتیں آج بارور ہوئیں۔ آنکھوں میں پانی آ گیا۔ یہ پانی معمول نہ تھا۔ اس کے لئے انہوں نے زندگی بھر انتظار کیا تھا۔ انہوں نے سوامی جی کے سر پر دست شفقت پھیرا۔ اور انہیں ہزار ہزار دعائیں دیں۔
سوامی جی گورو دیو کے پاس کئی دن تک ٹھیرے رہے۔ بعض مضامین پر شکوک تھے۔ انہیں رفع کیا۔ کئی رموز نئے سیکھے اور تب ہردوار کے مشہور میلہ کمبھ میں شامل ہونے کی اجازت طلب کی۔ گورو جی نے کہا۔ جاؤ۔ پرماتما تمہیں کبھی ناکامیاب نہ کریں۔ سوامی جی نے ان کے پاؤں کو ہاتھ لگایا۔ اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ علم کے آفتاب گورو اور ظفریاب چیلے کی یہ ملاقات آخری ملاقات تھی۔
متھرا سے چل کر سوامی جی میرٹھ آئے۔ اور ایک دیوی کے مندر میں ٹھیرے۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک برہمچاری بھی تھا۔ تحقیقات سے معلوم ہوا ہے کہ

اُس زمانہ میں سوامی جی دوشالہ اوڑھتے تھے۔ پاؤں میں موزے استعمال کرتے تھے اور اُن کے گلے میں ایک مالا تھی۔ گنگا رام نامی ایک معزز آدمی سے اُن کی ملاقات ہوئی۔ تو سوامی جی نے کہا۔ کہ گئو رکھشا اور ویدک دھرم پرچار کی سخت ضرورت ہے۔ ورنہ بھارت برباد ہوجائیگا۔ آگرہ دربار میں جو مہاراجہ شامل ہوئے تھے۔ اُنہوں نے اس کام میں امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ گنگا رام نے کہا۔ کہ اگر مہاراجے اس میں شریک ہوں۔ تو مجھے شامل ہونے میں کوئی اعتراض نہ ہوگا ؞

ایک دِن اُن سے اور سوامی جی سے بات چیت ہو رہی تھی۔ کہ کشتۂ ابرک کا ذکر آ گیا۔ سوامی جی نے اُنہیں کشتہ سیاہ ابرک کی ایک پڑیا دی۔ گنگا رام نے اعتراض کیا۔ کہ یہ چیز مقوی باہ ہے۔ اسے استعمال کرکے آپ کیسے بچے رہتے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ کام دیو کو جیتنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی تنہائی میں رہے۔ ناچ وغیرہ کبھی نہ دیکھے۔ جذبات کو اُکسانے والی باتوں سے پرہیز کرے۔ نہ کبھی ایسے گانے سُنے، نہ ایسی شکلیں دیکھے۔ نہ ایسے خیالات دماغ میں آنے دے۔ عورتوں کی طرف کبھی نہ دیکھے۔ اور اپنی زندگی کو اصول کی لڑی میں پرو دے۔ پھر اُسے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ نفس کو

مارنا ہو تو اُسے سیر کرکے مارنا نادانی ہے۔ یہ
دیو فاقہ کی موت مارا جا سکتا ہے۔ ایسے آدمی کو چاہئے
کہ اوم کا جاپ کرتا رہے۔ رات کو طبیعت پر سستی
طاری ہو جائے۔ تو ایک دو گھنٹوں کے لئے سو جائے۔
اور اس کے بعد اُٹھ کر پھر اوم کی مالا پھیرنے
لگ جائے۔ زیادہ سونے سے خواب آنے لگ جاتے
ہیں۔ اور یہ بات برہمچاری کے لئے نقصان دہ ہے۔
صبح کے وقت مال کنگنی کے پانچ دانے کھا لیا کرے۔
ان باتوں پر عمل کرنے سے خواہشات دب جاتی ہیں۔

وشئے کا وشدھر جب ڈسے اوم جڑی کو چبا
ہے ناگ دمن ہی اوشدھی ڈھونڈن دور نہ جا
اُپ شم ہوویں واسنا من کے مٹین وِکار
یدی ودھ سے یہ لیجئے نام اسول اپار

کچھ دن کے بعد سوامی جی ہردوار کو روانہ ہوئے۔
اس وقت تک سوامی جی پورتی پوجا کے خلاف
بولتے رہے۔ ویشنو۔ شیو اور شاکت فرقوں کو گمراہ
ثابت کرتے رہے۔ وام مارگیوں کا کھنڈن کرتے
رہے۔ کنٹھی۔ تلک وغیرہ کی حقیقت سے لوگوں کو
آگاہ کرتے رہے۔ اوتار اور پُران پر روشنی ڈالتے
رہے۔ گنگا۔ جمنا وغیرہ ندیوں میں نہانے سے نجات
ہو جاتی ہے۔ اس کو جھوٹ بتاتے رہے۔ اور

وید ہی کی طرف جانے میں سلامتی ہے۔ اس پر اپنے
لیکچروں کا سارا زور ختم کرتے رہے ؛

چھٹا باب

ہردوار کا میلہ کمبھ سارے بھارت ورش میں مشہور ہے۔ اُن دنوں یہاں تل پھینکنے کو جگہ نہیں رہتی۔ سادھو سنت مہنت۔ گرہستی۔ عورتیں مرد سبھی جاتے ہیں۔ اور لاکھوں کی تعداد میں۔ مکان عیالداروں سے بھر جاتے ہیں۔ اکھاڑے سنیاسیوں سے۔ بیراگی لوگ بھی جاتے ہیں اور پورے دبدبہ سے۔ کئی سادھو گروہ در گروہ جاتے ہیں۔ اُنہیں دیکھ کر دلوں پر رعب چھا جاتا ہے۔ جب وہ ایک آواز سے نعرہ لگاتے ہیں۔ تو کانوں کے پردے پھٹنے لگتے ہیں بعض سادھو اپنے جھونپڑے بناتے ہیں۔ گویا نیا شہر بسا لیتے ہیں۔ مگر سچے بیراگی اس دُنیا کے شور و غل سے پرے بھاگتے ہیں۔ اور گوشۂ تنہائی میں بیٹھے روحانی ترقی کی منزلیں طے کرتے رہتے ہیں۔ راجے مہاراجے وہاں جا کر سخاوت کے دریا بہا دیتے ہیں۔ کہیں

جپ ہوتا ہے کہیں تپ - کہیں پاٹھ ہوتا ہے کہیں
پوجا - اُن دنوں وہاں کا کرۂ ہوائی ہی بدل جاتا ہے ٭
سوامی جی نے سوچا - اس موقع سے فائدہ اٹھانا
چاہیئے - چنانچہ ۱۲ مارچ ۱۸۶۷ء کو ہردوار جا پہنچے -
اور بھیم گوڈے کے قریب مقیم ہوئے - سوامی وشویشورانند
اور شنکرانند وغیرہ پانچ سادھو اُن کے ہمراہ تھے - وہاں
اُنہوں نے ایک جھنڈا نصب کیا اور اُس کا نام پاکھنڈ
کھنڈنی (تکذیب فریب) رکھا - روزانہ اُپدیش ہونے لگے -
یہ دن بھی تاریخ میں یادگار رہینگے - جب ہردوار جیسے
مقام پر ایک بے خوف لنگوٹ بند سنیاسی شیر کے مانند
دھاڑ رہا تھا - اور جہالت کی باتوں پر پے بہ پے حملے
کر رہا تھا - لوگ سوامی جی کے جھنڈے کو دیکھتے - تو
جوق جوق اُن کی کٹیا میں کھنچے آتے - اور اُن کے
خیالات سے متاثر ہوتے - اس میلہ میں سوامی دیانند
نے اپنی قابلیت اور شہرت کے ڈنکے بجا دئے -
ہر جگہ اُنہیں کے چرچے چھڑے ہوئے تھے - اس
سے پہلے لوگوں نے کبھی کسی سنیاسی کی زبان سے
مورتی پوجا، شرادھوں اور پورانوں کے برخلاف
نہ سُنا تھا - اس لئے وہ حیران سے ہو جاتے
تھے - جو پنڈت پروہت تھے - وہ کہتے یہ شخص
ناستک ہے - اس کی بات پر کان نہ دو - تمہیں

گمراہ کر دیگا۔ اُنہیں اپنے پیٹ کا فکر تھا۔ غرض اظہارِ صداقت کے لئے زبان نہ کھولنے دیتی تھی۔ اُلٹا جھوٹ بولنے پر تیار ہو گئے۔ سوامی جی کے خلاف لیکچروں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان لیکچروں میں سوامی جی کو گالیاں تک دی گئیں۔ مگر سوامی جی نے پروا نہ کی۔ اپنے کام میں مصروف رہے۔ گالیاں سُنتے تو کام میں رُکاوٹ پڑ جاتی۔ اس لئے اُنہوں نے ان باتوں کا ذرا خیال نہ کیا۔ اور اپنے حملے جاری رکھے۔ ان حملوں سے پورانوں کے گڑھ کی دیواریں ہلنے لگیں۔ کئی پنڈت مباحثہ کرنے گئے۔ مگر سوامی جی کے ایک ہی سوال پر بھاگ آئے۔

کاشی کے ممتاز پنڈت وشدھانند جی نے ایک وید منتر کا ترجمہ کرتے ہوئے کہا۔ کہ براہمن برہما کے منہ سے، کشتری بازوؤں سے، ویش گھٹنوں سے، اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔ سوامی جی نے ان معنوں پر اعتراض کیا۔ اور کہا۔ اس کا درست ترجمہ یہ ہے۔ کہ انسانی جماعت میں براہمن بمنزلہ منہ کے ہیں اور کشتری بمنزلہ بازو کے۔ اسی طرح ویش لوگ انسانی جماعت میں گھٹنوں کا درجہ رکھتے ہیں اور شودر پاؤں کا۔

اس زمانہ میں سوامی وشدھانند اور گوسائیوں کے

تعلقات کشیدہ ہو گئے۔ گوسائیوں نے سوامی وشدھانند پر مقدمہ چلا دیا۔ اور سوامی جی سے امداد طلب کی۔ مگر سوامی جی نے صاف کہ دیا۔ کہ اس باب میں تم دونو میرے لئے یکساں ہو۔ اس لئے میں کسی ایک کا طرفدار نہ ہونگا*

اس میلہ میں سوامی جی نے اپنے خیالات کی بہت اشاعت کی۔ کئی مباحثے کئے۔ کئی پنڈتوں کو لاجواب کر دیا۔ ہزاروں سادہ لوح لوگوں کو رموز حقیقت سے باخبر کیا۔ اپنی کتاب کی سینکڑوں جلدیں تقسیم کیں۔ مگر اُن کے دل کو اطمینان نہ تھا۔ اُنہوں نے قحط زدہ لوگوں کی جگر پاش آہیں اور دردناک نالے اپنے کانوں سے سُنے تھے۔ اودھ وغیرہ صوبوں میں سفر کر کے وہاں کے غریب طبقہ کے تباہ حال لوگوں کی حالتِ زار اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔ بندھیاچل وغیرہ کی طرف گھومتے ہوئے کول۔ بھیل اور سنتھال وغیرہ مادرِ وطن کے بیٹوں کی انسانیت سے گری ہوئی حالت پر آنسو برسائے تھے۔ اُنہوں نے راجپوتوں کی بُزدلیاں اُن کے تاریخی مقامات پر مشاہدہ کی تھیں۔ ویشنوں کی حالت اُن سے پوشیدہ نہ تھی۔ صداقت کے آفتاب کو گہن لگ چکا تھا۔ عیسویت کا دریائے مہیب ہندو دھرم کی سرسبز و شاداب کھیتوں کو آہستہ آہستہ

اپنی طوفانی آغوش میں لے رہا تھا۔ بے ہودہ رسوم کا کیڑا ہندو قوم کو لکڑی کے گھُن کے مانند اندر ہی اندر کھائے جاتا تھا۔ اُنہیں یہ بھی معلوم تھا۔ کہ مغرب کا تباہ کن سیلاب ہندوستان کی قدیم تہذیب، تاریخ اور مذہب کے مندروں کی دیواروں کے ساتھ دیوانہ وار ٹکریں مار رہا ہے۔ اِس خیال نے، اس حالت نے، اس منظر نے اُن کے دل کا چین چھین لیا۔ اُن کی طبیعت بے قرار ہو گئی۔ دماغ میں طوفان اُٹھنے لگے۔ اور جسم میں عملی زندگی کی ایک عجیب و غریب بجلی سی دوڑ گئی۔ کسی بڑے کام کو فوراً سرانجام دے دینا آسان نہیں۔ اس کے لئے سب سے اوّل سوامی جی نے اپنی قوم کے سر کو ہلانے کی ضرورت محسوس کی اور براہمنوں کو جگانے لگے۔ اُنہوں نے بہت اُکسایا، بہت بھڑکایا، جوش دلایا۔ ہمت بندھانے کی کوشش کی۔ مگر رشیوں کی اولاد اس قدر مایوس ہو گئی تھی۔ ان کے دماغ ایسے ناکارہ اور دل زندگی کی حرارت سے ایسے خالی ہو چکے تھے۔ کہ اُن میں ذرا بھی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ ان کی طبیعت پر زمانے کی رفتار نے جو زہریلا اثر ڈال رکھا تھا۔ وہ ذرا کم نہ ہوا۔ آگرہ، گوالیار، جے پور، پُشکر اور دیگر مقامات کی سیاحت نے اُنہیں بتا دیا تھا۔ کہ ان میں اپنے

اپنے بزرگوں کی میراث قومی حمیت کا شائبہ بھی باقی نہیں رہا۔ یہ اب ایسے کمزور ہو چکے ہیں۔ کہ قومی اور ملکی مفاد کے لئے اپنی غرض کا ایثار ان کے لئے ناممکن ہو گیا ہے۔ اس ناامیدی اور تباہی کی تاریک رات میں جو اماوس کی رات سے بھی زیادہ تاریک تھی۔ اُنہیں بہت دور، فاصلے پر ایک ٹمٹماتا ہُوا چراغ دکھائی دیا۔ یہ چراغ ہردوار میں کمبھ کے موقع پر سنیاسیوں کا میلہ تھا۔ سوامی جی کے بجھے دل میں اس گل اُمید کا ظہور قدرتی تھا۔ اُنہوں نے سوچا سادھو گھربار چھوڑ چکے ہیں۔ بیراگی ہیں۔ اُن کے دل دنیا کے کیچڑ اور اُس کی آلودگیوں سے صاف ہیں۔ اُن کی ضروریات محدود ہیں۔ اُن کے سینے عرفان کی تجلیوں سے منوّر ہیں۔ وہ اپنے پرائے کو ایک آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ حرص و ہوا کی زنجیروں میں اُن کے لئے کوئی مضبوطی نہیں۔ اگر یہ بیدار ہو جائیں۔ اگر یہ اُٹھ کھڑے ہوں۔ اگر یہ صداقت کے علمبردار بن جائیں۔ اگر یہ میدان عمل میں اُتر آئیں۔ تو رشیوں کی اولاد کا گزرا ہوا زمانہ واپس آنے میں دیر نہ لگیگی۔ ان کے آسمان اوج کا تارہ پھر سے اُسی طرح چمکنے لگیگا۔ اور پُرانے آریوں کا پُرانا مذہب نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں پھیل جائیگا۔ بلکہ اپنی شاندار تنویر سے دنیا بھر کی تاریکیوں

کا قلع قمع کر دیگا - ویدوں کے منتر پھر گونجنے لگینگے - اور ہندوستان وہی پہلا بھارت ورش بن جائیگا - مگر سارے میلہ میں ایک بھی سادھو صداقت کا علمبردار بننے کو آمادہ نہ ہوا - ہمالہ کے قدموں میں انہیں ایک بھی جوگی ایسا نہ ملا، جو قومی درد سے بیتاب ہو کر ملکی تباہ حالیوں سے متاثر ہوتا اور اپنے آپ کو فنا کرنے کو تیار ہو جاتا - ایک ہی جنی چاروں طرف دھوم مچا دیتا - مگر وہاں ایک بھی دل دردرس نہ تھا - گنگا کا کنارہ سادھوؤں سے پٹا پڑا تھا - مگر وہ کھانے والے سادھو تھے - کمانے والا ایک بھی نہ تھا - سوامی جی کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں - مگر انہیں پربھو کا کوئی پریمی نظر نہ آیا - لباس تھا، نام تھا، جسم تھا - رنگ تھا مگر سارے میلہ میں کوئی ایسا دل نہ تھا - جو محسوس کرتا - جو درد قومی سے تڑپ جاتا اور شدھار اور اپکار کے لئے سوامی جی کے ساتھ ہو جاتا - سوامی جی نے محسوس کیا، کہ وہ اکیلے ہیں ؎

جس میں جانیہ ہت نہیں پر شدھار اپکار
دھرم اتیجنا رہت جو سونر دیہہ اسار
جینا پرہت شونیہ کا ایسا جگ میں جان
دھوکنی جیوں لوہار کی سانس لیت بن پران
لئے سنیہ کے جو جیئے ستیتا کرے پرچار
پرہت میں بھی رت رہے اس پہ جائیے وار

اُنہوں نے سوچا کہ پرُاُپکار (بہبودیٔ خلائق) ایک یگیہ ہے۔ اور میں نے اسے کرنے کا عہد کیا ہے۔ مگر اس کا سرانجام پانا اُس وقت تک ناممکن ہے۔ جب تک کہ اس میں اپنا سب کچھ "سواہا" (نذر) نہ کر دیا جائے گا۔ سوامی جی نے سب کچھ ترک کر دیا۔ اور ایک مہا بھاشیہ کی جلد، ایک اشرفی اور ایک ململ کا تھان سوامی ورجانند جی کو متھرا بھیج دیا۔ کیلاش پربت نے جب دیکھا۔ کہ سوامی جی سب کتابیں تقسیم کر رہے ہیں تو اُنہوں نے پوچھا۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ جب تک ضروریات کم نہ ہونگی۔ تب تک مجھے مکمل آزادی نہ ملیگی۔ اور میرا مقصد پُورا نہ ہوگا ؂

سوامی جی نے سب کتابیں تقسیم کر دیں۔ ایک لنگوٹی باندھ لی۔ جسم پر راکھ مل لی اور بولنا چالنا بند کر دیا۔ کہاں کے لیکچر اور کیسے مباحثے۔ زبان ہلانا بھی موقوف ہو گیا۔ کٹیا میں بیٹھ گئے۔ جو شیر اپنی گرج دار آواز سے سارے میلہ میں ہلچل مچا رہا تھا۔ جس کے مباحثوں سے مت متانتر کانپتے تھے۔ وہی مُلک و قوم کا فخر اپنے آپ پر زیادہ قابو پانے کے لئے خاموش ہو کر کٹیا میں بیٹھ گیا۔ اور اُس نے زبان کا استعمال بھی ترک کر دیا ؂

لیکن جس شخص نے " صداقت شعاری خاموشی سے بدرجہا بہتر ہے " کا سبق پڑھا ہو۔ وہ کب تک چپ رہ سکتا ہے۔ ایک دن ایک آدمی نے سوامی جی کی کٹیا کے دروازے پر جا کر کہا۔" بھاگوت وید سے بھی بڑھ کر ہے"۔ سوامی جی ویدوں کے متوالے تھے۔ وہ یہ برداشت نہ کر سکتے تھے۔ کہ کوئی ویدوں کے خلاف بول جائے۔ خاموشی کا عہد آن واحد میں بھلا دیا گیا۔ اور سوامی جی نے اسی دم بھاگوت کا کھنڈن شروع کر دیا ؀

سوامی جی کی کٹیا سے ہمالہ کی بے شمار چوٹیاں نظر آتی تھیں۔ یہ حقیقت میں تپ (ریاضت) پر اوپکار (رفاہ عام) اور درڑھتا (استقلال) کی پتلیاں تھیں۔ جب سمندر سے موسمی ہوائیں پانی پی کر تبت کی سرزمین کو روانہ ہوتی ہیں۔ تو یہی چوٹیاں انہیں روک لیتی ہیں۔ اور ہندوستان میں برکھا شروع ہو جاتی ہے۔ بادلوں کے تھپیڑے کھاتی ہیں۔ مگر ان کو حد سے پرے نہیں جانے دیتیں۔ جو تیز رفتار بادل ان کے سر کے اوپر سے گزرنا چاہتا ہے۔ اسے یہ برف میں تبدیل کر کے اپنے سر پر جگہ دے دیتی ہیں۔ لاکھوں من برف کا بار اٹھاتی ہیں۔ ان کی کمریں دوہری ہو ہو جاتی ہیں مگر سرزمین ہند کی محافظت کا فرض آنکھوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتیں۔ برکھا انہیں

کی محنت کا نتیجہ ہے۔ گنگا اور دوسری ندیوں کی ہستی اِنہی کی جانکاہیوں کا ثمرہ ہے۔ لاکھوں ایکڑ زمین سرسبز ہوتی ہے تو اِنہیں کی برکت سے اور کروڑوں آدمی آرام سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ تو اِنہی کی بدولت۔ یہ نہ ہوتیں تو ہندوستان ریگستان بن جاتا۔ تب سوامی جی نے اپنی کٹیا کے پاس سے بہنے والی گنگا کی طرف نگاہ کی۔ دیکھا وہ سردی اور گرمی میں۔ دھوپ اور برسات میں۔ رات اور دن میں ایک ہی انداز سے بہتی چلی جاتی ہے۔ کمبھ میلہ ہو تو خوش نہیں ہوتی۔ اس کا گوشۂ جگر کاٹ کر اس سے نہر نکال لی جائے۔ تو غمگین نہیں ہوتی۔ اس کا پانی صاف ہے، میٹھا ہے، صحت بخش ہے۔ مگر اس کی کبھی بھی نہ رکنے والی روانیوں نے پہاڑوں کو تحلیل کر کر کے اپنا رستہ بنایا ہے اور چٹانوں اور پتھروں کو جو اُس کے راہ میں حائل ہوتے تھے چکنا چُور کر کے اُسے ریت میں تبدیل کر دیا ہے۔ سوامی جی کو قدرت نے دکھایا۔ کہ اس طرح استقلال سے، پیہم محنتوں سے اور مسلسل کوششوں سے بڑے بڑے عظیم الشان نتائج نکلتے ہیں ؎

سوامی جی نے قدرت کی کتاب کا مطالعہ کیا اور اس کے بعد عزم کر لیا۔ کہ جو علم مجھے حاصل ہو چکا ہے۔ اُس کا ایک ایک حرف دھرم پرچار (حق وصداقت کی اشاعت)

کے لئے خرچ کر دونگا - اس کے لئے اُنھوں نے سب سے پہلے یہ فیصلہ کیا - کہ کچھ دیر تک صرف قدیم ہندوستان کی قدیم متبرک زبان ہی میں بات چیت کی جائے - اور گنگا کے کنارے سیاحت کی جائے - چنانچہ وہ وہاں سے رشی کیش چلے گئے - اور کچھ دن وہاں ٹھیر کر ہردوار کنکھل ہوتے ہوئے لنڈھورا تشریف لے گئے - تین دن تک اُن کے حلق میں اُڑکر کھیل تک نہ گئی تھی - جب بھوک نے بہت تنگ کیا تو ایک کسان سے لے کر تین بینگن کھائے - وہاں سے چل کر شُکر تال اور پریکشت گڑھ ہوتے ہوئے مکتیشور پہنچے - یہاں پندرہ دن قیام کیا - اُن دنوں آپ رات دن ایک ملاح کے جھونپڑے کے قریب ریت میں پڑے رہتے تھے - اگر کسی سے بات چیت کرتے - تو سنسکرت میں - دوسری زبان مطلقاً نہ بولتے تھے - چند پنڈتوں سے بھی تبادلۂ خیالات کیا - وہاں بھی آپ نے تین دن تک کچھ نہ کھایا - چوتھے دن جب ملاح کی روٹی آئی - تو اُس نے سوچا - کہ یہ سنیاسی تین دن سے یہاں پڑا ہے نہ کوئی اسے کچھ کھانے کو دے گیا ہے نہ اس نے کسی سے کچھ مانگا ہے - اس لئے اُس نے آدھی روٹیاں سوامی جی کو دے دیں ؛

اس کے بعد میراں پور چاسی وغیرہ مقامات میں

ہوتے ہوئے کرنواس آئے۔ وہاں ایک دن گنگا کے کنارے بیٹھے تھے۔ کہ دو وِدّیارتھی ایک دو آدمیوں کے ساتھ ادھر آنکلے۔ جب اُنہوں نے سوامی جی کو دیکھا۔ تو پاس جاکر اُن کے جسم پر بھبوت ملنے لگے۔ سوامی جی نے اُنہیں اشٹادھیائی اُپنشد اور منوسمرتی پڑھنے کا اُپدیش کیا۔ اس کے بعد گھومتے پھرتے جیٹھ سمت ۱۹۲۴ میں فرّخ آباد جا پہنچے۔ اور وشرانت گھاٹ پر ٹھہرے۔ وہاں ایک دن بہت سے لوگ سوامی جی کے درشن کرنے گئے۔ اس وقت سوامی جی سمادھی میں تھے۔ اس لئے اُن کو انتظار کرنا پڑا۔ جب سوامی جی کی سمادھی کھلی۔ تو اُنہوں نے پوچھا۔ کیوں مہاراج! یہ سورج اور گنگا جی کیا چیزیں ہیں۔ سوامی جی بولے بے جان اشیا۔ اس کے بعد آپ چاسی گئے۔ یہاں پنڈت نندرام نے شنکھ اور چکر سے دیکھشا دے دے کر لوگوں کو بیراگی بنانا شروع کیا ہُوا تھا۔ اس سے متعلق یہاں کے چھتر سنگھ جاٹ نے سوامی جی سے کرنواس میں بھی کچھ ذکر کر دیا تھا۔ اور سوامی جی سے یہ بھی درخواست کی تھی۔ کہ آپ چاسی تشریف لے چلیں تو خوب ہو۔ اب جب سوامی جی وہاں پہنچے۔ تو اُس نے سب سے کہ دیا۔ کہ سوامی دیانند آج کل کے زمانہ میں بہترین پنڈت

ہیں۔ اگر وہ کہ دیں۔ کہ بیراگی بن جانا چاہیئے۔ تو ہم آج ہی تیار ہیں۔ اس پر کوئی بیس پچیس کے قریب تعلیم یافتہ آدمی پنڈت نند رام کو ساتھ لیئے سوامی جی کے حضور میں حاضر ہوئے۔ چند ہی باتوں سے نندرام کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ سادھو معمولی سادھو نہیں۔ بڑا قابل اور تیاگی ہے۔ اسے دُنیا کی پروا نہیں۔ جو کہیگا سچ سچ اور صاف صاف کہیگا۔ اس لیئے وہ موقع پاتے ہی نکل گیا۔ اور جب اُسے بُلایا گیا۔ تب بھی نہ آیا۔ اُس کی فراری مباحثہ کی شکست کے مترادف تھی۔ نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ جاٹ بیراگی کے پنجے میں نہ پھنسے۔ یہاں سوامی جی پندرہ دن تک لیکچر دیتے رہے۔

یہاں سے مہاراج تھارپور گئے۔ اور وہاں سے رام گھاٹ پہنچے۔ اس جگہ ایک براہمن ٹیکا رام نامی رہتا تھا۔ یہ شخص در اصل باشندہ کرنواس کا تھا۔ ۶ جولائی ۱۸۶۸ء کا ذکر ہے کہ ٹیکا رام بغیر نمو نارائن کہے سوامی جی کی کُٹیا کے پاس سے نکل گیا۔ اُسے کیا خبر تھی۔ کہ ایک دن یہی مہاتما میرے گورو بنینگے۔ بن کھنڈی میں کیشو دیو برہمچاری سے اُسے سوامی جی کے جوہروں کا علم ہُوا۔ تو اُسے ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس آیا اور نمو نارائن کر کر بیٹھ گیا۔ سوامی جی نے پوچھا۔ "تم کون ذات ہو"؟

اُس نے جواب دیا۔" براہمن ہوں"۔
سوامی جی نے اُس کو سر سے پاؤں تک دیکھکر پُوچھا۔
"سندھیا جانتے ہو"؟
"جی نہیں۔ مگر گایتری زبانی یاد ہے"۔
سوامی جی نے کہا۔" اچھا گایتری ہی سُناؤ"۔
"کسی کے سامنے گایتری پڑھنے سے گورو جی نے منع کیا ہے"۔
"بھلے آدمی! سنیاسی براہمنوں کا بھی گورو ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیں سُنانے میں کوئی حرج نہیں"۔
برھمچاری کیشو دیو نے ٹیکارام کو گایتری سُنانے پر مجبور کیا۔ اُس کے مُنہ سے صحیح تلفظ سُن کر سوامی جی بہت خوش ہُوئے۔ اور اُنھوں نے اُسے سندھیا کرنے کا اُپدیش کیا۔ یہ بات اُس کے دل میں بیٹھ گئی۔ سوامی جی نے ساری سندھیا اپنے ہاتھ سے لکھ کر اُسے دی۔
ٹیکارام نے سِدّھانت کومدی پر سلسلۂ گفتگو چھیڑا۔ مگر سوامی جی کو اتھاہ ساگر پاکر خاموش ہو گیا۔ اور اس کے بعد ہر روز خدمت میں آنے لگا۔ چند ہی دنوں میں سارے شکوک رفع ہو گئے۔ تب اُس نے اپنے سارے ستوتر اور ٹھاکر اُٹھا کر گنگا میں پھینک دیئے۔ دوسرے لوگ بھی آتے تھے اور سوامی جی کے

خیالات سے مستفید ہوتے تھے۔ کہتے تھے ایسا پنڈت آج تک نہیں دیکھا۔ وِدّیا کا سمندر ہے۔ چار بجے کے قریب اُن کے پاس سینکڑوں آدمی جمع ہو جاتے تھے۔ گوسائیں شُبھ گری آتے وقت تلسی کے چند پتّے لے آتے اور سوامی جی کی نذر کر کے کہتے۔ ہمارے تو سالگرام آپ ہی ہیں۔ ان دنوں سوامی جی کے مسوڑوں میں درد ہوتا تھا۔ اس لئے تمباکو ملا کرتے تھے ۔

ساتواں باب

پنڈت ٹیکا رام پر سوامی جی کے اُپدیشوں کا ایسا اثر ہُوا۔ کہ اُسے اپنے پوجا پاٹھ کے طریقوں سے نفرت ہو گئی۔ نئے خیالات نے سینہ میں ہلچل مچا دی تھی۔ وہ سیدھے کرنواس گئے اور ٹھاکر گوپال سنگھ جے رام سنگھ وغیرہ بھائیوں کو جمع کر کے کہنے لگے۔ کہ آج کل رام گھاٹ پر ایک مہاتما ٹھیرے ہوئے ہیں۔ بھائی تم سے کیا کہوں۔ بڑے ہی قابل اور سمجھدار ہیں۔ اُن کے پاس بیٹھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ

سوامی جی کے پاس سوال پوچھنے کے لئے بار بار بھیجا کرتے تھے۔ ایک دن سوریہ پوری نے اُن سے ایک ایسا سوال کیا۔ جس کا سمجھنا اُسے دشوار ہوگیا۔ سوامی جی نے کہا۔ اگر کوئی سمجھدار آدمی ہوتا۔ تو ہم اُسے سمجھا دیتے۔ مگر تم سوال پُوچھ کر آتے ہو۔ اسے ہرگز ہرگز نہ سمجھ سکوگے۔ ریت میں ملے ہوئے مصری کے ذرّوں کو چیونٹیاں الگ کر سکتی ہیں۔ مگر ہاتھی کی سونڈ سے یہ کام کبھی نہ ہو سکیگا +

سوامی جی یہاں سے اُٹھ کر شہر کے دوسری طرف جانے لگے۔ تو رام داس نے کہا۔ مہاراج! شہر میں آج کل بھاگوت کی کتھا ہو رہی ہے۔ آپ اس کا کھنڈن کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو۔ کہ کھانے کو مدھوکری (روٹی) بھی نہ ملے۔ سوامی جی نے مُسکرا کر کہا۔ اس کا کوئی فکر نہیں۔ ہماری قسمت ہمارے ساتھ ہے۔ اور شہر کے دوسرے حصہ میں چلے گئے۔ یہاں آپ نے ایک ہفتہ تک قیام کیا۔ اور اس کے بعد نرمدیشور کے مندر کے پاس ستی کی مڑھی میں جا ٹھیرے۔ یہاں سے دس بارہ قدم کے فاصلے پر نول جنگ پہلوان کا اکھاڑہ تھا۔ لکھتے ہیں اُس کا جنم بھوم پنجاب تھا۔ وہ ذات کا سارسوت براہمن تھا اور کسی وجہ سے وہاں جا کر رہنے لگا تھا۔ وہ بارہ مہینے

گنگا سے تیر کر پار نکل جاتا تھا۔ اور بدمعاش نہ تھا۔ لوگ اُس کی شرافت پر لٹو تھے۔ اُس کی ایک بہن بھی تھی۔ اور ایسی طاقتور کہ ایک ہاتھ میں تلوار لے کر گنگا کے دھارے میں تیرتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ نول جنگ سوامی جی کا بھگت بن گیا۔ صبح اُٹھتا۔ تو صاف مٹی لے آتا۔ اور بڑی عقیدت سے اُسے رگڑتا، جیسے وہ مٹی نہ تھی۔ چندن کی لکڑی تھی۔ پھر اُسے سوامی جی کے جسم پر مل دیتا۔ سوامی جی اس قسم کی خدمت کسی سے لینا پسند نہ کرتے تھے۔ مگر بھگت کی بھگتی نے اُنہیں مجبور کر دیا۔ یہ خوش نصیبی نول جنگ کو میسّر ہوئی ❊

ایک دن ایسا اتفاق ہُوا۔ کہ چھ سات وام مارگی ہاتھوں میں شراب کی بوتلیں لئے اوٹ پٹانگ بکتے ہوئے اُدھر آ نکلے۔ کہتے تھے آج دیانند کو شراب پلا کر چھوڑینگے۔ جب پاس آئے۔ تو بولے (نقل کفر کفر نہ باشد) "ارے دیانند۔ باہر نکل۔ تجھے شراب پلا کر بہادر بنائیں۔ اور تیرے دل و دماغ کو شُدھ کریں۔ تو بہت کھنڈن کیا کرتا ہے۔ آج ہم تجھے اس کا مزہ چکھائینگے" سوامی جی نے جب اُن بدمستوں کو دیکھا۔ تو بآواز بلند کہا۔ "بھائی نول جنگ! یہ متوالے وام مارگی شورش مچانا چاہتے ہیں۔ ذرا ان کا نشہ تو اُتارنا"۔ یہ آواز سُنتے ہی

نول جنگ اُن شرابیوں پر اس طرح ٹوٹ پڑا۔ جس طرح مست اندھے ہاتھیوں پر شیر حملہ کرتا ہے۔ اُسے دیکھتے ہی وام مارگیوں کے پیروں کو پر لگ گئے۔ اس کے بعد اُن کو کبھی سوامی جی کی طرف دیکھنے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ نول جنگ اُن کی خبرگیری میں زیادہ محتاط رہنے لگا۔

ایک متھرا کا رہنے والا پنڈت وہاں بھاگوت کی کتھا کرنے آیا۔ اُس سے ملاقات ہونے پر سوامی جی نے اُس سے ایک پد پوچھا۔ اُس کا جواب تو اُس سے بن نہ پڑا۔ گالیوں پر اُتر آیا۔ سوامی جی ہنستے رہے مگر لوگوں نے اُسے بہت شرمندہ کیا۔ اس شرمندگی نے اُس کے ہوش ٹھکانے کر دئے۔

پنڈت امبادت کا سوامی جی سے بڑا دلچسپ مباحثہ ہوا اُس دن سارے شہر کے پنڈت سوامی جی کی جائے قیام پر اُمنڈ آئے تھے۔ اثنائے گفتگو میں سوامی جی نے دلیلوں کی جھڑی لگا دی۔ پنڈت حیران رہ گئے۔ امبادت پر رعب چھا گیا۔ دم پھول گیا۔ سوچنے لگا۔ کیا کروں؟ سوامی جی نے اُسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔ گھبرائیے نہیں۔ آپ بزرگ ہیں۔ اور شاید آپ کو بولنے کی عادت بھی نہیں۔

ان الفاظ نے پنڈت امبادت کا ٹوٹا ہوا حوصلہ استوار کر دیا۔ تب مہادیو کی پوجا کا سلسلہ شروع ہوا۔

سوامی جی نے کہا۔ کہ جب مہادیو اپنی ہی حفاظت نہیں کر سکتا۔ تو اُس سے دُنیا کو کیا فیض پہنچ سکتا ہے۔ تم یہ بھی کہا کرتے ہو کہ مہادیو کیلاش پر رہتا ہے۔ اور وشنو سورگ پوری میں۔ اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ دیوتا مندر میں نہیں ہیں۔ اور جب وہ مندروں میں موجود ہی نہیں۔ تو پھر پوجا کس کی کی جائیگی۔ ان دلیلوں نے امبادت کا دل ہلا دیا۔ وہ سوامی جی کے سامنے زبان نہ ہلا سکا۔ آخر میں وہ مان گیا کہ جو کچھ سوامی جی کہتے ہیں وہ درست ہے۔ اس مباحثہ کا لوگوں پر بڑا اثر ہُوا۔ یہاں تک کہ بھگوان ولبھ وید اور پنڈت روی شنکر وغیرہ اصحاب نے کنٹھیاں توڑ دیں اور ٹھاکر دریا میں بہا دئیے ؛

اس شہر میں بُدھا نامی ایک اور پنڈت رہتا تھا۔ وہ بھی سوامی جی سے بحث کرنے آیا اور دیر تک سنسکرت میں بات چیت کرتا رہا۔ مگر سوامی جی کی زبردست دلیلوں نے اُس کے مُنہ پر مہر لگا دی۔ اور وہ سوامی جی کے سامنے جُھک گیا۔ اور اُن کا بھگت بن گیا۔ سوامی جی اُس سے بہت خوش تھے۔ اور اُسے "بدھی ساگر" کے نام سے بُلایا کرتے تھے؛

انوپ شہر میں سوامی جی نے راس لیلا کا بھی

کھنڈن کیا۔ کہا۔ کہ رام اور کرشن جیسے بزرگوں اور سیتا جیسی دیویوں کے سوانگ بنا کر اُنہیں گلی بازاروں میں نچاتے پھرنا بے حد قابل اعتراض اور موجب ندامت حرکت ہے۔ اس بات کا لوگوں پر ایسا اثر ہوا۔ کہ اُنہوں نے دوسرے سال رام لیلا نہیں منائی ؛

راجہ جے کرشن جی کو سوامی جی کے درشن اوّل اوّل اسی شہر میں ہوئے۔ وہ ایک دن سوامی جی کے پاس ردکر چلے گئے ؛

اُن دنوں سیّد محمد وہاں کے تحصیلدار تھے۔ عربی فارسی میں اُنہیں بڑی رسائی حاصل تھی۔ وہ سوامی جی سے اکثر ملنے آتے رہتے تھے۔ سوامی جی کی صحبت کے اثر سے' اُن کی گفتگو کی شیرینی سے اور علمیت کے زور سے اُن کے بھگت بن گئے۔ مگر کئی لوگ ایسے بھی تھے۔ جو اُن کے لیکچروں کی بدولت اُن سے ناراض تھے۔ اور اُنہیں تکلیف پہنچانے کا کوئی بھی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ جس طرح بھی ہو۔ انہیں نقصان پہنچایا جاوے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ ایک براہمن نے سوامی جی کی خدمت میں حاضر ہو کر پان پیش کیا۔ سوامی جی نے اُسے اُٹھا کر مُنہ میں رکھ لیا مگر فوراً ذائقہ نے بتا دیا۔ کہ پان میں زہر ہے۔ سوامی جی نے اُسے کچھ نہیں کہا۔ البتہ نیولی کرم

کرنے کے لئے گنگا کے کنارے چلے گئے۔ اور زہر کا
اثر دُور کر کے واپس آ گئے۔ جس طرح روئی میں آگ
لپٹی نہیں رہتی۔ اُسی طرح پاپ کا پوشیدہ رہنا ناممکن
ہے۔ کسی نہ کسی طرح اس واقعہ کا علم اُس تحصیلدار
کو بھی ہو گیا اور اُس نے اُسی وقت اُسے گرفتار کر کے
حوالات میں ڈال دیا۔ اور پھر سوامی جی کے پاس آیا۔
رستے میں سوچتا تھا۔ آج میں نے سوامی جی کے دشمن
کو گرفتار کیا ہے۔ سُن کر مجھے دعا دینگے۔ مگر جب اُسے
دیکھ کر سوامی جی نے مُنہ پھیر لیا۔ تو اُس کی حیرت کی
حد نہ رہی۔ اُس نے سوامی جی سے پوچھا۔ کہ میرا دوش
کیا ہے یہ تو بتا دیا جاوے۔ سوامی جی نے کہا "میں نے
سُنا ہے کہ تُم نے میری خاطر آج ایک آدمی کو گرفتار
کر لیا ہے۔ پر میں لوگوں کو قید کرانے نہیں آیا۔ قید
سے چُھڑوانے آیا ہوں۔ اگر بُرا آدمی اپنی بُری خصلت
نہیں چھوڑتا۔ تو ہم اپنی بھلائی کیوں ترک کریں"۔ یہ
الفاظ سُن کر تحصیلدار کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ عفو
کا ایسا دھنی، دشمنوں پر ایسا مہربان اُس نے آج
تک نہ دیکھا تھا۔ وہ سوامی جی کو نمسکار کر کے چلا
گیا اور جاتے ہی براہمن کو رہا کر دیا +

سوامی جی نصف ماہ ستی مڑھی میں رہے اور پھر
رام گھاٹ چلے گئے +

آٹھواں باب

یہاں آکر سوامی جی نے گنگا کی ریت میں ڈیرا لگایا۔ جب شام ہو گئی تو کھیم کرن نامی ایک برہمچاری اور اُس کا دوست اُدھر آئے۔ سوامی جی کو دیکھ کر اُنہیں خیال آیا۔ کہ ممکن ہے یہ سنیاسی صبح ہی سے بھوکے بیٹھے ہوں۔ اس خیال کے آتے ہی اُنہوں نے ایک ذو معنی پد گانا شروع کیا۔ سوامی جی نے مسکرا کر ہُوں کہا۔ برہمچاری کے اصرار پر سوامی جی بن کھنڈی مہادیو میں چلے گئے۔ اور وہاں رام چندر اُن کے میزبان بنے۔ کئی پنڈت آئے، مگر مباحثہ کرنے کا کسی کو حوصلہ نہ ہُوا۔ البتہ اُن کے قریب ہی ایک سوامی کرشنا نند ٹھیرے ہوئے تھے۔ اُن کے پاس جمع ہو کر چلے گئے۔ اور بولے۔ کہ یہاں سوامی دیانند آیا ہے۔ بھاگوت اور پرانوں کا کھنڈن کرتا ہے۔ دیوتاؤں اور ٹھاکروں کی مذمت۔ آپ چل کر اُس سے ذرا بات چیت تو کریں پر وہ تیار نہ ہُوا۔ سوامی جی نے بھی اُسے للکارا۔ مگر بے فائدہ۔ آخر لوگوں کے اصرار نے اُسے سوامی جی کے سامنے آنے پر مجبور کر دیا۔ لیکن وہ بضد ہُوا۔ کہ

پہلے فیصلہ دینے والا منتخب کرو۔ سوامی جی نے کہا۔ میں شاستروں ہی کو فیصلہ دینے والا قرار دیتا ہوں۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے۔ بمشکل تمام کرشنانند رضامند ہُوا۔ مباحثہ کا مضمون ویدانت تھا۔ سوامی کرشنانند نے کہا۔ کہ دنیا ایک وہم ہے۔ جیسے رسّی دیکھکر اُس پر سانپ کا گمان ہونے لگتا ہے۔ سوامی جی نے جواب میں کہا۔ کہ رسّی دیکھکر سانپ کا وہم اُس وقت ہوتا ہے۔ جب سانپ کی ہستی تسلیم کی جائے۔ جس وقت شکوک رفع ہو جاتے ہیں۔ اُسی وقت رسّی پھر رسّی بن جاتی ہے۔ آپ یہ بتائیں۔ کہ وہ اصلی دنیا کون سی ہے۔ جس کا اِس دُنیا کو دیکھ کر وہم ہوتا ہے ؛

اتنے میں ایک بیراگی نے سوامی جی کو سخت سُست کہنا شروع کر دیا۔ مگر کرشنانند نے اُسے ڈانٹ دیا اور پھر مباحثہ شروع ہو گیا۔ اسی طرح تین دن تک ہر روز شام کو یہ مباحثہ گرم ہوتا رہا۔ اثنائے مباحثہ میں ایک کسی آدمی نے سوامی کرشنانند سے پوچھا کہ کیوں مہاراج! مہادیو پہ جل چڑھا آؤں۔ سوامی دیانند جی نے کہا۔ یہ تو پتھر ہے۔ مہادیو نہیں۔ اس پر کرشنانند نے یہ ثابت کرنا شروع کر دیا۔ کہ پرماتما مجسّم ہے۔ سوامی جی اس مضمون کے مالک تھے۔ اُنھوں نے وید منتروں اور اُپنشد واکیوں کی جھڑی لگا دی اور کرشنانند

سے بولے۔ کہ ان کا ترجمہ کرو۔ سوامی کرشنانند نے کوئی
حوالہ نہ دیا۔ ہاں لوگوں سے مخاطب ہو کر
یدا یداہی دھرمسیہ گلانر بھوتی بھارت
گیتا کا شلوک پڑھنے لگے۔ مہاراج نے گرج کر کہا۔
مجھ سے مخاطب ہوجیئے۔ میں جواب دُونگا۔ مگر وہ
مخاطب کیا ہوتے۔ نہ چہرے پر رونق تھی۔ نہ حلق
میں آواز۔ مُنہ سے جھاگ جاری تھی۔ سوچتے تھے۔
کسی طرح لاج رہ جائے۔ آخر شرمندگی سے بچنے کے
لئے سوامی جی سے بولے۔ بتایئے تو صفت کی صفت
کیا ہے۔ مہاراج نے جواب دیا۔ جس طرح سبب کا سبب
نہیں ہوتا۔ اسی طرح صفت کی صفت نہیں ہوتی۔
لوگوں کی ہنسی نے سوامی کرشنانند کی شکست پر مہر
لگا دی۔ وہ وہاں سے نکل کر بھاگ گئے ؎

کھیم کرن جی کے پاس کئی مورتیاں تھیں۔ اُن کے
وقت کا بیشتر حصہ اُن کی پوجا میں صرف ہوتا تھا۔
مگر سوامی جی کی صحبت نے اُن کے خیالات بدل دئے
اُنہیں یہ سب کارروائی فریب سا معلوم ہونے لگی۔
وہ رُدراکش کی مالا بھی پہنا کرتے تھے۔ سوامی جی
اُنہیں منع کرتے تھے۔ مگر وہ یہ اشیا ترک کرنے سے
جھجکتے تھے۔ ایک دن کرشنانند نے اُنہیں کہا۔ کیا
کہنے؟ ایک طرف تو سوامی دیانند کے بھگت بنتے

ہو دوسری طرف مورتی پوجا کرتے ہو۔ ایک طرف کیوں نہیں ہو جاتے۔ بات معمولی تھی۔ مگر اُن کے دل پر اثر ہو گیا۔ اُنہوں نے سارا پاکھنڈ اُسی وقت ترک کر دیا۔

یہاں پنڈت بالمکند جی وغیرہ کئی اصحاب سوامی جی کے پاس آتے تھے۔ اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ اکثر کہا کرتے کہ سوامی جی آپ کی باتوں میں سولھوں آنے سچائی ہے۔ مگر کیا کریں۔ روزی کا سوال سامنے آ جاتا ہے۔ مگر ہر حالت میں یہی بات ہو یہ غلط ہے۔ کئی آدمی ایسے سورما بھی نکل آتے تھے۔ جو ہر خطرہ کا مقابلہ کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ نندکشور برہمچاری اور دیگر کئی اصحاب کا جب ایک دفعہ اعتقاد اُٹھ گیا۔ تو پھر نہ جما۔ اُنہوں نے مورتیاں اُٹھا کر دریا میں پھینک دیں۔

سوامی جی نے اس جگہ سندھیا اور ہون کرنے پر بہت زور دیا۔ اور کہا کہ ان طریقوں سے کئی سو سال کی عمر حاصل کرنا مشکل نہیں۔ سوامی جی کے بھگتوں میں رام گھاٹ کے بھیرو ناتھ بڑے عقیدتمند تھے۔ وہ سوامی جی کو علمیت میں سوامی وشدھانند وغیرہ سب سے بڑھا ہوا سمجھتے تھے۔ سوامی جی کھانا کھا چکتے تو تلسی کے پتے چبایا کرتے۔ کہتے اس سے مُنہ صاف ہو جاتا ہے۔ اگر آنگن میں تلسی کا بوٹا لگا ہو۔

تو گھر بھر کی ہوا صاف ہو جاتی ہے ؎

رام گھاٹ کے لوگوں کو مستفیض کر کے مہاراج بیلون آئے اور کھیرا کے مقام پر پیپل کے نیچے ٹھیرے۔ لوگوں نے جب یہ دیکھا۔ تو اُس جگہ کے اوپر سرکیاں باندھ کر چھت بنا دی۔ یہاں کرشن نامی پنڈت نے سوامی جی سے شری رام اور شری کرشن سے متعلق استفسار کیا۔ سوامی جی نے کہا۔ یہ دونو بزرگ بڑے زبردست راجے تھے۔ مگر پرماتما کا اوتار نہ تھے۔ نہ کوئی ہو سکتا ہے۔ جو لوگ ان کے سوانگ بناتے ہیں۔ وہ ان بزرگوں کی توہین کرتے ہیں۔ جو پاس آتا۔ اُسے نیکی کرنے کا اُپدیش دیتے۔ جسے گایتری منتر نہ آتا۔ اُسے خود زبان مبارک سے یاد کرا دیتے۔ پنڈت اندر منی وہاں رہتے تھے۔ اُنہوں نے گایتری منتر کئی کاغذوں پر لکھ کر سوامی جی کی نذر کئے۔ سوامی جی نے اُنہیں لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن کے نیچے سَو کا ہندسہ لکھا تھا۔ اس سے مقصود یہ تھا۔ کہ لوگ اس منتر کا سَو مرتبہ جپ کریں۔ یہاں سوامی جی نے سَو کے قریب آدمیوں کو گایتری منتر سکھایا۔ کئی لوگ اُن کے بھگت بن گئے ؎

ایک آدمی نے سوال کیا۔ کہ آپ بدن پر گنگا کی مٹی کیوں لگاتے ہیں۔ جواب دیا۔ کہ اس سے مچھر وغیرہ

گے کاٹنے کا اثر نہیں ہوتا ۰

ایک آدمی نے کہا - کہ مہاراج ونڈوت (پرنام) ۰

سوامی جی نے سُن کر جواب دیا - ونڈوت (ڈنڈے جیسے) تمہیں ہو - ہم کیوں ہونے لگے ۰

یہاں مہاراج صرف تین چار دن رہے ۰

بیلون سے چل کر سوامی جی کرنواس پہنچے - اُن کے آتے ہی پنڈتوں نے مباحثہ کا شور مچا دیا - اور انوپ شہر کے پنڈت امبادت کو بلا بھیجا مگر وہ تو پہلے ہی انوپ شہر میں سوامی جی کے سامنے شکست تسلیم کر چکا تھا - مباحثہ کیا خاک کرتا - چند ہی منٹ میں اُس نے سوامی جی آپ سچ کہتے ہیں" کہ کر اپنی دستار فضیلت اُن کے قدموں میں رکھ دی - سوامی جی کی اس کامرانی نے ٹھاکروں کے حوصلے بڑھا دئے - اور وہ یگیو پویت پہننے کو تیار ہو گئے - سوامی جی سے پوچھا - کہ یگیو پویت پہننے کا موزوں وقت کب ہے - اور اُس موقع پر کیا کیا کرنا مناسب ہے - سوامی جی نے سب طریقہ بتا دیا - اس کے بموجب بڑی عمر والوں سے پرائشچت کرانے کا فیصلہ ہُوا - انوپ شہر، دانپور - احمد گڑھ - رام گھاٹ - جہانگیر آباد اور کرنواس کے پنڈتوں کو مدعو کیا گیا - وہ ایک ہفتہ تک گایتری کا جپ کرتے رہے - اس کے بعد سوامی جی کی کُٹیا میں وسیع پیمانے

پر ہون ہوا۔ جس میں کرنواس کے پنڈت شامل ہوئے۔ جب ہون ہو چکا تو سوامی جی نے ٹیکا رام کے چھوٹے بھائی کو اور گوپال سنگھ بھوم سنگھ وغیرہ دس ٹھاکروں کو یگیو پویت پہنایا اور اپنی زبان مبارک سے گایتری منتر کا اُپدیش دیا۔ یگیہ کے خاتمہ پر سب حاضرین میں یگیہ کا پرساد تقسیم کیا گیا۔ اس یگیہ کی خبر آس پاس اس طرح پھیل گئی۔ جیسے جنگل میں آگ۔ لوگ سُنتے تھے اور تعریف کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ براہمن کشتری اور ویش جوق جوق گنگا کے کنارے جانے لگے اور سوامی جی سے یگیو پویت لینے لگے۔ مگر یہ بات بالکل نئی تھی۔ کرنواس کے ٹھاکروں کی حیثیت کے اثر سے، کچھ صداقت کے اثر سے لوگوں پر اس سے بجلی کا سا اثر ہوا۔ دو دو سو کوس کے فاصلے سے آکر لوگوں نے سوامی جی سے یگیو پویت لیا۔ جو لوگ گنگا سنان کرنے آتے تھے۔ وہ سوامی جی کی خدمت بابرکت میں حاضر ہو کر اُن کے دست خاص سے یگیو پویت لینا بھی تیرتھ یاترا کا حصہ سمجھنے لگے تھے۔ وہ بھی کیا دلکش منظر تھا۔ جب چالیس چالیس پچاس پچاس راجپوت صف باندھ کر کھڑے ہو جاتے تھے اور سوامی دیانند جی اُنہیں یگیو پویت دے کر گنہگاروں کو سیدھے رستہ پر چلانے والی، دنیا کی ہر اک مصیبت سے

چھڑانے والی بھگوتی گایتری کا اُپدیش دیتے تھے۔ اس طرح گنگا کے کنارے پر سوامی جی نے دوسری گنگا بہا دی اور سینکڑوں ہزاروں گمراہوں کو اُنگلی پکڑ کر سیدھے رستے پر ڈال دیا اور کرنواس میں تو اس کا ایسا اثر ہوا۔ کہ چھوٹے بڑے سب یگیوپویت لینے لگے۔ گھروں میں، گلیوں میں۔ بازاروں میں۔ گھاٹوں پر۔ جدھر لوگ نکلتے تھے۔ مہاراج جی کے گیت گاتے تھے۔ وہاں ایک نوّے سال کی بُڈھی بیوہ رہتی تھی۔ ہنسا ٹھاکرانی۔ یہ نیک خاتون بچپن ہی میں بیوہ ہو گئی تھی۔ رشتہ میں یہ دیوی ٹھاکر گوپال سنگھ کی تائی تھی۔ سادگی کا یہ عالم تھا۔ کہ پانچ چھ گاؤں کی مالک تھی۔ مگر جَو کی روٹی اور مونگ کی دال کے سوائے کوئی دوسری چیز باورچی خانہ کے اندر نہ آسکتی تھی۔ اور یہ بھی اپنے ہاتھ سے بناتی تھی۔ ٹھاکروں میں اس دیوی کی بڑی عزت تھی۔ کوئی اُس کے سامنے سر نہ اُٹھا سکتا تھا۔ سارے گاؤں کی عورتیں اُس کی خواہش کو حکم سمجھتی تھیں۔ اور اُسے بجا لانا اپنا فرض منصبی تصور کرتی تھیں۔ جب سب ٹھاکر ایک ایک کر کے سوامی جی کے بھگت بن گئے۔ تو اُسے بھی اُن کے درشن کی خواہش ہوئی۔ ٹھاکر گوپال سنگھ کے پوچھنے پر سوامی جی نے اُسے اجازت دے دی۔ اور وہ بوڑھی دیوی لاٹھی ٹیکتی ہوئی سوامی جی

کے جلسے قیام پر پہنچی۔ وہاں پہنچ کر اُس نے بڑے عقیدتمندانہ انداز سے زمین پر گِر کر سوامی جی کو نمسکار کیا اور کچھ بڑھاپے کی وجہ سے کچھ عقیدت کے باعث کانپتے ہوئے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔ کہ مہاراج! میرا کلیان کیسے ہو؟ سوامی جی نے اُسے کہا مورتی پوجا چھوڑ دو۔ اور گایتری منتر کا جاپ کیا کرو۔ نیز "اوم" کا بھی جاپ کیا کرو۔ عرصہ بعید کے بعد یہ پہلا موقع تھا۔ جب سوامی دیانند مہاراج نے ایک عورت کو گایتری منتر کے جاپ کا حق دیا۔ اس طرح سوامی جی کی مہربانی سے ہنسا دیوی نہال ہوئی۔ اور اپنی زندگی کے آخری دن تک سوامی جی کے اُپدیش پر عمل پیرا رہی +

پنڈت ہیرا بلبھ بھی قابل آدمی تھا۔ رگ وید اور یجر وید اُسے حفظ تھا۔ درشن بھی دیکھ چکا تھا اور گرامر میں تو وہ کسی کو اپنے سامنے کچھ سمجھتا ہی نہ تھا۔ سوامی جی کی شہرت سُن کر اُس نے اُن سے مباحثہ کا ارادہ کیا۔ اور کئی پنڈتوں کو ہمراہ لے کر انوپ شہر سے کرنواس آیا۔ پوس کا مہینا تھا۔ سوامی جی کے پاس دو تین سو کے قریب آدمی بیٹھے تھے۔ کہ پنڈت ہیرا بلبھ نے سامنے آکر ایک چھوٹے سے مگر بڑے ہی خوبصورت سنگھاسن پر گومتی چکر۔ بالمکند اور شالگرام کی مورتیاں رکھ دیں۔ اور بآواز بلند عہد کیا۔ کہ اب میں یہاں سے

اُس وقت اُٹھونگا۔ جب سوامی جی کے ہاتھ سے ان مورتیوں کو بھوگ لگوا لونگا۔ پہلا دن سنسکرت میں بات چیت ہوتی رہی۔ دوسرے دن مباحثہ شروع ہُوا۔ اور کئی دن تک ہوتا رہا۔ اُس کے ساتھی بھی امداد کرتے تھے۔ مگر وہ ہر روز زیادہ مغموم، زیادہ اداس، زیادہ پریشان ہوکر واپس جاتا تھا۔ یہاں تک کہ ساتویں دن اُسے بولنے کی ہمت نہ رہی۔ آدمی قابل تھا۔ باہر نکلنے کے لئے بہتیرے ہاتھ پاؤں مارتا تھا۔ مگر سوامی جی نے سب ناکے بند کر دئے تھے۔ صرف ایک رستہ کھُلا تھا۔ اور وہ شکست کا رستہ تھا۔ پنڈت ہیرا بلبھ نے اسی رستہ پر پاؤں دھر دیا۔ اور صاف کہ دیا۔ کہ سوامی جی جو کچھ کہتے ہیں سچ ہے۔ ان کی وِدّیا کی تھاہ کس نے پائی ہے۔ میں ان کے سامنے کچھ معنی نہیں رکھتا۔ اور اتنا ہی نہیں۔ اُس نے سنگھاسن سے مورتیاں اُٹھاکر دریا میں بہا دیں۔ اور اُن کے بجائے وید رکھ دئے۔ سوامی جی بہت خوش ہوئے۔ بولے تم سچے آدمی ہو۔ بھلے آدمیوں کی یہی فطرت ہوتی ہے وہ سچ کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت اور ہر جگہ آمادہ رہتے ہیں۔ سوامی جی کی اس کامیابی نے لوگوں کو یقین دلا دیا۔ کہ مورتی پُوجا خلاف وید ہے۔ اور اس سے انسانوں کو کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔

نتیجہ یہ ہوا ۔ کہ کئی لوگوں نے پنڈت ہیرا بلبھ کی تقلید کی اور مورتیاں اُٹھا کر پانی میں پھینک دیں ۔

یہاں سوامی جی کا مباحثہ کرشن بلبھ سے بھی ہوا ۔ مہاراج نے اُسے انگد نام کے ایک مشہور پنڈت کی غلطیاں بتائیں ۔ نندکشور پجاری سے کہا کہ مندر میں جاکر گھڑیال بجانے سے کچھ نہ بنیگا ۔ اس کام کو ترک کر دو ۔ پجاری نے کہا ۔ مہاراج ! ہمیں تو اس کام میں سات ہزار کی جائداد مل گئی ہے ۔ کیسے سمجھ لیں ۔ کہ یہ کام بے فائدہ ہے ۔ اس پر سوامی جی نے اُسے اُپدیش کیا ۔ کہ یہ جو جائداد تمہیں ملی ہے ۔ یہ تو تمہارے گزشتہ جنم کا پھل ہے ۔

یہاں سے سوامی جی نے ایک ودیارتھی سوامی ورجانند کے پاس بھجوا دیا ۔

داروغہ الف خاں نے قرآن سے متعلق کچھ بات چیت کی ۔ مگر سوامی جی کے اعتراضوں نے اُن کا مُنہ بند کر دیا ۔ دھرم پور کے نومسلم زمیندار نے استفسار کیا ۔ کہ میرا شُدھ ہونا ممکن ہے یا نہیں ۔ سوامی جی نے جواب دیا ۔ اگر ویدوں کے مطابق عمل اختیار کر لو ۔ تو ہو سکتے ہو ۔

نواں باب

ماگھ بدی ۱۵ سمبت ۱۹۲۴ کو سورج گرہن تھا۔ہزاروں لوگ کرنواس آ رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔کہ آس پاس کے گاؤں غیر آباد ہو جائینگے۔سوامی جی نے اپنے کام کا موقع دیکھا۔اظہار صداقت کے لئے تیار ہو گئے۔اُن کی شہرت کی چاندنی دُور دُور تک پہنچ چکی تھی۔لوگ آتے تھے، سوال پوچھتے تھے، اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ اور سوامی جی کی قابلیت پر عش عش کرتے ہوئے واپس جاتے تھے۔اُس میلہ میں سب سے زیادہ پُرسحر چیز اگر کوئی تھی۔تو وہ آنند کند بھگوان دیانند کی ناقابلِ تسخیر شخصیت تھی۔اگر کوئی قابل دید شے تھی۔تو مہاراج کی ضیا پاش اور اطمینان بخش صورت تھی۔اور اگر کوئی بات سُننے کے لائق تھی۔تو وہ سوامی جی کے سوتی ہوئی روحوں میں بیداری کا ظہور کرنے والے اُپدیش تھے۔ غرضیکہ سوامی جی کی شخصیت سارے میلے پر چھا گئی تھی؀

مہاراج درخت کے نیچے بیٹھے دھرم کرم کا اُپدیش کرتے تھے۔اور آٹھ غلط بیانیوں کا کھنڈن کرتے تھے۔ کہتے تھے :-

۱- اٹھارہ پُران ویاس جی کے لکھے ہیں - یہ پہلی غلط بیانی ہے ✦

۲- مورتی پوجا کی ویدوں میں اجازت ہے - یہ براہمنوں کی دوسری غلط بیانی ہے ✦

۳- شیو - شاکت اور رامانج وغیرہ فرقے حقیقت کے مدعی ہیں - یہ ان فرقوں کی تیسری غلط بیانی ہے ✦

۴- تنتر گرنتھ درست ہیں - یہ بھارت ورش کو گرانے والی چوتھی غلط بیانی ہے ✦

۵- شراب - بھنگ - سلفہ پینا مُکتی کا رستہ صاف کرتا ہے - یہ وام مارگیوں کا خیال پانچویں تباہی اور غلط بیانی ہے ✦

۶- بدمعاشی کرنا مذہب میں داخل ہے - یہ اُن لوگوں کی چھٹی غلط بیانی ہے ✦

۷- چوری کرنا بھی کبھی نیکی میں شمار ہو سکتا ہے - یہ بھارت ورش کے دشمنوں کی ساتویں غلط بیانی ہے ✦

۸- چھل - کپٹ - فریب - دھوکا، غرور وغیرہ صفات دیوتاؤں کے گُن ہیں - یہ آٹھویں غلط بیانی ہے ✦

اس میلہ میں بھی مہاراج نے سینکڑوں آدمیوں کو گایتری کا اُپدیش دیا ✦

رِشو دیال ساکن ڈھبائی نے پوچھا - کہ سورج گرہن کے موقع پر روٹی کھانا چاہیئے یا نہیں - سوامی جی نے جواب

دیا۔ اگر بھوک لگے۔ تو کوئی حرج نہیں۔ پھر پوچھا کہ یگیوپویت کا کون مستحق ہے۔ اسے نہ پہننے میں کیا دوش ہیں۔ اور پہننے کا کیا فائدہ ہے۔ ارشاد فرمایا۔ براہمن، چھتری، ویش تینوں یگیوپویت کے مستحق ہیں۔ جس نے یگیوپویت نہ پہنا ہو۔ وہ ویدک کرم کرنے کا مستحق نہیں۔ یہ آریوں کی مذہبی نشانی ہے اور اسے پہننا اُن کے لئے فرض لازمی ہے۔ اس کے بعد شوویال نے سوال کیا۔ کہ سنسکاروں کا کیا فائدہ ہے۔ سوامی جی نے جواب میں فرمایا۔ کہ اس سے قوم مضبوط ہو جاتی ہے۔ جس طرح تاگوں کو جمع کرنے سے اُن میں طاقت آ جاتی ہے۔ جس طرح کپڑے دھونے سے اُن میں سفیدی آ جاتی ہے۔ جس طرح دھاتوں کو مارنے سے کشتوں میں تاثیر بڑھ جاتی ہے اُسی طرح سنسکاروں سے قوموں اور ملکوں میں نئی طاقت، نئی زندگی، نئی حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔

اِن دنوں مہاراج سنسکرت میں جواب دیتے تھے۔ مگر جو لوگ سنسکرت نہ سمجھ سکتے تھے۔ اُن کی سہولیت کے لئے ٹیکا رام ترجمہ کر دیتے تھے۔

شری اندر من نے سوال کیا۔ کہ آپ سنیاسی ہیں پھر اتنے بحث مباحثوں میں کیوں پھنسے ہیں؟ دہن مبارک سے فرمایا۔ کہ یہ مباحثہ نہیں۔ رشیوں کے قرض کی ادائگی ہے۔ خود غرض لوگ ہندوستان کے پُرانے رشیوں کی اولاد

کو اُلٹے رستے پر چلا کر، اور اُسے بیہودہ رسم و رواج کے خار دار جنگل میں پھنسا کر اپنا اُلو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔ مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا۔ میں اپنے ہموطنوں کی یہ حالت زار دیکھ کر تڑپ جاتا ہوں۔ میں نے عہد کر لیا ہے۔ کہ اسے سیدھے راستے پر چلانے کے لئے اپنی طرف سے کوشش اُٹھا نہ رکھونگا ۔

ایک دن بلند شہر کے کلکٹر آئے۔ اور سوامی جی سے ملنا چاہا۔ اُس وقت سوامی جی دھیان گیان میں محو تھے۔ کلکٹر صاحب نے باہر کھڑے ہو کر ایک آدمی اندر بھیجا۔ اور اپنی اطلاع کرائی۔ مہاراج نے جواب میں کہا۔ کہ مجھے اس وقت فرصت نہیں۔ کلکٹر نے پوچھا آپ کو کس وقت فرصت ہوگی۔ جواب میں سوامی جی نے پوچھا کہ آپ کو کب فرصت ہوگی۔ کلکٹر نے جواب دیا۔ چار گھنٹے کے بعد مجھے فرصت ہی فرصت ہے۔ یہ جواب سُنتے ہی سوامی جی کُٹیا سے باہر نکل آئے۔ اور مزاج پُرسی کے بعد وید منتروں اور منوسمرتی کے شلوکوں کی بنا پر کلکٹر صاحب کو سیاست کے رموز بتائے۔ اور پھر فرمایا۔ کہ جس آدمی کے سر پر ایک خاندان کا بوجھ ہو۔ اُسے بڑی دوڑ دھوپ کرنا پڑتا ہے۔ رات کو نیند نہیں آتی۔ نہ اُسے سر کھجلانے کی فرصت ہوتی ہے۔ مگر آپ کے الفاظ سے مجھے

بڑی حیرت ہوئی۔ کہ ہزاروں زندگیوں کا بار آپ کے کندھوں پر ہے۔ مصیبت زدہ آبادی کی طرف آپ کا فرض آپ کے وقت کے ایک ایک لمحہ کا حقدار ہے۔ مگر اس کے باوجود آپ کہتے ہیں۔ کہ چار گھنٹوں کے بعد آپ کو فرصت ہی فرصت ہے۔ ان کھری کھری باتوں سے کلکٹر صاحب بہت نادم ہوئے اور چلے گئے۔

مہاراج کے چہرے کا جلال ملاقاتیوں پر کچھ ایسا رعب طاری کر دیتا تھا۔ کہ وہ ان کے سامنے زبان تک نہ کھول سکتے تھے۔ رتی رام ایک بڑا طاقتور پہلوان تھا۔ اُسے اپنی طاقت پر بڑا غرور تھا۔ ایک دن پہلو بدلتا ہوا سوامی جی کے پاس چلا آیا۔ اور اُنہیں دیکھ کر تحقیر سے بولا " ارے یہ باوا تو بڑا موٹا تازہ ہے" اور آگے بڑھا۔ یکایک سوامی جی نے اپنی آنکھیں اوپر اُٹھائیں۔ اُن کے چہرے پر معصومیت تھی، آنکھوں میں بجلی۔ رتی رام آگے بڑھ کر قدموں میں گر پڑا۔ اور پیروں تلے کی مٹی پیشانی پر ملنے لگا۔ لوگوں نے یہ منظر دیکھا۔ تو سناٹے میں آ گئے۔ اسی طرح مخالف پنڈت جب سوامی جی کے پاس آتے۔ تو دل میں بیسیوں دلیلیں سوچ کر آتے تھے مگر جب مہاراج کے حضور میں آتے۔ تو سب کچھ سوچا ہوا بھول جاتا۔ زبان سے ایک لفظ نہ نکلتا۔

ایک دن کا ذکر ہے - کہ احمد گڑھ کے پنڈت کمل نین
اور علیگڑھ کے پنڈت سکھدیو پندرہ اور پنڈتوں کو ساتھ لیکر
سوامی جی کے پاس آئے - اُنھوں نے کچھ مشکل سوالات پہلے
ہی سوچ رکھے تھے - قابلیت میں بھی معمولی نہ تھے - جب
وہ سوامی جی کی کٹیا میں پہنچے - اُس وقت وہ گنگا کے
کنارے پر تھے - تھوڑی دیر بعد جب وہ آئے - تو اُنھوں
نے بڑی عزت سے نسکار کیا - سوامی جی اپنے آسن پر
جو تنکوں سے بنا ہوا تھا - بیٹھ گئے - اور کچھ دیر تک
ان منے سے رہے - پھر آنکھیں کھول کر سب کی طرف
دیکھا - اور اُنھیں اُپدیش کرنے لگے - سوامی جی کے چہرے کے
جلال کا، آنکھوں کی بجلی کا، شکل و صورت کی دلکشی کا،
آواز کی شیرینی کا، دلیلوں کی مضبوطی کا اُن پر ایسا اثر
ہُوا - کہ سوامی جی کے کہنے پر بھی کہ آپ کو اگر کوئی
سوال پوچھنا ہو - تو پوچھئے - وہ لب نہ کھول سکے اور
سوامی جی کے ہر ہر لفظ پر "ستّیہ وچن ستیہ وچن"
کہتے رہے - اور گنگا کے کنارے نہانے چلے گئے -
رستے میں ایک دوسرے سے کہتے تھے - عجب ماجرا ہے -
گھر سے اتنے سوال سوچ کر چلے تھے - مگر اُنھوں نے
تو زبان پکڑ لی - معلوم ہوتا ہے - یہ سوامی جی سچ مچ
مہا پرش ہیں - اور اتنا ہی نہیں - بعض وقت مہاراج
آنکھوں سے اوجھل باتوں کو بھی معلوم کر جاتے تھے -

اس سے سوامی جی کے بھگت حیران ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ نند کشور اپادھیائے سوامی جی کی طرف جا رہے تھے۔ راہ میں کھیت پڑتا تھا۔ اس نے اس میں سے رماس کے خوشے توڑ لئے۔ اور جا کر سوامی جی کے سامنے رکھ دئے۔ انہوں نے کہا۔ یہ چیز چوری کی ہے۔ ہم نہیں قبول کرینگے۔ نند کشور بولا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میں نے کسی کی چوری نہیں کی۔ مہاراج نے مُسکرا کر جواب دیا۔ تو بتاؤ! جس کھیت سے یہ توڑ کر لائے ہو۔ کیا اس کے مالک سے تم نے اجازت طلب کی تھی۔ نند کشور کی گردن جھک گئی۔ دل میں عقیدت کا دریا لہریں مارنے لگا۔

آپ تپ بہت کرتے تھے۔ بھوک پیاس۔ سردی گرمی کی پروا نہ تھی۔ پوس کے مہینے میں سردی اپنے جوبن پر ہوتی ہے۔ اس مہینے میں گھاس پر شبنم موتی بن بن کر ڈھلکتی ہے۔ جوہڑوں میں پانی جم کر برف بن جاتا ہے۔ مگر لنگوٹ بند پرم ہنس سوامی دیانند جی مہاراج کبھی کبھی ایسی سردی کی راتیں بھی گنگا کی ریت میں آسن لگا کر گذار دیتے تھے۔ اگر کوئی بھگت دیکھتا۔ تو چپکے سے جا کر کمبل اڑھا دیتا۔ مگر مہاراج نہ پہنتے تھے۔ وہ خود بخود کھسک کر زمین پر گر پڑتا تھا۔ نہ گرتا۔ تو جب سمادھی سے اٹھتے۔ اتار کر ایک طرف رکھ دیتے ۔

ماگھ کا مہینا تھا۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ مہاراج سنان دھیان سے فارغ ہو کر کٹیا سے باہر پالتی مارے بیٹھے تھے۔ اور لوگوں کو اُپدیش کر رہے تھے۔ ان لوگوں کے جسموں پر روئی اور اُون کے کپڑے تھے۔ مگر سردی سے ٹھٹھرے جاتے تھے۔ ناک اور آنکھ سے پانی جاری تھا۔ ہاتھ پاؤں اینٹھ گئے تھے۔ پر سوامی جی کی یہ حالت نہ تھی۔ ہوا تیروں کے مانند جسم پر حملہ کرتی تھی۔ مگر اُن پر کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔ لوگ سوامی جی کو نگہِ عقیدت و حیرت سے دیکھتے تھے۔ ٹھاکر گوپال سنگھ نے پوچھا۔ "بھگوان! سردی کے باعث ہمارے جسم اکڑے جاتے ہیں۔ دانت سے دانت بج رہا ہے۔ مگر آپ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا کیا باعث ہے؟ جواب دیا۔ اِس کا سبب برہمچریہ اور یوگا بھیاس ہے۔ کہا۔ کوئی ثبوت۔ مہاراج نے اپنے ہاتھوں کے انگوٹھے دونو گھٹنوں پر رکھ دیئے اور اُنہیں ایسے زور سے دبایا۔ کہ فوراً ہی اُن کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے چمکنے لگے۔ جسم پر لگائی ہوئی مٹی بھیگ گئی۔ ایسی سردی کے وقت، ایسی سردِ ہوا کے پُر زور تھپیڑوں میں اس طرح پسینہ پسینہ ہو جانا لوگوں کے لئے ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ لوگ اُن کے یوگ کی تعریف کرنے لگے ؁

ایک آدمی نے سوامی سے پوچھا۔ آپ گنگا کو کیا مانتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ جو کچھ نظر آتی ہے۔ اُس نے پوچھا آپ کو کیا نظر آتی ہے۔ کہا۔ جو کچھ تمہیں نظر آتی ہے۔ مگر جھوٹ نہ بولنا۔ اُس نے کہا۔ مجھے تو پانی نظر آتا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ میں بھی یہی مانتا ہوں ؛

کرنواس سے سوامی جی چلے۔ تو گاؤں گاؤں گھومنے لگے۔ آج یہاں کل وہاں۔ اسی طرح وقت گزرنے لگا۔ ایک رات کا ذکر ہے۔ کہ سوامی جی گنگا کے دوسرے کنارے پر دھیان میں محو بیٹھے تھے۔ رات بہت جا چکی تھی۔ پانی کی گڑگڑاہٹ کے سوا ے کوئی آواز سُنائی نہ دیتی تھی۔ کبھی کبھی کنارہ ٹوٹ کر گرتا۔ تو خوفناک آواز پیدا ہوتی اور اس کے بعد پھر پُر سحر سناٹا طاری ہو جاتا۔ چاند کی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے زمین اُس کی دودھ سی پاکیزہ روشنی میں غسل کر رہی ہے۔ یا روپہرے ساگر نے اُمنڈ کر زمین آسمان کو ایک کر دیا ہے۔ جو چاندنی ریت پر تھی۔ اُس کی چمک اور بھی نمایاں تھی۔ اور اُس کے ساتھ نیلم کے مانند لبی پانی کی قطار نے مل کر نظارے کو مزید دلکشی دیدی تھی۔ ایسے وقت میں بدایوں کے کلکٹر صاحب بمعہ اپنے ایک دوست کے ٹہلتے ہوئے اُدھر آ نکلے۔ معاً اُن کی

نگاہ اُدھر جا پڑی ۔ جہاں سوامی جی بیٹھے تھے ۔ وہ
اپنے دوست کو ساتھ لئے قریب چلے گئے ۔ چاندی
کے لمبے چوڑے پتھر پر جیسے سونے کی مورتی رکھی
ہوتی ہے ۔ اُسی طرح ریت کے فرش پر سوامی جی کو
اُنہوں نے بیٹھے دیکھا ۔ حیرت نے پاؤں میں زنجیریں
ڈال دیں ۔ بہت دیر تک سنیاسی کی خوبصورت شکل
کو، سمادھی کی حالت استغراق کو اور تپ کو نگہ تحسین
سے دیکھتے رہے ۔ یہاں تک کہ سوامی جی نے آنکھیں
کھول دیں ۔ کچھ دیر تک سوال و جواب ہوتے رہے
روانگی کے وقت کلکٹر صاحب نے مؤدبانہ طریق سے
کہا ۔ ہمیں تعجب ہے کہ اس قدر سردی ہے ۔ رات
کا وقت ہے ۔ اور دریا کا کنارہ ۔ اور آپ ہیں کہ
برف کے مانند ریت پر لنگوٹ باندھے بیٹھے ہیں
کیا آپ کو جاڑا نہیں لگتا ۔ سوامی جی جواب دینے
ہی کو تھے ۔ کہ کلکٹر صاحب کے دوست نے کہا ۔
موٹا تازہ آدمی ہے ۔ کھانے کو تر مال ملتا ہوگا ۔
سردی کیا کرے ؟ مہاراج ہنس کر بولے ۔ ہم سادھو
دال چپاتی کے سوائے اور تر مال کیا پائینگے ۔ بہت
ہوا تو گھی دودھ پی لیا ۔ مگر آپ تو گوشت انڈے
کھاتے ہیں ۔ اور ضرورت پڑنے پر شراب سے بھی
پرہیز نہیں کرتے ۔ اس لئے اگر تر مال کھانے سے

سردی نہیں ستاتی - تو آئیے کپڑے اُتار کر ذرا ہمارے
پاس بیٹھ جائیے - اس پر وہ شرمندہ ہو گیا اور بات
کا رُخ بدل کر بولا - تو بتائیے - آپ کو سردی کیوں
نہیں ستاتی - مہاراج نے جواب دیا - کہ اس کی ایک
وجہ تو عادت ہے - آپ کا چہرہ ہمیشہ ننگا رہتا ہے -
اُسے کپڑے میں چھپانے کی آپ کو اس وقت بھی
ضرورت نہیں - کلکٹر صاحب نے اشارہ سے اپنے
دوست کو روک دیا - کہ زیادہ باتیں نہ کرو اور سوامی
جی کو نمسکار کر کے چلے گئے - کہتے ہیں - کلکٹر صاحب
کا یہ دوست کوئی پادری تھا ؂

دسواں باب

سوامی جی مہاراج راجپوتوں کو یگیوپویت دیتے
ہوئے، اپنے اُپدیشوں سے لوگوں کو راہ راست پر
لاتے ہوئے فرخ آباد تک گئے اور پھر وہاں سے
چاسی واپس آ گئے - یہ جگہ وہاں سے کوئی ڈھائی
میل کے فاصلے پر ہے - گنگا کا کنارہ ہے - جنگل
ہے - تنہائی ہے - اور خوبصورت خطہ زمین ہے -
وہاں آپ نے ایک کٹیا میں ڈیرہ لگا دیا - لوگ

حاضر حضور ہونے لگے۔ اُن کے دل میں عقیدت تھی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہاں کا ایک بیراگی سادھو سوامی جی سے کد کرنے لگا۔ اُس کی خواہش تھی۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ ان کو یہاں سے نکال دیا جائے۔ سوامی جی کا معمول تھا۔ کہ اُن کے لئے جو پہلے کھانا لے آتا تھا۔ وہی کھا لیتے تھے۔ بیراگی نے اس سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ وہ جب دیکھتا کہ کھانے کا وقت ہو گیا ہے تو جلی بھنی دو روٹیاں لاکر سوامی جی کے روبرو رکھ دیتا۔ سوامی جی صبر و شکر سے کھا لیتے۔ سوامی جی کی اس قناعت و سادگی نے اُس کا دل موہ لیا اور وہ سوامی جی کا بھگت بن گیا۔ اس کے بعد ایک جاٹ سوامی جی کے لئے کھانا لاتا رہا۔

اونکار داس ساکن جہانگیر آباد گنگا سنان کی نیت سے چاسی گیا۔ سوامی جی وہیں تھے۔ وہ اُن کے درشن کرنے گیا۔ پاس پہنچا۔ تو دل پر ایسا اثر ہوا۔ گویا کسی نے جادو کر دیا ہو۔ اُس نے بڑی عقیدت سے کوئی کھانے کی چیز سوامی جی کی نذر کی۔ جسے سوامی جی نے قبول فرمایا۔ اُس نے سوچا کہ ایسا موقع نصیبوں سے میسر ہوتا ہے۔ ایک رات تو ان قدموں میں بسر کر لوں۔ یہ سوچ کر اُس نے سوامی جی کی کٹیا کے باہر ڈیرہ ڈال دیا۔ اونکار داس موٹا تازہ آدمی تھا۔ ورزش کا

شوقین۔ جب شام ہوئی۔ تو اُس نے سوچا۔ کہ چل کر سوامی جی کے پاؤں دبا دُوں۔ سوامی کی طاقت کا بھی اندازہ ہو جائیگا۔ اُس نے شری چرنوں میں پرارتھنا کی۔ کہ اجازت ہو تو پاؤں دبا دُوں۔ جواب دیا۔ دبے دبائے ہیں۔ مگر اُس نے بہت اصرار کیا اور پاؤں پکڑ لئے۔ اُس کا بیان ہے کہ جب میں نے پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرا۔ تو مجھے ایسا معلوم ہوا۔ جیسے لوہے کے دو ڈنڈے ہوں۔ اُن میں ہاتھ نہ گھُستا تھا۔ میں نے اپنا سارا زور لگا دیا۔ مگر کہیں گوشت ہاتھ میں نہ آتا تھا۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ پسینہ پسینہ ہو کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے سوامی جی جیسا طاقتور آدمی اپنی ساری عمر میں نہ دیکھا تھا؛

پنڈت گنگا پرشاد نامی ایک شخص سوامی جی کا تھا۔ یہ بھی سوامی جی کی پیروی میں گاؤں گاؤں لوگوں کو یگیوپویت پہناتا پھرتا تھا۔ سوامی جی اُس پر بہت خوش تھے۔ ایک دن اُس نے کہا۔ مہاراج! میں نے بہت لوگوں کو یگیوپویت دئے ہیں۔ مہاراج نے اُسے آشیرباد کہا اور پھر پوچھا۔ کہ یگیوپویت پہناتے ہی جاتے ہو یا اُتارتے بھی ہو۔ اُس نے حیرت سے پُوچھا۔ کہ کیا یگیوپویت اُتارا بھی جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا۔ جو اپنے دھرم کے سچے نہ رہیں۔ اُن کے یگیوپویت اُتار لینا چاہئے؛

پنڈت گنگا پرشاد کا گورو سوامی جی کی کٹیا پر اپنے کپڑے رکھ کر گنگا سنان جانے کو تیار ہوا۔ سوامی جی نے اُس کے بازو کا اننت دیکھا۔ اور حیرت سے پوچھا یہ کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا۔ مہاراج! اننت ہے۔ سوامی جی جھٹ اُس کے قریب چلے گئے اور اننت کو اُنگلیوں سے ماپ کر بولے۔ یہ تو اننت (لامحدود) نہیں۔ اس کا ماپ کیا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ آپ جیسا قابل آدمی بھی اس قسم کی باتیں تسلیم کرے۔ یہ سُن کر اُس نے سر شرم سے جھکا لیا۔ اور اننت پانی میں پھینک دیا۔

سوامی جی کو نوین ویدانتیوں سے بڑی نفرت تھی۔ اکثر کہا کرتے۔ کہ سُست اور کاہل الوجود سادھوؤں نے کام نہ کرنے کی خاطر برہم واد کا ڈھکوسلا بنا لیا ہے۔ یہ لوگ جانتے خاک نہیں۔ مگر "ہم برماتما ہیں" کہتے پھرتے ہیں۔ چھتر سنگھ جاٹ باشندہ کھنڈولی کا یوں تو سوامی جی کا بھگت تھا۔ مگر تھا پکا ویدانتی۔ ایک دن سوامی جی سے کہنے لگا۔ کہ آپ جو چاہیں کہیں مگر یہ دکھائی دینے والی دُنیا ہوا کے پھول کے مانند صرف ایک وہم ہے اور بانجھ کے بیٹے کی طرح ایک خیال محض۔ جس طرح خواب کی دُنیا کی کوئی ہستی نہیں اُسی طرح اِس دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں۔ سوامی جی نے ہاتھ پسار کر چھتر سنگھ کے منہ پر ایک

ہلکی سی چپت رسید کی۔ چھتر سنگھ چونک اُٹھا اور گال ملتا ہوا بولا۔ مہاراج! اختلاف رائے کی بنا پر آپ جیسے گیانی کو جوش میں نہ آنا چاہیئے۔ سوامی جی نے مسکرا کر جواب دیا۔ چودھری جی! جب آپ کے خیال کے بموجب پرماتما ہی ایک چیز ہے اور اُس کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں ہے۔ جو نظر آتا ہے۔ یہ وہم ہے تو وہ آپ سے الگ دوسرا کون ہے جس نے آپ کو چپت لگائی۔ آپ کو غلط بات کا علم کیسے ہو گیا۔

چھتر سنگھ نے سوامی جی کے پاؤں پکڑ لیئے۔ اور کہا۔ آپ نے میری آنکھیں کھول دیں۔ مجھے سیدھے رستے پر چلا دیا۔ میں نے آج تک کچھ سمجھا نہ تھا۔ آج محسوس ہوا کہ ہم لوگ کیسی غلطی پر ہیں۔

ایک دھنیا سوامی جی کے پاس آیا کرتا تھا۔ سوامی جی نے اُسے اوم کا جپ کرنے کی تاکید کی۔ ایک دن اُس نے عرض کیا۔ مہاراج مجھے اور کیا کرنا واجب ہے۔ کہ میرا کلیان ہو۔ مہاراج نے کہا۔ کہ نیکی کی زندگی بسر کرو۔ جتنی روئی لوگوں سے لو۔ اتنی ہی لوٹا دو۔ یہی کام تمہیں پار کر دیگا۔

یہاں کے قیام میں سوامی جی کبھی کبھی کرنواس وغیرہ مقامات میں بھی ہو آتے تھے۔ مگر رہتے یہیں تھے۔ اور رات کا بیشتر حصّہ دھیان میں محو رہتے تھے۔ یہاں

سوامی جی چار پانچ مہینے ٹھہرے رہے ؛

چاسی کے بعد سوامی جی پھر انوپ شہر گئے۔ اور ستی کی مڑھی میں مقیم ہوئے۔ اب کے ہر موقع پر پنڈتوں کی بھیڑ لگی رہتی تھی۔ سوامی جی غلط باتوں کا کھنڈن کرتے تھے۔ اور بڑے زور سے۔ مگر مباحثہ کا کسی میں دم خم نہ تھا۔ کئی لوگوں نے مورتیاں پانی میں بہا دیں ؛

انہی دنوں چاندوکھ نواسی ٹھاکر گرور سنگھ سوامی جی کے درشن کرنے آئے۔ اُن کے پاس نرمدا سے منگوائے ہوئے ٹھاکر تھے۔ وہ اُن کی پوجا کیا کرتے۔ ایک دن اُنہوں نے مہاراج سے استفسار کیا۔ کہ مورتی پوجا کرنا چاہیئے یا نہیں۔ جواب دیا۔ کہ اس سے تو یہ کہیں بہتر ہے کہ آدمی چیونٹیوں کی پوجا کرلے۔ کہ وہ اُس کی نذر کو قبول تو کر سکتی ہیں۔ پھر پوچھا۔ کہ پرماتما کی ہستی کا کیا ثبوت ہے۔ مہاراج نے کہا کہ سبب کے بغیر نتیجہ نہیں ہوتا۔ اس دُنیا میں جو حرکت ہے۔ اُس کی وجہ ہونا لازمی ہے۔ اور وہ وجہ پرماتما ہے۔ کائنات میں جو قواعد ہیں۔ اُن کا وضع کرنے والا پرماتما ہے ورنہ دنیا کی پہیلی حل نہ ہوسکیگی۔ ان دلیلوں کا اثر ٹھاکر کے دل پر ایسا ہوا۔ کہ وہ سوامی جی کا بھگت بن گیا۔ خیالات میں انقلاب آگیا ؛

آپ میں رحم کا مادہ بدرجۂ اتم تھا۔ کسی مصیبت زدہ

کو دیکھتے تو بیتاب ہو جاتے - اور اُس کی تکلیف کو رفع
کرنے کی پوری پوری سعی فرماتے - بروبل کے راؤ کرن سنگھ
ویشنو مذہب کے پیرو تھے اور ایسے ضدی - کہ چاہتے
تھے سب لوگ ویشنو ہو جائیں - اُن پر یہ رنگ ایسا
چڑھا - کہ اُن کے نوکر چاکروں کے گلے میں بھی کنٹھیاں
پڑ گئیں - ماتھوں پر تلک لگ گئے - یہاں تک کہ گائے
بھینسوں کو بھی ان نشانیوں سے محروم نہ رہنے
دیا گیا - اُنھوں نے ایک دن اپنے پروہت کو پکڑ کر
زبردستی اُس کے جسم پر چکر کا نشان لگا دیا - وہ
روتا ہوا سوامی جی کے پاس گیا اور اپنے زخم دکھانے
لگا - سوامی جی نے اُسے حوصلہ دیا اور زخموں پر خود
اپنے دست مبارک سے دوا لگائی - اور جب تک زخم
بھر نہ گئے - تب تک اپنے ہی پاس رکھا ؛

آپ سب کو ایک نظر سے دیکھتے تھے - چھوت اچھوت
کا سوال آپ کو پسند نہ تھا - جو شدھ شودر ہوتے -
اُن کے ہاتھ کا پکا کھانے میں کبھی تامّل نہ فرماتے -
کہا کرتے تھے - کہ روٹی بنانا تو کام ہی شودروں کا
ہے - چنانچہ اُمیدا نامی نائی نے ایک دن بڑی بھگتی
سے کھانا بنایا - اور تھال میں رکھ کر سوامی جی کی خدمت
میں لے آیا - سوامی جی بھگت کے کھانے کو لوٹا کیسے
دیتے - اُس میں محبت کی باس تھی - محبت سے کھانے

بیٹھ گئے۔ حُسنِ اتفاق سے اُس وقت وہاں بیس پچیس براہمن بھی بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے کہا "سوامی جی! آپ کیا کرتے ہیں۔ یہ تو نائی کی روٹی ہے" سوامی جی نے کہا "نہیں۔ یہ تو گیہوں کی روٹی ہے" اور کھانا جاری رکھا ۔

سوامی جی کی آواز میں ایسی مٹھاس تھی۔ کہ تُنبامامے کے زمزموں کی اُس کے سامنے حقیقت نہ تھی۔ ایک دن لوگوں نے عرض کی۔ کہ ہماری خواہش ہے۔ آپ کے مُنہ سے سام وید سُنیں۔ سوامی جی نے بہت اچھا کہکر الاپ شروع کیا۔ یہ الاپ نہ تھا۔ مسرت کی برکھا تھی۔ لوگوں کے کانوں میں امرت ٹپکنے لگا۔ اُن کی آواز میں وہ دلکشی تھی۔ وہ موہنی۔ کہ لوگوں کو تن بدن کی سُدھ نہ رہی۔ بحرِ سرور میں ہلورے کھانے لگے۔ اُنہیں یہ خیال نہ رہا۔ کہ ہم کہاں ہیں۔ سب کے دماغ پر جادو سا ہو گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے نرمدیشور کا مندر، ستی کی مڑھی اور نول جنگ کا اکھاڑہ سب کے سب سوامی جی کی تان میں غرق ہو گئے ہیں۔ گنگا اُن کی آواز کے ساتھ اپنے پانی کی آواز ملا کر گانے لگی۔ اس طرح آدھ گھڑی گزر گئی۔ سوامی جی نے گانا بند کر دیا۔ مگر لوگوں پر ابھی تک تاثیر کا جادو چھایا تھا۔ وہ اُسی طرح بے حس و حرکت تھے۔ اُسی طرح

خاموش - جب ہوش آیا - تو ایسا معلوم ہوا - گویا امرت کنڈ میں نہا کر آئے ہیں یا بڑے لطف کی نیند سے بیدار ہوئے ہیں ٭

ایک بھگت نے سوال کیا - کہ مہاراج پہلے وقتوں میں جیسی نیک، فرمانبردار، اور سمجھدار اولاد ہوتی تھی - ویسی اب کیوں نہیں ہوتی ؟ جواب دیا - کہ اُس زمانہ میں لوگ سنسکاروں میں پلتے تھے - اس لئے اُن کے دماغوں میں عقل و تمیز - چہروں پر جلال - اور جسم میں بہادری تھی - آج کل لوگ بگڑ گئے ہیں - نفس پر قابو نہیں رہا - گھروں میں بری رسمیں جاری ہیں - سنسکار کرنا ضروری نہیں سمجھتے - نتیجہ یہ ہے - کہ اولاد بھی کمزور، گستاخ اور بد چلن ہوتی ہے ٭

انوپ شہر سے چل کر سوامی جی بماہ پھاگن کرنواس تشریف لے گئے - اُس مرتبہ بھی ایک یگیہ رچایا گیا - دس دن تک گایتری کا جپ ہوتا رہا - اور اس کے بعد دس بارہ ٹھاکروں کو یگیوپویت دیا گیا - اب کے مہاراج وہاں پندرہ دن ہی ٹھیرے - اور پھر گڑھیا چلے گئے - وہاں سوامی جی نے ویشنوؤں سے مباحثہ کیا اور اُن کو شکست دی - گوسائیں بلدیو گری جی سوامی جی کے درشن کرنے آئے اور اُن کے بندہ بے دام بن گئے - ہر روز خدمتِ عالی میں حاضر ہونے لگے - اور ایک ماہ

تک سوامی جی کے کھانے کا انتظام کرتے رہے ۔

سوامی جی کو یہاں آئے ایک ماہ ہو چکا تھا۔ کہ ایک دن اوڈسیر کا ٹھاکر چار آدمیوں کو لے کر آیا۔ اُن میں سے دو کے ہاتھ میں تلواریں تھیں۔ یہ ٹھاکر آنے کے ساتھ ہی سوامی جی کے برابر جا بیٹھا۔ گوسائیں جی موجود تھے۔ بولے۔ آپ کو سنیاسی کے برابر بیٹھنا زیب نہیں دیتا۔ مگر اُس نے غرور کے باعث پروا نہ کی۔ اور اُسی طرح بیٹھا رہا۔ سوامی جی نے مہابھارت کا ایک شلوک پڑھ کر اُسے سمجھایا۔ پر اُس نے دھیان ہی نہ دیا۔ سوامی نے سوچا۔ ایسے اکھڑ کے ساتھ مغز پچی کرنا بے سود ہوگا۔ اُٹھ کر کُٹیا کے اندر چلے گئے۔ گرمی کے دن تھے۔ گوسائیں جی ننگے سر بیٹھے تھے۔ ٹھاکر نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ یہ ننگے سر والا کیا بک رہا ہے۔ ذرا اس کی مرمت کر دو۔ ٹھاکر کے دو آدمی اینٹھتے ہوئے آگے بڑھے۔ مگر گوسائیں جی بھی معمولی آدمی نہ تھے۔ اُنہوں نے ایک کو ہاتھ سے پکڑا، دوسرے کو پاؤں سے اور دونو کو پرے پھینک دیا۔ جو باقی بچے۔ اُن کی گت اُن کے شاگردوں نے بنا دی۔ گوسائیں جی کو اندیشہ یہ تھا۔ کہ کہیں سوامی جی ناراض نہ ہو جائیں۔ مگر سوامی جی نے اُن کی اس بہادری کی تعریف کی ۔

حسن اتفاق سے گرھیا میں کیلاش پربت جی بھی آنکلے۔ شام کا وقت تھا۔ وہ گنگا کے کنارے بیٹھے تھے۔ کہ اُنہیں پیچھے ایک سنیاسی کھڑا دکھائی دیا۔ پوچھا کون ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ دیانند سرسوتی۔ پھر کیا تھا۔ اُنہوں نے سوامی جی کو پاس بٹھا لیا اور ہردوار کے بعد کے حالات سننے لگے۔ جب سوامی جی تمام تر حالات سُنا چُکے تو آخر میں بولے۔ کہ آپ مجھے امداد دیں۔ اور جو مت متانتر بھارت میں پھیل چُکے ہیں اُن کو مٹانے میں میرے ساتھ شریک کار ہوں۔ کیلاش پربت نے جواب دیا۔ آپ کا خیال درست ہے۔ مت متانتروں نے بھارت ورش کو نقصان پہنچایا ہے۔ اُن کا مٹانا لازمی ہے۔ میں آپ کی امداد کرنے کو تیار ہوں۔ مگر آپ کو میری دو باتیں قبول کرنا ہوگا۔ ایک تو مورتی پوجا کا کھنڈن بند کر دیجئے۔ قدم قدم پر مندر بنے ہیں۔ معمولی دل و دماغ کے لوگوں کا ان سے بہت فائدہ ہے۔ ہزاروں آدمیوں کی روزی بنی ہوئی ہے۔ دوسرے آپ پورانوں کی مخالفت بند کر دیں۔ یہ نہ کہیں۔ کہ یہ دیاس کی تصنیف نہیں۔ اور خود غرض لوگوں کے جال ہیں +

سوامی جی نے جواب میں کہا۔ کہ ان مت متانتروں

کی پشت و پناہ یہی دو چیزیں ہیں انہی کی آڑ میں خود غرض لوگ اپنے جال پھیلاتے ہیں۔ جب تک ان کا کھنڈن نہ کیا جائیگا۔ دنیا ویدوں کی طرف خیال نہ دیگی۔ آپ میرے ساتھ مل جائیں۔ اور جے پور وغیرہ کے راجاؤں کو سیدھے رستے پر لائیں۔ آپ سنیاسی ہیں۔ آپ کو خوف کس کا ہے۔ کونسی چیز ہے۔ جو آپ کو سچ بولنے سے روک سکتی ہے۔ اسی طرح سوامی جی ساری رات زور دیتے رہے۔ صبح ہو گئی۔ مگر کیلاش پربت اپنی شرطوں سے نہ ہٹے۔ آخر سوامی جی بوڑھے سنیاسی سے مایوس ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور واپس جانے کو تیار ہوئے۔ کیلاش پربت نے کہا۔ دیانند جی ابھی نہ جائیے بھکشا آ جائے تو کھانے سے فارغ ہو کر چلے جائیے گا۔ جلدی کا ہے کی ہے۔ مگر سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ میں آپ کے پاس روٹی کے لئے نہ آیا تھا۔ آیا تھا سچ دھرم کے پرچار میں امداد لینے۔ اگر آپ نہیں کر سکتے تو نہ سہی۔ ایسی حالت میں پرماتما ہی بھارت ورش کے دن پھیرے۔ تو پھریں +

کیلاش پربت جی سوامی جی کے استقلال کے مداح تھے۔ فرمایا کرتے۔ ایسا دُھن کا دھنی۔ ارادے کا پکا ہم نے آج تک نہ دیکھا تھا۔ لاثانی آدمی ہے +

گوسائیں بلدیوگری کا مٹھ سوروں میں تھا۔ وہ ہمیشہ عرض کیا کرتا تھا۔ کہ سوامی جی کبھی سوروں بھی تشریف لے چلیئے۔ وہاں سے کچھ آدمی بھی اسی غرض سے آئے۔ اس اصرار سے سوامی جی مجبور ہو گئے۔ اور سوروں کی طرف روانہ ہوئے۔ پہلے دن گنگا کے کنارے گوسائیں جی کے مندر میں ٹھیرے اور پھر امباگڑھ میں جا ڈیرہ لگایا ٭

وہاں اُن دنوں میلہ تھا۔ کوئی دس ہزار کے قریب تو براہمن جمع تھے۔ کئی ویشنو لوگ سوامی جی کے پاس مباحثہ کرنے آئے۔ مگر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ ان مباحثوں میں ویشنوؤں کا سرگردہ ہرگوبند تھا۔ اور سوامی جی کا نائب رام نارائن تواڑی۔ ویشنو لوگ شور و غل مچاتے۔ تو رام نارائن اور گوسائیں جی انہیں ڈانٹ ڈپٹ دیتے۔ جیسے سمندر کی بلند و پُرغضب لہریں مضبوط چٹان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتی ہیں اور پیچھے ہٹ جاتی ہیں۔ اُسی طرح یہ پنڈت لوگ سوامی جی سے مباحثہ کرنے آتے تھے اور دلیلوں سے ٹکرا کر مطمئن ہو جاتے اور پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ جب اس طرح ناکامی ہوئی۔ تو کچھ مفسدہ پردازوں نے فیصلہ کیا۔ کہ سوامی جی کو دریا میں پھینک دیا جاوے یا زہر دے کر ہلاک کر دیا جائے۔ ایک رات وہ جمع

ہوکر آئے۔ اُس وقت حسن اتفاق سے سوامی جی کی
جگہ کے قریب ہی ایک اور سادھو سویا پڑا تھا۔ اُنہوں
نے اُسے ہی سوامی دیانند سمجھا اور مع چارپائی کے
اُٹھا کر گنگا میں پھینک دیا۔ اُس کے چیلا نے نے
اُن کی غلطی کھول دی۔ اور اُنہوں نے اُس آدمی
کو بچا لیا ؀

ایک دن سوامی جی اُپدیش کر رہے تھے اور لوگ
ہمہ تن محو ہوکر سُن رہے تھے۔ کہ ایک ہٹا کٹا موٹا
تازہ پہلوان جاٹ داخل ہُوا۔ اور کندھے پر ایک
موٹا لٹھ رکھے بھیڑ کو چیرتا ہُوا سوامی جی کے
سامنے جا کھڑا ہوا۔ غصہ سے اُس کا چہرہ تانبے
کے مانند تمتما رہا تھا۔ آنکھوں سے خون برستا تھا۔
بھویں تنی ہوئی تھیں۔ اور پیشانی پر تیوریاں تھیں۔
اُس نے ہونٹ کاٹ کر اور دانت پیس کر کہا۔ ارے
سادھو! تو مورتی پوجا کا کھنڈن کرتا ہے۔ اور شری
گنگا ماتا کے خلاف بولتا ہے۔ اب بتا یہ ڈنڈا
تیرے جسم کے کس حصہ پر پڑے۔ تا کہ تیری
زندگی کا خاتمہ ہو جائے۔ ساری سبھا میں ہلچل مچ گئی
مگر سوامی جی کے چہرے پر ملال نہ تھا۔ اُنہوں
نے ہنس کر کہا۔ بھائی! اگر میرا کام میرا گناہ ہے
تو اس کا ذمہ وار میرا سر ہے۔ یہی مجھے دلیلیں

بتاتا ہے۔ اور یہی مجھے اس کام کی تلقین کرتا ہے۔
اگر تجھے سزا دینا ہے۔ تو میرے سر پر اپنا ڈنڈا مار۔
اسی کو سزا دے۔ ان الفاظ کے ساتھ ہی انہوں نے
اپنی موہنی آنکھیں اُس کی پُر غضب آنکھوں میں ڈالکر
اُسے دیکھا۔ جیسے بجلی کوند کر رہ جاتی ہے۔ جیسے آگ
کا انگارہ پانی کی دھار گرنے سے بجھ جاتا ہے۔ اُسی
طرح اُس پہلوان کا غصّہ اُتر گیا اور وہ غرور و تکبّر کا
پُتلا سوامی جی کے پاؤں میں گر پڑا۔ اور آنسو بہاتے
ہوئے معافی کا طالب ہوا۔ سوامی جی نے اُسے تسلّی
دی اور کہا۔ تم نے کوئی قصور نہیں کیا۔ اگر مجھے مار
بیٹھتے تب تو کوئی بات تھی۔ اب رونے کیوں ہو۔
پرماتما تمہیں راہ راست پر چلنے کی طاقت دیں؀

یہ نظارہ دیکھ کر لوگ دنگ رہ گئے۔ اور آپس میں کہنے
لگے۔ کہ سوروں میں ہزاروں سادھو آئے۔ مگر ایسا مطمئن
مزاج، ایسا نڈر۔ ایسا مہربان سادھو نہ آیا ہوگا؀

یہاں سے چل کر سوامی جی سردول گئے۔ یہاں اُن
کے اُپدیشوں نے ٹھاکر ہلاس سنگھ اور دیگر اصحاب
کو پکا ویدک دھرمی بنا دیا؀

گڑھی میں بیراگی سوامی جی کے خلاف ہو گئے۔
اس کی وجہ یہ تھی۔ کہ جس امیر ٹھاکر کے مندر میں
سوامی جی ٹھیرے تھے۔ اُس پر سوامی جی کا اس قدر

اثر ہوا کہ اُس نے کنٹھی توڑ کر مورتی پوجا ترک کر دی۔ وہ ٹھاکر کئی گاؤں کا مالک تھا۔ بیراگیوں کو خطرہ ہوا۔ کہ ہماری روزی کی خیر نہیں۔ سوامی جی اُن سے خبردار رہنے لگے۔ اس سے پہلے ایک واقعہ نے اُنہیں خبردار کر دیا تھا۔ کانپور سے چار کوس کے فاصلے پر بیراگیوں کا ایک مرکز تھا۔ وہاں ورجانند نام کا ایک سادھو جا نکلا۔ بیراگیوں نے سمجھا۔ یہ دیانند ہے۔ اُنہوں نے اُسے گنگا میں پھینک دیا۔ مگر وہ پیراک تھا۔ بچ نکلا۔

اُداسی سادھو مایا رام نے سوامی جی کی مخالفت دیکھی۔ تو اُن کے پاس آ گیا۔ اور بولا۔ آپ یہ کھنڈن منڈن کیا کرتے ہیں۔ مزے سے ہماری طرح آرام کریں۔ کھانے پینے کی پروا نہیں۔ لوگوں کی دشمنی کیوں خریدتے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ ہم برہمانند میں مست ہیں اس مخالفت کے لطف کچھ ہمیں ہی سمجھتے ہیں۔ آپ کیا سمجھیں گے۔

گیارھواں باب

جیٹھ بدی ۱۳ سمت ۱۹۲۴ کو مہاراج پھر داخل کرنواس ہوئے اور اپنی پرانی کٹیا میں جا ٹھیرے۔ اسی مہینے گنگا سنان کا میلہ تھا۔ ہزاروں مرد عورتیں جمع تھیں۔ اس مرتبہ راؤ کرن سنگھ بھی آئے تھے۔ وہ کرنواس ہی میں بیاہے ہوئے تھے۔ وہ سوامی جی کی کٹیا کے قریب ہی اُترے۔ جب رات ہوئی۔ تو وہاں راس لیلا شروع ہوئی۔ کچھ آدمی سوامی جی کو بھی بلانے گئے۔ مگر آپ نے فرمایا۔ کہ ہم ایسے کاموں میں نہیں شامل ہوتے۔ تم جو یہ سوانگ بناتے ہو۔ یہ بڑا شرمناک اور قابل افسوس فعل ہے۔ سمرتی میں اس کی مذمت کی گئی ہے ؎

دوسرے دن پنڈتوں نے راؤ کرن سنگھ کو بھڑکایا۔ کہ ایسا سنیاسی آج تک نہیں دیکھا۔ گنگا اور ٹیکے کا مذاق اُڑاتا ہے۔ راؤ کرن سنگھ سُنتے ہی پنڈتوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کی کُٹیا پر چڑھ آئے۔ شام کا وقت تھا۔ مہاراج اُپدیش کر رہے تھے۔ اور لوگ ہمہ تن ہو کر سُن رہے تھے۔ معاً کھٹ کھٹ کرتی

ہوئی راؤ صاحب کی فوج آ پہنچی - سوامی جی نے اُن کا خیر مقدم کیا اور کہا - آیئے بیٹھئے - مگر راؤ صاحب کی غرور کی گردن نیچے نہ جھکی - اُنہوں نے اکڑ کر کہا - "کہاں بیٹھیں"۔ سوامی جی سمجھ گئے - یہ فساد پر آمادہ ہیں - ہنس کر بولے - "جہاں آپ کی خواہش ہو - وہاں بیٹھ جایئے"۔ راؤ صاحب نے کہا "ہم تو وہاں بیٹھینگے - جہاں تم بیٹھے ہو"۔ سوامی جی نے اپنی سینل پائی ہٹائی اور جواب دیا "بہت اچھا! یہیں بیٹھ جایئے"۔

"آپ ہماری راس میں کیوں نہیں آتے؟ سنیاسی ہو کر یہ فعل بے حد قابل اعتراض ہے - ہمارے ہاں جب راس لیلا ہوتی ہے - تو تمام پنڈت اور سنیاسی شامل ہوتے ہیں"۔

"ادنےٰ چلن کے آدمی آپ کے بزرگوں کی نقلیں کرتے ہیں - ناچتے ہیں گاتے ہیں - اور آپ بیٹھے دیکھتے ہیں - کیا آپ کو اس سے شرم نہیں آتی - حیرت ہے آپ کس طرح کے چھتری ہیں - اگر کسی معمولی آدمی کے بزرگوں کے سوانگ بن کر کوئی ناچے گائے - تو اُسے زہر چڑھ جاتا ہے - مگر آپ خاندانی آدمی ہیں - اور پھر بھی ایسی حرکتوں سے خوش ہوتے ہیں - آپ کو شرم آنی چاہیئے"۔

"ہم تم سے بات چیت کرنے آئے ہیں - سُنا ہے -

تم اوتاروں کی اور گنگا کی مخالفت کرتے ہو۔ یاد رکھو اگر میرے سامنے مُنہ کھولا۔ تو بُری طرح پیش آؤنگا"۔
"میں کسی کی نہ مخالفت کرتا ہوں نہ مذمت۔ مگر جو چیز جیسی ہے اُسے ویسا ہی کہ دیتا ہوں۔ گنگا بھی جیسی اور جتنی ہے اُسے ویسی اور اُتنی ہی کہتا ہوں ـــ سچ کہتے وقت مجھے کسی چیز کا خوف نہیں"۔
"تو پھر گنگا جی کتنی ہے"؟
سوامی جی نے اپنا کرمنڈل اُٹھا کر کہا "میرے لئے تو اتنا ہی پانی کافی ہے"۔
"اور جو کہا ہے۔ کہ گنگا کا نام لینے سے تعریف کرنے سے درشن کرنے سے اور چھونے سے گناہ دُور ہو جاتے ہیں"؟
"یہ سب غلط باتیں ہیں۔ گناہ دور ہوتے ہیں وید کے مطابق زندگی بنانے سے۔ ورنہ نہیں"۔
یہ کہ کر سوامی جی نے پوچھا "یہ آپ کے ماتھے پر لکیر سی کیسی ہے"؟
"یہ شری کا ٹیکا ہے۔ جس کے ماتھے پر نہ ہو۔ وہ چنڈال ہے"۔
"آپ ویشنو کب سے ہوئے ہیں؟ کیا آپ کے والد صاحب بھی ویشنو تھے"؟

"میں کچھ سالوں سے ویشنو ہوا ہوں۔ میرے والد صاحب ویشنو نہ تھے" ✦

"تو آپ خود اپنے ہی قول کے بموجب کچھ سال پہلے تک چنڈال تھے" ✦

راؤ کرن سنگھ کو غصہ چڑھ گیا۔ تلوار پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ "منہ سنبھال کر بولو۔" اُن کے ساتھی بھی جوش میں آ گئے۔ ٹیکا رام کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ "ڈرتے کیوں ہو؟ ہم نے جو کچھ کہا ہے۔ سچ کہا ہے" ✦

اُدھر راؤ صاحب چھیڑے ہوئے ناگ کے مانند بل کھا رہے تھے۔ آنکھوں سے خون برس رہا تھا۔ چہرہ غصہ کی آگ سے سُرخ ہو گیا۔ اُس نے سوامی جی پر سخت سُست الفاظ کی جھڑی لگا دی۔ پر سوامی جی ہنستے رہے اور آہستہ سے بولے۔ راؤ صاحب! اگر مباحثہ کرنے کا ارادہ ہے۔ تو برندابن سے رنگاچاریہ کو منگوائیے۔ جو ہار جائے۔ وہ فاتح کا خیال قبول کرے" ✦

مگر راؤ صاحب کی زبان قابو میں نہ تھی۔ کڑک کر بولے۔ تم رنگاچاریہ سے کیا مباحثہ کروگے۔ تمہارے جیسے تو اُن کی جوتیاں صاف کرتے ہیں۔ اور اِسی پر اکتفا نہ کرکے گالیاں بھی دینے لگے۔ ساتھ ہی

بار بار تلوار پر ہاتھ رکھتے جاتے تھے۔ اس پر بھی سوامی جی ہنستے رہے اور کہنے لگے۔ یہ بار بار تلوار پر کیا ہاتھ رکھتے ہو۔ اگر مباحثہ کرنا چاہو تو اپنے گورو کو بلاؤ۔ ہم تیار ہیں۔ لیکن اگر جنگ کرنے کا خیال ہو۔ تو جے پور جودھ پور کے راجوں سے لڑو +

آگ پر تیل پڑ گیا۔ راؤ صاحب کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ہاتھوں کی مٹھیاں اینٹھ گئیں۔ ہونٹ پھڑکنے لگے۔ شکل پر دہشت برسنے لگی۔ واجب ناواجب کا خیال نہ رہا۔ جو زبان پر آیا کہ گئے۔ اور پھر تلوار لے کر مہاراج پر لپکے۔ سوامی جی نے ہٹ کہ کر اسے پرے دھکیل دیا۔ راؤ صاحب زمین پر لڑھک گئے۔ مگر پھر سنبھل کر چوگنی طاقت سے آگے بڑھے۔ اور قریب تھا کہ تلوار چلا دیں۔ کہ سوامی جی نے جھپٹ کر ان کے ہاتھ سے تلوار چھین لی۔ اور زمین پر رکھ کر ہاتھ سے اتنا دبایا۔ کہ اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ اس کے بعد راؤ صاحب کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور بولے۔ کیا تم چاہتے ہو۔ کہ میں بھی اس کا انتقام لوں۔ راؤ صاحب کا چہرہ زرد ہو گیا۔ جسم پر افسردگی چھا گئی۔ سوامی جی نے کہا۔ میں سنیاسی ہوں۔

اِس لئے تم سے بدلہ نہ لونگا۔ جاؤ۔ ایشور تمہاری آنکھیں کھولے۔ یہ کہکر مغرور راجپوت کو پرے دھکیل دیا۔ اور تلوار کے ٹکڑے اُٹھا کر ایک طرف پھینک دئے *

جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔ اُس وقت سوامی جی کے پاس کوئی پچاس ایک کے قریب آدمی بیٹھے تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی سے کہا۔ کہ اس واقعہ کی اطلاع پولیس میں دے دینا چاہئے۔ تاکہ آئندہ کے لئے اس شخص کے ہوش ٹھکانے آ جائیں۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ ہم مقدمہ کبھی نہ چلائینگے۔ اگر وہ اپنے چھتری پن کا خیال نہیں رکھتا۔ تو اس کا یہ مطلب کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ہم سنیاس دھرم سے گر جائیں۔ جو دھرم کی حفاظت کرتا ہے۔ دھرم اُس کی حفاظت کرتا ہے۔ جو دھرم کو ہلاک کرتا ہے دھرم اُسے ہلاک کر دیتا ہے *

وہاں سوامی جی کے ساتھ بے شمار پنڈتوں اور سوامی کرشنانند وشدھانند وغیرہ سنیاسیوں سے تبادلۂ خیالات کیا۔ اور کارتک تک مہاراج یہیں رہے پھر سوروں چلے گئے اور امبا گڑھ میں ڈیرہ کیا۔ عقیدت مند اور مخالف ہر وقت آپ پاس جمع رہتے تھے۔ پنڈت انگد اُس زمانہ میں گرامر کا لاثانی پنڈت شمار ہوتا تھا۔ اُس کے سامنے

زبان کھولنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ اُس نے کومدی کے پہلے سبق سوامی ورجانند سے پڑھے تھے۔ رام نارائن پنڈت جو اس سے پیشتر سوامی جی کے خیالات کا سکہ مان چکا تھا۔ انگد کے پاس گیا اور بولا۔ کہ یہ سنیاسی غضب ڈھا رہا ہے سبھی پنڈت سہم گئے ہیں۔ آپ ذرا اس کا منہ بند کر دیں۔ انگد نے دیکھا۔ دھرم کی کشتی بھنور میں ہے۔ مباحثہ کے لئے تیار ہو گیا۔ اور مورتی پوجا ثابت کرنے لگا۔ مگر سوامی جی نے دلیلوں سے اُس کا قافیہ تنگ کر دیا۔ ساتھ ہی بھاگوت پر بھی رائے زنی کی۔ شاعری کی خامیوں کا ذکر کیا۔ انگد شاستری نے شاعری کے نقص تسلیم کئے۔ مگر مورتی پوجا پر اڑا رہا۔ مگر آخرکار سوامی جی کی زوردار تقریر سے، شاندار انداز بیان سے، ناقابل تردید دلیلوں سے، زبردست حوالوں سے، کمال کی حاضر جوابی سے، اور عقل کو چکر میں ڈالنے والی پُر اعجاز طاقت سے ایسے مسحور ہوئے کہ بے اختیار کہہ اُٹھے۔ سوامی جی! آپ جو کچھ کہتے ہیں درست ہے۔ اب پورانوں کا پول زیادہ کھولنے کی ضرورت نہیں۔ اور صرف یہ کہہ دینے ہی پر اکتفا نہ کیا۔ بلکہ اُسی وقت کنٹھی توڑ دی۔ شالگرام کو پانی میں بہا دیا اور آئندہ سے بھاگوت کی کتھا کرنے سے

قسم کھا لی۔ اُن کے رشتہ داروں نے بھی اُن کی تقلید کی۔ اور ٹھاکر پانی میں پھینک دیئے۔ یہ دیکھ کر گوسائیں بلدیوگری کو بھی ہوش آ گیا۔ انہوں نے بھی اپنی مورتیاں گنگا ماتا کی نذر کر دیں ٭

انگد شاستری اس وقت پنڈتوں کی جماعت میں ودیا کے سورج سمجھے جاتے تھے۔ چاروں طرف اُن کی دھاک بندھی تھی۔ کوئی اُن کے سامنے سر نہ اُٹھاتا تھا۔ جب اُنہوں نے سوامی جی کے روبرو سرِ تسلیم خم کر دیا۔ تو چاروں طرف سوامی جی کی کامیابی کے ڈنکے بجنے لگے۔ اُن کی شہرت دُور دُور تک پھیل گئی۔ جس طرح خوشبودار پھولوں کی خوشبو کو تیز ہوا دُور دور تک پہنچا دیتی ہے ٭

رنگا چاریہ سوروں وغیرہ مقامات میں اکثر آتا جاتا رہتا تھا۔ اور لوگوں کو ویشنو مذہب کا پیرو بناتا تھا۔ انگد کی شکست کا ایسا اثر ہوا۔ کہ سینکڑوں لوگوں نے کنٹھیاں توڑ دیں اور مورتیاں پانی میں بہا دیں۔ لیکن رنگا چاریہ کو اس طرف آنے کا حوصلہ نہ پڑا۔ جیسے ہاتھی شیر کی کچھار کے قریب آتے ہُوئے ڈرتا ہے۔ اِدھر سوروں کے براہمنوں نے بھی مورتی پوجا ترک کر دی۔ اور منوسمرتی کا مطالعہ کرنے لگے۔ چوبے رام دیال سوامی جی کے درشن کرنے آئے۔

اس وقت سوامی جی سندھیا اور گایتری کی عظمت بیان کر رہے تھے۔ اُن پر گہرا اثر ہُوا۔ سوامی جی نے اُنہیں سندھیا لکھ کر عوام میں تقسیم کرنے کا مشورہ دیا۔ سوامی جی کے خیالات ایسے نہ تھے۔ کہ اُن کا اثر نہ ہوتا۔ آس پاس کے سینکڑوں آدمی کرم دھرم میں لگ گئے +

انگد شاستری صرف پنڈت ہی نہ تھے۔ اُنہیں شعر و شاعری میں بھی درجۂ کمال حاصل تھا۔ کیلاش پربت کے اصرار سے اُنہوں نے وراہ شنتی کے ایک سو شلوک کہے تھے۔ سوامی جی کے سامنے شکست قبول کرنے کے بعد اُنہوں نے اُن کی شان میں بھی کئی شلوک کہے +

اسی زمانہ میں ایک وید رام دیال نامی نے سوامی جی سے کہا۔ کہ ایک براہمن جو باشندہ گوالیار کا ہے۔ کہتا ہے کہ میرے پاس کالیداس کی تصنیف کردہ سنجیونی (آبحیات) نام کی ایک کتاب ہے۔ اس میں کالیداس نے اپنے عہد میں مہابھارت کے گیارہ ہزار شلوک اور پورانوں کی موجودگی تسلیم کی ہے +

بنگال میں مقصود آباد پرگنہ کے شکتی پور گاؤں کے رہنے والے بوپ دیو اور جے دیو دو بھائیوں نے بھاگوت پُران تصنیف کیا تھا۔ شری دھر ملک کا بھی

یہی خیال ہے۔ کہ پران کے مصنف باپو دیو ہیں۔ سوامی جی نے اس کتاب کو حاصل کرنے کی سعی کی۔ مگر رام دیال کامیاب نہ ہو سکے ؛

انہی دنوں ایک اور پنڈت انگد جو باشندہ پیلی بھیت کا تھا سورون آیا۔ وہ دنیا میں اپنے جیسا کسی کو نہ سمجھتا تھا۔ غرور نے اس کا سر پھیر دیا تھا۔ وہ سوامی جی سے مباحثہ کرنے آیا۔ سوامی جی نے انگد شاستری ساکن بدریا کو سامنے کر دیا۔ پیلی بھیت کا انگد سوامی جی کے شاگرد ہی سے شکست کھا کر بھاگ گیا ؛

سوامی جی جب کبھی موج میں آ جاتے۔ تو جھوٹے کو گھر تک پہنچائے بغیر دم نہ لیتے تھے۔ چنانچہ اسی زمانہ کا ذکر ہے۔ کہ سورون میں ایک سنیاسی چد گھنانند آئے اور آتے مورتی پوجا ثابت کرنے کی غرض سے سوامی جی نے اُنہیں لکھا۔ کہ سچ جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لئے میں آپ کے ڈیرہ پر آنے کو تیار ہوں۔ نہیں تو آپ میرے ڈیرہ پر تشریف لے آئیے۔ لیکن ان تلوں میں تیل نہ تھا۔ نہ خود سامنے آتے نہ سوامی جی سے مباحثہ کرتے۔ سوامی جی موقع کے منتظر رہے۔ آخر ایک دن چار گھڑی دن رہے وہ گنگا پر نہانے چلے تو سوامی جی بھی اُن کے پیچھے پیچھے

ہو لئے۔ آخر پون کوس کے فاصلے پر سوامی جی نے
انہیں جا لیا۔ دونو سنیاسی وہیں بیٹھ گئے۔ مہاراج نے
کہا۔ سوامی جی۔ سُنا ہے آپ مورتی پوجا جائز ثابت
کرتے ہیں۔ آپ کے پاس اس سے متعلق کوئی حوالہ
بھی ہے۔ جو حالت سورج نکلنے پر تاروں کی ہوجاتی
ہے۔ وہی حالت اس وقت سوامی چدگھنانند کی تھی۔
شیر کے پنجہ میں پھنسا ہوا ہرن جس بےبسی کی نگاہ
سے شیر کی طرف دیکھتا ہے اُسی نگاہ سے سوامی
چدگھنانند نے سوامی جی کی طرف دیکھا۔ زبان پر مہر
لگی تھی۔ کوئی لفظ نہ بول سکے۔ یہاں تک کہ پُورا
ایک گھنٹہ گُزر گیا۔ تب سوامی جی نے کہا۔ آپ کا مُنہ
جھوٹ نے بند کر دیا ہے۔ اگر آپ درحقیقت سچائی
پر ہیں۔ تو پھر بولتے کیوں نہیں۔ مگر بولتا کون۔
سوامی چدگھنانند کی حالت ٹھیک وہی تھی۔ جو رام چندر
کے تیر کے سامنے پرشورام کی تھی۔ اُنہوں نے زبان
نہ کھولنی تھی نہ کھولی۔ سوامی جی واپس چلے آئے۔
کیلاش پربت جی سے بھی مباحثہ کے لئے کہا گیا۔
مگر اُنھوں نے دو وجوہات کے باعث انکار کر دیا۔
ایک تو سوامی جی کی قابلیت جانتے تھے۔ دوسرے
اُنہیں خفیہ طور سے سوامی جی کے ساتھ ہمدردی تھی۔
درباہ کے مندر سے اُن کو بڑی آمدنی تھی۔ راجا

مہاراجوں میں احترام تھا - اس لئے دلی ہمدردی ہونے کے باوجود انہوں نے سوامی جی کے خلاف ایک کتاب شائع کی - بزدل آدمی تھے - لوگوں کے کہنے کا بڑی جلدی اثر ہو جاتا تھا - ایک دن بلدیوگری کے مخالفوں نے اُن سے جا کر کہا - کہ وہ مورتیاں گنگا میں پھینک کر سوامی دیانند کا پیرو ہو گیا ہے - کسی نہ کسی دن آپ پر ہاتھ اُٹھائیگا - اگر آپ ہمیں سو روپیہ دینے پر رضامند ہوں - تو ہم پہلے ہی اُس کی مرمت کر دیں - کیلاش پربت مان گئے - سوامی جی کے پاس آمد و رفت بند کر دی - مگر یہ راز کھُل گیا - بلدیوگری کیلاش پربت کے پاس جا کر بولے - آپ کو بدمعاش لوگوں نے بہکا دیا ہے - کیا آپ سے مجھے کچھ دشمنی ہے کہ میں آپ کو مارنے کو تیار ہو جاؤنگا - اور یاد رکھئے کہ اگر آپ کے آدمیوں نے مجھ پر حملہ کیا - تو نہ صرف یہ کہ اُن کو بھی میرے ہاتھ سے اس کا مزہ چکھنا ہوگا - بلکہ آپ بھی گرفتار ہو جائینگے - یہ سُن کر کیلاش پربت کے ہوش ٹھکانے آ گئے - سوامی جی کے حضور میں پھر آنے جانے لگے - سوامی جی اُن کی حرص - اُن کی بُزدلی اور بے پروائی سے متنفر تھے - مگر اُن کو قابل اور ضعیف سمجھ کر اُن کی عزت کیا کرتے کبھی کبھی مذاق بھی کر دیا کرتے تھے - ایک دن جب

وہ کُٹیا کے باہر پہنچے تو ہنس کر بولے۔ اوہو! اتنا لمبا چوڑا کیلاش پربت اس قدر چھوٹی سی کُٹیا میں کیسے داخل ہو سکیگا؟

ایک دن گنگا کے کنارے ایک سادھو برتن صاف کر کے کپڑے دھو رہا تھا۔ کہ سوامی جی بھی جا نکلے۔ اُس نے سوامی جی سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ آپ اس قدر قابل، سنیاسی ہو کر ان مباحثوں میں کیوں پڑے ہیں۔ آزاد ہو کر پربھو بھگتی کیجئے۔ مہاراج مسکرا کر بولے۔ ہم تو یہ سب کچھ کرتے ہوئے بھی آزاد ہیں۔ لوگوں کی بہتری نہ کریں تو اور کیا کریں؟

اُس سادھو نے جواب دیا۔ یہ لوگوں کی بہتری کا نیا جھنجھٹ کیوں ڈالتے ہو۔ پرماتما سے پیار کرو۔ ویدوں کا بھی یہی اُپدیش ہے۔ سوامی جی نے پوچھا۔ مہاتمن! آپ کسے پیار کرتے ہیں؟ سادھو بولا۔ پرماتما سے۔ سوامی جی نے سوال کیا۔ وہ محبوب روح کہاں ہے؟ سادھو نے جواب دیا۔ راجہ سے لے کر فقیر تک اور ہاتھی سے لے کر کیڑے تک سب کے اندر سمائی ہوئی ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ تو جو روح سب کے اندر بسی ہوئی ہے۔ آپ سچ مچ اُس سے پیار کرتے ہیں؟ سادھو نے

جواب دیا - کیا ہم جھوٹ بول رہے ہیں - سوامی جی نے نہایت سنجیدگی سے فرمایا - نہیں آپ پرماتما سے پیار نہیں کرتے - آپ کو اپنی فکر ہے، اپنے کپڑوں کی فکر ہے - اپنے کھانے پینے، رہنے سہنے کی فکر ہے - مگر آپ کو اس روح کی کوئی فکر، کوئی پروا نہیں ہے - کیا آپ نے کبھی ان لاکھوں ہموطنوں سے متعلق بھی کچھ سوچا ہے - جو خالی پیٹ رہتے ہیں اور بارہ مہینے اندر ہی اندر گھلے جاتے ہیں - ہزاروں آدمی آپ کے ملک میں ایسے ہیں - جنہیں پیٹ بھر کر کھانا میسر نہیں ہوتا - جن کے تن پر چیتھڑے لٹکتے ہیں - لاکھوں غریب کسان ایسے ہیں - جو گندہ، ذلیل اور بدبودار ڈھیروں کے درمیان تنگ و تاریک جھونپڑوں میں اپنی خستہ حال زندگی کے دن بسر کر رہے ہیں - ایسے ہندوستانیوں کی تعداد کم نہیں ہے - جن کی سدھ بدھ لینے والا کوئی نہیں - کئی سڑکوں پر لیٹے لیٹے دم توڑ دیتے ہیں - اُن کی خبر لینے والا کوئی نہیں ہے - مہاتما جی! اگر آپ کو روح سے اور پرماتما سے پیار کرنا ہے - تو آپ کو مصیبت زدہ لوگوں کو اپنے جسم کا حصہ سمجھنا ہوگا - جس طرح اپنی بھوک کے وقت آپ بیتاب ہو کر کھانے کی تلاش کرتے ہیں - اِسی طرح اُن کا بھی خیال رکھنا ہوگا - پرماتما کا پیار کسی سے نفرت نہیں

سکھاتا۔ وہاں چھوٹے بڑے کی تمیز روا رکھنا گناہ ہے۔ جس محنت سے اپنا دُکھ دُور کیا جاتا ہے۔ اسی طرح دوسروں کا دُکھ دور کرنا چاہیئے۔ جو ایسے محنتی ہیں۔ جو ایسے گیانی ہیں۔ اُنہی کو اور صرف انہی کو حق حاصل ہے کہ وہ یہ کہیں۔ کہ ہم اُس پرماتما سے پیار کرتے ہیں۔ اور کسی کو نہیں۔ یہ سُن کر سادھو کی آنکھیں کھل گئیں۔ اُسے معلوم ہو گیا۔ کہ وہ کیسی غلطی پر تھا۔ اُس نے سوامی جی کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور معافی کا طلبگار ہوا ؎

بارھواں باب

اسی زمانہ میں کاسگنج کے بہت سے لوگ سوامی جی کے پاس آئے اور انہیں کاسگنج لے جانے پر مُصر ہوئے۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ ابھی تو میں گنگا کے کنارے پرچار کرنے میں مصروف ہوں۔ کہیں دور جانے کا ارادہ نہیں ہے۔ اگر تم وہاں کوئی پاٹھشالہ کھولنے کا انتظام کر سکو۔ تو البتہ چلنے کو تیار ہوں۔ ان لوگوں نے کاسگنج میں جا کر یہ تحریک شروع کر دی۔ اور

انتظامات مکمل ہو چکے - تو پھر سوامی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بلدیو گری کی بگھی میں سوار کرا کے لے گئے - یہ واقعہ جیٹھ سمبت ۱۹۲۵ کا ہے - جب کاسگنج کے قریب پہنچے - تو بگھی ٹھیرائی گئی - شہر کے لوگوں نے آکر خیر مقدم کیا اور تب سوامی جی کا جلوس نکالا گیا - آگے آگے سوامی جی تھے، پیچھے پیچھے لوگ - یہ جلوس سوروں دروازہ سے ہوتا ہوا شہر کی دوسری طرف پنڈت مکند رام کے باغ میں ختم ہوا - یہاں سوامی جی کے رہنے کا انتظام کیا گیا - اور چندہ کر کے پاٹھشالہ کھول دی گئی - جب سوامی جی یہاں سے چلے گئے - اس وقت بھی کرنواس، سوروں وغیرہ مقامات سے آکر پاٹھشالہ دیکھ جایا کرتے تھے ؛

کنوار بدی ۳ سمت ۱۹۲۵ کو سوامی ورجانند کی وفات حسرت آیات کی خبر اہالیان کاسگنج کو موصول ہوئی - تو وہ سوامی جی کو اطلاع دینے کے لئے اُن کی تلاش میں نکلے - سوروں میں اُن کا پتہ نہ تھا - معلوم ہوا کہ وہ شاہباز پور میں ہیں - پنڈت چین سنگھ اور دو تین اور آدمی اُڑتے ہوئے وہاں پہنچے اور نمسکار کر کے سوامی ورجانند کے سورگباس ہونے کی خبر عرض کی - بجلی گرنے سے جو حالت درخت کے پھولوں کی ہو جاتی ہے - وہی حالت اس خبر سے سوامی جی کے

چھڑے کی ہوئی - کچھ دیر تک سناٹے کا عالم طاری رہا-
اس کے بعد آہِ سرد بھر کر بولے "آج سنسکرت گرامر کا
سورج غروب ہو گیا" جس مہا پرش (مرد اعظم) نے
اپنے سگے رشتہ داروں، یار دوستوں اور والدین سے
بچھڑتے وقت، گھر بار کو ترک کرتے وقت افسوس نہ
کیا تھا- گورو کی وفات کی خبر سے اُس کی طبیعت
افسردہ ہو گئی- جیسے چاند کو گرہن لگ جاتا ہے*
اُن دنوں سوامی جی کی سچ مچ وہی حالت تھی- جو
میدان جنگ میں کسی سورما سپہ سالار کی ہوتی ہے-
فرق صرف یہ تھا- کہ وہاں سپہ سالار کے ساتھ ہزاروں
بہادر سپاہی ہوتے ہیں- یہاں سوامی جی اِس مذہبی
مباحثہ میں تن تنہا آگے بڑھے جاتے تھے- لوگ
اُن کے خلاف سازشیں کرتے تھے- مگر وہ کسی کی
پروا نہ کرتے تھے- شہباز پور میں دو بیراگی باوے
ٹھاکر گنگا سنگھ کے پاس گئے اور بولے کہ ہم اس
دیوتاؤں کے دشمن دیانند کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں-
آپ ہمیں ذرا اپنی تلوار دیں- ٹھاکر صاحب اُن ملعون
سادھوؤں کی بات سُن کر کہنے لگے- کہ اُن سوامی جی
کے اُپدیش میں نے بھی سُنے ہیں- وہ بڑے باکمال
مہاتما ہیں- جو کہتے ہیں- سچ کہتے ہیں- اگر تم نے
یہ الفاظ پھر میرے سامنے کہے تو مجھ سے بُرا کوئی

نہ ہوگا - میری آنکھوں سے دُور ہو جاؤ - اس کے بعد اُنہوں نے جسم پر ہتھیار سجائے اور دو تین آدمی ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس چلے گئے - سوامی جی نے جب یہ واقعہ سُنا - تو بے پروائی سے کہا - کہ اُن کی کیا مجال ہے کہ مجھے قتل کر سکیں - مگر اس سے ٹھاکر کی تشفی نہ ہوئی - ساری رات پہرہ دیتا رہا*

۲۷ لغایت ۳۱ - اکتوبر ۱۸۶۷ء ککوڑا میں میلہ تھا - سوامی جی وہاں جا پہنچے - کچھ بھگت اور بلدیو گری اُن کی تلاش میں تھے - جب وہ وہاں پہنچے - تو اُنہوں نے دیکھا - کہ سوامی جی ایک پھوس کی کُٹیا میں ٹھیرے ہوئے ہیں - بلدیو گری کو یہ کُٹیا پسند نہ آئی - اُنہوں نے فوراً ایک خیمہ لگوا دیا - اور اُس میں بیٹھنے کے لئے ایک گدی رکھوا دی - سوامی جی کے خیالات کی سارے میلہ میں دھوم مچ گئی - ویشنو آتے تھے - اور شکوک رفع کر کے چلے جاتے تھے - کچھ مولویوں اور پادریوں سے بھی بات چیت ہوئی - مگر وہ جلد ہی دم چھوڑ گئے *

پنڈت اُمادت جی کئی دوستوں کو لے کر آئے - اور مورتی پوجا پر مباحثہ شروع کیا - مگر اُن کے پاؤں جلدی اُکھڑ گئے - ہار کر بولے - دیکھئے ایک لویہ نے درونا چاریہ کی مورتی بنا کر اُس کی پوجا کی تھی -

سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ ایک نا تعلیم یافتہ بھیل کا فعل قابل تقلید نہیں ہو سکتا۔ پھر دریودھن کا نام لیا۔ ارشاد فرمایا۔ ایسے ہٹی، ضدی اور نا منصف مزاج آدمی کو دھرم میں کیا دخل؟

ایک اور آدمی پنڈت شیامل دت نے سوامی جی کے سوال پر کہا۔ میں کاسگنج میں رہتا ہوں۔ پورانوں کی کتھا کرتا ہوں۔ چنانچہ آج کل برہم ویورت کا شری کرشن کانڈ کا بیان شروع ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ جلد ختم کرلو۔ نہیں تو تمہارا نقصان ہوگا۔ کیونکہ یہ جسم بیس دن تک وہاں پہنچ جائیگا۔ جو کچھ تم سُنا رہے ہو اُس میں تو بڑی گپیں ہیں +

ایک دن سنسکرت کا پنڈت گوبند داس کاسگنج آٹھ دس ودیارتھیوں کو ساتھ لے کر سوامی جی سے ملنے گیا۔ اُن سب نے اپنے ہاتھ گوکھیوں میں ڈال رکھے تھے۔ اور زبان پر یہ الفاظ جاری تھے "ہری بھجو، چھوڑو سب دھندا" سوامی جی نے کہا۔ آپ سب کچھ چھوڑنے کا اُپدیش کیوں کرتے ہیں۔ کیا نیک کام بھی چھوڑے جاسکتے ہیں۔ اور اگر کوئی آپ کے اُپدیش پر عمل کرے تو آنکھ۔ کان۔ ناک۔ ہاتھ پاؤں سب سے کام لینا ترک کردے۔ اور کھانا پینا بھی بند کرے یا نہیں۔ اس کے ساتھ ہی ایسی لغویات کا پر زور خاکہ اُڑایا۔

اُس غریب کو کوئی جواب نہ سوجھا۔ جب تک بیٹھا رہا۔ مُنہ کی طرف مُڑ مُڑ تکتا رہا +

جب میلہ ختم ہوا۔ تو سوامی جی نے بلدیوگری اور اُن کے ساتھی دیگر اصحاب کو وداع کیا۔ اور کہا۔ اب آپ لوگ اپنے اپنے گھروں کو تشریف لے جائیں۔ ہمیں کاشی جانا ہے۔ چنانچہ سوامی جی یہاں سے چل کر نرولی پہنچے۔ وہاں اُن کے اُپدیشوں سے گوسائیں رام پوری پر اتنا اثر ہوا۔ کہ اُس نے مورتیاں پانی میں بہا دیں۔ یہاں سے کپلا رام گھاٹ ہوتے ہوئے مہاراج اترولی تشریف لے گئے۔ اور بھیرو کے مندر میں ڈیرہ لگایا۔ وہاں کے بھیرو ناتھ سارسوت براہمن نے سوامی جی سے کہا کہ سام وید کے براہمن میں درج ہے۔ کہ مورتی ہنستی ہے۔ روتی ہے اُسے پسینہ آتا ہے۔ سوامی جی نے اسی بات کو لے کر مورتی پوجا کو خلاف عقل ثابت کر دیا۔ یہاں سوامی جی نے صرف دس دن قیام کیا +

گنگا کے کنارے ہوتے ہوئے سوامی جی تپ کی زندگی بسر کرتے تھے۔ اِس زمانہ میں اُن کے جسم پر کوئی کپڑا نہ ہوتا تھا۔ صرف ایک لنگوٹ پہنتے تھے۔ اور اسی برہنہ تنی کی حالت میں بنوں جنگلوں میں، غیر آباد جگہوں میں، گنگا کی ریت میں ماگھ

اور پوس کی راتیں گزار دیں۔ بساکھ جیٹھ کی سخت
دھوپ اور جسم کو جھلس دینے والی لو برداشت
کی۔ برسات کی بوچھاڑیں، ساون بھادوں کی جھڑیاں
سہیں۔ جب نہانا ہوتا۔ تو گوشۂ تنہائی میں چلے جاتے۔
اور لنگوٹ دھوپ میں پھیلا کر سدھ آسن لگا لیتے۔
جب تک لنگوٹ سوکھ نہ جاتا۔ تب تک اسی حالت
میں بیٹھے رہتے۔ اس کے بعد لنگوٹ پہن کر آدمیوں
میں آتے۔ رات کا بیشتر حصہ سمادھی میں گزرتا تھا۔
کئی آدمی آدھی رات کے وقت دیکھنے گئے اور انہیں
ہمیشہ سمادھی میں پایا۔

وہ مانگنے کے لئے خود نہ جاتے تھے۔ جو کچھ کوئی
لا دیتا۔ وہی کھا لیتے تھے۔ اور کبھی یہ نہ کہتے تھے۔
کہ کھانے میں کوئی نقص بھی تھا۔ اس قسم کی گفتگو
کبھی کسی نے اُن کے مُنہ سے نہیں سُنی۔ آپ کو
جہاں جانا ہوتا۔ چپ چاپ چلے جاتے۔ کسی کو اطلاع
نہیں دیتے تھے۔ ہر جگہ اُن کے عقیدت مند تھے۔
مگر پربھو دیانند جب روانہ ہوتے۔ تو کسی کو اطلاع
بھی نہ دیتے تھے۔ جو اشیاء جھونپڑی میں پڑی ہوتیں
وہ اُسی طرح چھوڑ جاتے۔ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا
سے الگ رہنے کی ایسی مثال کسی نے کم دیکھی
ہوگی۔ مہاراج سے بڑے بڑے ٹھاکروں نے۔

ذی اثر و ذی مرتبہ امرا نے یگیوپویت لئے تھے سوامی جی کے لئے، اُن کے دلوں میں بڑی عقیدت تھی۔ ضرورت پڑنے پر وہ تن دھن اور جان تک قربان کرنے کو تیار تھے۔ مگر آپ ایسے بے نیاز، ایسے غیر جانبدار، ایسے سب کو ایک نظر سے دیکھنے والے تھے۔ کہ جانبداری کا الزام آپ پر کسی دشمن نے بھی نہیں لگایا۔ کئی موقعوں پر ایسا اتفاق ہوا۔ کہ کسی شخص نے صبح سوامی جی سے بدکلامی کی۔ اور شام کو پھر چرن شرن میں آ گیا۔ سوامی جی اُس سے بھی اُسی طرح ہنس ہنس کر باتیں کرتے تھے۔ جس طرح اپنے بھگتوں کے ساتھ کرتے تھے۔ اُنہیں گویا صبح کا واقعہ بھول ہی جاتا تھا۔ اُن کے دل پر لوگوں کی مخالفت اتنا اثر نہ چھوڑتی تھی۔ من کی گنگا میں عداوت کا میل نہ ٹھہرتا تھا۔ اُن کے لئے اپنے پرائے سب برابر تھے۔ جو آپ کے شاگرد بن گئے۔ اُن میں سے سینکڑوں کو کنول کے پتے کی طرح محبت سے بے اثر رہنے والے بھگوان دیانند نے یگیوپویت دئے، سندھیا سکھائی، گایتری حفظ کرائی۔ اور ہزاروں آدمی اُن کے لیکچر سن کر راہ راست پر آئے۔ ڈھائی برس تک سوامی جی گنگا کے کنارے گھومتے رہے اور لوگوں کی پیاس بجھاتے رہے۔

گویا گنگا کے کنارے دوسری گنگا بہتی رہتی +

سمت ۱۹۲۵ میں مہاراج قائم گنج پہنچے - اور ہری شنکر پانڈے کے شوالہ میں مقیم ہوئے - شہر میں شور مچ گیا - کہ ایک غضب کا قابل سنیاسی آیا ہے - پنڈت گنگا پرساد اور چند دیگر اصحاب درشن کرنے آئے - اُس وقت سوامی جی کو اشنان کرنا تھا - مگر سوامی جی کوپین دھاری تھے - اس لئے اُنہیں الگ جگہ کی ضرورت تھی - لوگ اُنہیں گردھاری لال کی جگہ پر لے گئے - وہاں سوامی جی نے اشنان کیا اور کھانا کھایا - یہاں پانچ آدمیوں نے سوامی جی سے سندھیا سیکھی - کسی نے باقاعدہ مباحثہ نہیں کیا - مگر سناتن دھرمی آکر اکثر سوامی جی سے بات چیت کرتے رہتے تھے - مرشد آباد سے دس پندرہ مسلمان آئے - اور سوامی جی سے بات چیت کرکے خاموش واپس چلے گئے - کچھ عیسائی اصحاب بھی آئے اور اونچی اونچی جگہوں پر بیٹھ گئے - سوامی جی کے بھگتوں نے اسے بہت بُرا منایا - مگر سوامی جی نے اُنہیں یہ کہکر ٹھنڈا کردیا - کہ اس میں کوئی حرج نہیں - اگر ایک شخص اونچی جگہ بیٹھ جائے - تو دوسرا ذلیل نہیں ہو جاتا - آخر جانور سب سے بلند جگہوں پر بیٹھتے ہیں - پادریوں کے سوال کرنے پر سوامی جی نے کہا - کہ گناہ

کبھی معاف نہیں ہوتا ◆

یہاں پر بھی سوامی جی نے بھاگوت، پُران، اور شو پوجا کے خلاف لیکچر دیئے۔ ایک شخص نے کہا۔ کہ ستنیہ نارائن کی کتھا کے لئے جب ہم ایک روپے کی منت مانتے ہیں تو ہمارا کام پورا ہو جاتا ہے۔ آپ کیسے کہینگے۔ کہ یہ کتھا بھی فضول ہے۔ مہاراج بولے۔ ہم منت مانتے ہیں کہ اگر لکھ پتی ہو گئے تو پانچ روپے نذر دینگے۔ کیا ہم ہو جائینگے؟

عیش و آرام کی زندگی کا نہایت دردناک بیان کرکے سوامی جی نے ایک نحیف و زار آدمی کی طرف اشارہ کیا اور سنیم (اپنے اوپر قابو رکھنے) کی زندگی کی تعریف کی اور ثبوت میں ایک تندرست آدمی دکھا کر کہا۔ اس شخص کا اپنے اوپر قابو ہے اسی لئے تندرست ہے ◆

یہاں پر بھی مہاراج نے لوگوں کو سندھیا گایتری۔ ہوان۔ یگیہ کا بہت اپدیش کیا۔ کئی لوگ راہ راست پر آ گئے۔ آپ کی کٹیا میں آدھی رات تک لوگ بیٹھے رہتے۔ سوامی جی سوتے بہت تھوڑا تھے۔ باقی وقت یا اُپدیش میں گذرتا۔ یا سمادھی میں ◆

ان دنوں سوامی جی نے روٹی بنانے کے لئے ایک پہاڑی نوکر رکھا۔ لوگ اُسے عمدہ عمدہ کھانے کی اشیا دے آتے تھے۔ کہ یہ سوامی جی کے لئے ہیں۔

مگر سوامی جی بہت سادہ غذا کھاتے تھے۔ اس لئے
وہ اشیاء لوگوں میں تقسیم کر دی جاتی تھیں +

تیرھواں باب

قائم گنج سے چل کر سوامی جی شمس آباد ہوتے ہوئے
پوس سمبت ۱۹۲۸ کے ابتدائی ایام میں داخل فرخ آباد
ہوئے۔ اور لالہ جگن ناتھ کے وشرانت گھاٹ پر ٹھہرے
ان کے آنے کے ساتھ ہی ان کی شہرت بوئے گل
کے مانند سارے شہر میں پھیل گئی۔ ہر قسم کے لوگ
خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ سوامی جی انہیں اپدیش
دیتے۔ کہتے سندھیا گایتری کیا کرو۔ اسی سے تمہارا کلیان
ہوگا۔ وہاں پنڈت وشومبھر داس جی بڑے قابل آدمی
تھے۔ ان پر سوامی جی کے خیالات کا ایسا اثر ہوا
کہ سوامی جی کے پیرو بن گئے +
سوامی جی بحث کے فن میں ماہر تھے۔ فریق مخالف
کو باتوں کے سلسلہ میں ایسا الجھا لیتے تھے۔ کہ اسی
کے منہ سے اس کے خلاف فیصلہ صادر کرا لیتے تھے۔
چنانچہ پنڈت گنگا رام شاستری نے دعوے کیا۔ کہ میں

سوامی جی کو مباحثہ میں نیچا دکھاؤنگا۔ سوامی جی کی علمیت جاننے کا شوق ہوا۔ اپنے بیٹے اور ودیارتھی کو سوامی جی کے پاس بھیج دیا۔ جس وقت وہ دونو وہاں پہنچے۔ اُس وقت مہاراج درگا پرساد پروہت کو منوسمرتی پڑھا رہے تھے۔ اُن دونو میں سے ایک نے کہا۔ مغرور آدمی چنڈال ہوتا ہے۔ مگر سوامی جی پڑھانے میں مصروف رہے۔ جب پڑھا چکے۔ تو بولے "تم نے کیا کہا تھا"؟ اُس نے وہی الفاظ پھر دُہرا دئے۔ مہاراج نے کہا۔ "نوجوان! تجھے تو ابھی یہ بھی معلوم نہیں۔ کہ غرور ہے کیا شئے۔ مگر یہ کہو۔ کہ جب تم نے یہ لفظ کہے تھے۔ اُس وقت تم نے غرور کیا تھا یا نہیں؟" اُس نے جواب دیا۔ نیک آدمیوں کو نہ کرنا چاہئے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ "تم نے ابھی تک وید شاستر نہیں پڑھے۔ تمہارا علم ادھورا ہے۔ اس لئے تم کیا جانو۔ کہ نیک آدمی کیا ہوتے ہیں۔ نیک آدمی جھوٹے غرور سے پرہیز کرتے ہیں۔ مگر سچا غرور اُن کے لئے لازمی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ۔ شری رام چندر جی اور کرشن چندر جی مہاپرش تھے یا نہیں؟" نوجوان لاجواب ہوکر واپس آگئے۔ اس کے بعد گنگا رام شاستری کو بھی سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ مگر سوامی جی نے اُن کا

پیچھا نہ چھوڑا۔ ایک گیتا کا شلوک لکھ کر اُن کے
پاس بھیج دیا۔ کہ تم گیتا کی کتھا کرتے ہو۔ اگر اس کا
صحیح ترجمہ کر دو۔ تو ہم ہار مان لینگے۔ مگر اُنہوں نے
جواب نہ دیا*

ایک دن قائم گنج کے پنڈت بلدیو پرساد اور چوبے
پرمانند سوامی جی کے پاس آئے۔ اور ہاتھ باندھکر بولے۔
کہ اگر راجا اور دیگر لوگ شیر وغیرہ شکاری جانوروں کا
شکار کریں۔ تو یہ گناہ ہے یا نہیں؟ ارشاد فرمایا۔
نہیں۔ کیونکہ اُن کے مارنے سے کسی کو نقصان نہیں
ہوتا۔ بلدیو پرساد نے پھر پوچھا۔ کہ آپ کے خیال میں
گناہ کی تعریف کیا ہے؟ جواب فرمایا۔ نقصان کا
دوسرا نام گناہ ہے۔ اس پر سوال اُٹھا۔ کہ اِس
حالت میں نکمے اور بُڈھے آدمیوں کا قتل گناہ نہ ہوگا؟
مہاراج نے یہ کہکر اس بحث کا خاتمہ کر دیا۔ کہ یہ
محسن کشی ہے۔ بوڑھی گئوؤں کی حالت میں بھی یہی
اصول سمجھو*

لالہ جگن ناتھ نے استفسار کیا۔ انسان کا فرض کیا
سمجھنا چاہیئے؟ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ مقصد
کے لئے فرض ذریعہ ہے۔ انسان کا مقصد یہ ہے کہ
پرماتما کا قرب حاصل کرے۔ اس لئے اُس کا فرض
ہے کہ جس طرح پرماتما مہربان ہے۔ اُسی طرح وہ

بھی سب پر مہربانی کرے - جس طرح پرماتما ستیہ سوروپ (صداقت مجسّم) ہے - اُسی طرح وہ بھی سچا بنے - غرضیکہ جو جو پرماتما کے گُن (اوصاف) ہیں - اُن سب کو اپنے آپ میں جذب کرے اور پرماتما تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کرے - یہ آدمی کا فرض ہے"

فرخ آباد میں کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں وہاں کے لوگ سادھو کہتے ہیں - یہ لوگ دُنیا دار ہیں اپنا کاروبار کرتے ہیں - مگر لوگ اُن کے ہاتھ کا بنا کھانا نہیں کھاتے - ایک دن ایک سادھو بڑی عقیدت و محبت سے سوامی جی کے لئے بھات اور کڑھی لے آیا - سوامی جی اُسے کھانے بیٹھ گئے - مگر براہمنوں کے تن بدن کو جیسے آگ لگ گئی - ناراض ہو کر بولے "سوامی جی! آپ نے سادھو کا کھانا کھا لیا - یہ مناسب نہ تھا"

مہاراج نے مسکرا کر ارشاد فرمایا - دو قسم کا اناج قابلِ اعتراض ہے - ایک تو وہ جو دوسروں کو تکلیف دیکر حاصل کیا جائے - دوسرے وہ جس میں کوئی گندہ چیز پڑی ہو - ان لوگوں کا کھانا محنت کی کمائی سے بنا ہے اور صاف ہے - اس لئے اسے کھانے میں کوئی بُرائی نہیں

یہاں بھی مہاراج نے کئی لوگوں کو یگیوپویت دِئے - ایک پنڈت نے کہا - کہ تارہ ڈوب رہا ہے - آج کل

یگیوپویت نہ دینا چاہیئے - جواب میں فرمایا کہ "جن کا تارہ ڈوب رہا ہے وہ نہ دیں - مگر ہمارا تارہ تو طلوع ہو رہا ہے ہمیں کیا حرج ہے" ٭

لالہ جگن ناتھ کے یگیوپویت پر گیارہ پنڈت روزانہ گایتری کا ایک ہزار جاپ کرنے پر مقرر ہوئے - جیمان کو بھی ایک ہزار جاپ کا حکم تھا - برت بھی رکھوایا گیا - اور یہ سب کارروائی سوامی جی کے سامنے اُن کی کُٹیا میں ہوتی رہی - یگیوپویت کی رسم شہر میں ہونے کا فیصلہ ہوا تھا اس لئے مہاراج نے گایتری منتر اپنے دست خاص سے لکھ کر ایک یجروبدی براہمن کو دیدیا - کہ اس کا اُپدیش دے دینا - بہت اصرار کیا گیا - مگر سوامی جی شہر میں نہ گئے - لالہ جگن ناتھ نے یگیوپویت اُس براہمن سے لیا - مگر اپنا گورو سوامی جی ہی کو مانتے رہے ٭

عام لوگوں کا عقیدہ ہے - کہ شری بھیشم پتامہ دریائے گنگا کے بیٹے تھے - سوامی جی نے کہا - یہ محض غلط خیال ہے - سندھیا دو وقت کرنی چاہیئے - اس کے ثبوت میں مہابھارت کا وہ حصہ پیش کیا - جس میں شری کرشن جی کی دوارکا سے ہستناپور کی روانگی کا ذکر ہے ٭

ایک دن چند مسلمان حضرات سوامی جی کے پاس

آئے اور اُنھوں نے سوال کیا۔کہ آپ کے خیال میں
حضرت محمد صاحب خدا کے رسول تھے یا نہیں۔سوامی
جی نے جواب دینے سے پیشتر تین مرتبہ کہا۔کہ میرے
جواب سے ناخوش نہ ہو جانا۔پھر کہا۔ہم تو حضرت محمد
صاحب کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے۔آپ نے بھی اسلام
قبول کر کے اچھا نہیں کیا۔جب آپ نے چوٹی کے
بال صاف کرا دیئے ہیں۔تو اتنی لمبی داڑھی رکھنے
سے کیا فائدہ؟

مہاراج نے یہ بھی کہا۔کہ براہمن وہ ہے جو
براہمنوں کے فرائض ادا کرے۔اس پر فرخ آباد کے
براہمن چراغ پا ہو گئے۔غصہ سے بل کھاتے پھرتے
تھے۔آخر اُنھوں نے میرٹھ سے ہری گوپال شاستری
کو بلوایا اور مباحثہ کے لئے تیار کیا۔سوامی جی تو ہمیشہ
تیار بر تیار رہتے تھے۔براہمنوں کا ہجوم اُن کے
دروازہ پر جا پہنچا۔پنڈت پتامبرداس مباحثہ کے
پریزیڈنٹ مقرر ہوئے۔ہری گوپال شاستری نے
ابتدائی تقریر کی اور کہا۔کہ مورتی پوجا کے ثبوت
تو تمام گرنتھوں میں موجود ہیں۔آپ اس کی مخالفت
کیسے کر سکتے ہیں۔سوامی جی نے کہا۔حوالہ دو۔
شاستری نے ایک منتر پڑھا۔مگر اُس کا ترجمہ غلط
کیا۔سوامی جی نے اُس ترجمہ کے پرخچے اُڑا دیئے۔

اور لوگوں کے ذہن نشین کر دیا۔ کہ مورتی پوجا کا خیال سودائے خام ہے۔ شاستری جی کچھ دیر تک تو ٹال مٹول کرتے رہے۔ مگر آخر جان عذاب میں آ گئی۔ بھاگنے کے سوائے چھٹکارے کا دوسرا رستہ نہ دکھائی دیا۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ مگر شکست کا ٹیکا ماتھے پر تھا۔ اس داغ سیاہ کو چھٹانے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگے۔ اور تو کچھ پیش نہ گئی۔ کاشی کے پنڈتوں سے لکھا لائے۔ کہ مورتی پوجا ویدوں کی تعلیم کے مطابق ہے۔ فرخ آباد میں آ کر سوامی جی کے ڈیرے کے قریب کھلے میدان میں جھنڈا نصب کر دیا۔ اور لوگوں کو اپنے ارد گرد جمع کر کے وہ دستخطی مضمون سنانے لگے۔ سوامی جی کے پاس بھی آدمی پر آدمی بھیجا جاتا تھا۔ کہ آؤ! مباحثہ کرو۔ مگر سوامی جی جانتے تھے۔ کہ اس رام رولے سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اس لئے وہ وہیں بیٹھے رہے۔ البتہ جواب بھجوا دیا۔ کہ شور و غل کیوں مچاتے ہو۔ ہمت ہے۔ تو یہاں آ جاؤ۔ مباحثہ کے لئے میں ہر وقت تیار ہوں۔ ہری گوپال کہتے تھے میں سوامی جی کے ڈیرے پر نہ جاؤنگا۔ اُنہوں نے اُس جگہ پر جادو کر رکھا ہے۔ جو جاتا ہے۔ ہار جاتا ہے۔ اس شور و غل کی اطلاع کلکٹر صاحب کو ہوئی۔ تو اُنہوں نے فوراً کوتوال کو حکم دیا۔ کہ موقعۂ واردات پر جاؤ۔ کوتوال

فوراً سوامی جی کے ڈیرے پر پہنچا۔ اور سوامی جی کو باہر بلوایا۔ مگر وہ باہر نہ آئے۔ لالہ جگن ناتھ نے کہا۔ وہ سنیاسی ہیں۔ آپ انہیں چپراسی بھیج کر باہر بلاتے ہیں۔ اُن کو کیا غرض پڑی ہے کہ باہر آئیں۔ یہ سن کر کوتوال اندر چلا گیا۔ اور سوامی جی سے بولا "باوا جی! یہ آپ نے کیا گڑ بڑ مچا رکھی ہے"۔ سوامی جی نے جواب دیا "ہم اپنی جگہ پر بیٹھے ہیں۔ نہ کسی سے جھگڑتے ہیں۔ نہ سخت سست کہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر لوگ گالیاں بھی دے جائیں۔ تو جواب نہیں دیتے۔ آپ حاکم ہیں۔ آپ کا فرض ہے۔ کہ یہ سوال اُن سے جاکر کریں۔ جو اس شور و غل کا اصلی موجب ہیں"۔ کوتوال پر حقیقت حال روشن ہو گئی۔ اُس نے سوامی جی کی محافظت کے لئے دو سپاہی تعینات کر دئے اور پھر جاکر ہری گوپال کو بلوایا۔ کوتوال کا نام سُن کر ہری گوپال ڈر گئے۔ مگر کیا کرتے حاضر ہونا پڑا۔ کوتوال نے اُنہیں اس قدر ڈانٹا۔ کہ وہ شہر چھوڑ گئے۔ دو تین دن بعد اُن کا دوست جوالا پرساد شراب پی کر سوامی جی کے رہنے کی جگہ پر چلا آیا۔ اور وہاں اپنے گھر سے لائی ہوئی کُرسی پر ڈھیر ہو کر اوٹ پٹانگ بکنے لگا۔ لوگوں نے اُسے منع کیا۔ مگر وہ گالیاں دینے سے باز نہ آیا۔ منی لال وغیرہ لوگوں کو جوش آ گیا۔

سوامی جی کہتے ہی رہ گئے کہ یہ نشہ میں ہے اسے کچھ نہ کہو۔ مگر اُنھوں نے پکڑ کر اُس کی مرمت کر دی۔ اور اُس کی کرسی کو آگ لگا دی۔ دوسرے دن لالہ جگن ناتھ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے سوامی جی سے پوچھا۔ کہ اگر وہ اُن لوگوں پر نالش کر دے اور آپ کو شہادت کے لئے طلب کیا جائے۔ تو آپ کیا بیان دینگے؟ ارشاد فرمایا۔ اصلی بات کہدونگا۔ چند دن بعد جوالا پرساد کا ایک رشتہ دار ٹھاکر داس بیس پچیس آدمیوں کو ساتھ لے کر اپنے رشتہ دار کا بدلہ لینے آیا۔ مگر سوامی جی کے رعب اور گرفتاری کے اندیشہ سے بھاگ گیا۔ لالہ جگن ناتھ کو جب یہ اطلاع موصول ہوئی۔ تو اُنھوں نے فوراً کچھ آدمی ساتھ لیئے اور وشرانت گھاٹ پر پہنچ گئے۔ مگر مفسدہ پرداز اُن کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی بھاگ گئے تھے۔ لالہ جگن ناتھ نے کہا۔ یہ لوگ آپ کی قیمتی زندگی کو ہلاک کرنے پر تلے ہوئے ہیں اس لئے آپ شہر کے اندر چل رہیئے۔ ارشاد فرمایا۔ کہ یہاں تو آپ اس طرح میری حفاظت کر لینگے۔ مگر دوسرے مقامات پر یہ انتظام کون کریگا؟ میری حفاظت پرماتما کرتا ہے۔ اس لئے آپ ذرا فکر نہ کریں۔ اور میری حفاظت کا کام پرماتما ہی کے ذمّہ رہنے دیں +

ایک دن ہزاروں آدمی اُپدیش سُننے کو جمع ہو رہے تھے۔ کہ ایک پنڈت نے مورتی پوجا پر سوال و جواب شروع کر دئے۔ اسی دوران میں کاشی کے ایک اُپاسک نے جو شراب کے نشہ میں چور ہو رہا تھا۔ مہاراج کی طرف جوتا پھینکا۔ پر وہ سوامی جی تک نہ پہنچا۔ رستے ہی میں گر پڑا۔ لیکن جو لوگ وہاں بیٹھے تھے۔ اُنہیں بڑا غصّہ آیا اور متذکرۂ بالا سادھووں کی آنکھوں میں تو خون اُتر آیا۔ اُنہوں نے اُس شرابی کو پکڑ کر اُس کی گت بنانا شروع کر دیا۔ سوامی جی اس منظر کو برداشت نہ کر سکے۔ بولے۔ اس کی حرکت سے ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اگر جوتا لگ بھی جاتا تب بھی معمولی بات تھی۔ کون سا تیر تھا۔ کہ ہم زخمی ہو جاتے۔ اس کا قصور نہیں۔ یہ نشہ میں ہے۔ اس لئے اسے چھوڑ دو۔ اس پر سادھووں نے اُسے چھوڑ دیا۔ یہ سادھو سوامی جی کے بھگت تھے۔ اور اُن کی خدمت میں ہر وقت کمربستہ رہتے تھے*

اُس زمانہ میں امیر لوگ دو چار لٹھ بند اپنے ساتھ میں رکھا کرتے تھے۔ تاکہ بر وقت ضرورت کام آئیں۔ ایسے لوگوں سے اکثر زد و کوب کرانے کا کام لیا جاتا تھا۔ مخالفوں نے ایک زبردست غنڈہ سوامی جی کو مارنے کے لئے تعینات کیا۔ اُس نے

کہا۔ میں اُس سادھو کی لاٹھیوں سے ایسی گت بناؤنگا۔
کہ اگر زندہ بچ گیا۔ تو ساری عمر کے لئے مباحثہ کرنا
بند کر دیگا۔ چنانچہ ایک دن وہ وشرانت گھاٹ کی
طرف روانہ ہوا۔ سوامی جی نے بھی دیکھا۔ کہ ایک
لٹھ بند غنڈہ جھومتا جھامتا چلا آ رہا ہے۔ سنبھل کر
بیٹھ گئے۔ وہ غنڈہ سوامی جی کے قریب پہنچ کر
بولا۔ کیوں باوا جی! تم مورتی کو پرماتما مانتے ہو
یا نہیں۔ سوامی جی نے حوصلہ مندی کے انداز سے
پوچھا۔ کیا تمہیں علم ہے کہ پرماتما کیا ہے۔ اگر ہے
تو بیان کرو۔ اُس نے کہا۔ پرماتما ست (ذی روح)
چت (ذی علم) آنند (مسرت) سروشکتیمان (صاحب
قدرت) بھگت وتسل (کریم و رحیم) اور سروتر پری پورن
(حاضر و ناظر) ہے۔ تب سوامی جی نے قدرے مسکرا کر
کہا۔ ایشور کی جو صفات تم نے بیان کی ہیں۔ وہ
درست ہیں۔ تمہاری عقل کی میں تعریف کرتا ہوں۔
مگر اب ذرا تم اُن صفتوں کا مندر کی مورتیوں کے
ساتھ مقابلہ کرو۔ اگر اُن مورتیوں میں وہ صفتیں موجود
ہوں۔ تو میں بھی مورتی پوجا کرنے لگونگا۔ ورنہ تمہیں
بھی وہ ماننا ہوگا۔ جو تمہارا دل و دماغ کہے۔ کچھ وقت
کی بات، کچھ سوامی جی کے سمجھانے کا طریقہ، اُس کے
دل پر اثر ہو گیا۔ اُس نے لٹھ زمین پر پھینک دیا۔

اور آپ مہاراج کے پیروں میں گر پڑا۔ اُس دن سے اُس کی کایا پلٹ گئی۔ اُس نے اپنی بُری عادات سُدھار لیں۔ اور نیکی و پاکیزگی سے دن گزارنے لگا ✤

پنڈت ہری گوپال کی شکست نے پورانکوں کو کہیں مُنہ دکھانے کے قابل نہ رکھا تھا۔ لالہ پریم داس دیوی داس وغیرہ نے ہلدھر اوجھا کو کانپور سے منگوایا۔ اور مشہور کر دیا۔ کہ شرط بد کر مباحثہ کرینگے۔ یہ خبر لالہ جگن ناتھ کو بھی مل گئی۔ اُنہوں نے ڈھائی سو روپیہ دے کر ایک براہمن کو لالہ دیوی داس کے پاس بھیج دیا۔ کہ اسی قدر رقم آپ اپنی طرف سے ملا کر کسی سیٹھ کے پاس رکھ دیں۔ مباحثہ میں اگر سوامی جی جیت گئے تو یہ ساری رقم میں لے لونگا۔ اور اگر سوامی جی ہار گئے۔ تو آپ لے لیجئے گا۔ دیوی داس نے یہ کہہ کر روپے لوٹا دیئے۔ کہ پنڈت صاحب کانپور آئے تھے۔ ہم نے یہاں بلوا لیا۔ کہ ذرا سوامی جی سے بات چیت ہو جائے ✤

جیٹھ سدی ۱۰ سمت ۱۹۲۶ کی رات کو نو بجے کے قریب لالہ دیوی داس وغیرہ پنڈت ہلدھر اوجھا کو سیبٹھوں کو اور دیگر پنڈتوں کو ہمراہ لے کر سوامی جی کے پاس آئے۔ لالہ جگن ناتھ نے سوامی جی کو اُن کی آمد کی اطلاع دی۔ سوامی جی نے اُن کی خیر و عافیت

پوچھ کر اُنہیں عزت سے مناسب جگہ پر بٹھایا۔ مضمون
مباحثہ مورتی پوجا تھا۔ مگر ہلدھر اوجھا چونکہ تانترک تھا۔
اس لئے اُس نے پہلے شراب خوری پر بحث شروع
کر دی۔ اور اپنے حق میں ایک منتر پڑھا۔ جس کا
ترجمہ یہ کیا۔ کہ یگیہ میں شراب پیو۔ سوامی جی نے
فرمایا۔ کہ وہاں سوم رس کا ذکر ہے۔ نہ کہ شراب کا۔
تب ہلدھر نے سوامی جی سے سنیاسی کے لکشن
(اوصاف) دریافت کئے۔ سوامی جی نے سنیاسی کے
لکشن بتا کر پوچھا اب آپ براہمن کے لکشن بتائیے۔
ہلدھر نے اِدھر اُدھر کی باتیں شروع کر دیں۔ سوامی جی
نے کہا۔ آپ پرکرن (مضمون) سے باہر کیوں جاتے
ہیں۔ اوجھا نے جھٹ کہا۔ یہ آپ بار بار پرکرن لفظ
بول رہے ہیں۔ یہ تو کہئے۔ یہ لفظ بنتا کیسے ہے؟
مہاراج نے فرمایا۔ یہ لفظ کری دھاتو سے لُٹ کرنے
پر بنتا ہے۔ اوجھا نے دوسرا سوال کیا۔ کری دھاتو
اسمرتھ ہے۔ یا سمرتھ؟ سوامی جی نے کہا سمرتھ۔
پھر پوچھا سمرتھ کسے کہتے ہیں۔ سوامی جی نے اس کا
بھی جواب دیا۔ اور مہا بھاشیہ کا حوالہ دے کر اُس
نے کہا۔ یہ لفظ آپ کی سنسکرت ہے۔ مہا بھاشیہ کی
نہیں۔ سوامی جی نے پنڈت برج کشور کو اشارہ
کیا۔ اُنہوں نے فوراً مہا بھاشیہ کھول کر اُس میں سے

یہ لفظ * کھا دیا - اب اوجھا صاحب نے نیا پہلو بدلا
اور کہا میں اسے نہیں مانتا - کیونکہ میں خود مہابھاشیہ
کے مصنف سے زیادہ قابلیت رکھتا ہوں - اس پر
سوامی جی نے جواب دیا - تم مہابھاشیہ کے مصنف
کے سامنے قطعی ناچیز و بے حقیقت ہو *
اس طرح رات کا ایک بج گیا - مباحثہ کے خاتمہ
پر فیصلہ ہوا - کہ اگر سمرتھ پدودھی کا سوتر ہر جگہ لگتا
ہو تو سوامی جی کی جیت سمجھی جاوے - اور اگر ایک
جگہ لگے تو بلدھر کی - دوسرے دن لالہ جگن ناتھ اور
لالہ منی لال نے سوامی جی سے کہا کہ رات کو جاتے
وقت تمام پنڈت کہ رہے تھے - کہ بلدھر کا خیال
درست تھا - سوامی جی فضول اڑتے ہیں - اگر وہ سوتر
ہر جگہ نہ لگتا ہو - تو آپ ہم سے کہ دیں - ہم اس
مباحثہ کو روک دینگے - یہ سُن کر سوامی جی نے
جوش سے کہا - کہ اگر تم اُسے آج نہ لے آئے -
تو تمہیں گئو مارنے کا پاپ لگیگا - اور اگر وہ نہ
آئے تو اُسے بھی گئو مارنے کا پاپ لگیگا - چنانچہ
دوسرے دن رات کو پھر سبھا آراستہ ہوئی - مہاراج
آکر چٹائی پر بیٹھ گئے - سب سے اول سوامی جی
نے پہلی رات کے فیصلے کا اعلان کیا - اور پنڈتوں
نے تو تصدیق کر دی مگر بلدھر اوجھا خاموش رہا -

کچھ لوگ شور و شر برپا کرنا چاہتے تھے۔ مگر سوامی جی نے کہا۔ جو شور کریگا۔ اُسے باہر نکال دیا جائیگا اس پر لوگ خاموش ہو گئے۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ پنڈت ہلدھر! ہم تو سنیاسی ہیں۔ ہار گئے۔ تو کیا اور جیت گئے تو کیا۔ مگر تم دُنیا دار ہو۔ ہار گئے۔ تو بہت نقصان میں رہو گے۔ لیکن پنڈت ہلدھر یہی کہتا رہا۔ کہ میرا ہار جانا ناممکن ہے میں بالکل راستی پر ہوں ٭

رات چاندنی تھی۔ اس لئے پہلے چراغ نہ جلایا گیا تھا۔ مہاراج نے برج کشور سے کہا۔ کہ چراغ جلا دو اور مہا بھاشیہ لے آؤ۔ وہ فوراً لے آئے۔ سوامی جی نے مہا بھاشیہ کھول کر وہ سوتر ہر جگہ لگا کر دکھا دیا۔ یہ دیکھ کر ہلدھر چپ ہو گیا ٭

کچھ پنڈت درمیان میں دوسرا تذکرہ چھیڑنا چاہتے تھے۔ مگر سوامی جی نے باآواز بلند کہا۔ پہلے فیصلہ کریجئے کہ کون جیتا اور کون ہارا۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ مجلس میں سناٹا چھا گیا۔ لالہ جگن ناتھ نے کہا۔ آپ لوگ بولتے کیوں نہیں۔ جو سچ ہے وہ کہہ دیجئے۔ اس پر پنڈتوں نے کہا۔ ہلدھر اوجھا ہار گئے ٭

یہ فیصلہ سُنتے ہی ہلدھر پر جیسے بجلی گر پڑی۔ اُس کا دل ٹوٹ گیا۔ غرور نے گردن جھکا دی۔ اُسے

اس شکست کا ایسا احساس ہوا - کہ بے ہوش ہو کر گرنے لگا - تب لوگوں نے اُسے تھام لیا - اور باہر لے گئے - اُس دن لوگ بھی زیادہ آئے تھے - سوامی جی کی اس فتح سے سب دنگ رہ گئے - اُن کی قابلیت کا سکّہ ہر قلب پر بیٹھ گیا - اُن کی پُر زور تقریر، حیران کر دینے والی عقل، اور نا قابل تردید دلیلوں نے سب پر رعب طاری کر دیا - اور اُن کے دل کی گہرائیوں سے مہاراج کے لئے تعریف کی گونج پیدا ہوئی - ہلدھر چلا گیا - مگر سبھا منتشر نہ ہوئی - اُسی طرح بات چیت ہوتی رہی - یہاں تک کہ صبح ہو گئی - تب لوگ اُٹھے اور سوامی جی کو نمسکار کر کے چلے گئے ٭

یہ وہ زمانہ تھا - جب امیر لوگ بازاری عورتیں رکھنا شان امارت سمجھتے تھے - اس فعل سے اُنہیں حیا نہ آتی تھی - نہ برادری کا خوف تھا - امیر لوگ کُھلم کُھلا بازاری عورتوں کو ساتھ لئے پھرتے تھے - اور اُن سے کوئی پوچھنے والا نہ تھا - کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں - سوامی جی نے اپنی پوری قوّت سے اس تباہ کن رسم کے خلاف آواز بلند کی - اِس آواز میں زور تھا، دلیلوں میں سحر - بُڈھے اور نوجوانوں پر اثر ہونے لگا - کئی لوگ اس گناہ

کے کیچڑ سے باہر نکل گئے۔ اور اس گناہ کے خلاف جذبہ پیدا ہو گیا۔ ہوتے ہوتے یہ خبر نزدیک و دُور مشہور ہو گئی کہ بازاری عورتوں کے فریب کے جال سے بچانے کے لئے، اُن کے داؤ پیچ سے نکالنے کے لئے سوامی دیانند کے اپدیش موہنی منتر کا سا اثر رکھتے ہیں +

سیٹھ پنا لال سوامی جی کے عقیدت مندوں سے تھے۔ اُن سے ایک معزز آدمی نے کہا۔ کہ اگر آپ سوامی جی سے کہکر میرے بیٹے کی اصلاح کرا دیں تو میں آپ کا شکر گزار ہُونگا۔ اس سے میرا خاندان بچ جائیگا۔" وہ لڑکا بہت آوارہ ہو گیا تھا۔ اپنی زمینداری کی طرف مطلقاً توجہ نہ دیتا تھا۔ ہر روز رنڈیوں کے ساتھ باغ کی سیر کو جاتا۔ اور رات کو اُنہیں کے ہاں پڑا رہتا۔ سیٹھ پنا لال نے یہ تمام حالات سوامی جی کے سامنے عرض کئے۔ کہا۔ کہ اگر اُسے میرے پاس لے آؤ۔ تو میں کوشش کروں۔ خیال ہے کہ اُسے ہوش آجائیگا۔ سیٹھ پنا لال نے گھر جا کر دو شریف لڑکوں سے کہا کہ تم کسی طرح اُس بدمعاش کو سوامی جی کے پاس لے چلو۔ اُن سے اور اُس بدمعاش لڑکے سے پہلے بھی صاحب سلامت تھی۔ دو چار ہی دن کی ملاقات سے تعلقات زیادہ عمدہ ہو گئے۔ جب موقع دیکھتے۔ اس سے

کہتے - سوامی جی بڑے قابل آدمی ہیں - نہ کسی سے کچھ لیتے ہیں - نہ جھگڑتے ہیں - بے حد مطمئن مزاج ہیں - اُن کے الفاظ میں مٹھاس ہے، دلیلوں میں زور - یقیناً ایسا سادھو آج تک اس شہر میں کبھی نہ آیا تھا +

جس طرح چمپا کے پھولوں کی رگڑ سے تیل میں بھی خوشبو بھر جاتی ہے - اسی طرح اُن نیک دل نوجوانوں کی صحبت نے اُس ذلیل لڑکے کے دل میں بھی سوامی جی کے لئے عقیدت کا جذبہ پیدا کر دیا - چنانچہ ایک دن تینوں سوامی جی کی خدمت با برکت میں حاضر ہوئے اور نمسکار کر کے بیٹھ گئے +

سوامی جی نے اپنی محبت بھری آنکھوں کی پاکیزہ روشنی سے نوجوانوں کے چہروں کو منوّر کرتے ہوئے کہا " نوجوانو! ویسے تو عیب سبھی بُرے ہیں - مگر بازاری عورت تو سب سے زیادہ تباہی آور ہے - اسی عیب سے شراب خوری کا چسکہ پڑتا ہے - شریفانہ لباس، شریفانہ بول چال اور شریفانہ عادات رخصت ہو جاتی ہیں - خاندان بدنام ہو جاتا ہے - دن رات ناچ رنگ میں مشغول رہنے سے عقل پر پردہ پڑ جاتا ہے - جو ایسا گنہگار ہوتا ہے - اُس سے کرم دھرم دور بھاگتا ہے - رنڈیاں اپنے شکار کے دل کو جھوٹی محبت سے، جھوٹی باتوں سے

مستی میں لئے رہتی ہیں۔ اور اُن کی خواہشات کو ہر وقت بھڑکاتے رکھتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ تھوڑے ہی عرصہ میں اُن کا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ اُن میں طاقت نہیں رہتی۔ رنڈی کا پیار غرض کا پیار ہے۔ غرض پوری ہو چکتی ہے۔ تو پھر وہ اُس سے بات کرنے کی بھی روادار نہیں ہوتی۔ جو اس گناہ کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں۔ اُن کے گھر میں چالچلن کی پاکیزگی نہیں رہتی۔ اُن کا خاندان برباد ہو جاتا ہے۔ اور اگر برباد نہ ہو تو اُن کی اولاد کا نیک چلن ہونا بے حد مشکل ہو جاتا ہے"۔

مہاراج نے پھر پوچھا "اچھا بھئی! یہ بتاؤ۔ کہ رنڈی کے ہاں اگر لڑکی پیدا ہو تو وہ کس کی لڑکی ہوگی؟" نوجوانوں نے جواب دیا۔ رنڈی باز کی۔ پھر پوچھا۔ اور وہ جوان ہو کر کیا کریگی۔ جواب دیا۔ کرنا کیا ہے۔ بازار میں بیٹھ کر پیشہ کریگی۔ تب مہاراج نے دل کو پکڑ لینے والے الفاظ میں کہا "دیکھو! دُنیا میں ایسا کوئی آدمی نہیں۔ جو یہ برداشت کر سکے کہ اُس کی بیٹی بازار میں بیٹھے۔ اور پیسہ پیسہ کے لئے بے حیائی کا ناچ ناچتی پھرے۔ مگر رنڈی بازوں میں یہ رگ حمیت باقی نہیں رہتی۔ اُن کی بیٹیاں بازاروں میں بیٹھتی ہیں۔ اور اُن کو شرم نہیں آتی۔

ذرا سوچو۔ یہ فعل کس قدر قابل ملامت ہے"+
یہ باتیں سُن کر اُس نوجوان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دل دہل گیا۔ سارے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ آہستہ سے بولا۔ مہاراج! واقعی آپ کا فرمانا بجا ہے۔ رنڈی بازی بے حد قابلِ اعتراض ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے سوامی جی کے پاؤں چھو کر عہد کیا۔ کہ آج سے یہ بد عادت چھوڑتا ہوں۔ اب میں کسی رنڈی کے پاس نہ جاؤنگا۔ اور جنہیں رکھ چکا ہوں۔ اُنہیں چھوڑ دونگا +

سوامی جی نے اُسے آشیرباد دی اور کہا "اے نوجوان! پرماتما کرے۔ تو نیکی کے رستے پر چلے۔ اور تیرا آج کا متبرک عہد ہمیشہ قائم رہے" اُس نوجوان نے اپنی نئی زندگی کے جنم داتا کے پیروں کو پھر دوبارہ ہاتھ لگایا۔ اور پھر اپنے دوستوں کے گھر چلا گیا۔ اس کے بعد وہ بالکل سُدھر گیا اور سوامی جی کا عقیدت مند ہم خیال بنا۔ سوامی جی کو پرچار کے کام میں بھی اُس نے بہت امداد دی۔ اس قسم کے واقعات سے بازاری عورتوں میں تہلکہ مچ گیا۔ چنانچہ ایک دن وہ اُن کے اُپدیش میں بھی یہ دیکھنے آئیں۔ کہ وہ کون آدمی ہے۔ جو ہمارے پنجہ سے پرندوں کو نکال کر ہماری روزی بند کر رہا ہے +

آپ سے متعلق یہ مشہور تھا۔ کہ آپ کامل یوگی ہیں۔ اور روحانیت میں بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ ساری ساری رات سمادھی میں بیٹھے رہتے تھے۔

ایک دن گڑھی کے نواب نے پوچھا۔ کیوں مہاراج! کوئی ایسا علم بھی ہے جس سے دور کی اشیاء کے حالات معلوم ہو جائیں؟ جواب دیا۔ "یوگی لوگ ایسی باتوں کی کبھی پروا نہیں کرتے۔ اُن کے سامنے جو مقصود ہے۔ وہ اُسی کا خیال رکھتے ہیں۔ اور یہ مقصود پرماتما کا علم حاصل کرنا ہے۔" یہ سن کر نواب صاحب مطمئن ہو گئے۔

فرخ آباد میں لالہ بنسی لال ایک معزز آدمی تھے۔ اُنہوں نے ایک شوالہ بنایا تھا اور اُس میں شو جی کی مورتی نصب کرنے کو تھے۔ اس اثنا میں سوامی جی کے اُپدیش سننے کا موقع ملا۔ تو اُن کے خیالات تبدیل ہو گئے۔ مورتی پوجا خلاف وید نظر آنے لگی۔ اُدھر سوامی جی پاٹھشالہ جاری کرنے کی کوششیں فرما رہے تھے۔ بنسی لال نے سوامی جی سے عرض کیا۔ کہ آپ اس مندر میں پاٹھشالہ کھول دیں۔ پس پاٹھشالہ جاری کر دی گئی۔ اور اس میں پچاس ایک کے قریب ودیارتھی داخل ہوئے۔ سب اشٹادھیائی پڑھنے لگے۔ مہاشہ درگا پرساد کی نئی زندگی کے متحرک اور موجب

سوامی جی تھے۔ اس لئے وہ ان کے اس کام میں مددگار بنے۔ اُنہوں نے ودیارتھیوں کے کھانے اور لباس کے انتظامات اپنے ذمے لئے۔ پنڈت برج کشور استاد مقرر ہوئے۔ ان کی تنخواہ کے تین روپے ماہوار کا بار لالہ پنا لال جی نے اپنے سر لے لیا۔ سوامی جی نے اسی مقام پر جرمنی سے چاروں ویدوں کی ایک ایک کاپی منگوائی ؂

ایک دن سوامی جی گنگا میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ کچھ لڑکوں نے اُنہیں دیکھ کر کہا۔ کیسا موٹا آدمی ہے۔ یہ کہ کر اُنہوں نے گیلی ریت کے گولے بنا کر سوامی جی کو مارنا شروع کیا۔ مہاراج بہت دیر تک لڑکوں کا تختۂ مشق بنے رہے۔ مگر جب ریت کے ذرّے آنکھوں میں پڑنے لگے۔ تو اُٹھ کر چلے گئے ؂

ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ سوامی جی کی جسمانی طاقت کا شہرہ سُن کر بہت سے پہلوان اُنہیں دیکھنے آئے۔ اُس وقت سوامی جی نہا کر آ رہے تھے۔ مہاراج نے اپنے دائیں ہاتھ سے کوپین پکڑ کر اُسے نچوڑا۔ اور پھر پہلوانوں سے کہا۔ اگر آپ میں سے کسی کو طاقتور ہونے کا شبہ ہو۔ تو اس میں سے پانی کی ایک بوند بھی نکال کر دکھا دے۔ اُن سب نے اپنی اپنی طرف سے انتہائی کوشش کی۔ مگر پانی کی ایک بوند بھی نہ نکلی ؂

مہاراج میں معاف کر دینے کا مادّہ بدرجۂ اتم موجود تھا۔ کوئی اُنہیں کتنا ہی سخت سست کہتا۔ وہ اُسے بھول جاتے تھے۔ ایسی باتیں کبھی اپنے دل میں نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک دن کا ذکر ہے کہ وہ باہر گھومنے جا رہے تھے۔ کہ رستہ میں اُنہیں ایک آدمی نے گالیاں دیں اور کہا تو عیسائیوں کا ملازم ہے۔ اور ہمیں کرسٹان بنانا چاہتا ہے۔ سوامی جی اُس کی لاعلمی پہ مسکراتے رہے۔ اور گھوم کر اپنے ڈیرے کو واپس آ گئے۔ اب اُس بد زبان آدمی نے سوچا۔ کہ چلو سوامی جی کی جگہ پر چل کر اُنہیں کھری سناؤ۔ ہر چند کہ وہ سوامی جی سے بڑی گستاخی سے پیش آیا تھا مگر سوامی جی نے اُسے آتے دیکھا۔ تو بڑی عزت سے کہا۔ آئیے، بیٹھئے۔ وہ آدمی اگرچہ سنگ دل تھا۔ اور محض سوامی جی کو تنگ کرنے کی نیت سے آیا تھا۔ مگر سوامی جی کی معاف کر دینے والی طبیعت سے، حُسن سلوک اور شیریں بیانی سے اُس کا دل موم ہو گیا۔ اور طبیعت پر بے حد اثر ہوا۔ اُس نے سوامی جی کے پیروں میں گر کر آنسو بہائے۔ اور معافی کا طلبگار ہوا۔ سوامی جی نے اُسے تسلی دی۔ اور کہا۔ کہ الفاظ ہوا سے پیدا ہو کر ہوا میں غائب ہو جاتے ہیں۔ تمہارے الفاظ بھی ہوا میں غائب ہو چکے ہیں۔ وہ میرے پاس

نہیں ہیں۔ نہ اُن سے مجھے کسی قسم کا نقصان پہنچا ہے۔ کیونکہ میں نے اُنہیں اپنے دل کو چھونے کی اجازت نہیں دی تھی +

سوامی جی کی آمد سے پیشتر بہت سے نوجوان عیسائی ہو چلے تھے۔ مگر جب سوامی جی نے آ کر عیسائیت کے پول کھولے۔ تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔ اور اُنہوں نے پادریوں سے صاف صاف کہ دیا۔ کہ اب ہمیں آپ کے مذہب میں ایسی کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ کہ ہم اپنے مذہب کو خیرباد کہ کر آپ کے خیالات قبول کریں۔ اس طرح نوجوانوں کے عیسائی نہ ہونے سے لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔ اور وہ سوامی جی کی تعریف کرنے لگے۔ مگر ایسے آدمیوں کی بھی کمی نہ تھی۔ جن کا کرم دھرم صرف پیٹ پوجا تک محدود تھا۔ وہ ہر وقت اس کوشش میں لگے رہتے تھے۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ سوامی جی کو بدنام کیا جائے۔ چنانچہ وہ ہر جگہ کہتے پھرتے تھے۔ کہ یہ عیسائی ہے، عیسائیوں کا ملازم ہے۔ سنیاسی کے لباس میں لوگوں کو کرانی بنانے آیا ہے۔ کئی نیک آدمی محض اس وجہ سے سوامی جی کے درشنوں سے محروم رہے۔ کیونکہ وہ اپنے پیٹ پوجاری پروہتوں کی سازشوں کو نہ سمجھ سکتے تھے۔ اُسی زمانہ میں ایک سروریا پنڈت فرخ آباد آیا۔

اُس سے ایک اور پنڈت نے کہا۔ کہ بہت سے لوگوں کا خیال ہے۔ کہ دیانند عیسائیوں کا آدمی ہے۔ چلو کسی وقت اُس کے پاس چل کر اس سے متعلق فیصلہ کریں۔ چنانچہ رات کے دو بجے وہ سوامی جی کو ملنے کی خاطر چلے۔ اس وقت وہ آسن جمائے بیٹھے تھے۔ سرور یا پنڈت سے اور سوامی جی سے دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ گیان دھیان کے دفتر کھل گئے۔ چلتے وقت اُس نے کہا۔ مہاراج ہم نے سُنا تو یہ تھا۔ کہ آپ پادریوں کے آدمی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ دھرم کے اوتار ہیں۔ اور دوسرے ہی دن اُنہوں نے لوگوں سے کہنا شروع کر دیا کہ ایسا پنڈت سارے ہندوستان میں نہ ہوگا۔ اِنہوں نے مجھے ایسے نکتے سمجھائے کہ میں دنگ رہ گیا ہوں۔ جو کچھ کہتے ہیں درست کہتے ہیں ؂

چودھواں باب

فرخ آباد سے چل کر سوامی جی دو دن تک رام پور میں ٹھیرے۔ اور وہاں سے جلال آباد آئے۔ یہاں آپ نے ایک اُجڑے ہوئے باغ میں ڈیرہ لگا دیا۔ مگر جب گیا پرشاد شکل کو آپ کے آنے کی اطلاع ہوئی تو وہ آپ کو اصرار کے بعد سری داس اداسی کی کٹیا میں لے گئے۔ بچھونے کے لئے بہت کہا گیا۔ مگر مہاراج نے منظور نہ کیا۔ رات کو اینٹ کا سرہانہ رکھ کر سو گئے*

جون ۱۸۶۹ء کے آخر میں سوامی جی قنوج پہنچے۔ وہاں ہریشچندر نامی ایک مشہور پنڈت تھا۔ اس نے سوامی جی سے مہابھاشیہ وغیرہ گرامر کی کتابوں سے متعلق گفتگو کی۔ اس گفتگو کے دوران میں سوامی جی نے جو جو حوالجات پیش کئے۔ وہ زبانی تھے۔ لوگ اُن کی قوتِ حافظہ پر عش عش کرتے تھے۔ مہاراج نے ہریشچندر سے کہا۔ پنچ یگیہ کیا کرو۔ ہریشچندر نے جواب دیا۔ مورتی پوجا نیک چلنی ہے۔ سوامی جی نے اس خیال کو رد کر دیا۔ اور ثابت کر دکھایا۔ کہ نیک چلنی یہ ہے۔ کہ آدمی پنچ مہایگیہ کیا کرے۔ مہاراج نے مذاق

کے طور پر یہ بھی کہا۔ کہ آپ کا نام بھی عمدہ نہیں۔ ہری کے دو معنی ہیں۔ ایک بندر دوسرے چور۔ افسوس کہ ہمارے لوگوں کو اچھے نام رکھنے کی بھی تمیز نہیں۔ ایک اور براہمن کا نام گیا دہن تھا۔ اُس سے فرمایا۔ تمارا نام بھی بھونڈا سا ہے۔ بھلا جس کا دہن (دھرم) چلا گیا۔ اُس کا باقی کیا بچا۔ یہ کہکر مہاراج نے آریہ نام رکھنے پر ایک عالمانہ تقریر کی ؞

رام پرساد نامی ایک شخص کے استفسار پر کہا۔ کہ کائستھ ویش ہیں۔ اپنے کو چترگپت کی نسل سے کہتے ہیں۔ اور گپت وہی ہیں۔ جو ویش ہوں۔ مگر آج کل یہ لوگ گوشت خوری کے عادی ہو گئے ہیں۔ یہ بد عادت ترک کر دیں۔ تو بہت جلد ترقی کریں ؞

قنوج کا ایک بدچلن آدمی مہاراج سے متعلق بڑے خیالات دوڑاتا رہا۔ اور عوام میں یہ ڈینگ بھی مارتا رہا۔ کہ میں سوامی جی کو قتل کر دُونگا۔ مگر اُسے کبھی سوامی جی کے سامنے آنے کا حوصلہ تک نہیں ہُوا ؞

برسات کے آغاز میں۔ سوامی جی داخل کانپور ہُوئے۔ اور گنگا کے کنارے بھیرو کے مندر کے قریب درگاہی لال کی سرائے میں ٹھیرے۔ یہاں آتے ہی آپ نے اُپدیشوں کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور متلاشیان حق کے لئے جا بجا اشتہارات چسپاں کروا دئے۔ یہ اشتہارات سنسکرت

میں تھے۔ اور ان میں چار وید، چار اُپ وید۔ چھ انگ۔ دس اُپنشد برہم سوتر، کاتیاٸن سوتر، یوگ بھاشیہ۔ واکو واکیہ منوسمرتی اور مہابھارت آریہ گرنتھ تسلیم کئے۔ ساتھ ہی یہ بھی لکھ دیا۔ کہ ان میں سے بھی اگر کسی کتاب میں کوئی بات خلافِ وید ہوگی۔ تو اُسے نہ مانا جائیگا۔ ساتھ ہی آٹھ غلط بیانیوں کا اور حسب ذیل آٹھ صداقتوں کا ذکر تھا:-

۱ متذکرہ بالا کتب رگوید سے لے کر مہابھارت تک مظہر صداقت ہیں ÷

۲۔ برہمچریہ کے زمانہ میں گورو کی سیوا کرنا چاہیئے۔ اور دھرم پر چلتے ہوئے تعلیم حاصل کرنا چاہیئے ÷

۳۔ ویدوں کے مطابق جو ورن آشرم ہے۔ اُس کے بموجب سندھیا وغیرہ اور اگنی ہوتر کرنا چاہیئے ÷

۴۔ خانہ داری کے جو اُصول دھرم شاستروں میں بیان کئے گئے ہیں اُنہی پر عمل کرنا چاہیئے ÷

۵۔ شم۔ دم تپ کو اختیار کرنا اور یم وغیرہ سے لے کر سمادھی تک عمل کرنا چاہیئے ÷

۶۔ وچار۔ گیان۔ ویراگ۔ علم کا حاصل کرنا اور سنیاس دھرم میں داخل ہونے کے بعد تمام افعال کے نتیجہ سے بے نیاز ہو جانا انسب ہے ÷

۷۔ جنم موت۔ مسرت و غم۔ نفس۔ غصہ حرص۔ محبت۔

اور غرور یہ سب تباہی آور ہیں - ان سب کو ترک کر دینا چاہیئے ۔

۸- جہالت - غیر مساویت - بغض و حسد سے اور تم - رج اور ستوگنوں سے پرے ہو کر نجات حاصل کرنا ہی انسانی زندگی کا مقصد اولے ہے ۔

سوامی جی کی تقریروں سے اور ان اشتہارات سے کانپور کے طول و عرض میں شور مچ گیا - جو عقیدت مند تھے - اُن کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے - مگر جو لکیر کے فقیر تھے - وہ حسد سے پھنکے جاتے تھے - اُن کا سرغنہ اس زمانہ میں سوامی برمھانند سرسوتی تھا - وہ جگہ بہ جگہ کہتا پھرتا تھا - کہ دیانند کے پاس نہ جاؤ - وہ ناستک ہے - ویدوں کا مخالف ہے - عیسائی ہے - لوگوں کو کرشٹان بنانے آیا ہے - اُس کا منہ دیکھنا بھی پاپ ہے - اُسے گھاٹ سے نکال دینا چاہیئے - چنانچہ ایک دِن کچھ براہمنوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس آیا - مگر گالیاں دینے کے سوائے اُس سے کچھ اور نہ ہو سکا - برمھانند کے علاوہ دو اور معزز آدمی پریاگ نارائن اور گورو پرساد بھی سوامی جی کی مخالفت میں کھڑے ہو گئے اس کا باعث یہ تھا - کہ ان دونو معززین نے بیکنٹھ (بہشت) اور کیلاش نام کے دو مندر بنوائے تھے - جب ان کی مہاراج سے ملاقات ہوئی - تو مہاراج نے

سوال کیا۔ کہ آپ نے ان دو مندروں پر لاکھوں روپے خرچ کر دیئے۔ مگر یہ تو کہئے۔ ان سے حاصل کیا ہوا۔ غیر مستحق آدمیوں کو کھلا پلا کر، اینٹ پتھروں پر صرف کرکے آپ نے اس قدر رقم برباد کر دی۔ کاش یہ روپیہ قوم و ملک کی بہتری کے لئے خرچ کیا جاتا۔ قنوجی براہمنوں کے ہاں تیس تیس سال کی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہیں۔ اگر ان کے بیاہ کر دیتے یا بچوں کے لئے پاٹھشالے کھلوا دیتے۔ تو کچھ فائدہ ہوتا۔ ملک میں دستکاری کا قحط ہے۔ اگر آپ اس روپیہ سے کوئی کارخانہ کھول دیتے۔ تو آپ کے اہل وطن میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی طاقت پیدا ہوتی ؀

ان امیروں کو ایسی کھری کھری باتیں اور وہ بھی منہ پر سننے کی عادت نہ تھی۔ سوامی جی سے خفا ہو کر برھمانند سے جا ملے اور سوامی جی سے مباحثہ کرانے کو تیار ہوئے۔ ہلدھر اوجھا کے ساتھ بات چیت ہونے لگی آخر ۲۱ جولائی ۱۸۶۹ء کو لچھمن شاستری اور ہلدھر اوجھا مباحثہ کو تیار ہو گئے۔ سارے شہر میں شور مچ گیا۔ کہ آج غضب کا مباحثہ ہوگا۔ بھیرو گھاٹ پر دریاں بچھ گئیں۔ شہر کے سیٹھ ساہوکار آ کر جمع ہونے لگے۔ مباحثہ کا وقت ہوا۔ تو وہاں پچیس ہزار آدمیوں کا ہجوم تھا۔ کئی سرکاری حکام بھی موجود تھے۔ جن میں

ڈپٹی کلکٹر مسٹر تھبن خصوصیت سے قابل ذکر تھے۔ یہ صاحب سنسکرت کے بھی اچھے پنڈت تھے۔ اتفاق رائے سے اُن کو مدھیسٹ (جج) مقرر کیا گیا ؛

دو بجے مباحثہ شروع ہوا۔ ہلدھر نے اُٹھتے ہی کہا۔ سوامی جی! آپ نے اپنے اشتہار میں "گیتم" لکھا ہے۔ قواعد کی رو سے یہ غلط ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ اس وقت تم اصل مضمون مورتی پوجا شروع کرو۔ دیاکرن کی غلطیوں پر مباحثہ کرنا طالب علموں کا کام ہے۔ ہزاروں آدمی جمع ہیں۔ ان کا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ "گیتم" سے متعلق اگر کچھ شبہ ہو تو میرے پاس آ جانا۔ مدلل طور پر ثابت کر دونگا۔ کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ وہی درست ہے ؛

ہلدھر نے پھر پوچھا۔ آپ مہابھارت کو مانتے ہیں۔ جواب دیا۔ ہاں مانتے ہیں۔ ہلدھر اوجھا نے ایک شلوک مہابھارت سے پڑھ کر اُس کا ترجمہ یہ کیا۔ کہ ایک لوہ بھیل نے درنا چاریہ کی مورتی سامنے رکھ کر تیر اندازی کی تعلیم حاصل کی تھی۔ اس پر سوامی جی نے کہا۔ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ وید شاستروں میں مورتی پوجا کی اجازت نہیں ہے۔ مہابھارت میں صرف یہ لکھا ہے۔ کہ ایک بھیل نے ایسا کیا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اُس کو اس فعل کی اجازت کس نے دی تھی ؛

پا گیا وہ کوئی رشی یا منی تھا۔ کہ ہم اُس کے فعل کو اہمیت دیں۔ ایک لوہ نشانہ بازی کی مشق کرتا تھا۔ جس طرح انگریز لوگ، چاند ماری کرتے ہیں۔ پوجا کرنے کے لئے مورتی اُس بھیل نے بھی نہ بنائی تھی۔ اگر یہ کہو کہ مورتی پاس رکھنے ہی کے باعث وہ تیر انداز بن گیا تھا۔ تو یہ بھی غلط ہے۔ تیر اندازی کے فن میں ماہر ہونے کا راز اُس کی مسلسل کوشش اور محنت کرتے رہنا تھا +

یہ جواب سُن کر پلدھر اوجھا کچھ دیر تو خاموش رہا۔ پھر بولا۔ اگر ویدوں میں مورتی پوجا کی اجازت نہیں ہے تو اسے قابل اعتراض کہاں ٹھیرایا گیا ہے۔ سوامی جی نے کڑک کر کہا۔ کہ جب کوئی آدمی اپنے ملازم سے یہ کہتا ہے کہ تم مغرب کی طرف جاؤ تو اس کا مطلب صاف ہے۔ کہ اُس نے باقی تین اطراف میں جانے کی ممانعت کر دی ہے۔ ساتھ ہی وید منتروں کے حوالوں سے یہ بھی ثابت کر دیا۔ کہ پرماتما نراکار (بغیر جسم کے) سروتر (حاضر و ناظر) اور اَمورت (جس کی کوئی شکل نہ ہو) ہے۔ سوامی جی نے بڑے زور سے کہا۔ اگر ہمت ہے۔ تو وید کا ایک منتر ہی لائیے۔ جس میں مورتی پوجا کی اجازت ہو۔ مگر اوجھا صاحب کی زبان نہ کھلی +

اس پر لچھمن شاستری نے کہا۔ سوامی جی اشاستر میں حکم ہے۔ کہ گورو۔ دیوتا۔ راجا اور کوڑھی کے سایہ پر سے پھلانگ کر نہ گزرنا چاہئے۔ مگر دوسری جگہ یہ بھی لکھا ہے۔ کہ دیوتا کا سایہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا اس جگہ دیوتا کے معنی مورتی کے ہیں۔

شری سوامی جی نے جواب دیا۔ آپ نے جو کہا ہے کہ دیوتا کا سایہ نہیں ہوتا۔ یہ غلط ہے۔ زمانہ قدیم میں جب کشتری لوگ یجیہ کیا کرتے تھے۔ تو اُن میں دیوتا اکثر شریک ہوا کرتے تھے۔ اور راکششوں سے اور اُن سے اکثر لڑائیاں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ اُن میں دیوتا بھی ہلاک ہوتے تھے۔ وہاں اُن کے کھانے پینے کا بھی بیان ہے۔ ایسی حالت میں یہ صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ دیوتا مجسم تھے۔ اب یہ ناممکن ہے کہ کسی مجسم چیز کا سایہ نہ ہو۔ اس لئے دھرم شاستروں میں جو یہ حکم ہے۔ کہ دیوتاؤں کے سایہ پر سے پھلانگ کر نہ گزرنا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ یجیہ وغیرہ میں اُن کی توہین نہ کی جائے۔

اب پھر اوجھا صاحب نے سوامی جی کی بات کاٹ کر کہا۔ اگر مادی اشیاء میں دیوتو (دیوتاؤں کی خصلت)

نہیں ہے۔ تو ہون کے وقت آگ میں آہوتی کیوں دی جاتی ہے۔ پانی میں کیوں نہیں دی جاتی؟ اس کے جواب میں مہاراج نے فرمایا۔ تتو (عنصر) پانچ ہیں مگر ان میں سے ایک آگ ہی ایسی چیز ہے جس میں جو کچھ ڈالا جائے۔ وہ بھسم ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہون کے وقت آگ میں آہوتی دی جاتی ہے۔ وید کا بھی یہی فرمان ہے۔ مگر دیو پوجا اور مورتی پوجا میں تو کوئی تعلق نہیں۔ کیا کسی جگہ مورتی کو دیو کہا گیا ہے؟

لچھمن شاستری بولے۔ پرماتما ہر جگہ موجود ہے۔ اس لئے مورتی میں بھی ہے تو آپ مورتی پوجا کو برا کیوں کہتے ہیں؟ ارشاد فرمایا۔ جب پرماتما ہر جگہ ہے۔ تو پھر اسے مورتی میں خصوصیت سے کیوں بند کر دیا جائے۔ اور اس کی پوجا کی جائے۔ یہ جواب سن کر مخالف دنگ رہ گئے۔ کسی کی زبان سے کوئی بات نہ نکلی۔ اس وقت نفیس صاحب نے ہلدھر سے کچھ سوالات کئے پھر سوامی جی سے بات چیت کرتے رہے اور آخر میں سوامی جی کو نمسکار کر کے چلے گئے۔

سبھا میں بھونچال سا آگیا۔ لوگ اِدھر اُدھر منتشر ہونے لگے۔ بعض لوگوں نے سوامی جی پر اینٹیں بھی برسائیں۔ اتنے میں پریاگ نرائن تواری نے ایک روپے کے پیسے لے کر ہلدھر اوجھا کے سر سے نچھاور

کر کے لٹا دئے اور کہا۔ یہ کامیابی مبارک ہو۔ پھر کیا تھا
ہلدھر کی جے" گنگا مائی کی جے" کے نعرے چاروں
طرف گونجنے لگے۔ شعلہ طور اخبار میں بھی خبر شائع ہو گئی۔
کہ ہلدھر نے سوامی جی کو قائل کر دیا۔ یہ اخبار لے کر کچھ
آریہ سوامی جی کے پاس پہنچے۔ سوامی جی نے کہا۔ مباحثہ
کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ جھوٹ سچ کا فیصلہ کیا جائے۔
اگر وہ لوگ اس قسم کی باتوں پر اُتر آئے ہیں۔ تو
خوش ہو لیں۔ مجھے اس کی کیا پروا ہے ۔

سوامی جی کو پروا نہ تھی۔ مگر اُن کے بھگتوں کو
کب گوارا تھا کہ اس طرح کی غلط بات مشہور ہو جائے۔
اور وہ بیٹھے مُنہ دیکھتے رہیں۔ وہ اس اخبار کا پرچہ
لے کر ڈپٹی کلکٹر کے پاس چلے گئے۔ اور اُنہیں سارا
واقعہ بلا کم و کاست کہ سُنایا۔ تھبن صاحب نے اُنہیں
یہ تحریر لکھ کر دے دی :-

معزّز اصحاب! میری رائے ہے۔ کہ دوران مباحثہ
میں سوامی دیانند سرسوتی سنّیاسی نے فتح حاصل کی ہے
اُن کی دلائل ویدوں کے مطابق تھیں۔ اگر آپ اصحاب
کی خواہش ہو۔ تو میں اپنے فیصلہ کے حق میں ثبوت
بھی دے سکتا ہوں۔ آپ کا تھبن

یہ فیصلہ اشتہارات کی صورت میں شائع کرا کے شہر
میں چسپاں کرا دیا گیا۔ نیز اخبارات کو بھی بھیج دیا گیا۔

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ لوگ حقیقت حال سے آگاہ ہو گئے۔ اور اپنی اپنی مورتیاں پانی میں بہانے لگے۔ کہتے ہیں کہ اُس وقت کانپور کے ہندوؤں کی پچاس فی صدی آبادی سوامی جی کو سچائی پر ماننے لگ گئی تھی۔ اور مورتی پوجا وغیرہ سے متنفّر ہو چکی تھی ؛

سوامی جی کو ہلاس لینے کی عادت تھی۔ ایک آدمی نے پوچھا۔ کیا یہ بُرا نہیں ہے ؟ ارشاد فرمایا "اگر بہبودیٔ خلائق میں مصروف رہنے کی وجہ سے جسم میں خرابی پیدا ہو جائے۔ اور اُسے رفع کرنے کی غرض سے اس کا استعمال کیا جائے۔ تو کیا حرج ہے"۔ ایک اور مہاشہ گنگا سہائے نے سوال کیا۔ کہ مورتی پوجا میں کیا بُرائی ہے ؟ جواب دیا "ہمارا فرض یہ ہے۔ کہ ویدوں کے احکام پر عمل کریں۔ ویدوں میں مورتی پوجا کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے مورتی پوجا کرنے سے ویدوں کی نافرمانی ہوتی ہے۔ پُرانوں میں مورتی پوجا کا بیان آیا ہے۔ مگر یہ بیان لغو اور بے بنیاد ہے۔ بعض آدمی کہتے ہیں کہ مورتی پوجا میں کیا رکھا ہے۔ اصل میں اپنے خیال کا پھل ملتا ہے۔ یہ بات بھی عقل سے دُور ہے۔ اپنے خیال میں تم شہنشاہ عالم بنے رہو۔ مگر کون پروا کرتا ہے۔ خیال کی بنا کا صداقت پر

ہونا امر لازمی ہے۔

ایک صاحب رودراکش کی مالا پہنے تھے۔ مہاراج نے تبسم کرکے کہا۔ یہ گٹھلی سی گلے میں کیا پہنے پھرتے ہو۔ ایسی باتوں سے مکتی (نجات) نہ ہوگی۔ مکتی کی خواہش ہے۔ تو برہم گیان (علم الٰہی) حاصل کرو۔

ایک اور صاحب سے فرمایا۔ جو کچھ شو کی مورتی پر چڑھاتے ہو۔ اُسے وہ تو کھا بھی نہیں سکتی۔ اس سے تو یہی اچھا ہے۔ کہ وہ اشیا اونٹ کے سامنے جا رکھو۔ اُس کی بھوک ہی مٹیگی۔

ایک پورا ایک نے مہاراج سے لوٹا مانگا۔ سوال کیا کیا کروگے؟ جواب دیا۔ شو جی پر جل چڑھانا ہے۔ مہاراج نے پوچھا اپنے لوٹے سے کیوں نہیں چڑھاتے؟ اُس آدمی نے کہا۔ اس وقت پاس نہیں ہے۔ ہنس کر فرمایا۔ مُنہ تو ہے۔ پانی سے بھر بھر کر کُلیاں کرتے جاؤ۔ ایک دن مذاق کے طور پر کہا۔ براہمن لوگ نصف نصف منتر بتا کر گورو بن بیٹھتے ہیں۔ مگر ہم تو صفحوں کے صفحے سُناتے ہیں۔ کیا اب ہم گورو نہ بن جائینگے۔

جہاں سوامی جی رہتے تھے۔ وہ جگہ بھیرو کے مندر کے بہت قریب تھی۔ اُس سے متعلق عوام کئی قسم کے افسانے سُناتے تھے۔ کہتے تھے۔ یہ

بھیرو جو چاہے کر سکتا ہے۔ اُس نے کئی آدمیوں کو اپنی طاقت کے کرشمے دکھائے ہیں۔ ایک دن اِس نے پہرے داروں کو زمین پر پٹک دیا تھا۔ یہ کہانیاں سوامی جی نے بھی سُنیں اور کیا ہی خوب جواب دیا۔ کہ میں بھیرو کے سر پر بیٹھا دن رات اُس کی اور اُس کے ساتھی دیوتاؤں کی مذمت کرتا رہتا ہوں۔ اگر اُس میں ہمت ہے۔ تو مجھے اُٹھا کر پٹک دے۔ تو میں یہ کام ہمیشہ کے لئے ترک کر دوں ٭

ایک دن کا ذکر ہے کہ سوامی جی گنگا میں لیٹے پڑے تھے۔ اتنے میں ایک مگرمچھ اُن کے قریب نمودار ہوا۔ بھگت پیارے لال نے یہ دیکھا تو گھبرا گیا اور چلّا کر بولا۔ سوامی جی! پانی سے باہر آ جائیے۔ ایک مگرمچھ آپ کے پاس ہی نکلا ہے۔ مہاراج یہ سُن کر بھی نہ ہلے۔ اور بولے۔ میں اسے نقصان نہیں پہنچاتا۔ یہ مجھے نقصان نہ پہنچائے گا ٭

گنگا مندر کے پجاریوں کو لوگ گنگا پتر کہتے ہیں۔ ایک گنگا پتر سوامی جی کے پاس ہی رہتا تھا۔ اُس کا معمول تھا۔ کہ صبح اُٹھ اپنا نت کرم (روزانہ فرائض) کرتا۔ اور پھر سوامی جی کے سامنے آ کر اُن کو گالیاں سُنایا کرتا۔ یہ کام کئی دن تک جاری رہا۔ مگر سوامی جی نے اُسے بالکل کچھ نہ کہا ٭

سوامی جی کے بھگت شری سیوا میں آتے۔ تو لڈو پیڑے۔ بادام وغیرہ لے آتے۔ سوامی جی یہ تمام اشیاء لوگوں میں تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا۔ کہ کچھ چیزیں شام کے وقت تک بچ رہیں۔ سوامی جی سوچ رہے تھے۔ کہ یہ کسے دیں۔ اتنے میں وہی گنگا پتر پاس سے جاتا دکھائی دیا۔ سوامی جی نے بڑی محبت سے اُسے بلایا۔ اور وہ سب کچھ اُسے دے کر کہا۔ صبح آیا کرو۔ روز ایسی ایسی چیزیں ملینگی۔ چھ سات دن تک وہ شخص روزانہ آتا رہا۔ اور سوامی جی اُسے لڈو پیڑے دیتے رہے۔ مگر کبھی یہ ذکر نہیں آیا۔ کہ تم ہمیں گالیاں دیتے رہے ہو۔ اس سے اُس شخص کے دل پر بہت اثر ہوا۔ آخرکار وہ سوامی جی کے پاؤں میں گر پڑا۔ اور زار و قطار روتے روتے بولا۔ مہاراج اگر میری سنگدلی اور بدمزاجی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہے۔ تو آپ کی قوت برداشت اور رحمدلی کی بھی کوئی حد نہیں۔ آپ کی نیکیوں نے میری بدیوں کو جیت لیا ہے۔ مہربانی کر کے میرے تمام قصور معاف فرمایئے۔ مہاراج نے اُسے تسلی دی اور کہا۔ ہم نے تمہاری گالیوں کو حافظہ میں جگہ نہ دی تھی۔ تم بھی اب اُن گئی گزری باتوں کو بھلا دو ؛

مہاراج اعلےٰ طبقہ کے سنیاسی تھے۔ کانپور میں اُن کے کئی بھگت بڑے امیر تھے۔ وہ اُن کو آرام و آسائش پہنچانے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار تھے۔ مگر مہاراج اُسی گھاٹ پر اُسی جگہ بغیر بستر کے اینٹیں سرہانے رکھ کر مزے سے سو جاتے تھے۔ ایک بھگت بڑے اصرار سے ایک لوٹا اور ایک کوپین وہاں رکھ گیا۔

وہاں سوامی جی کے بھگتوں میں ہردے نارائن نامی ایک امیر بھی تھے۔ وہ اور اُن کے بھائی مہاراج کی خدمت کو ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے۔ قیام کانپور کے دوران میں سوامی جی کی خدمت کی خوش نصیبی ہردے نارائن ہی کو حاصل ہوئی۔ جس طرح سورج کی شعاعیں چاند میں چمک پیدا کر دیتی ہیں۔ اُسی طرح مہاراج کے ست سنگ (صحبت) سے ہردے نارائن کا دل منوّر ہو گیا۔ اُنہوں نے سنسکرت نہ پڑھی تھی۔ مگر اس زبان میں بات چیت کرنے لگ گئے۔ اُنہیں سوامی جی سے بہت محبت تھی۔ مگر جب اُنہوں نے پوچھا۔ "بھگون! سُنا ہے۔ اب آپ یہاں سے جانے کو ہیں۔ کب روانگی کا ارادہ ہے"؟ تو مہاراج نے جواب دیا۔ یہ نہیں بتا سکتا۔ لوگوں نے خط و کتابت کے لئے پتہ دریافت کیا۔ تب بھی کسی کو نہیں بتایا۔

جس دن آپ کو وہاں سے چلے جانا تھا۔ اُس دن باورچی نے پوچھا۔ بھوجن تیار کروں؟ سوامی جی نے کہا۔ نہیں۔ اور لوٹا اور دو زائد کوپین وہیں چھوڑ کر چلے گئے۔ جب دن چڑھا۔ اور بھگت لوگ درشنوں کو آئے تو سوامی جی وہاں نہ تھے۔ اُنہوں نے سمجھا۔ ممکن ہے۔ مہاراج گھومتے گھومتے دور نکل گئے ہوں اس لئے اُن کا انتظار کرتے رہے مگر جب شام ہوگئی۔ اور سوامی جی نہ آئے۔ تو انہوں نے سمجھ لیا۔ کہ جس کی موہنی مورتی کی ہم نہایت چاہ کے ساتھ من مندر میں پوجا کرتے رہے ہیں۔ وہ اتنے نرموہ ایسے بے نیاز ہیں۔ کہ چپ چاپ چلے گئے ہیں۔ یہ سوچ کر اُن کی اُداسی شام کی تاریکی سے بھی بڑھ گئی۔

کانپور سے چل کر مہاراج شوراج پور۔ فتح پور۔ اور میرزا پور وغیرہ مقامات میں اُپدیش دیتے ہوئے پریاگ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک براہمن شوسہائے رہتا تھا۔ اُس نے والمیکی رامائن پر شرح لکھی تھی۔ سوامی جی نے اُس شرح کو دیکھ کر شوسہائے کو اپنے پاس بُلایا۔ اور اُسے اُس شرح کے نقائص سے خبردار کیا۔ اُن خامیوں کو تسلیم کرنا تو ایک طرف وہ سوامی جی سے مباحثہ کرنے کو تیار ہوگیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر بعد میدان مباحثہ کے شیر ببر سوامی

دیانند نے شو سہاے کے غرور کو چکنا چور کر دیا۔ اس پر وہ براہمن ایسا نادم ہوا۔ کہ پریاگ چھوڑ کر کاشی بھاگ گیا۔ سوامی جی بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے ؛

کاشی کانڈ

پہلا باب

۲۱ ستمبر ۱۸۶۹ء کو مہاراج رام نگر پہنچے۔ اور پہلی رات ریت میں سر کے نیچے مٹی کے ڈھیلے رکھ کر گزار دی۔ صبح کو جب نت کرم سے فارغ ہو کر ایک جگہ بیٹھے تو لوگ آنے جانے لگے۔ مہاراج کو علم تھا۔ کہ شو سہائے یہاں مہاراجہ کاشی کے پاس پناہ گزین ہے۔ اس لئے اُنھوں نے یہاں آنے کے ساتھ ہی اُس کی شرح کی تکذیب شروع کر دی۔ یہاں تک کہ ایک دن مہاراج محل کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔ جو اندر جاتا۔ اُس سے کہتے۔ شو سہائے اندر چھپا ہے۔ اُسے باہر نکالو۔ اس سے شو سہائے ایسا نادم ہوا اور اُس کے دل پر خوف نے ایسا غلبہ کیا۔ کہ وہ وہاں

سے نکل کر اپنے گھر کو بھاگ گیا ؛

مورتی پوجا کا کھنڈن دن رات ہوتا تھا۔ لوگوں کو سندھیا وغیرہ کرنے کا اپدیش بھی کرتے تھے۔ مہاراج کی ودیا کی جوت کاشی کے مندروں میں اور پاٹھشالاؤں میں بھی اپنا اثر دکھانے لگی۔ جہاں چار آدمی جمع ہوتے سوامی جی کی بے خوفی، علمیت اور قابلیت کے چرچے چھڑ جاتے۔ اسی زمانہ میں وہاں ایک قابل پنڈت جیوتی سروپ نامی اداسی سادھو رہتے تھے۔ ایک دن ان سے انباشی لال کھتری اور ہربنس نامی دو معززین نے کہا۔ سنا ہے۔ دیانند نام کے ایک سنیاسی رام نگر میں آئے ہیں۔ اور وہ پُران اور مورتی پوجا کے خلاف بولتے ہیں آئیے چل کر دیکھیں۔ ان کے خیالات میں سچائی ہے یا نہیں ؛

پنڈت جیوتی سروپ اپنے ججمانوں کے ساتھ سوامی جی کے پاس پہنچے اور نمسکار کر کے بیٹھ گئے دو تین گھنٹے باتیں ہوتی رہیں۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ سوامی جی کے اعلیٰ خیالات، زبردست قابلیت اور لاثانی دلائل نے پنڈت جیوتی سروپ کا دل موہ لیا۔ ان کے ججمانوں نے کہا۔ آپ بھی سوامی جی کی باتوں پر کچھ اگر مگر کہئے۔ مگر انہوں نے جواب دیا۔ سوامی جی جو کچھ کہتے ہیں۔ درست ہے۔ اور

شاستروں کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے پھر میں کیا
اعتراض کروں - اس کے بعد متواتر چودہ دن تک
یہ مہاتما سوامی جی کے پاس حاضر ہوتے رہے - اور
اُن کے خیالات سے کامل طور پر متفق ہو گئے - ایک
اور پنڈت جواہر داس نامی بھی سوامی جی سے ملے -
اور اُن کے بھگت بن گئے ؞

ہوتے ہوتے مہاراجہ ایشوری نارائن سنگھ کو خبر ملی -
کہ ایک لاثانی مہاتما آئے ہیں اور پوران اور مورتی پوجا کے
خلاف بولتے ہیں - اُنہوں نے اُسی وقت سوامی جی
کے کھانے کا انتظام کرنے کے احکام جاری کئے -
اور ایک چوبے اُنہیں بلانے کو بھیج دیا - سوامی جی
نے جواب دیا - مجھے مہاراج کے پاس جانے کی
کوئی ضرورت نہیں - البتہ اگر اُن کو کوئی خواہش ہو
تو چلے آئیں ؞

سوامی جی رام لیلا کے برخلاف تھے - ایک دن نرنجنانند
کے پاس گنگو گھاٹ پر بیٹھے تھے کہ مہاراجہ صاحب کاشی
آ نکلے - ادب و احترام کے بعد مہاراجہ صاحب نے نرنجنانند
سے سوال کیا - سوامی جی کہتے ہیں وید میں مورتی پوجا
اور رام لیلا کا بیان نہیں ہے - اس سے متعلق آپ کی
کیا رائے ہے ؟ جواب دیا - یہ دونو باتیں ویدوں میں
نہیں - مگر چونکہ رسم جاری ہو چکی ہے - اس لئے

ان کو جاری رکھنا ہی مناسب ہے۔ اس جواب سے مہاراجہ صاحب کی ذرا بھی تسلّی نہ ہوئی ✣

مہاراجہ صاحب کے دوسرے بھائی بیراگی تھے۔ اس لئے وہاں بیراگیوں کا بڑا زور تھا۔ ایک دن ساٹھ کے قریب بیراگی سوامی جی پر حملہ آور ہوئے۔ مگر سوامی جی کا جسم دیکھ کر اُن کے حوصلوں پر پانی پھر گیا۔ تب اُن کا جوش ہاتھوں سے زبان پر آیا۔ دیر تک گالیاں دیتے رہے۔ مگر سوامی جی نے ذرا پروا نہ کی۔ پر مہاراجہ نارائن سنگھ کو جب یہ اِطّلاع ہوئی۔ تو اُنہوں نے بیراگیوں کو کہلا بھیجا۔ کہ اگر کسی کو سوامی جی سے مباحثہ کرنا منظور ہو۔ تو حرج نہیں۔ مگر کوئی اُنہیں گالی نہ دے۔ وہ ہمارے مہمان ہیں۔ اس لئے اُن کی توہین ہماری توہین ہے ✣

مہاراج نے سوامی جی کو رام لیلا میں شریک ہونے کے لئے بھی مدعو کیا۔ مگر سوامی جی نے جواب میں کہلا بھیجا۔ کہ اس قسم کی لیلائیں (مناظر) دیکھنا سنیاسیوں کو زیبا نہیں ✣

رام نگر میں رہ کر سوامی جی نے کاشی کے پنڈتوں کی علمی قابلیت، مطالعہ اور واقفیت کا پورا پورا اندازہ کر لیا۔ پورانک قلعہ کے دو زبردست سپاہیوں کو یعنی پنڈت جیوتی سروپ اور جواہر داس کو اپنا ہم خیال بنا لیا۔

اور تب شیر دل جرنیل کے مانند کاشی پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کیا۔ مہاراج ایشری نارائن سنگھ نے کہلا بھیجا۔ کہ آپ یہاں سے ہماری کشتی میں بیٹھ کر جائیے۔ اور وہاں ہمارے باغ میں ٹھیریئے گا۔ مگر سوامی جی نے دونو باتیں منظور نہ کیں۔ اور وہاں سے کاشی کی طرف روانہ ہوئے۔

کاشی ہندوستان میں خاص اہمیت کا شہر ہے۔ آریوں کے عہد میں یہ نگری علم کا مرکز تھی۔ یہاں پر مذہبی کتب کا درس ہوتا تھا۔ سنسکرت زبان اور سنسکرت علم ادب کی جیسی خدمت اس نگری نے کی ہے ویسی کسی دوسرے شہر نے کم کی ہوگی۔ یہ شہر جس طرح زمانۂ قدیم میں آریہ دھرم، آریہ تمدن اور آریہ خیالات کا گہوارہ تھا۔ اُسی طرح پورانک زمانہ میں پورانک خیالات کا گڑھ تھا۔ اب اس کی وہ عظمت برباد ہو چکی ہے۔ پر اس وقت بھی ہزاروں ودیارتھی یہاں تحقیق علم کے لئے آتے ہیں۔ اور پچاسوں قابل ترین پنڈت معمولی تنخواہیں لے کر طلباء کو پڑھاتے ہیں۔ سینکڑوں کوس سے آ کر جس ایثار، محبت اور دلی شوق و سرگرمی سے ہزاروں طلباء اس گئے گزرے زمانہ میں بھی یہاں پڑھتے ہیں۔ اُس کی نظیر ممالک غیر کی امیر اقوام میں بھی ملنا دشوار ہے۔

کاشی میں آنے سے سوامی جی کا مقصد یہ تھا کہ وہاں کے پنڈتوں میں ہلچل پیدا کی جائے۔ اور اُن میں

زندگی کے جذبات بیدار کئے جائیں۔ تاکہ اُن کو معلوم ہو۔ کہ اُن کے فرائض کیا ہیں۔ اور اُن کے قدماء کا اُن کے سر پر کیا قرض ہے۔ تاکہ وہ اپنے آئینۂ دل پر سے پورانک پردہ اُٹھا کر اپنے سچے ویدک دھرم کا درشن کر سکیں۔ اور اُن کو معلوم ہو سکے۔ کہ آریہ قوم کی اصلی حالت کیا ہے؟ سوامی جی کی حقیقت شناس نگاہوں سے یہ امر واقعہ پوشیدہ نہ رہا تھا۔ کہ بھارت کے طول و عرض میں جو رسومات جاری ہیں اور جو اثرات پورانک دھرم کے ہر صفحۂ دل پر نقش ہیں۔ اُن کا ایک بڑا سبب کاشی ہے۔ کاشی سے پڑھ کر نکلا ہُوا ہر ایک ودیارتھی پورانک دھرم کا اپدیشک ہوتا ہے۔ اس لئے سوامی جی نے سوچا۔ کہ اگر کاشی کی اصلاح ہو جائے اور یہاں کی دماغی حالت میں تبدیلی پیدا کر دی جائے۔ تو لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ودیارتھیوں کے خیالات پر بھی اثرات ہونگے۔ اور وہ ہندوستان کے کونے کونے میں ایک زبان۔ ایک مذہب۔ ایک لباس۔ اور ایک ہی قسم کے رسوم و رواج کو اشاعت دے کر ہندوستان میں نیا زمانہ لانے کا موجب ہونگے ؎

۲۲۔ اکتوبر ۱۸۶۹ء کا دن تھا۔ جب سوامی جی کاشی پہنچے۔ اور راجہ مادھوسنگھ کے باغیچہ میں مقیم ہوئے۔ اُن کے آنے کے ساتھ ہی کاشی بھر میں اُن کی آمد کی اطلاع ہو گئی۔ پنڈت جیوتی سروپ اور جواہرداس

فوراً خدمت عالی میں حاضر ہوئے - اور وہ تنہا نہ تھے -
اُن کے ساتھ کئی دوسرے پنڈت بھی تھے - اُنہوں نے
سوامی جی سے کئی سوالات دریافت کئے - جن کے
جواب میں سوامی جی نے اپنی قابلیت کے وہ وہ ثبوت
دئے - کہ اُن کی عقل دنگ رہ گئی - سوامی جی کے
ڈیرے پر ودیارتھیوں اور پنڈتوں کا سارے سارے دن
تانتا لگا رہتا تھا - بعض لوگ دق کرنے کی کوشش بھی
کرتے تھے - مگر مہاراج کی پیشانی پر بل نہ پڑتا تھا -
مسکرا مسکرا کر جواب دیتے تھے اور اپنے دلائل سے
مخالفوں کا مُنہ بند کر دیتے تھے - غصہ اُن کے نزدیک
پھٹکتا نہ تھا - اُکتانا اور تھک جانا وہ جانتے نہ تھے -
آٹھ آٹھ گھنٹے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے - اور اُن
کی آواز میں ذرا کمزوری نہ آتی تھی ؂

مایا رام نامی اُداسی سادھو نے پوچھا - شنکر تو ویدانت
بھاشیہ میں برہم سوتر کو ادویت پر لگاتے ہیں - اور
رامانج وغیرہ نے اپنے اپنے بھاشیہ میں جیو برہم میں
فرق مانا ہے - ان میں سے کسے درست سمجھا جائے -
اور کسے غلط ؟ جواب میں فرمایا - دونو کا خیال غلط ہے -
پرماتما حاضر و ناظر ہے - اس لئے ابھید (یکسانیت)
درست ہے - اور روح محدود ہے - اس لئے بھید
(تفاوت) ٹھیک ہے - جو ایک ایک خیال کو لے کر

کھینچا تانی کرتے ہیں۔ اُن کا ہر خیال بے بُنیاد ہے ٭
سوامی جی کے قریب ہی درگا مندر تھا۔ وہاں آنے جانے والے لوگ سوامی جی کے اُپدیش بھی سُنا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مندر میں آنے جانے والے جاتریوں کی تعداد اور چڑھاوے کی مقدار دونو میں نمایاں کمی واقع ہوئی۔ پُجاریوں نے مہاراج سے عرض کی۔ کہ اگر آپ یہاں ٹھیرے رہے۔ تو ہم بھوکوں مر جائینگے۔ آپ کسی دوسری جگہ چلے جائیں۔ بڑی مہربانی ہوگی ٭
سوامی جی ہنس کر خاموش ہو رہے ٭

دُوسرا باب

مہاراج نے مہاراجہ صاحب کاشی کو کہلا بھیجا۔ کہ آپ ہندو نگری کے تاجدار ہیں۔ آپ کا فرض ہے۔ کہ مورتی پوجا وغیرہ مضامین پر مباحثہ کرا کے کسی صحیح نتیجہ پر پہنچیں۔ ادھر مہاراجہ صاحب بھی تکذیب پُران کے مسلسل لیکچروں سے گھبرائے ہوئے تھے۔ پنڈتوں کو حکم ہوا۔ کہ مباحثہ کی تیاریاں کرو۔ پنڈتوں نے عرض کیا۔ سوامی

دیانند ویدوں سے ثبوت مانگا کرتے ہیں۔اس لئے ثبوت جمع کرنے کے لئے پندرہ دن کی مہلت چاہئے۔مہاراجہ صاحب نے مہلت دے دی اور پنڈت صاحبان تیاریوں میں مشغول ہوتے۔سوامی جی کی قابلیت کا موازنہ کرنے کے لئے پنڈت صاحبان بھی آتے تھے۔طلباء بھی۔مگر سوامی جی اتھاہ ساگر تھے۔کسی کو اُن کی تھاہ نہ ملتی تھی۔کہتے ہیں ایک دن راجہ رام شاستری بھی گیروا لباس پہن کر آئے۔مگر آگے وہ پانی نہ تھا۔کہ چار قدم بھی چل سکتے ٭

پنڈت صاحبان نے کچھ خاص امور کی واقفیت کے لئے شالگرام راج شاستری اور چار دیگر پنڈتوں کو مہاراج کے پاس بھیجا۔انہوں نے آکر نمسکار کے بعد کچھ سوالات دریافت کئے۔سوامی جی نے جواب دینا مناسب نہ خیال کیا۔لہذا وہ لوٹ گئے۔شہر کے کوتوال سوامی جی کے بھگت تھے۔آخر اُنہوں نے اصرار کیا۔تو سوامی جی نے جوابات دے دئے۔اُن پنڈتوں نے پھر پوچھا۔آپ کتنی کتابوں کو مانتے ہیں۔ارشاد فرمایا۔ہم چار وید مانتے ہیں۔چار اُپ وید۔چھ وید انگ۔چھ اپانگ۔اور منوسمرتی۔پنڈت صاحبان نے پھر پوچھا۔منوسمرتی میں کتنے شلوک مانتے ہو؟ جواب دیا۔یہ مباحثہ کے موقع بتاؤں گا۔اِس وقت نہیں ٭

راجہ ایشری نارائن سنگھ نے پنڈتوں کے دان دکھشنا کا تمام تر بار اپنے ذمہ لیا۔ اور مباحثہ کا دن مقرر کر دیا۔ جب اس کی اطلاع صاحب کلکٹر بہادر کو ہوئی تو انہوں نے کہا۔ اگر مباحثہ اتوار کو ہوتا۔ تو ہم بھی شامل ہو سکتے مگر وہاں تو سوچ سمجھ کر اسی غرض سے مباحثہ کا دن منگلوار رکھا گیا تھا۔ کہ حکام کی موجودگی میں دنگہ فساد کرنا مشکل ہو جائیگا۔ مباحثہ کی جگہ کا تصفیہ کرنے کے لئے لالہ رگھوناتھ سہائے کوتوال سوامی جی کے پاس گئے ہنس کر کہا "مجبور کر کے خواہ کوئی ہمیں کہیں لے جائے۔ مگر ہم سنیاسی ہیں۔ اپنی مرضی سے کسی دوسری جگہ مباحثہ کرنے نہ جائینگے۔ جس کی مرضی ہو۔ یہاں آکر بات چیت کر لے ؎

سوامی جی کا جواب سُن کر کاشی راج نے بھی آنند باغ میں جانا منظور کر لیا۔ جب یہ اطلاع اہالیانِ شہر کو ہوئی۔ کہ سوامی جی سے اور پنڈت صاحبان سے مباحثہ ہوگا۔ تو شہر میں شور مچ گیا۔ گھاٹوں پر، مندروں میں، پاٹھشالوں میں۔ گلی بازاروں میں۔ گھروں میں جہاں چار آدمی جمع ہوتے۔ اسی مضمون پر چرچے چھڑ جاتے۔ مہاتما جواہر داس نے کہا۔ کاشی میں چپے چپے پر پنڈت بستے ہیں۔ آپ کس کس کو شکست دینگے۔ ارشاد فرمایا۔ تمام پنڈتوں میں دکھن

کے بال شاستری ہی ایسے مرد میدان ہیں۔ جو ہم سے کچھ دیر بات چیت کر سکیں۔ باقی پنڈتوں کو علم ہی نہیں۔ کہ وید کیا شے ہے ÷

آخر یوم مباحثہ آ گیا۔ کاشی میں عجیب چہل پہل تھی۔ پنڈتوں کے لئے پالکیاں، چنور، چھتر وغیرہ مہاراجہ صاحب کاشی کے محل سے بھیجے جانے لگے۔ وشو ناتھ اور درگا مندر میں پنڈتوں کی فتح کے لئے پرارتھنا کی جا رہی تھی۔ اور پنڈت صاحبان ——————
وہ سوامی جی کو شکست دینے کی غرض سے ویدوں اور سمرتیوں کے منتر تلاش کرنے میں سرتا پا منہمک تھے ÷

کاشی میں جہاں پنڈت رہتے ہیں۔ وہاں بدمعاش غنڈوں کی بھی کمی نہیں۔ اس وقت ایک طرف پنڈت صاحبان تیاریاں کر رہے تھے۔ دوسری طرف غنڈے جمع ہو رہے تھے۔ یہ دیکھکر بھگت بلدیو خوفزدہ ہو گیا۔ اور بھاگا بھاگا مہاراج کے پاس جا کر بولا "سوامی جی! آج یہاں پر صرف پنڈت ہی نہ آئینگے۔ بنارس کے غنڈے بھی حملہ آور ہونگے۔ اگر فرخ آباد ہوتا۔ تو آپ کے قدموں میں بیس تیس خادم بیٹھ جاتے۔ مگر یہاں کیا ہو سکتا ہے؟" مہاراج نے ہنس کر جواب دیا۔ "بلدیو! فکر نہ کرو۔ ہمارا اعتقاد ہے۔ کہ جہالت کی رات

کو جیتنے کے لئے صرف صداقت کا سورج ہی کافی ہے۔
جو غیر جانبدار ہو کر محض انسانوں کی بہتری کے لئے
پرماتما کی مرضی سے سچائی کا پرچار کرتا ہے۔ اُسے
کوئی اندیشہ نہ ہونا چاہیئے۔ جو نیک ہیں۔ وہ کسی کے
خوف سے صداقت کو نہیں چھوڑتے۔ زندگی رہے یا
برباد ہو جاوے مگر وہ نیکی کو نہیں چھوڑتے۔ بلدیو۔
پرماتما ایک ہے، اُس کا گیان (وید) ایک ہے۔ اور
دیانند ایک ہے۔ مجھے کسی سے ڈرنے کی کیا ضرورت
ہے؟ بدمعاشوں کو آنے دو۔ وقت پر جو ہوگا۔ دیکھ
لیا جائیگا"۔

دن کا تیسرا پہر ہو گیا۔ مگر پنڈتوں کی تیاریاں
مکمل نہ ہوئیں۔ اُس دن ساری پاٹھشالاؤں میں چھٹی
تھی۔ تمام ودیارتھی لمبی لمبی قطاروں میں اپنے اپنے
گورو کے دروازے پر کھڑے جیکارے بلند کر رہے
تھے۔ اُن کی آواز سے اونچے اونچے مکانوں کے
کنگورے ہل رہے تھے۔ آخر پنڈت صاحبان نے
شگون منائے اور اپنی اپنی پالکی پر سوار ہوئے۔
اُن کے سروں پر چھتر اور چنور جھولتے تھے۔ آگے
آگے ودیارتھیوں کی پلٹنیں صف بستہ تھیں۔ اس
شان و شوکت کو دیکھ کر اہل بنارس دنگ رہ گئے۔
سارا شہر آنند باغ کو اُمڈ پڑا۔ اُدھر سادھو سنیاسی

بھی قطاریں باندھ کر اسی طرف روانہ ہوئے ـــــــــ
ـــــ سناتن دھرم کی تمام طاقتوں نے اکیلے سوامی دیانند پر حملہ کیا ÷
پنڈتوں کے تمام مقام جن کو سوامی جی سے مباحثہ کرنا تھا - سوامی وشدھانند، بال شاستری -شو سہائے - مادھو آچاریہ - بامنا چاریہ - تارا چرن - جے نارائن - رادھا موہن اور امبکا دت وغیرہ ستائیس پنڈت تھے - یہ لوگ اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ جھومتے جھامتے بڑھے آتے تھے - اُدھر کوتوال نے سوامی جی کو ایک آسن پر بٹھا دیا - اور اُن کے سامنے مخالف کے لئے جگہ بنا دی - ایک طرف مہاراجہ صاحب کاشی کے لئے آسن بچھوا دیا - کوتوال کا مطلب اس سے یہ تھا - کہ سوامی جی کے ساتھ ایک وقت میں ایک ہی پنڈت بات چیت کر سکے - تاکہ شور نہ مچ سکے - اتنے میں لوگوں کا ہجوم باغ میں پہنچا - اور انتظام درہم برہم ہونے لگا - اُنہوں نے داخل ہونے کے ساتھ ہی دروازے روک لئے - یہاں تک کہ سوامی جی کے سیوکوں کو ـــــ پنڈت جیوتی سروپ اور جواہرداس کو بھی اندر نہ آنے دیتے تھے - انہوں نے ایک رقعہ لکھ کر سوامی جی کو اطلاع دی - کہ ہمیں دیدہ و دانستہ اندر آنے سے روکا جا رہا ہے - اس پر سوامی جی

نے کوتوال سے کہا - اور تب جا کر وہ دونو اندر داخل ہوئے - اور سوامی جی کے پاس جا بیٹھے ؞

پنڈت جیوتی سروپ بڑے قابل پنڈت تھے - اُن کا غلغلہ سارے بنارس میں تھا - اُنہوں نے بیٹھتے ہی کہا - پہلے مجھ سے مباحثہ کر لیں - پھر جس میں دم خم رہ جائے - وہ مہاراج سے بھی بات چیت کر لیگا - وہ کاشی کے پنڈتوں کی رگ و پے سے واقف تھے - اُنہیں یہ اچھی طرح سے معلوم تھا - کہ کون کتنے پانی میں ہے - اُنہیں سوامی جی کے پاس بیٹھے دیکھ کر پنڈتوں میں کھلبلی مچ گئی - اُنہیں اپنی چالوں کے منکشف ہو جانے کا اندیشہ ہو گیا - وہ سوچ ہی رہے تھے کہ پنڈت جیوتی سروپ کے پنجہ سے کیسے رہائی نصیب ہو - کہ مہاراجہ صاحب پنڈال میں داخل ہوئے سارے پنڈتوں نے اُٹھ کر اُن کو آشیرباد دیا - اور آگے بڑھ آئے - یہاں تک کہ اُنہوں نے سوامی جی کو گھیر لیا ؞

اگر وہ اسی بے ضابطگی پر قناعت کرتے - تو کوئی بات تھی - مگر اُن کی آنکھوں میں تو جیوتی سروپ کھٹک رہا تھا - اُنہوں نے مہاراج سے کہا "ایک تو دیانند ہی شیر کے مانند ہے - اس پر جیوتی سروپ اُس کے ساتھ مل گیا ہے - اس حالت میں ہماری ایک نہ چلیگی" ؞

مہاراج نے اشارہ سمجھ لیا - اُنہوں نے بیٹھتے ہی

جواہر داس سے کہا - یہ جگہ پنڈتوں کے لئے ہے - آپ ذرا پیچھے ہٹ کر بیٹھئے - مگر مخالفوں کا پھر بھی اطمینان نہ ہوا - تب مہاراج نے اُن دونو کو باہر نکلوا دیا ؛

سوامی جی نے اس بے انصافی کے خلاف زبردست پروٹسٹ کیا - مگر کون سُنتا تھا - کوتوال نے بھی کہا - کہ یہ سراسر بے انصافی ہے - کہ اکیلے سنیاسی کو اس قدر آدمی گھیر کے بیٹھ جائیں - مگر کسی نے پروا نہ کی ؛

تب سوامی جی اکیلے ہی مباحثہ کو تیار ہوئے - سب سے اوّل اُنھوں نے مہاراجہ صاحب سے کہا - اپنے کتب خانہ سے کتابیں منگوا لیجئے گا - مہاراجہ صاحب کے بھائی نے جواب دیا - کیا ضرورت ہے - پھر سوامی جی نے پوچھا - وید منگوا لئے ہیں - مہاراجہ صاحب نے جواب دیا - وہ ہمارے پنڈتوں کو زبانی یاد ہیں ؛

اس کے بعد کوتوال نے کھڑے ہو کر کہا - مباحثہ کا قاعدہ قرار پا چکا ہے - کہ ایک وقت میں ایک ہی پنڈت سوامی جی سے بات چیت کریگا - اس دوران میں دوسرا کوئی شخص دخل نہ دے سکیگا - اس پر پنڈت تارا چرن سوامی جی کے سامنے آئے ؛

سوامی جی نے پوچھا " آپ ویدوں کو تو مانتے ہیں نا ؟ " تارا چرن نے جواب دیا " جو بھی ورن آشرم میں ہے وہ ویدوں کو مانتا ہے " ؛

سوامی جی - وید میں اگر مورتی پوجا کی اجازت ہے تو حوالہ پیش کیجئے - نہیں تو تسلیم کیجئے - کہ وید میں مورتی پوجا کا ذکر نہیں ہے ٭

تارا چرن - وید میں مورتی پوجا کا ذکر ہے یا نہیں - یہ تو اُس سے کہئے - جو صرف وید ہی کو مانتا ہو ٭

سوامی جی - دیگر کتب ماننے کے قابل ہیں یا نہیں - اس پر پھر بحث ہوگی - اس وقت تو وید ہی کا ذکر ہے - جو وید کہتا ہے وہ مکھیہ (ضروری) ہے - باقی سب گون (فروعی) - لہذا اگر وید میں مورتی پوجا کا ذکر نہیں - تو مورتی پوجا کرنا گناہ ہے ٭

تارا چرن - تو پھر آپ منوسمرتی کو وید مولک کیسے کہتے ہیں؟

سوامی جی! سام وید کے براہمن میں کہا ہے - کہ جو کچھ منو نے بیان کیا ہے - وہ دواؤں کی دوا ہے ٭

وِشدھانند جی نے کہا - رچنا کی انوپتی نہ ثابت ہونے سے فرض کر کے پردھان جگت کا باعث نہیں ہے - ویاس کے اس سوتر کو وید مولک ثابت کیجئے ٭

سوامی جی - یہ سوال خارج از بحث ہے ٭

وُشدھانند - خارج از بحث ہے - تو کیا ہوا - آپ ثابت کریں ٭

سوامی جی - اس کا پہلا سلسلہ دیکھ کر ثابت کیا جا سکتا

ہے ؛

وشدھانند - اگر آپ کو سب کچھ زبانی یاد نہ تھا - تو کاشی میں پاؤں کیوں رکھا ؛

سوامی جی - تو کیا آپ کو سب کچھ زبانی یاد ہے ؟

وشدھانند - کیوں نہیں ؛

سوامی جی - دھرم کے کتنے لکشن ہیں ؟

وشدھانند - جو وید میں پھل والے کرم (ثواب دینے والے افعال) ہیں - وہی دھرم ہے ؛

سوامی جی - یہ تو آپ کا جواب ہے - شاستر کا حوالہ دیجئے ؛

وشدھانند - دھرم کا لکشن پریرنا (تحریک) کہا گیا ہے ؛

سوامی جی - واقعی پریرنا دھرم کا لکشن ہے - مگر پریرنا کہتے ہیں شرتی اور سمرتی (جو سُنی جائے اور جو یاد رکھی جائے) کے احکام کو - پس شرتی اور سمرتی کی پریرنا میں دھرم کے لکشن کتنے ہیں؟ بتاؤ ؛

وشدھانند - دھرم کا ایک ہی لکشن ہے ؛

سوامی جی - شاستر میں تو دس لکھے ہیں ؛

وشدھانند - کس شاستر میں ؟

سوامی جی نے منوسمرتی کا شلوک پڑھا - وشدھانند دنگ رہ گئے - اس پر بال شاستری بولے - اس

مضمون پر ہم نے تمام کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ ہم سے بات کیجئے۔ اس پر سوامی جی نے اُن کی طرف رُخ کر کے پوچھا۔ بہت اچھا۔ آپ دھرم کے لکشن بتائیے ÷
بال شاستری سے جواب نہ بن پڑا۔ خاموش ہو رہے ÷
جب پنڈتوں نے دیکھا۔ کہ ہمارے جرنیل ہار رہے ہیں۔ تو اُنھوں نے ہم آواز ہو کر پوچھا۔ بتاؤ۔ وید میں پرتما (بُت) لفظ ہے یا نہیں؟
سوامی جی نے جواب دیا۔ ہے ÷
پھر اُن لوگوں نے پوچھا۔ کس ضمن میں ہے۔ اور آپ اس کا کھنڈن (تکذیب) کیوں کرتے ہیں؟
سوامی جی۔ پرتما لفظ یجروید کے ۳۲ ادھیائے کے تیسرے منتر میں ہے۔ نیز سام وید کے براہمن میں بھی آیا ہے مگر مورتی پوجا کا ذکر کہیں بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ میں اس کا کھنڈن کرتا ہوں ÷
پنڈت چپ ہو گئے ÷
اب بال شاستری پھر تیار ہوئے۔ مگر دو تین ہی سوالوں میں رہ گئے۔ اس کے بعد وشدھانند نے پوچھا۔ "وید کیسے ظاہر ہوئے ہیں"؟
سوامی جی۔ ویدوں کا پرکاش (ظہور) پرماتما نے کیا ÷
وشدھانند۔ مگر کس پرماتما نے؟ اُس پرماتما نے جسے نیائے (منطق) نے بیان کیا ہے۔ یا اُس پرماتما

نے جس کا یوگ نے ذکر کیا ہے - یا اُس پرماتما
نے جسے ویدانت ثابت کرتا ہے ؟
سوامی جی - کیا آپ کے خیال میں پرماتما ایک سے
زیادہ ہیں ؟
وشدھانند - پرماتما تو ایک ہی ہے - مگر ویدوں کے
ظاہر کرنے والے پرماتما کے کیا لکشن (صفات)
ہیں ؟ یہ بتاؤ +
سوامی جی - ست - چیت - آنند +
وشدھانند - ایشور اور وید میں کیا تعلق ہے ؟
سوامی جی - وید اور ایشور میں کاریہ کارن بھاو کا
تعلق ہے +
وشدھانند - جس طرح من میں اور سورج میں برمھ
بدھی کرکے پرتیک اپاسنا کرنا لکھا ہے - ٹھیک
اُسی طرح شالگرام وغیرہ میں ایشور کا تصور کرکے
پوجا کرنے میں کیا قباحت ہے ؟
سوامی جی - شاستر میں دل میں برمھ کی اپاسنا کا
ذکر تو ہے - مگر مورتی میں پرماتما فرض کرنے کا
ذکر کہیں بھی نہیں ہے +
یہ سُن کر وشدھانند کی زبان پھر بند ہو گئی -
مگر مادھو آچاریہ نے ایک منتر پڑھ کر پوچھا - کہ یہاں
"پورت" کے کیا معنی ہیں ؟ اور آپ اس کے معنی

مورتی پوجا کیوں نہیں کرتے ؟

سوامی جی - یہاں پورت شبد پورتی کے بجائے آیا ہے - اور اس کے معنی کنواں، اور باغ وغیرہ رفاہ عام کے کام کرنے کے ہیں - اس سے مورتی پوجا کے معنی کبھی نہیں لئے جا سکتے - زیادہ جاننا چاہو تو اس لفظ کا نروکت اور براہمن دیکھ لو ؞

مورتی پوجا کے مضمون پر لاجواب ہو کر مادھو آچاریہ نے پھر پوچھا "لفظ پُوران وید میں آیا ہے کہ نہیں ؟"

سوامی جی - لفظ پوران وید کے کئی حصوں میں آیا ہے - مگر اُس کے معنی بھاگوت وغیرہ پوران کے نہیں ہیں - بلکہ قدیم کے ہیں ؞

وشدھانند - برہدارنیک اپنشد میں پوران کا لفظ آیا ہے - اسے آپ مانتے ہیں یا نہیں - اگر مانتے ہیں تو کہئے وہاں یہ لفظ کس کی تعریف کے طور پر استعمال ہوا ہے ؟

سوامی جی - برہدارنیک اپنشد میں پوران لفظ ضرور آیا ہے - مگر وہ کس کی تعریف کے طور پر آیا ہے - یہ کتاب دیکھ کر بتایا جا سکتا ہے ؞

وشدھانند نے کتاب کھولی - مگر یہ کتاب برہدارنیک اپنشد نہیں بلکہ گرہیہ سوتر کی ایک کتاب

تھی۔ مادھو آچاریہ نے اُس کا ایک ورق اُلٹ کر دریافت کیا۔ اس میں پوران کس کی تعریف کے طور پر مستعمل ہے؟

سوامی جی۔ ذرا پڑھیئے نا ؛

وشدھانند نے

پڑھا۔ سوامی جی نے کہا۔ یہاں لفظ پوران براہمن کے ساتھ آیا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ براہمن قدیم ہے ؛

بال شاستری۔ کیا کوئی براہمن نیا بھی ہے؟

سوامی جی۔ نہیں۔ مگر یہ کہنے سے مطلب یہ ہے۔ کہ کسی کو شُبہہ ہی نہ ہو۔ کہ براہمن نیا بھی ہو سکتا ہے ؛

بال شاستری۔ اس جگہ براہمن اور پُوران کے درمیان لفظ اتہاس آیا ہے۔ اس لئے پوران کسی لفظ کی تعریف کے طور پر استعمال نہیں ہو سکتا ؛

سوامی جی۔ یہ کوئی قاعدہ نہیں۔ کہ درمیان میں لفظ آ جانے سے تعریف نہ رہے۔ دیکھئے بھگوت گیتا کا شلوک ہے

अजो नित्यः शाश्वतोऽयं पुराणो न हन्यते
हन्यमाने शरीरे

اس میں وشیشن کس قدر دور پڑا ہے ؛

بال شاستری इतिहास पुराणानि میں اگر اتھاس

کا پوران وشیش نہیں تو کیا اس کا مطلب آپ یہ لینگے - کہ اتہاس نیا ہے ؟

سوامی جی - چھاندوگیہ اُپنشد میں ایک جگہ آیا ہے

इतिहास पुराणः पञ्चमो वेदानां वेदः

اس میں پوران اتہاس کا وشیشن ہے ✤

اس پر مادھو آچاریہ اور دوسرے پنڈت صاحبان کہنے لگے - یہ عبارت اُپنشد میں نہیں ہے - اس پر سوامی جی نے گرج کر کہا - میں بھی لکھتا ہوں - آپ بھی لکھ دیجئے - کہ اگر یہ عبارت اپنشد میں نہ ہو تو میں ہارا - ورنہ آپ ✤

یہ سُن کر سب کے منہ بند ہو گئے - سبھا میں سنّاٹا چھا گیا - اس پر سوامی جی نے للکار پوچھا - کہ آپ میں سے جو اصحاب ویاکرن (صرف نحو) جانتے ہوں - وہ بتائیں کہ ویاکرن میں [illegible] سنگیا کی گئی ہے یا نہیں ✤

بال شاستری - سنگیا تو نہیں کی پر ایک بھاشیہ کار نے اُپ ہاس ضرور کیا ہے ✤

سوامی جی - کوئی حوالہ دیجئے ✤

بال شاستری جواب نہ دے سکے - نہ کوئی دوسرا پنڈت بول سکا ✤

اس طرح چار گھنٹوں تک مباحثہ میں سناتن دھرمیوں

کا ہر ایک سپہ سالار آگے بڑھا۔ اور سوامی جی کے دلائل کے تیروں سے گھائل ہو کر پیچھے ہٹا۔ اس قدر پنڈت اس سے پہلے شاید ہی کسی جگہ ایک پنڈت کے مقابلہ میں شکست یاب ہوئے ہونگے۔ اب پہلوانوں نے اپنی چال چلنے کا ارادہ کیا۔ سورج غروب ہو رہا تھا۔ رات کا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ ایسے وقت میں مادھو آچاریہ نے وید کا نام لے کر دو ورق پنڈتوں کے سامنے رکھ دئے۔ اور کہا۔ یہاں لکھا ہے کہ یگیہ کے ختم ہونے کے دسویں دن پوران سُنے۔ یہاں پوران کس کا وشیشن بناؤ گے؟ اس کے ساتھ کوئی لفظ نہیں ؛

سوامی جی۔ ذرا پڑھ کر سُنائیے ؛

وشدھانند نے وہ اوراق سوامی جی کے سامنے رکھ دئے اور کہا۔ آپ ہی پڑھ لیجئے ؛

سوامی جی نے وہ اوراق وشدھانند جی کو دے کر کہا۔ ذرا آپ ہی تکلیف کریں۔ وشدھانند نے پھر سوامی جی کے آگے پھینک کر کہا۔ میں چشمہ کے بغیر نہ پڑھ سکونگا ؛

سوامی جی نے ورق پکڑ لئے۔ مگر اندھیرا ہو چکا تھا۔ چراغ منگوایا گیا۔ اُن اوراق پر نہ وید کا نام تھا۔ نہ منڈل، ادھیائے اور منتر کا نام تھا۔ سوامی جی

نے اُس منتر سے پہلے حصّہ کو یاد کرنے کی کوشش کی۔ اتنے میں وشدھانند جی یہ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔ کہ اب سندھیا کا وقت ہو گیا ہے۔ انہیں زیادہ تکلیف نہ دینا چاہئے۔ مگر سوامی جی نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ بیٹھ جائیے۔ فیصلہ کئے بغیر اُٹھ جانا خلاف قاعدہ ہے۔ پر وشدھانند نہ مانے اور مذاق کے طور پر سوامی جی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیر کر بولے۔ آپ بیٹھئے۔ جو کچھ ہونا تھا۔ ہو چکا ؛

وشدھانند کے اشارہ سے مہاراجہ ایشری نارائن سنگھ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور اپنی فتح ثابت کرنے کے لئے تالیاں بجانے لگے۔ بس پھر کیا تھا۔ سارے پنڈت کھڑے ہو گئے۔ اور نعرے مارنے لگے۔ اِس وقت غنڈوں نے اپنا موقع دیکھا۔ سوامی جی پر کسی نے پتھر پھینکے۔ کسی نے کنکر۔ مگر سوامی جی کے چہرے پر ملال نہ تھا۔ کوتوال نے اس قسم کے بدمعاش لوگوں کو باہر نکلوا دیا۔ اور مہاراجہ صاحب سے کہا۔ کہ تالی پیٹنے اور پٹوانے کا کام آپ نے نامناسب کیا۔ مہاراجہ نے جواب دیا۔" مورتی پوجا تمہارا اور ہمارا مشترکہ دھرم ہے اُس کی حفاظت کے لئے جس طرح بھی ہو سکے۔ فتح حاصل کرنا چاہیئے "؛

پنڈتوں اور جہلا نے سمجھا۔ ہم نے میدان مار لیا۔

اُن کے نعروں سے سارا شہر گونجنے لگا۔ مگر جو داتا تھے۔ وہ پنڈتوں کی چال کو تاڑ گئے اور اُن کو یقین ہو گیا۔ کہ سوامی جی کے ساتھ دھوکا کیا گیا ہے ⁂

اُس زمانہ میں وہاں پنڈت ایشر سنگھ نامی ایک نرملے سنت رہتے تھے۔ وہ ویدانت کے پنڈت تھے۔ انہوں نے اُس باغ سے آتے ہوئے لوگوں کا ہجوم دیکھا۔ ساتھ ہی یہ بھی سُنا۔ کہ دیانند پر اینٹوں پتھروں جوتوں اور گوبر کی بارش ہوئی ہے۔ اُن کے دل میں خیال آیا۔ کہ چلو اس وقت چل کر دیکھیں۔ دیانند کا کیا حال ہے۔ اگر اس توہین اور بد سلوکی سے اُن کے چہرے پر ملال نہ ہوا۔ تو سمجھنا چاہیئے۔ وہ سچا پرم ہنس اور برگزیدہ بندہ ہے ⁂

ایشر سنگھ باغ میں پہنچے۔ اُس وقت سوامی جی چاند کی چاندنی میں چہل قدمی فرماتے تھے۔ ایشر سنگھ کو آتے دیکھا۔ تو وہ مسکرائے اور آگے بڑھے۔ دونو دیر تک آتما پرماتما کے مضمون پر گفتگو کرتے رہے۔ یہاں تک کہ نصف رات گزر گئی۔ مگر اس تمام عرصہ کے دوران میں ایک لمحہ کے لئے بھی ایشر سنگھ جی کو سوامی جی کے چہرے پر ملال کا داغ نہ نظر آیا۔ نہ مسکراہٹ میں کمی دکھائی دی۔ نہ اُن کے حوصلے میں کچھ فرق محسوس ہوا۔ اس قدر لمبے عرصہ میں سوامی جی نے ذکر تک نہ کیا۔ کہ

لوگوں نے کیسی بے ضابطگی اور شطنت کا ثبوت دیا ہے +

پنڈت ایشر سنگھ نے یہ دیکھا۔ تو مہاراج کے پاؤں پکڑ لئے۔ اور کہا۔ مہاراج! میں اب تک آپ کو محض ویدوں کا عالم ہی سمجھتا تھا۔ مگر آج پنڈتوں کی بدسلوکی کی آندھی میں آپ کے دل کو اتنا مستقل، ایسا اٹل دیکھ کر مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ آپ بڑے اعلےٰ پایہ کے مہاتما ہیں +

دوسرے دن سوامی جی نے اُس واکیہ کے معنی (جس پر پہلے روز مباحثہ ختم ہوا تھا) چھپوا دئیے اور پنڈتوں کو پھر مباحثہ کے لئے چیلنج کیا۔ مگر اُن کے سامنے آنے کا کسی میں حوصلہ نہ تھا۔ بعد میں کاشی کا مباحثہ مفصل طور پر چھاپ کر تقسیم کیا گیا۔ اخبارات نے بھی رائے زنی کی۔ اُس زمانہ کے شہرۂ آفاق پنڈت ستیہ ورت سام شرمی بھی مباحثہ کے وقت موجود تھے انہوں نے اپنے رسالہ "پرتن کمر نندنی" کی اشاعت دسمبر ۱۸۶۹ء میں اس مباحثہ کے حالات شائع کئے اور سوامی جی کی فتح تسلیم کی +

اخبار روہیلکھنڈ نے نومبر ۱۸۶۹ء کی اشاعت میں لکھا "سوامی دیانند مورتی پوجا کے خلاف ہیں اُن کا مباحثہ کانپور کے پنڈتوں سے بھی ہوا تھا۔

اور اب انہوں نے کاشی کے پنڈتوں کو بھی جیت لیا ہے"۔

"گیان پرداینی" نامی رسالہ لاہور سے شائع ہوتا تھا۔ اس کی اشاعت بابت چیت سمت ۱۹۲۸ میں یہ خبر شائع ہوئی۔ "بلا شبہ پنڈت صاحبان مورتی پوجا کا بیان وید میں نہیں ثابت کر سکے"۔

"ہندو پیٹریٹ" کی اشاعت مورخہ ۱۷۔ جنوری ۱۸۷۰ء میں مباحثۂ کاشی سے متعلق یہ سطور شائع ہوئیں "کچھ عرصہ گزرا۔ رام نگر کے مہاراجہ صاحب نے ایک جلسہ کیا جس میں کاشی کے قابل ترین پنڈت جمع ہوئے۔ اس میں ان سے اور سوامی دیانند سے طویل مباحثہ ہوا۔ پنڈتوں کو اپنے مبلغ علم پر بہت فخر تھا۔ مگر ان کو شکست نصیب ہوئی"۔

مباحثہ کے بعد بھی سوامی جی نے ستیہ اپدیش (اظہار صداقت) کا کام جاری رکھا۔ شہر میں منادی کرا دی گئی تھی کہ سوامی دیانند کے پاس کوئی نہ جائے۔ مگر جن کو صداقت کا شوق ہو۔ وہ کب ٹلتے ہیں۔ پنڈت بھی آتے رہے۔ یہاں ایک رام سوامی مصر مہامہوپادھیائے رہتا تھا۔ جوانی کا جوش تھا۔ سوامی جی سے متعلق اکثر سخت سست کہتا رہتا تھا۔ اسے یہ وہم ہو گیا تھا کہ اگر میں ایک دفعہ بھی سوامی جی کے سامنے چلا گیا۔ تو وہ

مورتی پوجا کے خلاف بولنا ترک کر دینگے اور راہ راست پر آ جائینگے۔ مگر سوامی جی کے سامنے نہ آتا تھا۔ وہ سوامی جی کا منہ دیکھنا گناہ سمجھتا تھا۔

آخر اُسے ایک دن خیال آیا۔ کہ اندھیرے میں چلو۔ سوامی جی کا منہ دیکھنے کا پاپ نہ لگیگا۔ اُس نے آتے ہی کہا "تیرے جیسے گنہگار سے سنسکرت میں گفتگو کرنا گناہ ہے۔ اس لئے ہندی میں گفتگو کرونگا۔ مگر تمہیں میری ایک شرط ماننا ہوگا"۔

سوامی جی نے کہا۔ آپ مجھے سنسکرت میں بولنے سے منع کرتے ہیں۔ مگر سنسکرت کے الفاظ تو بولنے کی اجازت دینگے نا؟ اچھا یہی سہی۔ اب آپ اپنی شرط سنائیے۔

اُس نے کہا۔ میں اپنے ساتھ ایک چھری لیتا آیا ہوں۔ جو مباحثہ میں لاجواب ہو جائے۔ اُس کی ناک کاٹ لی جائے گی۔ سوامی جی نے ہنس کر فرمایا۔ ایک میری بھی شرط ہے۔ وہ یہ کہ ایک چاقو بھی منگوا لیا جائے۔ جو ہار جائے۔ اُس کی زبان کاٹ لی جائے۔ کیونکہ ناک تو ان باتوں میں بے قصور ہے۔ جو کچھ قباحت ہوتی ہے۔ وہ تو زبان سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد بات چیت شروع ہوئی۔ اور آدھ گھڑی کے اندر اندر وہ نوجوان سیدھا ہو گیا۔ اب اُس کی بات چیت میں تہذیب آ گئی تھی۔

اس جگہ سوامی جی مذہب اسلام کی خامیاں بھی دکھاتے تھے۔ اس سے مسلمان اُن سے بہت کد رکھنے لگے۔ ایک دن شام کے وقت مہاراج گنگا کے کنارے بیٹھے تھے۔ حسن اتفاق سے کچھ مسلمان اُدھر آ نکلے۔ ان میں سے بعض نے سوامی جی کو پہچان لیا اور کہا۔ یہ وہی شخص ہے۔ جو اُس دن اسلام کے خلاف لیکچر دے رہا تھا۔ اُن میں سے دو آدمی بہت جوشیلے تھے۔ اُن کے چہرے لال ہو گئے۔ اور وہ آگے بڑھ کر سوامی جی کو پانی میں پھینکنے کو تیار ہوئے۔ اُنہوں نے سوامی جی کے دونو بازو پکڑ لئے۔ اور سوامی جی کو جھلا کر پانی میں پھینکنے لگے۔ معاً سوامی جی نے اپنے بازو سکیڑ کر اپنے جسم کے ساتھ چمٹا لئے اور پوری طاقت سے آگے اُچھل کر اُن دونو آدمیوں کو ساتھ لئے ہوئے پانی میں کُود پڑے۔ کچھ دیر تک اُن کو دین و دنیا کا ہوش تک نہ رہا۔ مگر جب چند غوطے کھا چکے۔ تو سوامی جی نے اُن پر مہربانی کر کے اُنہیں چھوڑ دیا۔ وہ بڑی مشکل سے باہر نکلے۔ اور مٹی کے ڈھیلے لے کر کنارے پر بیٹھ گئے۔ کہ باوا باہر نکلے۔ تو اُسے ماریں۔ مگر سوامی جی اُن کے ارادے سے پہلے ہی واقف تھے۔ اُنہوں نے دم روک لیا اور پانی کی تہ میں پدم آسن لگا کر بیٹھ گئے۔ جب اندھیرا ہو گیا۔ تو مسلمانوں نے سمجھا کہ باوا صاحب

تو ڈوب گئے ہیں۔ اُن کی روانگی کے بعد سوامی جی باہر نکل آئے ؀

ایک دن ایک آدمی نے بڑی عقیدتمندی کا اظہار کیا۔ اور سوامی جی کے لئے کھانا لایا۔ اتفاق سے اُس وقت سوامی جی کھانا کھا چکے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے انکار کر دیا۔ اس پر اُس بدکار نے کہا۔ پان تو لیجئے گا۔ سوامی جی نے پان اُٹھا لیا اور اُسے کھول کر دیکھا۔ چور کی ڈاڑھی میں تنکا۔ وہ شخص پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ نکلا۔ پان سرکاری ہسپتال میں بھیجا گیا۔ معلوم ہوا۔ اُس میں زہر تھا ؀

اِدھر بنارسی غنڈے سوامی جی کی گھات میں لگے تھے۔ وہ چاہتے تھے۔ جس طرح بھی ہو سکے۔ اُنہیں جان سے ہلاک کر دیں۔ جب اِس امر کا علم بابا جواہر داس کو ہوا۔ تو وہ بھاگے بھاگے سوامی جی کے پاس آئے۔ اور یہ خبر اُنہیں سُنا کر بے چینی کا اظہار کرنے لگے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ آپ گھبراتے کیوں ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ میرے ساتھ ایسے واقعات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔ جب میں گھر پر تھا۔ اُن دنوں ایک پڑوسی زمیندار نے ہمارے ایک کھیت پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ بات مجھے پتا جی سے معلوم ہوئی۔ تو میں جوش میں آ گیا۔ اور تلوار لے کر آگے بڑھا۔ اُس وقت اگرچہ وہاں کئی

آدمی تھے - مگر میرے حوصلہ کے سامنے سب بھاگ نکلے-
اب بھی اگر یہاں کے دس پندرہ غنڈوں نے مجھ پر
حملہ کیا - تو میں تن تنہا ان کے لئے کافی ہوں *

مہاراج کی آواز ایسی گرجدار تھی - کہ جب زور سے
بولتے تھے - تو پاس بیٹھے لوگ بھی کانوں میں انگلیاں
دے لیتے تھے - ایک دن آپ چہل قدمی کرنے جا رہے
تھے - کہ ایک ہٹا کٹا موٹا پہلوان تعاقب کرنے لگا -
اس کے ہاتھ میں ایک لاٹھی بھی تھی - جب مہاراج نے
پیچھے مڑ کر دیکھا - تو اس پہلوان کے اطوار خونیوں کے
سے معلوم ہوئے - سوامی جی نے وہیں ٹھیر کر ایک
ایسا نعرہ مارا - کہ وہ پہلوان چیخیں مارتا ہوا بھاگ گیا *

جواہر داس صاحب کے ساتھ سوامی جی کی اکثر بات
چیت ہوتی رہتی تھی - وہ آپس میں دوستوں کی طرح
ملا کرتے تھے - گفتگو میں کبھی کبھی مذاق کا رنگ بھی
شامل ہو جاتا تھا - ایک دن مہاراج جواہر داس کے
مکان پر گئے - وہاں بھانگ کا رگڑا لگ رہا تھا -
سوامی جی کو دیکھ کر انہوں نے کونڈی ڈنڈے کو
چھپانے کی کوشش کی - مگر سوامی جی بہت قریب آ چکے
تھے - ہنس کر بولے - اچھا ! یہ شو کی بوٹی ہے - کیا
آپ بھی شو بننا چاہتے ہیں - اور شو بننے میں خرچ
ہوتا ہی کیا ہے - بھانگ پی کر نشے میں جھومے -

شووہم (میں شو ہوں) اور برھماسمی (میں برہم ہوں) کی گردان پڑھی۔ بس شو جنے بناتے ہیں ؁

ایک مرتبہ سوامی جی نے جواہرداس سے کہا۔ آپ بھی اُپدیش کرنے لگ جائیے۔ اس پر اُنہوں نے مذاق کے طور پر جواب دیا۔ آپ کا تو گھر بار نہیں۔ دن رات گھومتے رہتے ہیں۔ میرا تو ڈیرہ ہے۔ مجھ سے یہ کام نہ ہو سکیگا۔ ارشاد فرمایا۔ مہاتمن! یہ ڈیرہ پہلے بھی آپ کے پاس نہ تھا۔ آخر میں بھی آپ کے پاس نہ رہیگا۔ اس دو دن کی محبت میں کیوں پھنس گئے ہو۔ اُٹھو اور دُنیا کی کچھ بھلائی کرو ؁

جواہرداس شری سوامی جی کے پاس روزانہ آتے تھے۔ اور ویدوں اور اُپنشدوں کے متعلق بات چیت کیا کرتے تھے ؁

سخت مزاج کے آدمی بھی بعض باتیں پوچھنے آتے تھے۔ اور سخت لہجہ میں بات چیت کرتے تھے۔ مگر سوامی جی ان کے جواب میں شیریں بیانی اور نرمی سے کام لیتے تھے۔ اُن کے جواب میں غصہ نہ ہوتا تھا۔ نہ ذاتی اعتراضات کرنے کی عادت تھی۔ کھنڈن عام طور پر کرتے رہتے تھے۔ مگر نہ ڈرتے تھے نہ جوش میں آتے تھے۔ اُن کی زبان میں ایسی عجیب کشش تھی۔ ایسی ناقابل بیان تاثیر تھی۔ اور ایسی بے نظیر شیرینی تھی۔

جیسے سُن کر کھوٹے آدمی نیک بن جاتے تھے۔ پتھر کے مانند سخت دل موم ہو جاتے تھے۔ غصہ سے جلے ہوئے لوگوں کو اطمینان مل جاتا تھا۔ اور آپ کا مخالف بھی مخالفت کو چھوڑ کر آپ کی خدمت کرنے کو آمادہ ہو جاتے تھے۔

اپنے ضیا پاش خیالات سے اہل کاشی کو نہال کر کے آپ الہ آباد کے میلہ کمبھ میں اُپدیش کرنے کو روانہ ہوئے۔ یہ میلہ مکر سنکرانتی کو تھا۔

تیسرا باب

۲۲ جنوری سنہ ۱۸۷۰ء کو مہاراج الہ آباد پہنچے اور گنگا کے کنارے ڈیرہ لگا دیا۔ وہاں آپ نے بڑے شد و مد سے پرچار کا کام شروع کیا۔ سینکڑوں سادھو سنت بھی آنے لگے۔ سادھو لوگ ویدانت پر، نشکریہ واد پر، بات چیت کرتے تھے۔ ایک دن ایک سادھو نے آپ سے پرورتی اور نورتی (دنیاداری اور ترک دنیا) پر مباحثہ کیا۔ اس کا اطمینان کر چکنے پر آپ نے لیکچر کے دوران میں

کہا۔ کریا (افعال) کی زندگی مبارک زندگی ہے۔ ساری دنیا مسلسل کام میں مصروف ہے۔ ہم بھی دُنیا کا حصّہ ہیں۔ جب سارے جسم میں ہمیشہ کام اور سرگرمی جاری ہے۔ تو ہم میں جو اُس کُل کا جزو ہیں۔ سُستی اور ناکارہ پن آنے کے کیا معنی ہیں۔ ویدک دھرم میں ویدوں کی اجازت کے خلاف کاموں کو نہ کرنا اور گناہوں سے بچنا ہی (نورتی مارگ) ترکِ دُنیا کہا گیا ہے۔ جو لوگ اس رمز کو نہیں سمجھتے۔ اُنہیں وید کا علم ہی نہیں ہے۔ اور جو لوگ سنتیہ اُپدیش (پند و نصائح) لوک ہت (بہبودی خلق) اور پرجا پریم (بے غرضی کی محبت) کو ترک کر دیتے ہیں۔ وہ بھی تو اپنے جسم کی پرورش کرتے ہیں۔ روٹی مانگنے کے لئے وہ بھی دو دو کوس کا سفر کرتے ہیں۔ تیرتھوں پر وہ بھی گھومتے پھرتے ہیں۔ سچ پوچھو تو سچائی اور دوسروں کی بھلائی کے لئے اپنے سُکھوں کو چھوڑ دینا اور اس میں اپنی زندگی تک محو کر دینا ہی سچا تیاگ ہے۔ مہاراج نے یہ بھی کہا۔ دوسروں کی بھلائی کئے بغیر زندگی گزارنا ہرن کی زندگی گزارنے کے مترادف ہے۔ اس میلہ پر سینکڑوں سادھو آئے ہوئے ہیں۔ یہ ہر روز گرہستی لوگوں کا آٹھ آنے کا آٹا کھا کر جنگلوں میں پڑے رہتے ہیں۔ اب سوچنا چاہئے کہ

ان میں اور ہرنوں میں فرق کیا ہے - ہرن بھی اسی طرح کسانوں کے کھیت اُجاڑ کر جنگلوں میں پڑے رہتے ہیں - ایسی زندگی لا حاصل ہے - یہ تو جیوانوں کو بھی میسّر ہے" +

مہاراج ان دنوں ننگے رہتے تھے - ماگھ کی سردی تھی - مگر آپ کے تن پر ایک لنگوٹی کے سوائے کوئی دوسرا کپڑا نہ ہوتا تھا - اُنہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا - گویا سردی کی ہستی ایک لفظ سے بڑھ کر نہیں - اس تپ کو دیکھ کر لوگ تعجب کیا کرتے تھے +

سوامی جی کے پرچار کی میلہ میں دھوم مچ گئی - سینکڑوں لوگوں کا اعتقاد مورتی پوجا سے ہٹ گیا +

مہاراج کا دل درد رس تھا - غریبوں اور مصیبت زدہ آدمیوں کو دیکھ کر اُن پر بے حد اثر ہوتا تھا - ایک دن کا ذکر ہے گنگا کنارے بیٹھے قدرت کے جلوے دیکھ رہے تھے - کہ ایک عورت مرا ہوا بچہ لئے گنگا میں اُتری - گہرے پانی میں جا کر اُس نے بچے کے مردہ جسم سے کپڑا اُتار لیا - اور ایک آہ مار کر لاش کو پانی میں بہا دیا - یہ صبر آزما منظر دیکھ کر مہاراج اپنے دل کو نہ سنبھال سکے - جب انہوں نے دیکھا - کہ وہ عورت اُس کپڑے کو دھو کر سکھاتی جاتی ہے اور ساتھ ہی ساتھ روتی بھی جاتی ہے - تو اُنہوں نے

نہایت ہی غمگین ہو کر اپنے دل سے کہا - آج بھارت ورش اتنا کنگال اس قدر مفلس ہو چکا ہے - کہ ماں اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو تو ندی میں بہائے جاتی ہے - مگر اُس کے تن کا کپڑا اس لئے نہیں بہایا جاتا - کہ اُس کا میسر آنا مشکل ہو جائیگا - اور اُس کا گزارہ نہ ہو سکیگا - اس سے زیادہ ملک کی بے بسی کی نظیر مشکل سے ملیگی - اس وقت اُنھوں نے عہد کیا - کہ میں کچھ عرصہ تک انہی لوگوں کی زبان میں پرچار کر کے ان کے دکھ دُور کرنے کے طریقے انہیں بتاؤنگا *

اس میلہ کے خاتمہ پر مہاراج مرزا پور چلے گئے - اور رام رتن کے باغ میں ٹھیرے - مورتی پوجا اور بُرے رسوم کا کھنڈن ہونے لگا *

مرزا پور میں ان دنوں بال کرشن داس نامی ایک بیراگی رہتا تھا - وہ مہابھارت کو شُدھ کرنے میں لگا ہوا تھا - حقیقت میں مہابھارت کے چوبیس ہزار شلوک تھے - اُس میں اُس نے بھگوت گیتا کو بھی مابعد کی ملاوٹ سمجھ کر نکال ڈالا تھا - سگندھی لال وہاں کا ایک امیر تھا - اُسے بھگوت گیتا میں بڑی عقیدت تھی - بیراگی باوا کی اس حرکت پر اُسے بڑا ملال ہوا - اُس نے اِس اندھیر کی خبر سوامی دیانند جی کو دی - سوامی جی نے کہا - اُس کا گیتا کو ملاوٹ کہنا غلطی ہے - اس سے

متعلق وہ جب چاہے مباحثہ کر لے - ایک اور آدمی چھوٹو رام نے اُس مہابھارت کی ایک جلد سوامی جی کو لا کر دی - سوامی جی نے سب کے سامنے اُس کتاب کو نقصوں سے پُر ثابت کیا - اس کی اطلاع باوا بال کرشن داس کو بھی ہو گئی - غصہ میں تو بہت آئے مگر مباحثہ کا مضمون یہ کہہ کر ٹال گئے - کہ ہم کسی کے مکان پر نہیں جاتے - سوامی جی نے بہت کہا - کہ یہ جگہ ہماری بھی نہیں ہے - اور اگر یہ بھی منظور نہ ہو - تو پاس کا باغ سہی - یا گنگا پر آ جائیے - پر باوا جی نے ایک نہ مانی - بلکہ وہ مباحثہ کے خیال سے ایسا خوفزدہ ہوا کہ اُس نے جس طرف سوامی جی سیر کو جایا کرتے تھے - اُدھر جانا ہی ترک کر دیا۔

سوامی جی کے خیالات کے باعث بہت سے لوگ اُن کے دشمن ہو گئے تھے - اور وہ اُنہیں جیسے بھی ممکن ہو دُکھ دینے میں پس و پیش نہ کرتے تھے - اُنہی دنوں ایک اوجھا منتر شاستری مرزا پور آیا ہوا تھا - اُس نے مشہور کر دیا - کہ میں ایسے منتر جانتا ہوں - کہ اگر کوئی اُن کا جاپ کرائے - تو اکیسویں دن لازمی طور سے دیانند ہلاک ہو جائیگا - لوگوں کو اُس کی اس بڑ پر یقین تھا - ایک سیٹھ نے کہا - جتنا بھی خرچ ہو - مجھ سے لو - اور اپنے منتروں کا زور دیانند پر چھوڑو -

لہذا وہ منتر شاستری اپنے جاپ کرنے لگا ۔

یہ خبر لوگوں نے سوامی جی کو بھی دے دی۔ مگر وہ ایسی واہمہ کی باتوں سے دبنے والے تھوڑے ہی تھے۔ منتر کا جاپ شروع ہوئے تین چار ہی دن ہوئے تھے۔ کہ حسن اتفاق سے سیٹھ کے حلق پر پھوڑا نکل آیا۔ اور دن بدن خوفناک صورت اختیار کرتا گیا۔ یہاں تک اُسے کھانا پینا تھوکنا بلکہ بولنا تک مشکل ہو گیا۔ ایک دن اوجھا اُس کے پاس گیا اور بولا۔ منتر جاپ کا خاتمہ قریب ہے۔ بلیدان کی چیزیں منگوا دیجئے۔ خاتمہ پر ادھر بلی دی جائیگی۔ اُدھر دیانند کا سر قلم ہو جائیگا۔ سیٹھ صاحب نے بڑی مشکل سے جواب دیا۔ شاستری صاحب! دیانند کا سر تو جب قلم ہوگا۔ دیکھا جائیگا۔ اس وقت تو تکلیف سے میری ہی جان نکل رہی ہے۔ میں باز آیا اس منتر جاپ سے۔ آپ مہربانی کرکے اسے بند کریں۔" اس طرح یہ شیطانی واہمہ کا جاپ درمیان ہی میں چھوڑ دیا گیا ۔

مرزا پور میں ایک گوسائیں رہتا تھا۔ چھوٹوگری نام۔ طبیعت میں غصہ۔ ایک دن وہ اور جگن ناتھ مالوی سینکڑوں آدمیوں کے ساتھ سوامی جی کے پاس آئے۔ چھوٹوگری آتے ہی سوامی جی کے پاؤں پر پاؤں رکھ کر بیٹھ گیا اور رطب و یابس بکنے لگا۔ سوامی جی نے دریافت کیا۔ یہ شخص کون ہے؟ جواب میں جگن ناتھ نے کہا۔

کاشی کے وشوناتھ کے مانند یہاں بوڑھے مہادیو ہیں۔ یہ اُن کے پوجاری ہیں۔ سوامی جی نے اگرچہ اُن کے فسادی ضمیر اور نباہی پسند آنکھوں کو پہلے ہی دیکھ لیا تھا۔ مگر اُن کی حرکتوں سے اُنہیں یقین ہو گیا۔ کہ ان کا مقصد صرف لڑائی جھگڑا کرنا ہے۔ مگر اس کا اثر ان پر ذرہ بھر نہ ہوا۔ بلکہ اُنہوں نے مورتی پوجا کے خلاف اور بھی زور شور سے بولنا شروع کر دیا۔ سوامی جی کے قریب بتاسوں کا دونا پڑا تھا۔ چھوٹو گری نے اُس طرف ہاتھ بڑھایا۔ مہاراج نے کہا جس قدر درکار ہوں۔ لے لو۔ سب کو جھوٹا نہ کرو۔ مگر اُس نے ذرا پروا نہ کی۔ اور ایک ایک بتاسہ اُٹھا کر کھانے لگا۔ سوامی جی نے پھر روکا۔ مگر وہ آیا ہی لڑنے کی نیت سے تھا۔ مان کیسے جاتا۔ بے ادبی سے بولا۔ ہماری جھوٹھ سے نفرت کرتے ہو۔ ہم تو تمہارے گورو ہیں۔ ذرا ٹھہر جاؤ۔ آج ہم تمہیں یہ کھنڈن کرنے کا مزہ چکھائینگے۔

مگر سوامی جی ایسی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والے تھوڑے ہی تھے۔ جو ڈر جاتے۔ جب اُنہوں نے دیکھا۔ کہ یہ گوسائیں سر چڑھا جاتا ہے۔ تو اُنہوں نے گرج کر کہا۔ کیا تم مجھے ڈرانا چاہتے ہو۔ اگر میں ایسا ہی بزدل ہوتا۔ تو سارے ملک میں پرچار نہ کر سکتا۔ اس کے بعد انہوں نے بلند آواز سے اپنے ملازم

سے پکار کر کہا۔ دروازہ بند کر دے۔ میں ان سب سے اکیلا ہی سمجھ لونگا *

اُس وقت اُن کا جسم جلال سے چمکنے لگا۔ اور آنکھیں سُرخ ہو گئیں۔ سوامی جی کی یہ غیظ و غضب کی حالت دیکھ کر چھوٹو گری کا کلیجہ دہل گیا۔ پہلے کے کئے ہوئے ارادے رہ گئے۔ اور وہ پیچھے ہٹ کر آدمیوں کے مانند بیٹھ گیا *

جگن ناتھ نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ ہم کیسے جانیں کہ مورتی پوجا نہ کرنا چاہیئے۔ ارشاد فرمایا۔ وید میں اس کے لئے کوئی حکم نہیں ہے۔ اور پرماتما ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ اُسے کوئی قید نہیں کر سکتا۔ تم مورتیوں میں ایشور مانتے ہو۔ اور پھر اپنے ہاتھ سے تالہ لگا کر اُسے مندر میں بند کر جاتے ہو۔ تم ہی کہو۔ تمہاری مورت میں پرماتما کی قوّت ہے۔ وہ نہ مہربانی کر سکتی ہے نہ غصّہ۔ اگر بہتری کے خواہاں ہو۔ تو اپنے دل میں ایشور کی پوجا کرو *

جگن ناتھ نے نمسکار کر کے کہا۔ ہمیں تو لوگوں نے بہکا رکھا تھا۔ کہ آپ رام کرشن کے خلاف بولتے ہیں۔ یہ تو آج ہی معلوم ہوا کہ آپ مورتی پوجا کے خلاف ہیں *

چھوٹو گری کا غرور سوامی جی کے سامنے تو ریزہ ریزہ

ہو گیا تھا۔ مگر گھر پہنچ کر وہ پھر ان کو نقصان پہنچانے کے منصوبے سوچنے لگا۔ چنانچہ ایک رات کو اُس نے دو آدمی سوامی جی کو تنگ کرنے کی غرض سے روانہ کئے۔ جب وہ سوامی جی کے ڈیرے پر پہنچے۔ اُس وقت سوامی جی پنڈت رام پرساد کو شاستر کی کچھ باتیں سمجھا رہے تھے۔ وہ اُجڈ غنڈے بار بار ہنسنے اور چھیڑ چھاڑ کرنے لگے۔ ایک دو مرتبہ تو مہاراج نے اُنہیں نرمی سے سمجھایا۔ پر جب دیکھا۔ کہ یہ ٹلنے ہی میں نہیں آتے۔ تو ایک نعرہ بڑے زور سے مارا۔ جس طرح رنتھالا میں شری رام کے دھنش توڑنے سے ساری سبھا کانپ اٹھی تھی۔ اُسی طرح سوامی جی کی گرج سے وہ دونو ناہنجار کانپ اُٹھے۔ اور بے ہوش ہوکر زمین پر گر گئے۔ اُس وقت پنڈت رام پرساد نے بھی اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے لیں +

مہاراج ان کے مُنہ پر پانی کے چھینٹے دے کر اُنہیں ہوش میں لائے۔ اُس وقت اُن کے بدن سے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ مہاراج نے کہا۔ ڈرو نہیں۔ سنیاسی کسی کو مارا نہیں کرتے۔ کپڑے سنبھال کر بھاگ جاؤ +

ایک دن کچھ پنڈتوں نے سوامی جی کو ایک خط لکھا۔ اور اُسی دن مباحثہ کے لئے اصرار کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی دھمکی دے دی۔ کہ اگر مباحثہ کے دوران میں مورکھ (بیوقوف) وغیرہ کہا۔ تو اُسی وقت سزا دی جائیگی۔ مہاراج نے دیکھا۔

خط میں بے شمار غلطیاں ادب اور گرامر کی ہیں۔جواب دیا۔ مباحثہ کرنے کا حق تو بچے کو بھی حاصل ہے۔مگر گوبند بھاگوت پاٹھی ایسے بے سمجھ مغروروں کو تو غرور توڑ کر مورکھ (بے وقوف) ثابت کرنا ہی پڑتا ہے ٭

اس جواب کے جانے کے دو گھنٹے بعد پنڈت صاحبان آ گئے۔سب سے اوّل پنڈت گوبند نے بھاگوت سے متعلق بات چیت شروع کی۔مگر بہت جلد اُسے خاموش ہو جانا پڑا۔اس کے بعد دیر تک مورتی پوجا پر مباحثہ ہوتا رہا۔سوامی جی نے وید کے حوالے دے کر ثابت کیا۔کہ پرماتما اوتار نہیں لیتا۔اور نہ اُس کی کوئی شکل ہے۔پنڈت صاحبان لاجواب ہو کر چلے گئے ٭

یہاں پنڈت گجادھر سے بات چیت کرتے وقت مہاراج نے منوسمرتی کے لفظ "چکری" کا ترجمہ کمہار کیا۔گجادھر نے کہا۔اس کا ترجمہ تیلی ہے اور کلوک نے بھی اس کا ترجمہ تیلی ہی کیا ہے۔ہنس کر جواب دیا۔کلوک تو اُلوک (اُلّو) ہے۔اُس کی بات جانے دو۔خود سوچو۔تیلی کے پاس چکر نہیں ہوتا وہ کولھو سے کام لیتا ہے۔چکر کمہار کے پاس ہوتا ہے۔اس لئے اُسی کا نام چکری ہے ٭

ایک آدمی نے سوال کیا۔آتما پرماتما ہو جاتا ہے یا نہیں۔جواب دیا۔سوال بڑا لطیف ہے۔تم نہ

سمجھ سکو گے ؞

میرزا پور میں سوامی جی کے اُپدیشوں سے کئی آدمی سُدھر گئے - اور مورتی پوجا چھوڑ کر نراکار پرماتما کی پوجا کرنے لگے ؞

چوتھا باب

جیٹھ سمت ۱۹۲۷ کے اوائل میں مہاراج گنگا کے کنارے کنارے ہوتے ہوئے بنارس پہنچے - اور درگا کُنڈ کے قریب لالہ مادھوداس کے باغ میں ٹھہرے ؞

یہاں آکر آپ نے " ادویت مت کھنڈن " نامی ایک کتاب شائع کی - جس میں ثابت کیا - کہ آتما اور پرماتما دو علیحدہ چیزیں ہیں - اس کتاب نے ویدانتیوں میں ہلچل مچا دی - کئی اصحاب نے اس مضمون پر بحث بھی کی ؞

یہاں کے قیام کے دوران میں ایک مرتبہ مرزا پور تشریف لے گئے اور وہاں ایک پاٹھشالا کھول کر پھر کاشی لوٹ آئے ؞

مہاراج ایشری نارائن سنگھ نے ایک دن خدمت اقدس

میں اپنا نفر بھیجا اور درشنوں کی خواہش ظاہر کی۔سوامی جی نے اس معاملہ میں بابا جواہرداس سے مشورہ لیا۔کہ مہاراجہ صاحب کے پاس جانا چاہیئے یا نہیں۔باوا جواہرداس نے جواب دیا۔ مباحثہ کاشی میں آپ کے ساتھ جو بے انصافی کی گئی تھی۔ مہاراجہ صاحب اُس کے لئے آپ سے معافی مانگنا چاہتے ہیں۔وہ اب اپنے اُس فعل پر پچھتا رہے ہیں۔مگر بہتر تو یہ ہے۔کہ وہ یہاں آکر معافی مانگیں۔ مگر کچھ دن کے بعد مہاراجہ صاحب کے آدمی گاڑی لیکر آگئے۔ سوامی جی نے یہ سوچ کر کہ ہمیں غرور زیب نہیں دیتا۔چلنا منظور کر لیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ آپ کے لئے کمکشا دیوی کا مندر مقرر کیا گیا تھا۔جب مہاراجہ صاحب نے سوامی جی کو آتے دیکھا۔تو کھڑے ہو گئے اور آگے بڑھ کر سوامی جی کا خیر مقدم کیا۔ اور اس کے بعد عزت کے ساتھ اندر لے جا کر سونے کے تخت پر بٹھا دیا۔ دست خاص سے اُن کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی اور پھر خود بھی پاس بیٹھ گئے۔

اس کے بعد مہاراجہ صاحب نے ہاتھ باندھ کر عرض کی۔کہ ہمارے خاندان میں مورتی پوجا کی رسم بہت قدیم ہے۔ میں بھی بڑی عقیدت سے مورتی پوجا کرتا آیا ہوں۔ اس لئے دیرینہ تعصب کے باعث مباحثہ

میں آپ کی شان میں گستاخی ہو گئی۔ آپ سنیاسی ہیں۔ معاف فرما دیجئے"۔

سوامی جی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ہمارے دل میں اُس بات کا کوئی اثر باقی نہیں۔ اس کے بعد دوسری باتیں ہوتی رہیں۔ آخر میں جب سوامی جی روانہ ہونے لگے۔ تو مہاراج صاحب نے کئی سونے کی مہریں اور مربے وغیرہ کھانے کی اشیاء سوامی جی کی خدمت میں نذر کیں۔ اور خود گاڑی میں بٹھا کر وداع کیا۔ اس دفعہ سوامی جی کوئی اڑھائی مہینے کاشی میں ٹھہرے۔

کاشی سے چل کر مہاراج کاس گنج پہنچے۔ اور وہاں جاتے ہی اپنی قائم کردہ ویدک پاٹھشالہ کا ملاحظہ کیا۔ اُس پاٹھشالا میں حسب ذیل قاعدوں پر عمل ہوتا تھا:-

۱۔ ودیارتھی کو سندھیا سکھا کر پاٹھشالا میں داخل کیا جاتا تھا۔ اور اسی سے اُس کی لیاقت کا اندازہ لگایا جاتا تھا۔

۲۔ اشٹا دھیائی۔ مہابھاشیہ اور منوسمرتی نصاب میں داخل تھے۔

۳۔ اگر کوئی ودیارتھی سورج نکلنے سے پہلے پہلے اُٹھ کر سندھیا نہ کر لیتا۔ تو اُسے شام کی سندھیا کر لینے سے پہلے کھانا نہ دیا جاتا تھا۔ اور اُس کی نگرانی کی جاتی تھی۔ کہ کہیں دوسری جگہ کھانا نہ کھا لے۔

۴۔ ودیارتھیوں کو شہر میں جانے کی اجازت نہ تھی۔
مگر دعوت میں جانا مستثنیٰ میں داخل تھا۔

۵۔ پاٹھشالا کے روپے سے صرف باہر کے ودیارتھیوں
کو کھانا ملتا تھا۔

۶۔ جو ودیارتھی زیادہ محنت کرتے تھے۔ اُن کی خوراک
کا خاص انتظام ہوتا تھا۔

مہاراج ودیارتھیوں اور ساتھ رہنے والے پنڈتوں اور سیوکوں کو بھی چھوٹے چھوٹے گناہوں سے بچنے کا اُپدیش کیا کرتے تھے۔ اُن دنوں پنڈت رام پرساد سوامی جی کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ سوامی جی نہانے جا رہے تھے۔ رام پرساد بھی پیچھے پیچھے تھا۔ اُس وقت پیڑ سے ایک پکا ہُوا آم زمین پر گر پڑا۔ مہاراج اپنے رستے چلے گئے۔ مگر رام پرساد کے مُنہ میں پانی بھر آیا۔ اُنہوں نے اُسے اُٹھا کر مُنہ میں ڈال لیا۔ سوامی جی نے کہا "رام پرساد! یہ باغ تمہاری مِلک نہیں ہے۔ اس لئے یہ چوری ہے" واپس آ کر آپ نے اُسے ایک روپیہ جرمانہ بھی کیا۔

ایک دن بازار میں جا رہے تھے۔ سامنے سے ایک موٹا تازہ بیل آ گیا۔ سب لوگ سہم کر چبوتروں پر چڑھ گئے۔ اور سوامی جی سے بولے۔ آپ بھی آ جائیے مگر سوامی جی ایک پاؤں بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے۔

سیدھے بیل کی طرف چلتے گئے۔ بیل خود بخود رستہ چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا۔ اس بے خوفی اور جرأت کو دیکھ کر سارا بازار دنگ رہ گیا۔ چین سنگھ نے پوچھا۔ اگر بیل سینگ چلا دیتا۔ تو آپ کیا کرتے؟

جواب دیا۔ سینگ پکڑ کر ایک طرف کر دیتا اور کیا کرتا۔

مہاراج نے یہاں بہت دیر تک قیام فرمایا۔ اُن کے ست سنگ سے بے شمار لوگوں نے فائدہ اُٹھایا۔ مگر سب سے زیادہ فائدہ چین سنگھ نے حاصل کیا۔ جو دن رات مہاراج کی خدمت میں لگا رہتا تھا۔ اس صحبت کا اثر یہ ہوا۔ کہ وہ اعلےٰ درجہ کی سنسکرت بولنے لگا۔

جب کاسگنج کی پاٹھشالہ کے انتظامات مکمل ہو چکے۔ تو ایک دن چپ چاپ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اور رام گھاٹ جا پہنچے۔

چھلیسر میں سب سے بڑے زمیندار ٹھاکر مکند سنگھ جی تھے۔ بڑے صاحب خیال اور قابل۔ چھلیسر کے آس پاس ساٹھ کے قریب چوہان راجپوتوں کے گاؤں ہیں۔ مکند سنگھ جی سب میں ممتاز تھے۔ اُن کی بات موڑنے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ جو جھگڑا ہوتا۔ اُسے وہی نپٹاتے۔ اُن کے پاس راجپوتوں کا سدا ہجوم رہتا تھا۔ اُنہوں نے کرنواس میں شری مہاراج

کے درشن کئے تھے۔ اور اُس وقت گو اُنہیں صرف دو ہی گھنٹے کی صحبت میسّر ہوئی تھی۔ تاہم اُن کی آنکھیں وا ہو چکی تھیں۔ اور وہ راہ صداقت سے آشنا ہو گئے تھے۔ اُن کے دل میں سوامی جی کی عقیدت تھی۔ اُنہوں نے چھلیسر میں جا کر کوئی بیس جگہوں سے ٹھاکر اُٹھوا دئے تھے۔ اور اپنے خیالات کا پرچار کرتے رہتے تھے۔ اُن کے بھائی منی سنگھ بھی سوامی جی کے بھگت بن گئے تھے۔ اُن کی بڑی آرزو تھی۔ کہ سوامی جی کو چھلیسر میں لاکر اُن کی خدمت کریں۔ اُنہوں نے جب سُنا۔ کہ مہاراج رام گھاٹ تشریف لے آئے ہیں۔ تو اُن کی خوشی کا ٹھکانا نہ رہا۔ ٹھاکر مکند سنگھ کارتک شکلا چتردشی سمبت ۱۹۲۷ کو رام گھاٹ گئے۔ اور سوامی جی سے چھلیسر تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ سوامی جی اس درخواست کو ردّ نہ کر سکے اور آپ نے وہاں چلنے کا وعدہ کر لیا۔ ٹھاکر مکند سنگھ نے جب یہ خوشخبری چھلیسر جا کر اپنے رشتہ داروں اور یار دوستوں کو سُنائی۔ تو اُن سب کے دل مسرت کے جھولے میں جھولنے لگے۔

چار گھڑ کو سوامی جی کو چھلیسر تشریف لے جانا تھا۔ اُس دن صبح ہی سے شہر میں خوشیاں منائی جانے لگیں۔ لوگوں کے چہرے معصوم خوشی سے پھول کے مانند شگفتہ ہو رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ آج اس شہر میں

کوئی نیکی اور دھرم کا اوتار آ رہا ہے +

خیر مقدم کے لئے کوئی ڈیڑھ سو آدمی برہنہ پاؤں ڈیڑھ کوس آگے گئے۔ اور کالندی ندی پر مہاراج کے درشن کر کے اُن کے پاؤں چھو کر نمسکار کیا۔ ٹھاکر مکند سنگھ نے اُن کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا۔ اور اپنے دائیں ہاتھ سے سر پر چھتر کا سایہ کر کے پالکی میں بیٹھنے کی استدعا کی۔ سوامی جی نے اپنے الفاظ کے آبحیات سے سب لوگوں کے چہروں کے پھولوں کو سینچتے ہوئے کہا۔ ہم بھی آپ کے ساتھ پیدل ہی چلینگے +

اُس دن گاؤں میں میلہ سا منایا جا رہا تھا۔ بوڑھے۔ بچے۔ جوان۔ مرد عورتیں یا اپنے گھروں کے سامنے کھڑے ہو کر یا چھتوں پر چڑھ کر مہاراج کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ گاؤں میں پہنچے تو جیسے چاند کو دیکھ کر چکور خوش ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی سب کے دلوں کی حالت ہوئی۔ سوامی جی کا جلوس گاؤں میں سے ہو کر گاؤں کے باہر مغرب کی طرف ایک باغ میں ختم ہوا۔ جہاں سوامی جی مقیم ہوئے۔ اس باغ میں جو مکان تھا۔ وہ کچھ اچھا نہ تھا۔ اس لئے مکند سنگھ نے خاص سوامی جی کے لئے چند ہی دنوں میں ایک خوبصورت مکان

تیار کرا دیا تھا۔ اُس کے آگے قریباً بیس گز لمبا اور دس گز چوڑا چبوترہ بنایا گیا۔ اس چبوترہ پر روزانہ شام کے وقت خوبصورت جاجم بچھایا جاتا۔ پھر ایک چوکی بچھا کر اُس پر قالین ڈالا جاتا۔ اور اُس پر بیٹھ کر سوامی جی لوگوں کو اُپدیش دیتے تھے ؎

ٹھاکر مکند سنگھ جی اور منی سنگھ جی نے پہلے ہی یگیوپویت لیا ہوا تھا۔ مگر سوامی جی میں جو اُنہیں گہری عقیدت تھی اُس کے باعث اُنہوں نے سوامی جی سے دوبارہ یگیوپویت لیا اور باقاعدہ طور پر سوامی جی کو اپنا گورو بنایا۔ اُن کے ساتھ اُن کی برادری کے اور دوسرے راجپوتوں نے یگیوپویت لیا۔ کئی آدمیوں نے کنٹھیاں اُتار دیں۔ جس سے مخالفوں نے یہ غلط فہمیاں پھیلانا شروع کر دیا۔ کہ سوامی جی جنیو اُتروا تے ہیں۔ مگر چند ہی دنوں میں لوگوں کو حقیقت حال معلوم ہو گیا ؎

سینکڑوں راجپوت آئے دن دور دور سے سوامی جی کے اپدیش سُننے آتے۔ اور ٹھاکر مکند سنگھ ہر طرح سے اُن کی خاطر تواضع کیا کرتے تھے۔ تبادلۂ خیالات کے لئے کئی مولوی اور قاضی بھی آتے تھے۔ مہاراج کا جواب سنسکرت میں ہوتا تھا۔ مگر پنڈت ترجمہ کر دیتے تھے ؎

سوامی جی کی تشریف آوری کے کچھ ہی دن بعد یہاں بھی پاٹھشالا قائم ہوئی۔ اس میں بیس ودیارتھی داخل ہوئے۔ براہمن لڑکوں کو کھانا پاٹھشالا کی طرف سے ملتا تھا۔ پر کھشتریوں کے بیٹوں کا اپنا انتظام تھا۔

ٹھاکر مکند سنگھ جی اور منی سنگھ جی جب تک صبح کو سوامی جی کے درشن نہ کر لیتے تھے۔ تب تک کوئی چیز منہ نہ لگاتے تھے۔ جب سوامی جی کے پاس پہنچتے۔ تو بہت دُور اِدھر ہی جوتا اُتار دیتے۔ اور قریب پہنچ کر سوامی جی کے پاؤں چھو کر نمسکار کرتے۔ جب واپس آتے۔ تب بھی پاؤں چھو کر آتے اور اُن کی طرف پیٹھ نہ کرتے۔

سوامی جی اپنے عقیدت مندوں کے گھروں کی بھی اصلاح کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ آپ کے بھگت ٹھاکر مکند سنگھ اور اُن کے بیٹے چندن سنگھ میں ان بن تھی۔ جب سوامی جی کو اس بات کا علم ہوا۔ تو اُنہوں نے ٹھاکر مکند سنگھ سے کہا "باپ کو زیادہ نرم دل ہونا چاہیئے۔ بچے اگر بچپن کریں۔ تو اس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ بڑے اپنی بزرگی چھوڑ دیں۔ اولاد کے ساتھ مخاصمت رکھنا دنیوی خوشی کو کرکرا کر دیتا ہے۔ یہ باہمی رنجش آخرکار محبت کے تار کو توڑ دیا کرتی ہے۔ لہذا مناسب ہے۔ کہ آپ اپنے بیٹے سے زیادہ پیار کا اظہار کریں"۔

یہ کہکر مہاراج نے چندن سنگھ کو ٹھاکر مکند سنگھ کی گود میں بٹھا دیا۔ اور باپ بیٹے کی صلح کرا دی ؀

آپ کے لئے اعلےٰ درجے کے کھانوں کا تھال ہمیشہ مقررہ وقت پر ٹھاکروں کے یہاں سے آ جایا کرتا تھا۔ ایک دن چبوترے پر بیٹھے تھے اور کھانا آنے میں کچھ دیر تھی۔ اُسی وقت ایک جاٹ مکّی کی موٹی موٹی روٹیاں لئے اپنے کھیت کو جا رہا تھا۔ رستہ میں منی راج کو دیکھا تو بھگتی کا دریا دل میں لہریں مارنے لگا۔ اُس نے مہاراج کو نمسکار کیا اور دست بستہ گذارش کی۔ مہاراج! اس حقیر جاٹ کی روٹیاں قبول کرکے اسے بحر دُنیا سے پار اُتاریئے۔ سوامی جی نے وہیں بیٹھے بیٹھے وہ روٹیاں ہاتھ پر لے لیں۔ اور مزے لے لے کر کھا گئے۔ یہ دیکھکر جاٹ کا دل خوش ہوگیا۔ جسم کے بال مسرّت سے کھڑے ہو گئے۔ اور آنکھوں میں محبت اور خوشی کے آنسو آ گئے ؀

چھلیسر میں دھرم پرچار کرکے سوامی جی نے چوہان برادری پر خاص اثر حاصل کر لیا۔ سینکڑوں آدمیوں نے اُن سے گاینتری منتر لیا۔ اور آپ کے خیالات کی پیروی اختیار کی۔ یہاں آپ ایک ماہ تک رہے۔ جس دن روانہ ہونے کا ارادہ تھا۔ اُس دن اتفاق سے آسمان پر بادل گھرے ہوئے تھے۔ کچھ بوندا باندی بھی ہو رہی

تھی۔ ٹھاکروں نے عرض کی۔ آج کا دن اور رہ جائیے۔
اس عرض میں محبت بھری تھی۔ مگر آپ کے ارادہ میں
فرق نہ آیا۔ بولے ”جس دیانند نے اپنے والدین اور
رشتہ داروں کی محبت کی مضبوط زنجیروں کو توڑ ڈالا۔ وہ
آج اس محبت کے تار سے بھی نہ بندھیگا“ یہ کہتے
کہتے قدم بڑھا دئے۔ بھگت لوگ دور تک پہنچانے
گئے۔ واپس آتے وقت ٹھاکر مکند سنگھ اور منی سنگھ
نے مہاراج کے پیروں کی مٹی اپنی پیشانی پر لگائی۔
اور اُن کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُن کا گلا رک گیا۔
اور وہ مہاراج کے چلے جانے کے خیال سے بیتاب نظر
آنے لگے +

مہاراج اپنے بھگتوں کو بیتاب دیکھ کر محبت کے
رس میں سموئے ہوئے الفاظ میں بولے ” اتنے بیقرار
کیوں ہوتے ہو۔ ابھی تو کئی بار چھلیسر میں آنا ہوگا۔
سنیاسی ہوا کے مانند سیلانی ہوتے ہیں۔ اُن کو
باندھنا آسان نہیں۔ اُن سے محبت بڑھانا تکلیف دہ
ہوتا ہے۔ جب تم میرے خیالات پر عمل کروگے۔
اپنی زندگیاں اعلےٰ بناؤگے۔ لوگوں کی بہتری میں
لگے رہوگے۔ تو میں تم سے دُور نہیں ہونگا“ +

اس طرح اپنے بےچین بھگتوں کو حوصلہ دے کر
مہاراج آگے بڑھے۔ اور گھومتے ہوئے سوروں

جا پہنچے۔ وہاں چار مہینے قیام رہا۔ پھر فرخ آباد چلے گئے ⁂

فرخ آباد میں پاٹھشالا کا ملاحظہ کیا۔ ایک ماسٹر ودیارتھیوں کو مارا کرتا تھا۔ سوامی جی اُسے نکال دینا چاہتے تھے۔ مگر مینجر سیٹھ پنا لال اُن سے متفق نہ تھے۔ آخر میں سوامی جی کو پاٹھشالا کا انتظام تبدیل کرنا پڑا۔ اُنہوں نے میرزا پور سے پنڈت یُگل کشور کو بُلا کر اُنہیں ہیڈ ماسٹر مقرر کیا۔ اور انتظام کا کام شری نربھے رام جی کے سپرد ہوا۔ اس سے فارغ ہوکر سوامی جی کرنواس وغیرہ مقامات کا دورہ کرتے ہوئے بھادوں سدی ۱۴ سمبت ۱۹۲۸ کو انوپ شہر میں تشریف فرما ہوئے۔ جب لالہ بابو کی کوٹھی میں ٹھہرنے لگے تو نوکر سے کہا۔ اس کوٹھی میں انگریز لوگ بھی ٹھیرتے ہیں۔ اندر سے دھو ڈالو۔ جب سب صفائی ہوچکی تب سوامی جی نے اندر پیر رکھا ⁂

ایک دن کچھ لوگ سورج کو ارگھیہ (نذر) دے رہے تھے۔ زبان مبارک سے فرمایا۔ بھولے بھائیو! پانی میں پانی کیوں پھینکتے ہو۔ اگر کسی درخت کو دو۔ تو سرسبز ہو جائے ⁂

اس مرتبہ اوتار فلاسفی کے خلاف بھی لیکچر دئے ⁂

یہاں سے روانہ ہوئے تو کاتک میں کرنواس پہنچے۔

یہاں ٹھاکروں کے کئی لڑکے یگیوپویت لینے کو تیار تھے۔ سوامی جی کی اجازت سے بارہ پنڈت جاپ کرنے بیٹھے۔ سات دن تک عظیم الشان ہون ہوتا رہا۔ اس کے بعد پندرہ آدمیوں کو یگیوپویت پہنایا گیا۔ جو کنوارے تھے۔ اُن سے کہا۔ "پچیس سال تک برہمچاری رہنا" جو بیاہے ہوئے تھے۔ اُن سے کہا۔ اپنے اوپر ضبط رکھو۔ نفس کے قابو میں آنا تباہی کے پنجہ میں گرفتار ہونا ہے۔ اپنی بیوی کے سوائے کسی دوسری عورت کی طرف خواب میں بھی خیال نہ جانے دو۔

ٹھاکر کیتھل سنگھ رات کو بھی سوامی جی کی خدمت ہی میں رہتے تھے۔ بِرولی کے راؤ کرن سنگھ سردی کی پورنماسی کا سنان کرنے پہلے ہی آ چکے تھے۔ وہ اس مرتبہ اپنے ہمراہ رنڈیاں بھی لائے تھے۔ اور سوامی جی کے مکان سے کوئی ڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر ایک بارہ دری میں اُترے تھے۔ سوامی جی سے پہلے ہی خفا تھے۔ وہ خفگی اب تک دُور نہ ہوئی تھی۔ سوچتے رہتے تھے۔ انہیں کس طرح نقصان پہنچائیں۔ اکثر بیراگیوں کو سوامی جی پہ حملہ کرنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔

وہاں پر ایک مست الست سنت رہتے تھے موج باوا۔ کسی وجہ سے اُن کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی تھی۔ جب گنگا سنان کرنے لگتے۔ تو عورتیں اُن کا جسم مل مل کر

مبل اُتار ذیں - اور وہ "چھوڑو ماں" کہہ کر زمین پر گر جاتے اُن میں گناہ کا خیال تک نہ رہا تھا - وہ عموماً خاموش رہتے اور چپتے گھاٹ پر نہایا کرتے - سبھی لوگوں کا خیال تھا - کہ یہ باوا یوگی ہیں - سوامی جی اور وہ بڑی بڑی دیر تک گنگا کے کنارے بیٹھے باتیں کیا کرتے اور کسی کو پاس نہ آنے دیتے ؛

ایک دن موج باوا کو خبر ملی - کہ راجہ کرن سنگھ کے اشتعال دینے سے کچھ بیراگی رات کو سوامی جی پر حملہ کرنا چاہتے ہیں - وہ اُسی وقت بیراگیوں کے ڈیرے پر پہنچے - بیراگی اُن کے بھگت تھے - اس لئے جب باوا جی نے اُنہیں سمجھایا - تو اُن کا غصہ اُتر گیا اور اس کے بعد پھر وہ کبھی راؤ کرن سنگھ کے بہکانے میں نہ آئے ؛

جب راؤ مہاشہ کی یہ چال بھی کارگر نہ ہوئی - تو وہ عقل سے ایسے محروم ہوئے کہ ایک رات اُنہوں نے اپنے تین ملازموں کو تلواریں دے کر سوامی جی کے قتل کے لئے بھیج دیا - کوئی آدھی رات کا وقت ہوگا - چاروں طرف سنّاٹا چھایا ہوا تھا - صرف گنگا کی سائیں سائیں سُنائی دیتی تھی - اگر کوئی ہوا کا جھونکا آتا تو درختوں کے پتے بھی کھڑ کھڑ کرنے لگتے تھے - سوامی جی اُس وقت سمادھی میں تھے - تھوڑے فاصلے پر کیتھل سنگھ نیند میں غافل پڑا سو رہا تھا

ایسے وقت میں کرن سنگھ کے تین ہٹے کٹے ملازم ہاتھوں میں ننگی تلواریں لئے چلے آتے تھے۔ ہاتھی کے کتنے ہی لمبے دانت ہوں۔ ریچھ کے کیسے ہی تیز ناخن ہوں۔ مگر شیر کی ناند کے قریب آنے کے لئے بڑے حوصلے کی ضرورت ہے۔ کرن سنگھ کے ملازموں کے پاس تلواریں تو تھیں۔ مگر ایک نیک سنیاسی کو مارنے کی ہمت نہ تھی۔ اُن کے جسم تھر تھر کانپتے تھے۔ قدم اکھڑتے جاتے تھے۔ اور دل کی دھڑکن بڑھتی جاتی تھی۔ اُن کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا۔ یہ جگہ گنگا کے کنارے پر ہونے کے باعث ناہموار ضرور تھی۔ اور آس پاس جھاڑیاں بھی تھیں۔ مگر اُن پر خوف نے ایسا غلبہ کیا۔ کہ اُن کو سوامی جی کے رہنے کی جگہ کھڑی گھاٹی اور وہ جھاڑیاں جنگل معلوم ہونے لگیں۔ اُن کے پاؤں میں سکت نہ رہی۔ اُن سے آگے نہ بڑھا گیا۔ اس لئے راؤ مہاشہ صاحب کے پاس لوٹ گئے۔ راؤ مہاشہ نے اُنہیں ڈرا دھمکا کر پھر بھیجا۔ اُس وقت سوامی جی سمادھی سے اُٹھ چکے تھے۔ اور جو ڈانٹ ڈپٹ راؤ مہاشہ نے اپنے ملازموں کو کی تھی۔ اُسے سُن چکے تھے۔ دوسری مرتبہ بھی وہ لوگ ناکام واپس ہوئے۔ اور اپنے آقا کے سامنے اپنی کمزوری کا اعتراف کرنے لگے۔ پر راؤ کب مانتے تھے۔

انہوں نے نوکروں کو بہت سی جھڑکیاں اور گالیاں دے کر تیسری مرتبہ پھر حملہ کے لئے بھیجا۔ اس دفعہ وہ گرتے پڑتے سوامی جی کی کٹیا کے قریب پہنچے۔ انہیں دیکھ کر سوامی جی نے زور سے "ہوں" کہا اور زمین پر لات ماری۔ سوامی جی کا یہ لفظ "ہوں" ان کے لئے شیر کی گرج تھا۔ وہ خوفزدہ ہو کر زمین پر گر پڑے۔ اور تلواریں ان کے ہاتھ سے چھٹ گئیں۔ بہت دیر کے بعد انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ اور وہاں سے بھاگ گئے ؎

مہاراج کی گرج سے کینتھل سنگھ کی بھی آنکھ کھل گئی۔ کانپتا ہوا بولا۔ وہ شریر پھر نہ آ جائیں۔ اس لئے چلئے کسی جگہ چھپ کر رات گزار دیں

सवामी जी ने گیتا کا شلوک नैनं छिन्दन्ति शस्त्राणि

پڑھ کر کہا۔ سنیاسی اپنی حفاظت کے لئے قلعوں اور غاروں کی پناہ نہیں ڈھونڈھتے۔ ہمارا محافظ تو بھگتوں کا پیارا پربھو ہی ہے۔ تمہیں گھبرانا نہ چاہئے۔ ہم اگر چاہیں۔ تو انہیں کے ہتھیار چھین کر انہیں سیدھا کر سکتے ہیں ؎

کینتھل سنگھ اسی وقت دوڑتا ہوا شہر گیا۔ اور اس نے ٹھاکر کرشن سنگھ وغیرہ کو جگا کر یہ خبر انہیں سنا دی۔ وہ راؤ کرن سنگھ کی اس حرکت پر بہت خفا ہوئے۔ اور اس کے مکان پر جا کر اسے ڈانٹنے لگے۔ کرشن سنگھ

نے للکار کر کہا - اگر تجھ میں کچھ بھی چھتری پن ہے تو ایک مرتبہ ہمارے سامنے باہر نکل - مگر وہ اتنا ڈرا کہ اُس نے اپنے مکان کے دروازے بند کر لئے +

اُن دنوں راج گھاٹ پر پنجاب کے فوجی سپاہی ٹھیرے ہوئے تھے - دوسرے دن راؤ مہاشہ کی کرتوت کی اُنہیں اطلاع ہوئی - اس خبر نے اُن کے خون کو حرارت دیدی - پچیس پنجابی سور بیروں نے ہتھیار باندھے اور سوامی جی کے قدموں میں حاضر ہو کر عرض کیا - سنت جی! آپ ہمیں ایک مرتبہ اجازت دیجئے - پھر دیکھئے - ہم اُس سادھو سنتوں کے دشمن کو کیسا مزہ چکھاتے ہیں - اس کام میں خواہ ہمیں ملازمت سے جواب مل جائے - مگر اُس کو بھگا کر لوٹینگے +

سوامی جی نے اُن سور بیروں کو بڑی محبت سے سمجھا کر ٹھنڈا کیا - اور اپنے پاس بٹھا کر اُپدیش کیا +

اُدھر راؤ کرن سنگھ کو اُن کے رشتہ داروں نے سمجھایا - یہاں کے ٹھاکر اب تمہارے خلاف ہو گئے ہیں - اس لئے تمہارا یہاں سے چلا جانا ہی بہتر ہے - خوف زدہ پہلے ہی تھا - یہ سُن کر فوراً بھاگ گیا - کہتے ہیں - گھر جاتے ہی وہ بیمار ہو گیا - اور اُس کی حالت پاگلوں کی سی ہو گئی - پچاس ہزار کا مقدمہ

پریاگ میں چل رہا تھا۔ وہ ہار گیا +

مہاراج کے اُپدیشوں سے کئی گرے ہوؤں کی اصلاح ہوئی۔ ناواقف انجان لوگوں کو گیان کی آنکھ ملی۔ لوگوں نے دُور دُور سے آکر اپنے دل کے شکوک رفع کئے +

مہاراج کی طبیعت میں غصّہ نہ تھا۔ اُن پر لوگوں نے رات کو نہیں دن کو بھی ہاتھ چلائے۔ مگر انہوں نے کسی کو جواب میں تھپڑ نہیں مارا۔ طاقتور ہونے کے باوجود برداشت کیا۔ مہاراج کھانس کر کھنکھار کر اور ہنکار کر کبھی کبھی دشمنان ناہنجار کو خوف زدہ کردیا کرتے تھے۔ مگر اُن کے دل میں کسی کو ایذا دینے کا کبھی خیال تک نہ آتا تھا +

لوگ لٹھ سے، تلوار سے، اینٹ پتھر سے اور زہر سے اُن کی زندگی ہلاک کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ چالیس چالیس اور پچاس پچاس آدمی اکٹھے ہو کر حملہ کرتے تھے۔ جگہ بجگہ اُن کی مخالفت ہوتی تھی۔ اُن کا نام و نشان تک مٹا دینے کی سازشیں کی جاتی تھیں۔ مگر دیانند تھے۔ کہ مخالفت سے بھری ہوئی فضا میں تن تنہا، لنگوٹ باندھے گنگا کے کنارے گاؤں گاؤں میں چکر لگاتے پھرتے تھے۔ اور پرچار کرتے تھے۔ بستی سے باہر بنوں میں رہتے تھے۔ غیر آباد جگہوں میں راتیں کاٹتے تھے۔ اور ریت پر سو رہتے تھے +

اُن میں تعجب خیز ہمت، انتہا جُرأت، غضب کی بے خوفی اور غیر فانی صبر تھا*

پانچواں باب

کرنواس سے چل کر سوامی جی گھومتے ہوئے مگھر سمبت ۱۹۲۸ کو فرخ آباد پہنچے۔ یہاں تین ماہ قیام رہا*

پھاگن میں یہاں سے روانہ ہو کر پراگ، میرزا پور وغیرہ مقامات میں ہوتے ہوئے بنارس تشریف لے گئے اور لالہ مادھوداس کے باغ میں ٹھہرے۔ روزانہ پرچار ہوتا رہا۔ اس کے بعد چیت سمبت ۱۹۲۹ میں مہاراج نے مشرق کی جاترا شروع کی۔ سب سے پہلے مہاراج ڈمراؤں پہنچے۔ اور ناگ جی اُداسی کے مندر میں ٹھہرے۔ ناگ جی بڑے ہی شریف آدمی اور سوامی جی کے خیالات کے پیرو تھے۔ انہوں نے سوامی جی کی خاطر تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ ۱۹۔اپریل تک یہاں ٹھہر کر سوامی جی ۲۰۔اپریل کو ناگ جی کے ساتھ آرا گئے۔ اس وقت اُن کے ساتھ ایک برھمچاری بھی تھا۔ سوامی جی

نے پہلے ہربنس رائے نامی ایک شریف آدمی کے ہاں ڈیرا لگایا۔ ہربنس رائے نے سوامی جی کی بڑی عقیدتمندی سے خدمت کی اور روانگی کے موقع پر اصرار کر کے کلکتہ کے سفرخرچ کے لئے سو روپیہ نذر کیا ×

اسوج سمبت ۱۹۲۹ میں مہاراج پٹنہ آئے۔ اور ڈپٹی ساون مل وغیرہ احباب نے اُن کا خیرمقدم کر کے مہاراجہ بھوپ سنگھ کے عیش باغ میں ٹھیرایا ×

اُن دنوں پٹنہ میں پنڈت رام جیون بڑے مشہور تھے۔ وہ پچاس ساٹھ آدمی ساتھ لے کر سوامی جی سے مباحثہ کرنے آئے۔ پر دو تین ہی باتوں میں لاجواب ہو کر چلے گئے ×

چھوٹے لال نامی ایک آدمی نے آکر پوچھا۔مرنے کے بعد آدمی کی روح کہاں جاتی ہے؟ یجروید کے مطابق جواب میں ارشاد فرمایا۔ روح جسم سے الگ ہو کر ہوا کی طرح خلا میں رہتی ہے۔ پھر پانی میں چلی جاتی ہے۔ اُس کے بعد باری باری سے بوٹیوں میں، اناج میں اور مرد میں ہوتی ہوئی عورت کے رحم میں چلی جاتی ہے۔ اور پھر وقت معیّنہ پر پیدا ہوتی ہے۔ اُس وقت مہاراج نے سورگ نرک کے وہمی خیالات کی بھی دھجیاں اُڑائیں ×

وہاں اُن دنوں گورپرساد نامی ایک آدمی رہتے تھے۔

کئی آدمیوں کے ساتھ درشن کرنے آئے۔ اور نمسکار کے بعد پوچھنے لگے۔ کہ "سنسار آشرم چھوڑنا چاہیئے یا نہیں"؟ سوامی جی کے سوال پر اُنہوں نے کہا۔ کہ سنسار آشرم سے میرا مطلب بچے بیوی گھر بار سے ہے۔ جواب دیا۔ "دنیا میں تو کھانا پینا سونا جاگنا دم لینا اور پڑھنا بھی شامل ہے۔ اور ان سب کاموں کا ترک کرنا ناممکن ہے"*

اس جواب سے گورپرساد کی تشفی ہو گئی *

یہاں سوامی جی نے اشتہار کے ذریعے اعلان کر دیا۔ کہ مورتی پوجا۔ اوتار وغیرہ مضامین پر جس کی مرضی ہو۔ آکر مباحثہ کر لے۔ ہم یہ شکوک رفع کرنے کو ہر وقت تیار ہیں۔ مگر کسی بھی پنڈت کو سامنے آنے کی ہمت نہ ہوئی *

ایک دن ایک میتھل پنڈت سوامی جی کے پاس آیا۔ اور بڑی دیر تک سنسکرت میں بات چیت کرتا رہا۔ اثنائے گفتگو میں سوامی جی نے بھاگوت کا کھنڈن کیا۔ اس پر اُس پنڈت نے کہا۔ خواہ آپ کچھ کہیں۔ مگر بھاگوت کے اٹھارہ ہزار شلوک ہیں۔ اور ایسے شلوک بنانے کی ہمت دنیا میں کسی بھی پنڈت نے نہیں کی *

مہاراج نے ہنس کر کہا۔ جیسے فرضی کہانی کے اٹھارہ ہزار شلوک بھاگوت میں ہیں۔ ویسے فرضی شلوک ہم اڑتیس ہزار بنا سکتے ہیں۔ نمونہ کے طور پر جوتے اور کھڑاؤں

کے سوال و جواب سُنئے - یہ کہکر سوامی جی نے ابھی دس بارہ شلوک ہی لکھوائے تھے - کہ وہ پنڈت اُن شلوکوں کی موزونیت اور خوبصورتی و دلکشی پر ایسا فریفتہ ہوا - کہ سوامی جی کے پاؤں سے لپٹ گیا - اور اُن کی شاعرانہ قابلیتوں کی تعریف کرتا ہُوا چلا گیا۔

سوامی جی کے بہت قریب رہنے والے بھگتوں کا خیال تھا - کہ اگر سوامی جی چاہیں - تو لوگوں کے دلی ارادوں کو جان سکتے ہیں - ایک دن وہاں سوامی جی کے باورچی کا چچا آیا - اور رسوئیے سے کہنے لگا - سوامی جی کے کھانا کھا چکنے کے بعد ہی تم روٹی کھاتے ہوگے - اس طرح سے تو کھانا جھوٹا ہو جاتا ہے - اس لئے لکیر نکال لیا کرو - اور سوامی جی کو کھانا باہر ہی دے دیا کرو - سوامی جی اُس وقت نہانے گئے ہوئے تھے - جب نہا کر آئے - تو چوکے سے باہر ہی بیٹھ گئے - اور بولے - ہمیں بھوجن یہیں دے دو - باورچی نے عرض کی - مہاراج! آپ تو چوکے میں بیٹھ کر کھانے کے عادی ہیں - آج باہر کیوں بیٹھ گئے - سوامی جی نے جواب دیا - تمہیں اور تمہارے چچا کو تو برادری کا خوف ہوگا - مگر میں جہاں چاہوں بیٹھ کر کھالوں - مجھے کس کا ڈر ہے - اس پر وہ باورچی بڑا حیران ہوا - کہ سوامی جی کو یہ بات کیسے معلوم ہوئی۔

راج ناتھ تواڑی نام کا ایک طالب علم نارمل سکول میں پڑھتا تھا۔ وہ جوران پور ضلع مظفر پور کا رہنے والا تھا۔ لوگوں سے سوامی جی کی علمیت کے چرچے سن کر اُسے بھی وید پڑھنے کا شوق چرایا۔ ایک دن سوامی جی کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کی۔ فدوی آپ کا باورچی کا کام کر کے آپ سے پڑھنا چاہتا ہے۔ سوامی جی کا پہلا باورچی کھانے پینے کی چیزیں چُرا لیا کرتا تھا۔ اس لئے سوامی جی نے اُسے نکال دیا۔ اور راج ناتھ کو رکھ لیا۔

دوسرے دن کھانا کھا چکنے کے بعد راج ناتھ نے نارمل سکول سے اپنا نام کٹا لیا۔ یہ ڈپٹی سوہن لال کے پاس بیٹھے بیٹھے اُسے رات ہو گئی۔ یہ مکان سوامی کی جگہ سے دو کوس کے فاصلے پر تھا۔ وہ ہر روز سوامی جی کے لئے دودھ بھیجا کرتے تھے۔ اُس دن اُنہوں نے راج ناتھ ہی کو دودھ لے جانے کے لئے کہ دیا۔ اندھیرا ہو چکا تھا۔ کسی قدر بارش بھی ہو رہی تھی۔ زمین پر پھسلن تھی۔ راج ناتھ سوامی جی کے پاس جانے سے کترانے لگا۔ ڈپٹی سوہن لال نے کہا۔ تو اندھیرے سے ڈرتا ہے۔ سوامی جی تو جنگلوں میں رہا کرتے ہیں۔ تیرا اُن کے پاس گزارہ کیسے ہوگا؟ ڈپٹی صاحب کے الفاظ سے راج ناتھ کا حوصلہ بندھ گیا۔ اُس نے مصری

کمر سے باندھ لی۔ ایک ہاتھ میں دودھ کا لوٹا لیا۔ دوسرے میں بانس کی لاٹھی۔ اور روانہ ہُوا۔ تھوڑی دُور جا کر دیکھا۔ تو ایک ناگ پانی سے نکل کر راہ میں پڑا تھا۔ راج ناتھ ڈر کر پیچھے ہٹا۔ تو اُدھر بھی سانپ نظر آیا۔ کچھ دیر تک راج ناتھ سنّاٹے کے عالم میں کھڑا رہا۔ اس کے بعد اُس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ سوامی جی کے پاس ضرور پہنچونگا۔ یہ سوچ کر وہ سانپ پر سے پھلانگ کر گزر گیا۔ مگر دل میں ڈرتا جاتا تھا۔ جب سوامی جی کے پاس پہنچا۔ تو اُنھوں نے کہا۔ کیا تم رستے میں ڈر گئے تھے کیا تم سانپ دیکھ کر گھبرا گئے تھے۔ یہ لفظ سُن کر راج ناتھ بڑا حیران ہُوا کہ سوامی جی کو ان واقعات کا علم کیسے ہو گیا۔ اُس دن سے اُس کے دل میں سوامی جی کے لئے بڑی عقیدت کے جذبات پیدا ہو گئے۔

پنڈت رام ناتھ تواڑی اُس وقت پٹنہ کالج میں پڑھاتے تھے۔ اُنھوں نے سوامی جی سے بھٹو جی دیکشت کے ایک شلوک پر تھوڑی دیر بات چیت کی پر لوگوں نے ان کو یہ کہکر روک دیا۔ کہ تم سوامی جی سے بات کرنے کے سراسر ناقابل ہو۔

۳۔ اکتوبر ۱۸۷۲ء کو شام کے وقت سوامی جی مونگیر جانے لگے۔ تو ڈپٹی سوہن لال وغیرہ اصحاب ریلوے

سٹیشن تک ساتھ گئے ۔ اور سوامی جی کو گاڑی میں بٹھا کر واپس آئے ؎

شام کے سات بجے چل کر گاڑی رات کے بارہ بجے جمال پور پہنچی ۔ اُس وقت مونگیر کی گاڑی چھوٹنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا ۔ سوامی جی پٹنہ کی گاڑی سے اُتر کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگے ۔ اُس وقت وہاں ایک انگریز انجنیئر اور اس کی لیڈی کھڑے تھے ۔ لیڈی نے لنگوٹ بند سنیاسی دیکھ کر بُرا منایا ۔ انجنیئر نے جا کر سٹیشن ماسٹر سے کہا ۔ یہ کون آدمی ہے ۔ جو ننگا ٹہل رہا ہے ۔ اُسے اِدھر آنے سے منع کر دو ۔ سٹیشن ماسٹر نے سوامی جی کے پاس جا کر نہایت ادب سے گزارش کی ۔ مہاراج ! آئیے ! اُدھر چل کر کرسی پر تشریف رکھئے ۔ گاڑی آنے میں ابھی بڑی دیر ہے ۔ سوامی جی سب کچھ سمجھ گئے تھے ۔ اس لئے اُنہوں نے سٹیشن ماسٹر کو جواب دیا " جس صاحب نے آپ کو مجھے ہٹا دینے کے لئے کہا ہے ۔ اُسے کہہ دیجئے ۔ کہ ہم اُس زمانہ کے آدمی ہیں ۔ جب آدم اور حوّا باغ عدن میں ننگے پھرا کرتے تھے اور اُنہیں شرم محسوس نہ ہوتی تھی " ۔ مہاراج اُسی طرح ٹہلتے رہے ۔ انجنیئر نے سٹیشن ماسٹر سے پھر کہا ۔ اس شخص کو منع کرو ۔ اس طرف نہ آئے ۔ اس پر سٹیشن نے جواب دیا ۔ وہ

کوئی فقیر نہیں جسے میں پلیٹ فارم سے نکال دوں -
وہ تو ہیں اور آپ کو کچھ بھی نہ سمجھنے والا سنیاسی ہے -
انجنیئر نے مہاراج کا شری نام پوچھا - سٹیشن ماسٹر نے
جواب دیا - ان کا نام دیانند سرسوتی ہے - انجنیئر نے
کہا - کیا یہ مشہور مہاپرش دیانند ہیں ؟ اس کے بعد
وہ دوڑ کر اُن کے پاس گیا - اور بڑے عجز سے نمسکار
کر کے بولا - بڑی دیر سے خواہش تھی - کہ آپ کے درشن
کروں - میری خوش نصیبی ہے - کہ یہاں آپ کے درشن
ہو گئے - اس کے بعد انجنیئر صاحب سوامی جی سے
بات چیت کرتے رہے اور جب مونگیر کی گاڑی چلی گئی
تو نمسکار کر کے چلے گئے ۔

صبح کے چار بجے گاڑی مونگیر پہنچی - سوامی جی نے
ایک کبیر پنتھی کے باغ میں ڈیرا لگایا - یہ جگہ بہت فرحت افزا
تھی - اور اس کے پاس ہی گنگا بہتی تھی - یہاں آئے
ابھی تیسرا دن تھا - کہ کھانا کھانے کے وقت ایک مون
برتی (خاموش رہنے والا) سادھو اُن کے پاس آ کر
بیٹھ گیا - سوامی جی نے اُسے کھانے میں شریک ہونے
کے لئے کہا - اُس وقت تو وہ بول پڑا - مگر بعد میں
اُس نے پھر خاموشی اختیار کر لی - سوامی جی نے اُسے
کہا - اس طرح کی پچھی بیوقوف اختیار کریں - تو ضرر نہیں
مگر جو سمجھدار ہیں - اُن کو سچائی کی باتوں کا اظہار کرنا ہی

زیب دیتا ہے۔ اس اُپدیش سے اُس نے اپنی خاموشی توڑ دی اور مورتی پوجا وغیرہ کو گناہ تسلیم کر لیا +

چوکا برتن کے لئے سوامی جی کے پاس ایک کہار بھی تھا۔ اُس نے ایک دن ٹال والے سے جا کر کہا۔ سانڈ کے باغ میں ایک مہاتما ٹھیرے ہوئے ہیں۔ اُن کے لئے کچھ لکڑیوں کی ضرورت ہے۔ ٹال والے نے اُسے ڈانٹ بتائی اور ایک بھی لکڑی نہ دی۔ جب وہ واپس گیا۔ تو سوامی جی نے راج ناتھ سے کہا۔ اس سے پوچھو۔ یہ لکڑیاں مانگنے کیوں گیا تھا؟

کچھ دنوں کے بعد شہر کے مشہور لوگ سوامی جی کے پاس آنے لگے۔ پنڈت بھی اپنے شکوک رفع کرنے کی غرض سے گاہے گاہے حاضر ہونے لگے +

یہاں سے چلے تو مہاراج بھاگلپور پہنچے۔ وہاں بدھنشر ناتھ کے مندر میں قیام کیا۔ اس شہر میں سوامی جی کی آمد سے ہلچل مچ گئی۔ ایک پنڈت سوامی جی کے آنے سے پہلے تو بڑی ڈینگیں مارتا تھا۔ مگر سوامی جی آئے تو شہر ہی چھوڑ کر بھاگ گیا +

وہاں کا ایک ویش سوامی جی کے لئے کھانے کا سامان بھیجا کرتا تھا۔ مگر جب سوامی جی کو پتہ لگا۔ کہ اُس کا مقصد یہ ہے کہ اُس کے ہاں اولاد ہو جائے۔ تو مہاراج نے اُسی وقت اُس خود غرض کا اناج کھانے

سے انکار کر دیا ۔

ایک دن سوامی جی کے پاس کچھ مولوی اور پادری آئے اور مباحثہ کرنے لگے۔ اُن پر مہاراج کے خیالات کا ایسا اثر ہوا۔ کہ ایک بنگالی براہمن جو کچھ عرصہ سے عیسائی ہو گیا تھا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اُس نے یہ بھی کہا۔ کہ اگر آپ سے آدمی پہلے ہوتے۔ تو ہم عیسائی کیوں ہوتے ۔

مہاراج کو ایک دن نندن اوجھا مِلا۔ مہاراج نے اُسے گایتری منتر کا جاپ کرنے کی نصیحت کی۔ اس کے دوسرے دن بنگالی لوگوں کی حاضری میں ایک زبردست لیکچر ہوا۔ اس لیکچر سے لوگ بہت ہی متاثر ہوئے۔ حُسنِ اتفاق سے اُس دن گنگا کے دوسری طرف ایک بھاری میلہ تھا۔ اُس میں لوگ اپنی لڑکیاں بھی پروہتوں کو دان کر رہے تھے۔ سوامی جی شام کو گھومنے گئے۔ تو بہت رات گزر جانے پر بھی واپس نہ آئے۔ نندن سوامی جی کا کھانا مندر میں پہنچا کر اپنے گھر چلا گیا۔ جب صبح کو آیا۔ تو کیا دیکھتا ہے۔ کہ وہ کھانا اُسی طرح پڑا ہے۔ حیرت سے پوچھا۔ مہاراج! رات آپ نے کھانا کیوں نہ کھایا؟ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ اس دیس میں اتنا گناہ اور ایسی جہالت ہے۔ کہ کل لوگ اپنی بیٹیاں پروہتوں کو دان دے رہے تھے۔ دیس کی اس تباہی

کو دیکھ کر میرا سینہ پھٹ گیا۔ ایک تو رات ہو گئی تھی۔ دوسرے اِس خیال نے گھیرے رکھا۔ کھانے کی یاد تک نہ رہی۔ نندن نے یہ سُنا۔ تو اُس پر بھی بے حد اثر ہوا۔ زار زار رونے لگا ٭

سوامی جی کے پرچار کا آہستہ آہستہ اثر ہوا۔ تو لوگوں نے از خود شامیانوں کا انتظام کر دیا۔ لیکچر میں ہزاروں آدمی آنے لگے۔ اُس وقت وہاں ایک بازار سا لگ جاتا تھا۔ بگھی پر بگھی آتی تھی ٭

مہاراجہ بردوان نے سوامی جی کے پاس چار پنڈت بھیجے۔ وہ دیر تک ترک شاستر پر بات چیت کرتے رہے۔ جب جانے لگے۔ تو بولے۔ ہم آپ کے درشن مہاراج کو بھی کرائینگے ٭

شام کے چار بجے سوامی جی کے پاس اور پادری آیا کرتے تھے۔ اُسی وقت مہاراجہ بردوان وہاں آ گئے۔ اور بات چیت سُن کر چلے گئے۔ اس کے بعد مہاراجہ صاحب نے اپنے پنڈت بھیج کر سوامی جی کو اپنے پاس بلایا اور اُن سے کہا۔ آپ میری ہی کوٹھی میں قیام فرمائیے۔ مگر وہاں شور و شغب رہتا تھا۔ اس لئے سوامی جی نے وہاں ٹھیرنا منظور نہ کیا۔ تاہم مہاراجہ صاحب مہاراج کی خدمت میں اکثر حاضر ہوتے رہے ٭

چھٹا باب

یہاں سے چل کر سوامی جی ۱۵۔ دسمبر کے قریب کلکتہ پہنچے۔ اُن کو وہاں مدعو کرنے والے چندر شیکھر سین بیرسٹر تھے۔ سوامی جی کے اُتارنے کے لئے سین بابو نے پہلے دیویندر ناتھ ٹھاکر سے جگہ مانگی۔ مگر انہوں نے پس و پیش کیا۔ تو پھر انہوں نے سریندر ناتھ موہن سے کہا۔ یہ صاحب بھی سوامی جی کے لئے جگہ دینے سے ہچکچاتے تھے۔ مگر جب سین بابو سوامی جی کو سٹیشن سے اُن کے مکان پر لے گئے۔ تو موہن بابو نے بڑی خوشی سے اُن کا خیر مقدم کیا اور اُنہیں اپنے باغیچہ میں جگہ دی۔ جب سوامی جی کی آمد کی خبر کلکتہ میں مشہور ہوئی۔ تو بھگت لوگ آنے لگے۔ اُن دنوں وہاں ایک بڑے پکے برھمو سماجی تھے ہیم چندر چکرورتی۔ اُنہوں نے ایک دن سوامی جی سے پوچھا۔ کہ آپ جاتی کا فرق مانتے ہیں یا نہیں۔ جواب دیا۔ جاتی سے آپ کی کیا مراد ہے؟ انسان۔ حیوان۔ چرند پرند یہ سب جاتیاں الگ الگ ہیں۔ ہاں اگر آپ کا مطلب ورنوں سے ہے۔ تو ورن پیدائش پر نہیں بلکہ کام پر منحصر ہے۔ اس کے بعد

مہاراج نے ورن آشرم پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔
چکرورتی کے ایک اور سوال پر فرمایا۔ پرماتما نراکار (بغیر شکل وصورت کے) ہے۔ اُس کو حاصل کرنے کے لئے یوگا بھیاس کی ضرورت ہے۔ چکرورتی بابو نے پوچھا۔ یوگا بھیاس کا طریقہ کیا ہے۔ جواب دیا۔ ابھیاسی کو چاہیئے۔ کہ تین گھڑی رات رہے اُٹھے۔ اور منہ ہاتھ دھو کر پدم آسن لگائے اور ہمہ تن محو ہو کر گایتری کا جاپ کرے ✤
سوامی جی نے ہیم چندر کو اشٹانگ یوگ کا طریقہ اور گایتری کے معنی لکھ دئے اور آسن لگا کر بھی دکھایا ✤
اُن کے سوال پر سوامی جی نے ثابت کر دیا۔ کہ سانکھ کے مصنف بھگوان کپل پرماتما کی ہستی سے منکر نہ تھے ✤
اُس زمانہ میں شری کیشو چندر سین یگیوپویت پہننے والے برہمو سماجیوں کی مخالفت کیا کرتے تھے۔ اِس لئے ہیم چندر نے سوامی جی سے اس ضمن میں رائے پوچھی۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ نیک آدمیوں کے لئے یگیوپویت پہننا ضروری ہے۔ آپ بھی نیک ہیں۔ براہمن ہیں۔ یگیوپویت ضرور پہنئے۔ اس بات کا اُن پر ایسا اثر ہوا۔ کہ اُنھوں نے پھر جنیؤ پہن لیا اور اُن کی دیکھا دیکھی دیگر اصحاب نے بھی جنیو پہن لیا ✤

ہیم چندر سوامی جی کے ہم خیال بن گئے اور سوامی جی سے اُپنشدیں پڑھنے لگے۔ یہ مطالعہ بہت دیر جاری رہا۔ فرخ آباد میں جاکر یہ تعلیم ختم ہوئی ٭

جب سوامی جی کلکتہ گئے۔ اُس زمانہ میں شری کیشو چندر سین وہاں نہ تھے۔ جب واپس آئے۔ تو سوامی جی سے ملنے کے لئے تشریف لائے۔ دیر تک سلسلۂ گفتگو جاری رہا۔ مہاراج نے اُن سے اُن کا نام نہ پوچھا۔ نہ اُنہوں نے بتایا۔ اثنائے گفتگو میں شری کیشو چندر سین نے پوچھا۔ آپ کیشو چندر سے ملے ہیں؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ ہاں ملا ہوں۔ اُنہوں نے کہا۔ وہ تو کلکتہ میں نہیں۔ سوامی جی نے ہنس کر جواب دیا۔ ابھی ملا ہوں۔ آپ ہی کیشو چندر ہیں۔ کیشو چندر نے پوچھا۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیا۔ جس قسم کی بات چیت آپ کی ہے۔ ویسی کسی دوسرے کی نہیں ہوسکتی۔ کیشو چندر سین سوامی جی کی اس قیافہ شناسی سے بہت حیران ہوئے۔ اور اُن کے دل میں سوامی جی کے لئے عقیدت کا جذبہ پیدا ہو گیا ٭

ایک دن سین بابو نے پوچھا۔ اس وقت ہمارے سامنے بائیبل قرآن اور وید کی بنا پر تین مذہب ہیں اور ہر ایک مذہب اپنے آپ کو سچا کہتا ہے۔ ہمیں کیسے معلوم ہو۔ کہ ان میں سے سچا کون سا ہے؟

سوامی جی نے قرآن اور بائیبل میں نقص بتائے اور کہا۔کہ تعصّب، غلطیوں اور تاریخ سے خالی صرف وید ہے۔اس لئے صرف وید ہی کا مذہب سچّا ہے ٭

سوامی جی کے دلائل اور منطق کی واقفیت دیکھ کر ایک مرتبہ کیشو چندر سین نے کہا۔افسوس ہے کہ ویدوں کا بے نظیر پنڈت انگریزی نہیں جانتا۔ورنہ انگلستان جاتے وقت وہ میرا رفیق ثابت ہوتا۔سوامی جی نے ہنس کر کہا۔افسوس ہے۔کہ برہمو سماج کا لیڈر سنسکرت نہیں جانتا۔اور لوگوں کو اُس زبان میں اُپدیش دیتا ہے۔جسے وہ سمجھ ہی نہیں سکتے ٭

سری کیشو چندر سین نے انگریزی میں ایک کتاب تصنیف کی تھی۔جس کے شروع میں ایک شلوک اس مطلب کا تھا۔کہ پرماتما کے ہاتھ پاؤں سر ایسے ہیں۔اور ویسے ہیں۔سوامی جی نے کہا۔اس سے تو پرماتما محدود ثابت ہوتا ہے۔کیشو چندر نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ٭

ایک دن کیشو چندر نے کہا۔آپ سنسکرت میں بات چیت کرتے ہیں جو لوگ سنسکرت نہیں جانتے۔اُن کو پنڈت لوگ کچھ اور ہی سمجھا دیتے ہیں۔اس لئے آپ لوگوں سے لوگوں کی زبان میں مخاطب ہوا کریں۔ سوامی جی نے یہ رائے مان لی۔کیشو چندر سین شام

کے وقت ہر روز سوامی جی کے پاس آتے تھے۔اور بات چیت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سوامی جی نے اُنہیں تناسخ اور پرماتما کی وحدانیت سے متعلق کئی ثبوت دیئے ؛

سوامی جی نے ایک دفعہ کیشو چندر صاحب کے سوال پر کہا۔کہ ہون مورتی پوجا نہیں ہے۔بلکہ ہوا کو صاف کرنے کا طریقہ ہے ؛

مہاراج نے ایک دفعہ یہ بھی کہا تھا۔کہ دھرم میں تنتروں کو ماننا نامناسب ہے۔ مہابھارت کے بعد کوئی کتاب سند نہیں ؛

ہیم چندر چکرورتی کو ہم خیال بنا کر سوامی جی نے سارے شہر پر اپنا سکّہ جما لیا۔ اُن کے باغ کے باہر گاڑیوں کا تانتا لگا رہتا تھا۔ ست سنگ میں ہزاروں آدمی آتے تھے۔اور سینکڑوں پنڈت سوال جواب کرتے تھے ؛

شری کیشو چندر جی نے اپنی جگہ پر سوامی جی کا لیکچر کرانے کا فیصلہ کیا۔انگریزی اور بنگالی میں اشتہارات دیئے گئے۔ وقت مقررہ پر ہزاروں مرد عورتیں جمع ہو گئے۔اُن میں کلکتہ کے مشہور مشہور آدمی سب موجود تھے۔سوامی جی کا لیکچر سنسکرت میں تھا۔مگر اُن کی زبان ایسی عام فہم اور آسان تھی۔

کہ معمولی سنسکرت جاننے والے بھی سمجھ جاتے تھے۔ مہاراج کے منطق سے، دلیلوں سے، مثالوں سے، اور ثبوتوں سے عوام بے حد متاثر ہوئے۔ مغربی علوم کے ماہرین پرم ہنس کے سائنس کی واقفیت سے دنگ رہ گئے ٭

کلکتہ اُس زمانہ میں ایک تو عیش و عشرت میں بہا جاتا تھا۔ دوسرے مغرب کی تقلید کر رہا تھا۔ وہاں کے لوگ یہ خواب میں بھی نہ سمجھتے تھے۔ کہ کوئی ہندوستانی پنڈت ہماری تشفی کر سکتا ہے۔ سوامی جی کے لیکچروں نے ان کے خیالات رو کر دئے۔ اُن کے دلوں پر بھارت کی قدیم عظمت کا اثر طاری ہو گیا۔ سوامی جی کے لیکچروں میں لوگ جھوما کرتے تھے۔ اور مرحبا آفرین کے نعرے لگاتے تھے۔ نیز تالیاں بجا کر اظہار مسرت کرتے تھے ٭

لیکچر کے خاتمہ پر سوامی جی کی بہت بہت تعریف کی گئی۔ لوگ عمدہ اثرات لے کر گھروں کو گئے۔ یہ لیکچر کلکتہ شہر میں پہلا لیکچر تھا۔ اُس دن پوس سدی ۱۱ سمبت ۱۹۲۹ کا دن تھا ٭

اُنہی دنوں میں کلکتہ برہمو سماج کا سالانہ جلسہ آ گیا۔ برہمو لوگ سوامی جی سے اپدیش لینا چاہتے تھے۔ شری دیوبندر ناتھ نے اپنا بڑا بیٹا دوبجیندر ناتھ سوامی جی

کی خدمت میں بھیجا۔ اور جلسہ میں تشریف لانے کے لئے درخواست کی۔ سوامی جی دویجیندر ناتھ کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر جلسہ گاہ میں پہنچے۔ تو برامھ سماج کے خاص خاص ممبران نے اُن کا دلی عقیدت سے خیر مقدم کیا۔ وہاں سوامی جی کا ایک عالمانہ لیکچر بھی ہوا۔ اور کئی اصحاب نے مختلف مضامین میں بات چیت بھی کی ؛

مہاتما دیویندر ناتھ نے سوامی جی کی بہت عزّت و توقیر سے خدمت کی۔ کھانا بھی وہیں کھلایا۔ جب شام کو سوامی جی روانہ ہوئے۔ تو شری دیویندر ناتھ نے کہا۔ آپ یہیں آ جائیں۔ مگر سوامی جی نے یہ کہکر انکار کر دیا۔ کہ "یہاں تنہائی نہیں ہے۔ میں وہیں ٹھیرونگا" ؛

۲۲ فروری ۱۸۷۳ء کو سوامی جی کا "ایشور اور دھرم" کے مضمون پر گوراچرن دت کے مکان پر لیکچر ہوا۔ مہیش چرن نیائے رتن نے ترجمہ کرتے وقت بہت کچھ اپنی طرف سے کر دیا۔ اس پر کالج کے طلباء نے اُسے بہت شرمندہ کیا ؛

سوامی جی مہاراج ایک دن باغ میں بیٹھے لوگوں کو نصیحتیں کر رہے تھے۔ کہ ایک آدمی نے آ کر کہا۔ راجہ سریندر موہن آئے ہیں اور آپ کو بُلاتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ میں ایک واحد آدمی کی خاطر اتنے آدمیوں کا فائدہ قربان نہیں کر سکتا۔ اگر راجہ صاحب کو

ملنا منظور ہے۔ تو یہیں چلے آئیں۔ راجہ صاحب وہاں نہ آئے۔ خفا ہو کر چلے گئے +

پھاگن بدی ۴ سمبت ۱۹۲۹ کو سوامی جی کا لیکچر دن کے ۳ بجے انگریز بورنیو کمپنی کے ہال میں ہوا۔ حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ ۹ مارچ کو سوامی جی کا لیکچر برہان گور کے سکول میں ہوا۔ جب مہاراج جلسہ گاہ میں پہنچے۔ تو اُنھوں نے ریشمی کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ لیکچر ساڑھے تین بجے شروع ہوا۔ اوّل آپ نے پرماتما کی پرارتھنا کی۔ اس کے بعد ویدوں کے حوالے دیدیکر ثابت کیا۔ کہ پرماتما ایک ہے اور اُس کی کوئی شکل صورت نہیں ہے۔ اور ورن جنم سے نہیں ہوتا۔ یہ لیکچر تین گھنٹے تک ہوتا رہا +

کلکتہ میں اُنھوں نے دو تین لیکچر اور بھی دئے۔ شری کیشو چندر نے ان تمام لیکچروں کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا عہد کیا تھا۔ مگر پتہ نہیں کیوں یہ لیکچر شائع نہ ہو سکے +

پرسن کمار ٹھاکر نے مولا جوڑ میں ایک سنسکرت کالج قائم کیا تھا۔ سوامی جی نے وہاں جا کر کہا۔ کہ اس کا صرف نام ہی سنسکرت نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ اس میں سنسکرت کی تعلیم بھی دی جانی چاہئے +

وہاں اُن دنوں ایک صاحب منمتھ نامی رہا کرتے

تھے۔ اُنھوں نے سوامی جی کا خوبصورت جسم۔ لمبا قد۔ اور بولنے کا طریقہ دیکھا۔ تو فریفتہ ہو گئے۔ اکثر سوامی جی ہی کے پاس رہنے لگے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی رات کو بھی وہیں پڑ رہتے تھے۔

مہاراج کے پاس ایک دو دفعہ ایشور چندر ودیا ساگر بھی آئے تھے۔

ایک دن سوامی جی اپنے باغیچہ میں بیٹھے تھے۔ آس پاس کئی عقیدت مند تھے۔ اتنے میں وہاں ایک مسلمان آ نکلا۔ وہ سوامی جی کا اپدیش سُننا چاہتا تھا۔ مگر اندر آنے سے ہچکچاتا تھا۔ سوامی جی نے کہا۔ بڑی خوشی سے اندر آ جاؤ۔ میں اس قسم کی فضول تمیز روا نہیں رکھتا۔ وہ مسلمان سوامی جی کے خیالات سے بے حد متاثر ہوا۔

سوامی جی بہت سویرے اُٹھتے تھے۔ اور سمادھی لگا لیتے تھے۔ پھر حاجات ضروری کے لئے دور باہر چلے جاتے تھے۔ کنوئیں پر نہاتے تھے۔ پھر نتیہ کرم سے فارغ ہو کر گیارہ بارہ بجے تک لوگوں کو اُپدیش کرتے تھے۔ اس کے بعد کھانا تناول فرماتے اور کچھ دیر آرام کرتے۔ اس کے بعد پھر اپدیش کا کام شروع کر دیتے تھے۔ رات کے آٹھ بجے تک ستسنگ لگا رہتا تھا۔ اس طرح مہاراج نے

کلکتہ باسیوں کو تین مہینے تک نہال کیا ؛

برندابن نامی ایک شخص مہاراج جی کو ہگلی لے گئے۔ اور انہیں اپنے باغ میں ٹھیرایا۔ برندابن بڑے زمیندار تھے۔ عوام پر اُن کا اثر بھی تھا۔ سوامی جی کا اُن کے پاس ٹھیرنا سُن کر کئی لوگ سوامی جی کے پاس آنے جانے لگے۔ یہاں پنڈت تاراچرن بھی لوگوں کے کہنے سُننے سے مباحثہ کو تیار ہوئے۔ سوامی جی نے کہا۔ کہ مباحثہ تحریری ہو۔ اور بعد میں شائع کر دیا جائے۔ تاراچرن نے بھی اسے منظور کر لیا۔ مگر تھوڑی ہی دیر کے بعد اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ مہاراج! یہ مباحثہ میں نے لوگوں کے اصرار پر کیا ہے۔ آپ جو کچھ کہتے ہیں سچ کہتے ہیں۔ یہ ہماری ڈھٹائی ہے جو آپ کے اُپدیشوں کو قبول نہ کر کے عوام کی ضد سے اور پیٹ پوجا کے خیال سے مقابلہ پر ڈٹ جاتے ہیں۔ مہاراج پنڈت تاراچرن کی راست بازی سے بہت خوش ہوئے اور انہوں نے اُس کے ساتھ ہاتھ ملایا ؛

لوگ سوامی جی کے خوبصورت چہرے کو دیکھ کر سیر نہ ہوتے تھے۔ اُن کی موٹی آنکھیں مہربانی کے رس سے بھری رہتی تھیں۔ اُن میں کوئی عجیب کشش تھی۔ کوئی من موہنے والی طاقت تھی۔ اُن کی ناک بلند اور

خوبصورت تھی۔ دونو بھویں نہایت دلفریب تھیں۔ اُن کا بدن سڈول تھا۔ اُن کے کندھے مضبوط تھے۔ اُن کے دونو بازو ہاتھی کی سونڈ کی مانند لمبے تھے اور گھٹنوں کو چھوتے تھے۔ اُن کے ہاتھ کی ہتھیلیاں اور اُنگلیاں تپے ہوئے تانبے کے مانند تھیں۔ اُن کا سینہ چوڑا تھا۔ اُن کی رانیں مضبوط اور گٹھی ہوئی تھیں۔ غرضکہ اُن کے جسم کا ہر ایک حصّہ اپنی اپنی جگہ خوبصورت تھا۔

مُنگلی سے چل کر بساکھ ودی ۵ سمبت ۱۹۳۰ کو سوامی جی بھاگلپور پہنچے۔ اور ایک مہینا یہاں کے لوگوں میں پرچار کیا۔ اس کے بعد جیٹھ ودی ۶ سمبت ۱۹۳۰ کو مہاراج پٹنہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک ہفتہ پرچار کرنے کے بعد چھپرہ چلے گئے۔ یہاں سوامی جی کے ٹھیرنے کا انتظام شو غلام شاہ بہادر نے کیا۔

یہاں کے پورانک پنڈت سوامی جی کے برخلاف کھڑے ہو گئے۔ اور پنڈت جگن ناتھ سے امداد کے ملتجی ہوئے۔ اُس نے کہا "میں مباحثہ کرنے کو تو تیار ہوں۔ پر اُس ناستک کا اگر مُنہ دیکھ لیا۔ تو مجھے پرائشچت کرنا پڑیگا" جب یہ خبر سوامی جی کو ملی۔ تو آپ نے ہنس کر کہا۔ اگر اُسے صرف میرا منہ دیکھنے

کا خوف ہے۔تو ہم اپنے منہ پر پردہ ڈال لینگے۔ مگر اُسے ایک دفعہ لا یئے ضرور ٭

لوگوں کے اصرار بسیار کے بعد جگن ناتھ آیا۔اور پردہ کی اوٹ میں بیٹھ کر مباحثہ کرنے لگا۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ شکست کھا کر چلا گیا ٭

عوام سوامی جی کے اُپدیشوں سے بہت خوش ہوئے۔ چھپرہ سے چل کر سوامی جی ساون سدی ۱۵ سمبت ۱۹۳۰ کو میرزاپور پہنچے۔ استادوں کی گڑ بڑ کے باعث وہاں کی پاٹھشالا ٹوٹ چکی تھی۔اُسے دوبارہ چلانا سوامی جی نے مناسب نہ خیال کیا۔اس جگہ سوامی جی نے مہاتما جواہر داس جی کو کاشی سے بلایا اور وہاں پاٹھشالا کھولنے کی صلاح دی۔وہ تیار ہو گیا۔اور اُس کے اخراجات کے لئے روپیہ جمع کرنے کی خاطر دورہ کرنے لگا ٭

ساتواں باب

میرزاپور سے چل کر سوامی جی پریاگ میں آئے اور یہاں کچھ دن ٹھیرے۔ پھر کانپور آ کر ٹوکا گھاٹ پر ڈیرا جا دیا۔ اُس وقت پنڈت ہیم چندر بھی سوامی جی

کے ہمراہ تھے۔ اور اُن سے پڑھتے تھے۔ اہل کانپور کو اپنے خیالات سے فیض پہنچا کر سوامی جی فرخ آباد جانے کو تیار ہوئے۔ ۲۰ نومبر ۱۸۷۳ء کو فرخ آباد پہنچے۔ اور پاٹھشالا ہی میں ٹھہر گئے۔ لوگوں نے سُنا تو ہزاروں کی تعداد میں خدمت میں حاضر ہونے لگے ؛

اس مرتبہ یوپی کے لاٹ میور صاحب سے اور محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر کمسن صاحب سے سوامی جی کی ملاقات ہوئی۔ مہاراج کے دل میں گئو رکھشا کا بڑا خیال تھا۔ اس لئے اُنہوں نے لاٹ صاحب سے کہا اب آپ اپنے وطن کو جا رہے ہیں۔ وہاں جا کر ہندوستان کی بہبودی کا خیال بھول نہ جائیے گا۔ گئوکشی کا انسداد کرانے کی کوشش بہت ضروری ہے ؛

لاٹ صاحب نے سوامی جی کے خیالات کو ہمہ تن گوش ہو کر سُنا۔ اور اقرار کیا۔ کہ میں آپ کے حکم کے بموجب ضرور کوشش کرونگا ؛

شری ہیم چندر یہاں بھی سوامی جی کے ساتھ تھے۔ مہاراج نے اُنہیں وہ لوگ بھی دکھلائے۔ جو پہلی مرتبہ مارنے آئے تھے۔ مگر اب دلی عقیدت سے خدمت کر رہے تھے ؛

ایک دن ہیم چندر نے بڑے ادب سے پوچھا۔ مہاراج! بھارت ورش کے زبردست ترین پنڈت

آپ سے مباحثہ کرنے آتے ہیں۔ کیا وہ سب کے سب غلطی پر ہیں؟ سوامی جی نے ہنس کر جواب دیا۔ سچائی کا گیان تو بہت سے پنڈتوں کو ہے۔ مگر پیٹ کی خاطر سچ نہیں بولتے ۔

ہیم چندر کے دل میں سوامی جی کے لئے بڑی عقیدت تھی۔ وہ مہاراج کو یوگی راج مانتے تھے۔ اُنہوں نے کئی دفعہ مہاراج کو رات کے بارہ بارہ ایک ایک بجے اُٹھ کر دیکھا۔ تو اُنہیں سمادھی لگائے پایا۔ مہاراج اپنی سمادھی صبح اُتارا کرتے تھے ۔

سوامی جی فرخ آباد سے چل کر ۱۰ دسمبر ۱۸۷۳ء کو کاسگنج آئے۔ آپ کو طلباء کی حفاظت کا بڑا دھیان رہتا تھا۔ جہاں طلباء سوتے تھے۔ وہاں ہوا کی رکاوٹ کا انتظام ٹھیک نہ تھا۔ اس لئے اُنہیں تکلیف ہوتی تھی۔ سوامی جی نے سُکھ چین سے دیوار بنوانے کے لئے کہا۔ مگر مزدوروں کے نہ بہم پہنچنے سے دیوار نہ بن سکی۔ سوامی جی نے کہا جب تک دیوار نہیں بنتی۔ تب تک پھوس کا چھپر ہی کھڑا کر دو۔ تاکہ ہوا کے جھونکوں سے ودیارتھی کچھ تو محفوظ ہو سکیں۔ مگر سکھ چین سے یہ بھی نہ ہُوا۔ تب سوامی جی خود چھپر بنانے لگ گئے۔ اور لوگوں کو بھی اس کا طریقہ بتا دیا ۔

سوامی جی ودیارتھیوں کو اُپدیش کیا کرتے تھے اور

انہیں مالکنگنی استعمال کرنے کا مشورہ دیا کرتے تھے۔
اُن کا باہم مباحثہ کراتے تھے۔ اُن کو ورزش کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ اور وقتاً فوقتاً اُن کا امتحان بھی لیا کرتے تھے ؂

آپ قسم کھانے کے سخت مخالف تھے۔ ایک بار اُن کی غیر حاضری میں سب پنڈتوں نے باہمی مشورہ کے بعد ودیارتھیوں سے کہا۔ تم سب کو راست بازی اختیار کرنے اور آریہ کتب پڑھنے پڑھانے کی قسم کھانا چاہیئے۔ رام پرساد کے سوائے سب ودیارتھیوں نے وید اُٹھا کر قسم کھائی۔ اور کہا۔ کہ ہم زندگی بھر آدرش گرنتھ ہی پڑھینگے۔ رام پرساد کو قسم نہ کھانے کے قصور میں پاٹھشالا سے نکال دیا گیا۔ اس مرتبہ جب سوامی جی کو اس امر کی اطلاع ہوئی۔ تو اُنھوں نے سب کو سمجھایا اور کہا۔ کتنی ہی کوشش کیوں نہ کی جائے مگر تم لوگ پوپ لیلا سے نہیں باز آتے۔ ہماری اجازت کے بغیر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اس طرح آپ نے رام پرساد کو پاٹھشالا میں پھر داخل کرایا ؂

چیت سدی یکم سمت ۱۹۳۰ کو مہاراج کاسگنج سے وداع ہوئے۔ اور چھلیسر پہنچے۔ اس دفعہ بھی سوامی جی کے اُپدیشوں میں ہزاروں لوگ آتے رہے بے شمار گرے ہوؤں کی اصلاح ہوئی۔ سوامی جی نے

پاٹھشالا کو بھی دیکھا اور اُس میں ردّ و بدل کئے۔راجہ جے کرشن داس جی یہاں بھی درشن کرنے آئے۔اور محظوظ ہو کر واپس آ گئے ؎

یہاں سے چل کر سوامی جی پوس سمبت ۱۹۴۰ کو علی گڑھ آئے۔اور راجہ جے کرشن کے ہاں ٹھیرے۔ جب لوگوں نے سُنا۔تو اُپدیش لینے آنے لگے۔سارے شہر پر سوامی جی کی قابلیت کا اثر تھا۔آریہ۔مسلمان۔ عیسائی اور انگریز سبھی لیکچر میں آتے تھے۔لیکچر کے بعد رفع شکوک کے لئے وقت دیا جاتا تھا۔ اس میں رات کے دس بج جاتے تھے۔اس قدر کام کرنے کی لوگ تعریف کرتے نہ تھکتے تھے ؎

ایک دن ایک پنڈت مندر کے اونچے چبوترہ پر بیٹھ کر سوامی جی سے مباحثہ کرنے لگا۔کئی شریف آدمیوں نے اُسے سمجھایا۔کہ مہذب آدمیوں کی طرح بیٹھ کر بات چیت کرو۔مگر وہ ایسا ضدّی تھا۔کہ وہیں ڈٹا رہا۔تب مہاراج نے لوگوں سے کہا۔کوئی ڈر نہیں۔پنڈت جی وہیں بیٹھے رہیں۔صرف بلندی پر بیٹھنے سے کوئی بڑا نہیں ہو جاتا۔اگر بلند جگہ ہی عظمت کا باعث ہے۔تو پنڈت جی سے بھی اونچا وہ کوّا بیٹھا ہے ؎

ایک دفعہ سوامی جی جلسہ گاہ ہی میں تشریف رکھتے

تھے۔کہ وہاں ایک بھنگڑ سادھو آ نکلا۔وہ بار بار لوگوں سے پوچھتا تھا۔کہ دیانند کون ہے۔جب لوگوں نے اشارہ سے بتا دیا۔تو اُس نے سوامی جی کے پاس جا کر اُنہیں بے شمار گالیاں دیں۔مگر سوامی جی اُس کی اس بے وقوفی پر ہنستے ہی رہے ؛

اُس زمانہ میں بیسواں نواسی ٹھاکر گورپرساد کے نام سے یجروید کی ایک شرح شائع ہوئی تھی۔جب علیگڑھ میں ٹھاکر صاحب سوامی جی سے ملے۔تو اُنہوں نے اُس سے متعلق سوامی جی کی راے پوچھی۔سوامی جی نے کہا۔شرح بہت ہی غلط اور حقیقت سے کوسوں دُور ہے۔یہ شرح شائع کر کے آپ نے سخت غلطی کی ہے۔ٹھاکر صاحب اس صاف بیانی سے سخت آزردہ ہوئے۔ اور وہاں سے چلے گئے ؛

ایک دن کا ذکر ہے کہ ٹھاکر اودھوسنگھ ساکن چھاولی اپنے والد اور ٹھاکر بھوپال سنگھ کے ہمراہ سوامی جی کے درشن کرنے علیگڑھ آئے۔اُس دن اودھوسنگھ کے کپڑے سب کے سب ولائتی تھے۔وہ کچھ دیر تک چھلیسر کی پاٹھشالا میں پڑھتے بھی رہے تھے۔اس لئے مہاراج اُن سے اچھی طرح واقف تھے۔پیار سے بولے۔"اودھو! دیکھو تمہارے پتا کیسے موٹے سادہ اور اپنے وطن کے بنے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔اُن کا برادری میں کیسا

دبدبہ ہے۔ کیا تم اس بدیسی کپڑے سے سج سجا کر اپنے پتا سے زیادہ معزز بن جاؤ گے؟ اودھو! اپنے ہی دیس کا لباس پہننے میں بڑائی ہے؟ سوامی جی کا یہ اُپدیش اودھو کے دل میں گھر کر گیا۔ اس نے ڈیرے پر جاتے ہی وہ لباس اُتار دیا اور قدیم طرز کے دیسی کپڑے پہن لئے +

ایک دن ٹھاکر مکند سنگھ کی پرارتھنا پر مہاراج نے سام وید گا کر سُنایا۔ اُسے سُن کر اودھو سنگھ وغیرہ سب اصحاب بے حد مسرور ہوئے۔ سب بار بار یہی کہتے تھے۔ کہ ایسا عمدہ گانا آج تک نہ سُنا تھا +

سوامی جی کو اس زمانہ میں بہت سی چٹھیات موصول ہوا کرتی تھیں۔ ہندی خطوط کے جوابات تو ایک پنڈت لکھا کرتا تھا مگر اُردو چٹھیوں کے جواب اودھو سنگھ ہی جب تک وہاں رہے دیا کرتے تھے۔ سوامی جی کے تمام کام باقاعدہ تھے۔ خط و کتابت کے لئے بھی وقت مُقرر تھا۔ ایک دن آپ خط لکھا رہے تھے۔ کہ سرسید احمد خاں اُنہیں ملنے آ گئے۔ اُن کے ساتھ تین چار اور اصحاب بھی تھے۔ سرسید احمد خاں نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا۔ تو سوامی جی کو کام میں مشغول پایا۔ اس لئے وہ وہیں برانڈے میں ٹھہر گئے۔ مگر اودھو سنگھ نے سرسید احمد خاں صاحب کو دیکھ لیا۔ اور سوامی جی کو اُن کے آنے کی

اطلاع دی - مہاراج نے کہا - جاؤ - بڑے ادب سے انہیں اندر لے آو ۔

جب سر سید اندر آ گئے - تو تعظیم و تکریم کے بعد سوامی جی نے کہا - یہاں کرسیاں نہیں ہیں - آپ کو فرش پر بیٹھنے سے تکلیف ہوگی - سر سید نے نہایت منکسر المزاجی سے جواب دیا - آپ جیسے سنتوں کے پاس آ کر فرش پر بیٹھنا ہمارے لئے موجب راحت اور باعث عزت ہے ۔

جب سر سید احمد خاں آرام سے بیٹھ گئے - تو سوامی جی نے کہا - معاف کیجئے گا - میں پہلے اپنے روزانہ پروگرام سے فارغ ہو لوں تو پھر آپ سے کھل کر بات چیت کروں - یہ کہکر سوامی جی اپنے کام میں مصروف ہو گئے اس اثناء میں سر سید احمد خاں خاموش بیٹھے رہے - پھر سوامی جی سے دیر تک گفتگو کرتے رہے اور سوامی جی سے متعلق نہایت عمدہ رائے لے کر واپس گئے ۔

سر سید احمد خاں سوامی جی کی خدمت اقدس میں اکثر آتے رہتے تھے - اُن کو سوامی جی سے اُنس ہو گیا تھا - سوامی جی بھی اُن کی عزت کرتے تھے - ایک دن سر سید احمد خاں کئی معزز مسلمین اور انگریز صاحبان کو ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس آئے - اثنائے گفتگو میں اُنہوں نے کہا - آپ کے دیگر خیالات تو بڑے مُدلل

ہیں - مگر یہ بات دل میں نہیں بیٹھتی - کہ تھوڑے سے ہَوَن سے ہوا کیسے صاف ہو جاتی ہے - سوامی جی نے ہون کے کئی فائدے بتا کر پوچھا - آپ کے گھر میں کتنے آدمیوں کے لئے کھانا تیار ہوتا ہوگا - جواب دیا - پچاس ساٹھ کا - سوامی جی نے پھر پوچھا - آپ کے ہاں کتنے سیر دال بھاجی پکتی ہوگی - اُنہوں نے کہا - کوئی چھ سات سیر - سوامی جی نے جواب دیا - اس دال بھاجی میں ہینگ کس قدر پڑتی ہوگی ؟ سرسید احمد خاں نے جواب دیا - اُس کی مقدار ماشہ بھر سے زیادہ تو نہ ہوگی - سوامی جی نے پوچھا - کیا اس قدر ہینگ سے تمام دال بھاجی خوشبودار ہو جاتی ہے - سر سیّد احمد خاں نے جواب دیا - ہاں - تب سوامی جی نے کہا - تھوڑی سی ہینگ کی طرح تھوڑا سا ہون بھی ہوا کو صاف کر دیتا ہے - سرسید سوامی جی کے جواب سے اور طرز استدلال سے بہت خوش ہوئے اور سوامی جی کی تعریف کرتے ہوئے گھر کو لوٹے ؛

سوامی جی کے لیکچروں میں علیگڑھ کے حکام بھی شامل ہوا کرتے تھے اور اُپدیش سُنا کرتے تھے - ان لیکچروں میں دس دس ہزار آدمی آتے تھے - مگر کمال یہ تھا - کہ سب سے دُور کے آدمی کو بھی آواز صاف سُنائی دیتی تھی - اُن کے الفاظ بڑے سادہ اور شیریں

تھے۔ لوگوں کو سمجھنے میں دقت نہ ہوتی تھی ؞

سوامی جی اپنے بیان میں عجیب اثر بھر دیتے تھے۔ جب بہادری کا ذکر آتا۔ تو سُننے والوں کا کلیجہ اُچھلنے لگتا۔ بازو پھڑکنے لگتے اور رگوں کا خون کھولنے لگ جاتا تھا۔ جب دہیں کی حالت زار کا نقشہ کھینچتے۔ تو لوگوں پر رقت کا عالم طاری ہو جاتا۔ اور اُن کی آنکھوں سے آنسوؤں کا چشمہ پھوٹ نکلتا۔ جب شانتی رس برساتے تو ساری محفل خاموش، مطمئن اور مست ہو کر سُنتی۔ کوئی آواز نہ آتی تھی۔ کوئی شور نہ ہوتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے زمین پر کوئی بدلی مسرت کی بوندیں ٹپکا رہی ہے ؞

آپ کے لیکچروں میں مذاق کا رنگ بھی رہتا تھا۔ ہر آدھ گھڑی کے بعد وہ کوئی ایسا لفظ، فقرہ، چٹکلا ضرور کہتے تھے۔ یا مثال ضرور دیتے تھے۔ جسے سُن کر لوگ لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے۔ اور ہنسی کے مارے پیٹ میں بل پڑ پڑ جاتے تھے ؞

مہاراج کے لیکچروں کو سُن کر سبھی لوگ کہتے تھے۔ ہم نے ایسا پُر اثر، ایسا مفید اور ایسا عمدہ لیکچر آج تک نہ سُنا تھا ؞

آٹھواں باب

۲۲- جنوری ۱۸۷۰ء کو سوامی جی علیگڑھ سے چل کر ہاتھرس پہنچے - ٹھاکر مکند سنگھ بھی ساتھ تھے - راجہ جے کرشن داس نے پہلے ہی جا کر سب انتظامات مکمل کرا دئے تھے- سوامی جی نے ایک باغ میں قیام کیا - اور جاتے ہی شرادھ کے خلاف ایک لیکچر دیا - جس سے سناتن دھرمی دنیا میں کھلبلی مچ گئی - مگر ابھی پانچ چھ ہی دن گزرے تھے - کہ راجہ ٹیکم سنگھ انہیں مجبور کر کے مرسان لے گئے- ہاتھرس سے مرسان لے جانے کے لئے راجہ صاحب نے اپنی فٹن بھیج دی ؛

راجہ ٹیکم سنگھ کو مذہبی زندگی دے کر سوامی جی متھرا برندابن کو تیار ہوئے - اُن کے ارادہ کے کئی سبب تھے - رنگا چاریہ اُس زمانہ میں مورتی پوجا کے سب سے زبردست وکیل تھے - وہ ہر سال ہزاروں آدمیوں کو کنٹھیاں پہناتے تھے - اور ویشنو بناتے تھے - ویشنو مذہب میں اُن کی عظمت مسلمہ تھی - مہاراج چاہتے تھے - کہ زمانہ کے سب سے بڑے مورتی پوجک کو اُس کے اپنے گڑھ میں شکست دیں ؛

ایک دفعہ مہاراج نے اپنے رفیق پنڈت گنگا دت کو روپے بھیج کر لکھا - آپ فرخ آباد میں آ کر پڑھانے کا کام کریں - اُس نے جواب دیا - وہاں آنے میں مجھے مالی فائدہ تو ہے - مگر جب تک آپ متھرا برندابن میں آکر رنگا چاریہ کو نیچا نہ دکھا لیں - تب تک میرا آپ کے پاس چلے آنا ٹھیک نہیں - لوگ میرے خلاف بولینگے - اس لئے آپ پہلے یہاں تشریف لا کر مورتی پوجا کی دھجیاں اُڑا دیئے - پھر مجھے آپ کے احکام کی تعمیل میں عذر نہ ہوگا - ان خطوط کے جواب میں سوامی جی نے لکھ دیا "ہم متھرا آئینگے"۔

اپنے وعدے کو ایفا کرنے کی خاطر سوامی جی نے برندابن جانے کے لئے برہم اُتسو کا وقت پسند کیا - اس موقع پر ہزاروں یاتری آتے ہیں - یہ میلہ چیت بدی ۲ سے شروع ہوتا ہے - مہاراج کے برندابن جانے سے پہلے ہی راجہ جے کرشن داس نے پنڈت دیوی پرساد ڈپٹی کلکٹر کے نام خط دے کر بلدیو جی کو متھرا بھیج دیا - پنڈت بلدیو جی پنڈت دیوی پرساد سے چٹھی لے کر برندابن میں بخشی محبوب مسیح سپرنٹنڈنٹ چونگی سے ملے - پھر راجہ اُدت نارائن سے امداد کے لئے کہا - راجہ صاحب بڑے نیک آدمی تھے - سوامی جی کی امداد کے لئے جھٹ تیار ہو گئے - اور جس دن سوامی جی کو

متھرا پہنچنا تھا۔ اُس دن اپنی گاڑی لے کر سٹیشن پر پہنچ گئے۔ اور سوامی جی کو بڑی عزّت سے اپنے مکان پر لے گئے۔ سوامی جی نے راجہ صاحب سے کہا۔ آج کل برھم اُتسو کا میلہ ہے۔ اس لئے اِس وقت وہیں پرچار ہونا چاہیئے۔ راجہ صاحب سوامی جی سے متفق تھے۔ مگر اندیشہ تھا۔ کہ کہیں پنڈت حملہ نہ کر دیں۔ اس لئے راجہ صاحب نے حفاظت کے لئے چار آدمی متعین کر دئے۔ پھاگن شُکلا کی ایکادشی کو سوامی جی برندابن آئے اور بخشی محبوب مسیح کے زیرِ انتظام ملوک داس کے رادھا باغ میں قیام کیا۔ یہ باغ رنگاچاریہ کے مکان کے پچھواڑے میں تھا۔

سوامی جی کے حکم سے محبوب مسیح نے ہندی اور اُردو میں اشتہارات طبع کرا کے شہر میں چسپاں کرا دئے۔ ان اشتہارات میں تحریر تھا۔ کہ مورتی پوجا۔ کنٹھی اور تلک وید کے خلاف ہیں۔ جس میں ہمت ہو۔ سامنے آئے۔ ایک چٹھی بلدیو جی کے ہاتھ رنگاچاریہ کے پاس بھجوا دی۔ کہ آپ مورتی پوجا۔ کنٹھی اور تلک کو وید کے مطابق ثابت کیا کرتے ہیں۔ اب موقع ہے۔ مباحثہ کر کے اپنی صداقت کا ثبوت دیں۔ رنگاچاریہ نے اُس وقت یہ کہ کر چھٹکارا کرایا۔ کہ آج کل میلہ کے دن ہیں۔ خاتمہ پر ضرور مباحثہ کرونگا۔ مگر جب

میلہ کے خانہ پر اُسے چیلنج کیا گیا۔ تو وہ بیمار بن بیٹھا۔ سمجھ دار لوگوں کو یقین ہو گیا۔ کہ رنگا چاریہ سوامی جی کے سامنے آنے سے ڈرتا ہے۔ اُسے اندیشہ ہے کہ میرا پول نہ کھل جائے۔ مگر سوامی جی کے اُپدیش ہوتے رہے۔ ایک دو آدمیوں نے اپنے شالگرام جمنا میں بہا دیئے۔

رنگا چاریہ کے چیلے چانٹے اپنے گورو کا رُخ دیکھ کر سوامی جی سے بہت جلے اور اُنہیں مار ڈالنے کی تجویزیں سوچنے لگے۔ مگر یہ اِطلاع پنڈت بلدیو جی و دیگر اصحاب کو کسی نہ کسی طرح مل گئی۔ اُنہوں نے عرض کیا۔ آپ باہر گھومنے نہ جایا کریں۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ آپ آج تو مجھے باہر جانے سے روکتے ہیں۔ کل کو کہینگے۔ کٹیا کے اندر ہی بیٹھے رہو۔ مجھ سے یہ نہ ہوگا۔

بہت دنوں تک برندابن میں پرچار ہوتا رہا۔ کئی آدمیوں کو راہ راست پر لگا کر اور کئی سنیاسیوں کی آنکھیں کھول کر سوامی جی چیت بدی ۱۱ کو پھر متھرا آگئے اور پرشوتم داس کے باغ میں ٹھہرے۔

سوامی جی کی آمد سے پہلے متھرا کے پنڈت مباحثہ کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مگر اُن کے سامنے کوئی نہ آیا۔ ایک دن کچھ آدمیوں کے بھڑکانے پر چار پانچ سو پنڈے موٹے موٹے لٹھ لئے سوامی جی کے باغ

پر آ چڑھے - دروازے پر گرنواس کے ٹھاکر کرشن سنگھ وغیرہ راجپوت پہرہ دے رہے تھے۔ اس قدر ہجوم دیکھ کر انہوں نے دروازہ بند کر دیا - مگر کھڑکی کھلی رہنے دی۔ پنڈے کچھ دیر تک تو دھینگا مشتی کرتے رہے - مگر بانکے راجپوتوں کے ہاتھ میں بھی ڈنڈے تھے۔ اس لئے سڑک ہی پر کھڑے ہو گئے - اور زمین پر لٹھ اور لاٹھیں مار مار کر لغویات بکتے رہے - سوامی جی مکان کی چھت پر بیٹھے ان کی جہالت کا تماشہ دیکھتے تھے اور ہنستے تھے - راجپوتوں نے کہا - اجازت ہو تو ان کو درست کر دیں مگر سوامی جی نے کہا - پنڈوں کی حماقت پر آپ کو غصہ نہ کرنا چاہیئے - ہمارے یہاں آنے کا یہ تو فائدہ ہو گیا - کہ ان سست کے مارے ہوؤں میں جوش پیدا ہوا - کہ یہ اس قدر تعداد میں جمع ہو گئے ہیں - یہ فائدہ بھی تھوڑا نہیں +

مانگی لال نامی ایک منیب مہاراج کا سخت دشمن بن گیا - وہ ان کی سفید شہرت پر دھبا لگانے کے طریقے سوچنے لگا - ایک دن مہاراج لچھمی داس کے مکان پر لیکچر دے رہے تھے - تو ایک قصائی اور شراب والے نے پکار کر کہا" سوامی جی! آپ کی طرف رقم زیادہ ہو گئی ہے - ادا کیوں نہیں کر دیتے؟" ان کی اس بات کو سن کر لوگوں کی آنکھوں میں لہو اتر آیا -

مگر سوامی جی نے اُنہیں ٹھنڈا کر دیا - اور لیکچر دیتے رہے - خاتمہ پر سوامی جی نے ان دونو کو اپنے پاس بُلایا اور اُن کی گردن پکڑ کر کہا - سچ کہو ایسا کرنے کو تم سے کس نے کہا تھا ؟ اُنھوں نے دست بستہ جواب دیا - مانگی لال منیب نے - مہاراج نے دونو کو چھوڑ دیا - مگر مانگی لال کی جگہ بجگہ بدنامی ہونے لگی ❊

کہتے ہیں - ایک دن کچھ بڑے آدمیوں نے ایک بدمعاش عورت کو بھی سمجھا کر جلسہ گاہ میں بھیج دیا - راہ میں تو وہ بڑی شیخیاں مارتی رہی - لیکن جب وہاں جاکر سوامی جی کا معصوم چہرہ دیکھا - تو اُس کے دل کے ارادے آن واحد میں بیٹھ گئے - اُلٹا سوامی جی کے لئے عقیدت کا جذبہ پیدا ہُوا - دل میں سوچنے لگی - میں نے اس مہاتما کو بدنام کرنے کا ارادہ کیا تھا - مجھ سے یہ گناہ ہوا ہے تب اُس نے آگے بڑھ کر سوامی کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا - اور زار و قطار روتے ہوئے معافی مانگی - اُس نے بدمعاش لوگوں کے بہکا کر بھیجنے کا حال سُناتے وقت رو رو کر اپنا آنچل بھی تر کر لیا - سوامی جی نے اُسے حوصلہ دیا - اور کہا - دیوی ! جاؤ - پرماتما کرے - تمہارا دل اسی طرح نیک بنا رہے ❊

متھرا میں اسّی سال کے بوڑھے پانڈے مدن دت جی رہتے تھے - وہ چالیس سال سے صرف دودھ پر

گزارہ کر رہے تھے۔ پکے ویشنو تھے۔ سارے شہر میں اُن کی دھاک بندھی تھی۔ ایک دن سوامی جی سے مباحثہ کرنے آ گئے۔ اُس وقت اُن کے ساتھ اُن کا پوتا بھی تھا۔ نمسنتے نمسنتے کے بعد سوامی جی نے اُس بچے سے ویاکرن کا ایک سوتر پوچھا۔ اور پھر اشٹادھیائی پڑھنے کا اُپدیش کیا۔ مہاراج کی اس بات کا مدن دت پر ایسا اثر ہوا۔ کہ وہ بغیر مباحثہ کئے واپس چلے گئے۔ اور مورتی پوجا کے خلاف ہو گئے ✦

پنڈت مدن دت کی کایا پلٹ کا عوام پر بڑا اثر ہوا۔ کہنے لگے سوامی جی کے پاس کوئی موہنی منتر ہے۔ جو پاس جاتا ہے اُسی کو بس میں کر لیتے ہیں ✦

راجہ ٹیکم سنگھ بھی اپنی گاڑی لے کر سوامی جی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور سوامی جی کو چیت سدی ۲ سمبت ۱۹۳۱ کو مرسان لے گئے۔ وہاں دیر تک قیام رہا۔ لوگوں کو اُپدیش کیا۔ اور پھر وہاں سے کاشی چلے گئے۔ اس دفعہ مہاراج گوسائیں رام پرساد کے باغ میں ٹھہرے ✦

اُس زمانہ میں آپ ہندی میں بات چیت کرتے تھے۔ جواہرداس نے کہا۔ آپ کو سنسکرت ہی میں بولتے رہنا چاہئے تھا۔ مگر مہاراج نے اُنہیں سمجھایا۔ کہ اُپدیش دینا ہو تو اُس زبان میں دینا چاہئے۔ جسے زیادہ لوگ

سمجھتے ہوں ٭

راجہ مادھوداس کے باغ سے اُن کے گھر روزانہ پھولوں کی ایک ٹوکری جایا کرتی تھی۔ ایک دن مہاراج نے مادھوداس سے پوچھا۔ یہ پھول کہاں جاتے ہیں۔ اُنھوں نے جواب دیا۔ ٹھاکر پوجا کے لئے گھر جاتے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ یہیں بیل کے ساتھ لگے رہنے سے زیادہ دیر تک ہوا معطر رہتی ہے۔ مُرجھا کر پنکھڑیاں یہیں بکھر جانے سے کھیت کو کھاد مل جاتا ہے۔ گلدستہ بنا کر گھر میں رکھا جائے۔ تب بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مگر مورتی پر چڑھانے سے تو فوراً خراب ہو جاتے ہیں۔ اور پانی میں پڑ کر گل سڑ جاتے ہیں۔ فائدہ تو کجا اُلٹا نقصان ہوتا ہے ٭

یہاں بھی سرسید احمد خاں سوامی جی سے ملتے رہے۔ اُنھوں نے دو تین لکچر اپنی کوٹھی میں بھی کرائے۔ کئی حکام کا سوامی جی سے تعارف کرایا ٭

سوامی جی کی اس آمد سے چھ مہینے پیشتر مہاتما جواہرداس جی نے پوس بدی ۲ سمت ۱۹۳۰ کو پاٹھشالا جاری کر دی تھی۔ اس کے لئے کیدارناتھ مندر کے قریب کرائے پر مکان لیا گیا تھا۔ اس پاٹھشالا میں پنڈت شوکمار جی وغیرہ بے شمار پنڈت پڑھاتے تھے ٭

مہاراج نے ایک دن پاٹھشالا کا معائنہ کیا۔ تو پنڈت

شوکمار سے بھی ملاقات ہوئی۔ اُس کو قابل سمجھ کر آپ نے کہا۔ آپ اگر لوگوں کو دھرم اُپدیش دیا کریں۔ تو خوب ہو۔ شوکمار نے جواب دیا۔ کہ اگر پچاس روپے ماہوار مل جائیں۔ تو دھرم اُپدیش کرنے کو تیار ہوں۔ مگر سوامی جی نے اُنہیں وید گیان سے محروم پا کر اس قدر تنخواہ دینا مناسب نہ سمجھا۔

سوامی جی نے اس پاٹھشالہ کو ترقی دینے کی بہت سعی کی۔ اُس کی امداد کے لئے لوگوں سے کہا۔ اخبارات میں مضامین لکھے۔ مگر پھر بھی بد انتظامی کے باعث یہ پاٹھشالہ ۱۸۷۵ء میں بند ہو گئی۔

کاشی میں آپ دو مہینے رہے۔ اس کے بعد وہاں سے چل کر مرزا پور وغیرہ مقامات کا دورہ کرتے ہوئے پریاگ پہنچے۔ یہاں آپ نے ڈیرہ الوپی کے باغ میں کیا۔ اور ایک اشتہار دے کر عوام کو مطلع کر دیا۔ کہ جس کسی کو مذہب سے متعلق کچھ دریافت کرنا ہو۔ وہ وقت مقررہ پر الوپی دیوی کے باغ میں آ جائے۔ اس اطلاع کے مشتہر ہوتے ہی سینکڑوں لوگ اور ودیارتھی آنے لگے۔ کالج کے پروفیسر بھی آتے تھے۔ یہاں پر سوامی جی نے میکس مولر کی شرح وید کو غلط ثابت کیا۔ اور عیسویت پر زبردست تنقید کی۔

ایک دن پنڈت کاشی ناتھ نے بڑی بے ادبی سے

کہا۔آپ نے کیوں ملک میں شور مچا رکھا ہے۔ مہاراج نے بڑے آرام و اطمینان سے جواب دیا۔پنڈتوں نے لوگوں کو دھوکا میں پھنسا رکھا ہے۔ پتھروں کی پوجا کر کر کے لوگوں کی عقل بھی پتھر ہو گئی ہے۔ اہل وطن کو سچ جھوٹ کی تمیز نہیں رہی۔ یہی وجہ میرے شور مچانے کی ہے۔ یہ جواب سن کر کاشی ناتھ مطمئن ہو گیا +

کئی مولوی بھی سوامی جی کے پاس آتے تھے۔ اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے +

پنڈت ٹھاکر پرساد جی بڑی عقیدت سے مہاراج کا کھانا اُن کی جگہ پر پہنچایا کرتے تھے۔ ایک دن دوپہر کے وقت بڑی سخت دھوپ میں وہ ننگے پاؤں کھانا لئے سوامی جی کے پاس پہنچے۔ مہاراج نے کہا۔ ایسی دھوپ میں آپ بغیر جوتے و چھاتے کے کیوں کھانا لائے ہیں؟ ٹھاکر پرساد نے عرض کیا۔ بھگون! جوتا پہن کر کچا بھوجن اُٹھانا ٹھیک نہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ میں چھوت چھات کے فضول وہم کو نہیں مانتا۔ دھرم شاستر میں اس کا کوئی بیان نہیں۔ آپ بھی اس وہم میں نہ پڑیں +

پنڈت ٹھاکر پرساد جی کے دل میں سوامی جی کو سمادھی کی حالت میں دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ چنانچہ ایک دن

سوامی جی کے سیوکوں سے پوچھ کر وہ اُس جھونپڑی کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے - جس کے اندر سوامی جی سمادھی لگائے بیٹھے تھے - اگرچہ کواڑ بند تھے - لیکن کواڑوں کے سوراخوں سے سوامی جی کی شکل وصورت صاف صاف نظر آتی تھی - ٹھاکر پرساد بہت دیر تک سوامی جی کے درشن کرتے رہے - اُن کا بیان ہے - کہ سوامی جی کا جسم آہستہ آہستہ زمین سے اُٹھ کر ہوا میں مُعلّق ہو گیا - اُس وقت اُن کے چہرے پر عجیب روشنی تھی - ایسا معلوم ہوتا تھا - کہ چہرے کے ارد گرد روشنی کا چکر ہے ؛

مہاراج کی روحانی قوتوں کے کرشمے دیکھ کر لوگ دنگ رہ جاتے تھے - ایک دن رائے بہادر پنڈت سُندر لال جی بمع اپنے دوستوں کے سوامی جی کی خدمت میں حاضر ہوئے - آپ اُس وقت سمادھی میں تھے - وہ لوگ خاموش بیٹھ گئے - کوئی آدھ گھنٹہ کے بعد سوامی جی باہر تشریف لائے - اُن اصحاب نے جھک کر نمسکار کیا - اُس وقت آپ ہنس رہے تھے - پنڈت سندر لال نے پوچھا - آپ ہنستے کیوں ہیں؟ سوامی جی نے جواب دیا - ایک آدمی مجھے ملنے آ رہا ہے - ذرا ٹھیر جاؤ - تماشہ دیکھنا - آدھ گھڑی کے بعد ایک براہمن مٹھائی لئے آ پہنچا - اور نمو نارائن کہہ کے اُس نے وہ مٹھائی سوامی جی کی نذر کر دی - اور کہا -

آپ اس میں سے کچھ ضرور کھائیے۔ سوامی جی نے تھوڑی سی مٹھائی اُسے لوٹا دی اور کہا تم بھی کھاؤ۔ مگر اس نے نہ لی۔ تب مہاراج نے اُسے ڈانٹ کر کہا۔ لیتے کیوں نہیں۔ یہ گرج دار آواز سُن کر وہ دہل گیا۔ مگر مٹھائی لینے کو تیار نہ ہوا۔ سوامی جی نے حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا۔ اس مٹھائی میں زہر ملا ہے۔ پنڈت سندر لال پولیس بُلانا چاہتے تھے۔ مگر مہاراج نے اُنہیں منع کر دیا۔ اور کہا۔ دیکھو! یہ اپنے گناہ کے لئے کس قدر کانپ رہا ہے۔ پولیس نہ بُلائیے۔ یہ اس کے لئے کافی سزا ہے۔ یہ کہہ کر سوامی جی نے اُس براہمن کو اُپدیش کیا اور چھوڑ دیا۔ رائے بہادر سُندر لال نے وہ مٹھائی ایک کُتے کے آگے پھینکی۔ وہ کھاتے ہی مر گیا۔

کسی کو فائدہ پہنچتا ہو تو سوامی جی امداد کو تیار ہو جاتے تھے۔ اُن کا قاعدہ تھا۔ کہ کسی کے مکان پر نہ جاتے تھے۔ لیکن اگر کسی آدمی کا فائدہ ہوتا ہو۔ تو اُنہیں اس میں بھی پس و پیش نہ تھا۔ پریاگ میں ایک لالہ بنسی دھر رہتے تھے۔ وہ رامائن کی جلدیں ودیارتھیوں میں تقسیم کیا کرتے تھے۔ مگر اس کام پر اُنہوں نے جو آدمی مقرر کئے تھے۔ وہ تمام کتابیں اپنے واقف ودیارتھیوں ہی میں بانٹ دیتے تھے۔ ناواقف ودیارتھیوں کو بار بار مانگنے پر بھی کتاب نہ ملتی تھی۔ ایک دن ایک ودیارتھی

مہاراج کے پاس آکر رو پڑا۔ اور بولا۔ میں غریب ہوں۔ مجھے رامائن کی ضرورت ہے۔ میں کئی دفعہ لالہ صاحب کے مکان پر گیا ہوں۔ مگر مجھے رامائن نہیں ملی۔ یہ سن کر سوامی جی اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس ودیارتھی کو ساتھ لئے ہوئے بنسی دھر کے مکان پر جا پہنچے۔ ودیارتھی کو کتاب مل گئی۔ سوامی جی نے بنسی دھر سے کہا۔ اس کام پر ایسے آدمی مقرر کرو۔ جو غریب، مستحق ودیارتھیوں کو کتابیں دیں۔ لالہ صاحب نے سوامی جی کو نمسکار کر کے کہا۔" اب سے آپ کے حکم کا خیال رکھا جائیگا"۔

آپ اپنے پروگرام کی بہت سختی سے پابندی کرتے تھے۔ اور اس باب میں اپنے دُکھ سُکھ کی ذرا بھی پروا نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دن آپ کے لیکچر کا اعلان ہو چکا تھا۔ مگر اُس دن آپ کو بخار ہو گیا۔ بھگتوں نے بہت کہا۔ کہ آج لیکچر ملتوی کیا جانا چاہئے۔ مگر آپ یہ کہتے ہوئے جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کہ بخار اپنا کام کرے۔ میں اپنا کام کرونگا۔

مہاراج کرم دھرم کو بہت افضل مانتے تھے۔ دوسروں کی خاطر کام کی زندگی کو بہترین عبادت تصوّر کرتے تھے۔ پریاگ میں گنگا کے کنارے ایک بوڑھے مہاتما رہتے تھے۔ جب کبھی سوامی جی اُنہیں ملتے۔ تو وہ اُنہیں بچہ کہ کر

مخاطب کیا کرتے تھے - ایک دن اُس ضعیف مہنت نے سوامی جی سے کہا " بچہ! اگر تم پروپکار (بہبودیِ خلق) کے چکر میں نہ پھنستے - تو اسی جنم میں تمہاری مُکتی (نجات) ہو جاتی - اب تو ایک اور جنم لینا پڑیگا" ٭

سوامی جی نے جواب دیا " مہاتما جی! اب مجھے اپنی مُکتی کا ذرا بھی خیال نہیں - جن لاکھوں آدمیوں کی مکتی کا خیال مجھے متفکر کئے ہوئے ہے - اُن کی مکتی ہو جائے - میں کئی جنم لینے کو تیار ہوں - دُکھوں کی سہم سے - بُری حالت سے اور کمزوری کی بیماری سے پرماتما کے بچوں کو مکتی دلانے دلانے میری خود بخود مکتی ہو جائیگی ٭

نواں باب

جس وقت سوامی جی پریاگ میں دھرم گنگا بہا رہے تھے - اُس وقت آپ کے پاس اہل بمبئی کی طرف سے لگاتار کئی خطوط موصول ہوئے - وہاں کے لوگ آپ کے درشنوں کے پیاسے تھے - اُپدیش سننے کو بیتاب تھے - مہاراج نے اُن کی پرارتھناؤں کو قبول کر لیا -

بلدیو سنگھ کا نیہ گنج کو ساتھ لیا - اور جبل پور جا کر تین چار دن تک پرچار کیا - بعد ازاں آپ ناسک تشریف لے گئے - وہاں بھی آپ نے لوگوں کے وہم اُڑا دئے - اور پھر وہاں سے چل کر ۲۲ - اکتوبر ۱۸۷۴ء کو داخل بمبئی ہوئے - مگر سوامی جی کی شہرت سوامی جی سے پہلے پہنچ چکی تھی - نہ صرف تعلیم یافتہ حلقہ ہی اُس زمانہ کے آدرش سنیاسی کے نام اور کام سے واقف ہو چکا تھا - بلکہ سیوک لال جی نے مباحثہ کاشی شائع کر کے وہاں اس قدر تعداد میں تقسیم کیا - کہ اس سے عوام کو بھی سوامی جی کی قابلیت کا علم ہو گیا تھا - چنانچہ جب سوامی جی کی گاڑی بمبئی سٹیشن پر پہنچی - تو بہت سے معززین خیر مقدم کو موجود تھے - اُنہوں نے مہاراج کو بڑی بھگتی سے نمسکار کیا - اور گاڑی میں بٹھا کر والوکیشور کی ایک عمدہ سی جگہ میں اُن کے ٹھہرنے کا انتظام کیا +

دوسرے دن گجراتی - مراٹھی اور انگریزی میں اشتہارات دے دئے گئے - کہ جس کسی کو سچ جھوٹ کا فیصلہ کرنا منظور ہو وہ سوامی جی کے پاس آ کر بات چیت کر لے - سوامی جی کا قیام تو گوسائیوں کے اکھاڑہ میں والوکیشور پر تھا - مگر اُن کے لیکچروں کا انتظام کوٹ کے میدان میں پنڈال بنا کر کیا گیا تھا - مہاراج ایک دن لیکچر دیتے تھے - دوسرے دن صرف لوگوں کے شکوک سننے اور

انہیں رفع کرتے تھے۔ اُن کے پاس ہزاروں آدمی آتے تھے۔ اُن دنوں شہر میں ایک عجیب تحریک دکھائی دیتی تھی ؞

بہت سے اصحاب نے سوامی جی کو یہ رائے دی۔ کہ یہاں صرف وبھ مت کے خلاف بولا جائے۔ دوسرے متوں کو نہ چھیڑا جائے۔ مگر سوامی جی اس قسم کے آدمی نہ تھے۔ وہ متوں کا پول کھولتے وقت کسی سے رو رعایت کا سلوک روا نہ رکھتے تھے۔ اُنہوں نے سب متوں کے بخیئے اُدھیڑنا شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اُن متوں میں کھلبلی مچ گئی۔ وبشنو لوگ کہا کرتے ہیں۔ کہ تن من دھن ارپن کر دو۔ سوامی جی نے اس کا سختی سے کھنڈن (تکذیب) کیا۔ وہاں ایک گوسائیں جیون جی رہتا تھا۔ اُس نے اس کھنڈن پر بہت بُرا منایا۔ اور سوامی جی کے ملازم بلدیو سنگھ سے خفیہ طور پر مل کر کہا۔ کہ اگر تم زہر دے کر یا کسی دوسرے ذریعہ سے سوامی جی کو ہلاک کر دو۔ تو ایک ہزار روپیہ ہم دینگے۔ اور صرف وعدہ ہی نہ کیا۔ بلکہ اس مطلب کی دستخطی تحریر بھی دیدی۔ نیز پانچ روپے اور پانچ سیر مٹھائی اُسی وقت دیدی ؞ بلدیو سنگھ لوٹ کر ڈیرہ پر گیا۔ تو انسانی آنکھوں سے دلوں کی بات پا جانے والے شری دیانند جی نے اُس سے پوچھا آج تم گوکلیوں کے ہاں گئے تھے کیا؟

بلدیو سنگھ نے جواب دیا - ہاں گیا تھا - سوامی جی نے پوچھا - سچ کہو - کیا فیصلہ کرکے آئے ہو؟ اُس نے الف سے لیکر ی تک تمام واقعہ سُنایا - سوامی جی بولے - دیکھو جسے پرماتما نہیں مارتا - اُسے مارنے کی کسی میں بھی طاقت نہیں - بنارس میں مجھے زہر قاتل دیا گیا - راؤ کرن سنگھ نے پان میں زہر دے دیا - اور دیگر کئی مقامات پر مجھ پر زہر کے حملے کئے گئے - مگر میں نہ مرا - اور نہ اب مرونگا +

بلدیو سنگھ سوامی جی کے پیروں میں گر کر معافی کا خواستگار ہوا - اور اُس نے عہد کیا - کہ آیندہ میں کبھی نہ گوسائیوں کے پاس جاؤنگا - نہ اُن کے دام فریب میں آؤنگا +

سیوک لالجی اکثر سوامی جی کے پاس ہی رہا کرتے تھے - رات کو بھی وہیں سو رہتے تھے - ایک دن رات کے وقت دو مضبوط آدمی سوامی جی کو قتل کرنے کے ارادہ سے مکان میں گھس آئے - سیوک لالجی جاگتے تھے - مگر خوف نے اُنہیں اُٹھنے کی طاقت نہ دی - اُن کی زبان تک بند ہو گئی - مہاراج نے جب اُنہیں دیکھا - تو پوچھا - تم کون ہو؟ آواز میں گرج تھی - الفاظ میں خوف - اُن بدمعاشوں پر بجلی سی گر پڑی - وہ وہاں سے اُسی وقت بھاگ گئے +

جیون جی نے چار مضبوط آدمیوں کو روپے کا لالچ

دے کر سوامی جی کے قتل پر آمادہ کیا - سوامی جی ہر روز ساحل سمندر پر سیر کرنے جایا کرتے تھے - اُسی طرف اُن بدمعاشوں نے بھی جانا شروع کر دیا - ایک دن مہاراج نے اُنہیں بھانپ لیا - اور کھڑے ہو کر پوچھا - کیا تم مجھے قتل کرنا چاہتے ہو؟ مہاراج کے چہرے کی چمک سے اُن کی آنکھیں چندھیا گئیں - ہوا سے ہلتے ہوئے پیپل کے پتے کی طرح کانپنے لگے - اُس دن اُن پر ایسا خوف غالب آیا - کہ پھر انہوں نے سوامی جی کے پیچھے جانے کا کبھی نام تک نہ لیا - جیون جی بھی ان افعال سے ایسے خوفزدہ ہوئے - کہ وہاں سے بھاگ کر مدراس چلے گئے ٭

لیکچر اور شنکا سمادھان (رفع شکوک) کے وقت بعض اوقات لوگ شور بھی مچا دیتے تھے - اور بعض دفعہ تو سوامی جی پر پتھروں کی برکھا بھی ہونے لگتی تھی - اس لئے بابا بشن داس وغیرہ احباب مہاراج کی محافظت کے لئے ہمیشہ تیار رہتے تھے ٭

وہاں قریب ہی ایک کٹیا میں ایک بیراگی بابا رہا کرتا تھا - وہ جٹا جوٹ تھا - موٹا تازہ اور سڈول تھا - اُس کا نام بلدیو تھا - اکثر سوامی جی کے لیکچروں میں آیا کرتا تھا - اُس کے دل پر سوامی جی کے لیکچروں کا اتنا اثر ہوا - کہ اُس نے اپنی مورتیاں اُٹھا کر پھینک دیں

جٹائیں اتروادیں۔ اور کٹیا چھوڑ کر سوامی جی کی چرن شرن ہی میں رہنے لگا۔ اُس پر بھگتی کا رنگ چڑھ گیا۔ دن کے وقت، رات کے وقت، لیکچر کے وقت، سیر کے وقت وہ ہمیشہ مہاراج جی کے ساتھ ہی رہنے لگا۔ محافظت بڑی احتیاط سے کرتا تھا۔ اگر کوئی اکھڑ یا اُجڈ آدمی سوامی جی کو ٹیڑھی آنکھ سے دیکھ جاتا۔ یا اُن کی شان میں کوئی کلمہ گستاخی بول جاتا۔ تو بلدیو اُس کا سر توڑنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ اُس نے اپنا آپ اپنے پربھو دیانند پر نثار کر دیا تھا۔

پنڈت کرشن رام اچھا رام ساکن سورا بہ گجرات نے خدمت اقدس میں عرض کیا۔ کہ میں حضور کی خدمت میں لکھنے کا کام کر کے کچھ مطالعہ کرنے کا خواہاں ہوں۔ سوامی جی نے اُسے قابل دیکھ کر رکھ لیا اور کہا۔ ہمارے پاس دو منشی تھے ہم نے اُن کو نکال دیا ہے۔ اب آپ اُن کی جگہ سنسکار ودھی لکھنے کا کام کیجئے۔ کرشن رام اچھا رام نے پوچھا۔ مہاراج پہلے منشیوں کا کیا قصور تھا۔ مہاراج نے جواب دیا۔ یہاں مارواڑی سیٹھ نتھو مل پوتدار ہمارے پکے مددگار اور سچے سیوک ہیں۔ اُنہوں نے ایک دُکاندار سے کہ رکھا ہے۔ کہ سوامی جی کا کوئی ملازم آکر کوئی بھی چیز مانگے۔ اُسے دیدینا اور دام ہمارے حساب میں لکھ لینا۔ کئی دنوں تک کھانے کا سامان وہاں سے

سے آتا رہا۔ ایک دن میں نے حساب کیا۔ کہ آج تک کتنا سامان آ چکا ہے۔ معلوم ہوا۔ کہ جتنے سامان کی ضرورت تھی۔ اُس سے سات گُنا آیا ہے۔ اور اُسے ملازم بیچ کر کھا جاتے رہے ہیں۔ ان کے اس فعل سے دکھی ہو کر میں نے اُن کو اپنی ملازمت سے برطرف کر دیا۔

مہاراج نے یہ بھی کہا۔ کہ براہمن لوگ دان کی روٹی کھاتے ہیں۔ غلط باتیں سُنا کر اپنی روزی چلاتے ہیں۔ اس لئے اُن کے دماغ پاکیزہ نہیں رہے۔ نہ اُن کو قابل نفرت کاموں سے نفرت ہوتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ اُن کا جلال دن بدن کم ہو رہا ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہی سلوک فرخ آباد وغیرہ کی پاٹھشالاؤں کے پنڈتوں نے کیا۔ وہ ظاہرا طور پر میرے ہم خیال بن گئے۔ عقیدت سے میرے روبرو آتے۔ اپنے آپ کو میرا ہم خیال ظاہر کرتے۔ مگر میری غیر حاضری میں میرے خیالات کے خلاف بولتے۔ مجھے جب اُن کی اس دھوکا دہی کی اطلاع ہوئی۔ تو میں نے پاٹھشالائیں توڑ دیں اور اُن پیٹ پجاری بگلے بھگتوں کو وداع کر دیا۔

کرشن رام اچھا رام کو سوامی جی پڑھاتے بھی تھے۔ اُن کے دماغ میں ویدانت کے خیالات گھر کر چکے تھے۔ اس لئے مہاراج نے اُن سے کہا۔ کہ آپ " ویدانت

وھوانت نوارن" لکھنے لگ جایئے۔ آپ کے خیالات بدل جائینگے۔ مہاراج کی دلائل لکھتے لکھاتے سچ مچ کرشن رام اچھارام کے خیال تبدیل ہو گئے۔ ویدانت کا گڑھ دھوئیں کے مانند اُڑ گیا ٭

اس جگہ سوامی جی نے مورتی پوجا کے خلاف ایک زبردست تقریر کی۔ اس میں اُنھوں نے کہا۔کہ "مورتی جڑ (بے جان) ہے۔ اسے پرماتما تسلیم کرنے سے پرماتما بھی جڑ (بے جان) ثابت ہو جائیگا۔ اور پرماتما کے مانند ایک اور پرماتما تسلیم کیا۔ تو پرماتما واحد نہیں رہیگا۔ اگر یہ کہو۔ کہ مورتی میں پرماتما کا حصہ آجاتا ہے۔ تب بھی درست نہیں۔ کیونکہ اس سے پرماتما اکھنڈ (ٹکڑے نہ ہونے والا) نہ رہیگا۔ اگر کہو۔ کہ بھاونا (خیال) میں بھگوان ہے۔ تو میں کہتا ہوں۔ کہ مٹی کے ٹکڑے میں مصری کی بھاونا (خیال) کرنے سے مُنہ کیوں نہیں میٹھا ہو جاتا۔ سراب میں آدمی پانی کا بڑا ہی خیال کرتا ہے۔ مگر اُس کی پیاس کبھی نہیں بجھتی۔ یقین۔ اعتماد اور خیال کے ساتھ ساتھ سچائی کا ہونا لازمی ہے"۔ مورتی پوجا کے بدنتائج بھی مہاراج نے موثر الفاظ میں بیان کئے۔ اُس دن حاضری بہت زیادہ تھی۔ لوگوں پر بیحد اثر ہُوا ٭

نتیجہ یہ تھا۔ کہ سینکڑوں آدمیوں نے ولبھ اور گوکلیہ مت سے مُنہ موڑ لیا۔ اب ان متوں کی باتوں پر انہیں یقین نہ آتا تھا۔ بُرے رسوم سے جو نقصانات ہو رہے ہیں۔ اُن کا بھی علم ہو گیا۔ اُس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان متوں کے لوگوں میں طوفان آ گیا ہے۔ اور کوئی نیا عہد شروع ہونے والا ہے +

جن لوگوں نے سوامی جی کو بمبئی میں بُلایا تھا۔ اُن میں سے بعض ایسے بھی تھے۔ جو سوامی جی کے خیالات سے متفق نہ تھے۔ اُن کا مطلب یہ تھا۔ کہ اپنے مخالفوں کے دبانے کے لئے سوامی جی کی قابلیت کا استعمال کریں۔ جب انہوں نے دیکھا۔ کہ یہ کسی کی بھی پروا نہیں کرتے۔ اور سبھی کو رگڑ دیتے ہیں۔ تو آہستہ آہستہ کھِسکنے لگے۔ جو باقی رہے۔ یہ وہ تھے۔ جو سوامی جی کے سچے بھگت اور پورے معنوں میں ہم خیال تھے۔ مہاراج کے عالمانہ خیالات نے اُن کے کئی پیرو بنا دئے۔ اُن سب نے سوچا۔ کہ سوامی جی کے خیالات کی اشاعت کرنے اور اُن کے ہم خیال اصحاب کو مستقل رکھنے کے لئے کوئی سبھا قائم کی جائے اس لئے اُنہوں نے سوامی جی سے کہا کہ ہم اس اس قسم کی کوئی سبھا (انجمن) قائم کرنا چاہتے ہیں۔ آپ مہربانی کر کے زبان مبارک سے اُس کا کوئی موزون

نام بتائیں ؎

اپنے پریمیوں کے حوصلہ بھرے خیالات سے سوامی جی نہایت خوش ہوئے۔ اور آنکھیں بند کر کے غور میں محو ہو گئے۔ جس طرح اوٹ میں رکھے ہوئے دئے کی لَو بے حرکت ہوتی ہے۔ اُسی طرح کچھ دیر تک سوامی جی بے حرکت رہے۔ اور پھر آنکھیں کھول کر بولے:۔"اس سبھا کا نام مبارک آریہ سماج رکھنا مناسب ہوگا"۔ عقیدت مندوں نے 'بہت اچھا' کہکر صاد کیا۔ اور اُسی وقت پچیس ممبروں نے ممبری منظور کی۔ مگر بوجوہات چند درچند آریہ سماج قائم نہ ہو سکا ؎

اس جگہ مہاراج نے تقریر کا کام کرنے کے علاوہ تحریر کا کام بھی بہت سا کیا۔ ستیارتھ پرکاش یہاں آنے سے دو ماہ پیشتر لکھکر راجہ جے کرشن داس کو شائع کرنے کے لئے دے چکے تھے۔ یہاں ولبھ مت کھنڈن۔ سوامی نارائن مت کھنڈن۔ اور ویدانت دھوانت نوارن نامی کتابیں شائع کیں۔ سنسکار ودھی اُس وقت لکھی جا رہی تھی ؎

بمبئی سے چل کر سوامی جی سورت پہنچے۔ ریلوے سٹیشن پر بڑی دھوم دھام کے ساتھ اُن کا خیر مقدم کیا گیا۔ مہاراج پہلے رائے بہادر جگ جیون داس خوشحال داس کے ہاں ٹھیرے۔ مگر وہاں تنہائی میسّر نہ تھی۔

اس لئے سوداگر پریس کے مینیجر کی کوٹھی میں چلے گئے۔ یہ کوٹھی شہر سے ایک کوس کے فاصلے پر تھی +

مہاراج کا پہلا لیکچر پاٹھشالا میں ہوا۔ اس کا مضمون تھا۔ "سوامی نارائن مت۔ رامانج مت۔ ولبھ مت۔ اور براہمو سماج کیا ہے؟" اس تقریر میں مہاراج نے ان متوں پر بڑی خوبی سے تنقید کی۔ مگر سوامی نارائن مت کا ایک آدمی بڑے جوش میں آیا۔ اور باواز بلند بولا۔ جو کچھ کہہ رہے ہو۔ غلط کہہ رہے ہو۔ سوامی جی نے بڑے شیریں لہجہ میں کہا۔ گھبرانا نہیں چاہیئے۔ جب تم اپنا مذہب عوام کے روبرو پیش کرتے ہو تو اس کی صداقت کا امتحان بھی ہونے دو۔ بیوپاری ہوتے ہوئے جس طرح اپنے خریداروں کے ساتھ آرام و اطمینان سے سلوک کرتے ہو۔ اسی طرح تمہیں دھرم کے بیوپاریوں کے ساتھ برتاؤ کرنا چاہیئے"

لیکچر کے خاتمے پر سوامی نارائن مت کے پیروؤں کو اعتراضات کے لئے موقع دیا گیا۔ مگر کوئی میدان میں نہ آیا۔ ہاں جس وقت سوامی جی جلسہ گاہ سے جانے لگے۔ تو ولبھ اور سوامی نارائن مت کے پیروؤں نے شور مچا دیا اور مہاراج پر اینٹ پتھر برسلئے +

مہاراج کی دوسری تقریر رگھوناتھ پور میں ٹھاکر بھائی چھنی لال چکا والا کی حویلی میں کرانے کا فیصلہ ہوا۔ شہر

کے معززین کے ساتھ جب سوامی جی وقت معینہ پر وہاں پہنچے۔ تو حویلی کا دروازہ بند تھا۔ معلوم ہوا۔ کہ وبھیوں نے مالک مکان پر دباؤ ڈال کر دروازہ بند کروا دیا ہے۔ لوگ کسی دوسری جگہ لیکچر کرانے سے متعلق سوچنے لگے۔ مگر سوامی جی نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ وقت ہو گیا ہے۔ یہیں کھلی جگہ میں لیکچر شروع ہو جانا چاہیئے۔ لوگوں نے عرض کیا۔ آپ تھوڑی دیر انتظار کریں۔ ہم آپ کے بیٹھنے کو کرسی لے آئیں۔ مہاراج نے جواب دیا۔ مجھے اپنے بیٹھنے کا خیال نہیں۔ خیال یہ ہے کہ آپ لوگ بغیر فرش کے زمین پر بیٹھے ہیں اور مٹی میں کھڑے ہیں۔ یہ کہہ کر تقریر شروع کر دی۔ اس تقریر نے بھی لوگوں کے دل پکڑ لیئے؎

سوامی جی کا تیسرا لیکچر شاعر نرمدا شنکر جی کے زیر اہتمام اُن کے مکان کے سامنے ہوا۔ دوران تقریر میں ایک پنڈت اچھا شنکر نامی کھڑا ہو گیا۔ اور مورتی پوجا کے پورانک ثبوت دینے لگا۔ سوامی جی نے اُسے دو تین دفعہ ہی جواب دیا تھا کہ اُس کی زبان بند ہو گئی۔ اور رعب علم سے کانپنے لگا۔ اس وقت سمپر دائے کے لوگ شور مچا رہے تھے۔ اینٹ پتھر پھینک رہے تھے۔ عقیدتمندوں نے عرض کی لیکچر بند کر دیجئے۔ مگر مہاراج نے زبانِ مبارک سے ارشاد فرمایا۔ اپنے بھائیوں کے پھینکے ہوئے اینٹ پتھر

میرے لئے پھولوں کی برکھا ہے - میرا لیکچر وقت سے پہلے بند نہ ہوگا - اور ایسا ہی ہوا ٭

اُس زمانہ میں وہاں موہن لال باوا نامی برہمچاری رہتے تھے - اُن کی شہر میں بڑی عزت تھی - ویدانت کے پنڈت تھے - اور مورتی پوجا کے سخت مخالف - جب اُنہوں نے سُنا - کہ سوامی دیانند سورت میں تشریف لائے ہیں - تو بڑے خوش ہوئے - اور اپنے چیلوں کو ہمراہ لے کر خدمت اقدس میں حاضر ہوئے - اور نمسکار کر کے بولے "بھگون! آپ کی تعریف دیر سے سُن رہا ہوں - آپ سے متعلق اخباروں میں پڑھتا رہا ہوں - مجھے آپ کے درشنوں کی بڑی آرزو تھی - آج کا دن مبارک ہے - جو آپ کے درشن ہوئے - بھگتی کے جذبہ سے جُھکا ہوا برہمچاری بڑی دیر تک سوامی جی سے سوال کرتا رہا - اور سوامی جی ہنس ہنس کر جواب دیتے رہے - روانگی کے وقت برہمچاری جی نے بڑے ادب سے جھک کر کہا - کل میرے ہاں کھانا کھانے کی مہربانی کیجئے گا - سوامی جی عموماً کسی کے گھر روٹی کھانے نہ جاتے تھے - مگر اس بھگت کی بات اُنہوں نے قبول کر لی - برہمچاری صاحب خوش خوش اپنے گھر کو گئے - اور اپنے آشرم سے لے کر شاہراہ تک سڑک بنوا دی - اُس کے دونو طرف پھولوں کے گملے رکھے گئے - کیلے کے ستون کھڑے کئے گئے - اور زمین

پر کپڑا بچھوا دیا ۔

سوامی جی آئے تو برہمچاری صاحب مع اپنے چیلوں کے خیر مقدم کو آگے بڑھے ۔ اور مہاراج پر پھولوں کی برکھا کرتے ہوئے سوامی دیانند کی جے کے نعرے لگائے۔ ایک خوبصورت آراستہ جگہ پر نہایت عمدہ آسن لگا تھا۔ مہرشی سے اسی پر بیٹھنے کو عرض کیا گیا۔ مہاراج کے بیٹھ جانے پر برہمچاری صاحب نے قریب جا کر پھولوں کی مالا گلے میں ڈال دی ۔ اس کے بعد خود بھی بیٹھ گئے۔ اور چیلوں کے ساتھ ایشور ستتی کے بھجن گانے لگے۔ برہمچاری کو موسیقی کی کافی واقفیت تھی ۔ گلا صاف اور آواز سریلی تھی ۔ سوامی جی کی محبت نے اور بھی محو کر دیا ۔ ان کے گانے نے رنگ باندھ دیا۔ پھر انہوں نے مہاراج کو کھانا کھلایا۔ کھانے کے بعد کچھ بات چیت ہوئی ۔ اور سوامی جی واپس لوٹے ۔ برہمچاری جی بڑی دور تک ساتھ آئے ۔

ایک دن مہاراج سیر کرنے جا رہے تھے کئی طالب علم ساتھ ہو لئے ۔ سوامی جی نے ان کو برہمچریہ (تجرد) کا اپدیش دیا ۔ دودھ گھی کھانے کے فائدے بتائے ۔ اور منشی اشیا کی برائیاں بیان کیں ۔ نیز کہا ۔ کہ ورزش اتنی ہی ضروری ہے ۔ جتنی خوراک ۔ مضبوط آدمی خوش اور مطمئن رہتے ہیں ۔ کمزور آدمی کی زندگی خشک ۔ عذاب

اور بیماریوں کا گھر بنی رہتی ہے۔ مہاراج کی سادہ دلی نرمی اور عمدہ سلوک کا نوجوان طلباء پر بہت عمدہ اثر ہوا ٭

سوامی جی سے ایک دن کتار پور کے دیہاتی لوگوں نے آکر عرض کی۔ شہر والے تو آپ کی عمدہ عمدہ چیزوں سے اکثر خاطر تواضع کرتے رہتے ہیں۔ کسی دن کسانوں کی عرض بھی قبول فرمائیے۔ ہم آپ کو "پونک" پلانا چاہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا۔ ہمارے نزدیک چھوٹے بڑے غریب سب یکساں ہیں۔ آج مجھے فرصت نہیں۔ کل میرے پاس وقت ہے۔ آپ کے گاؤں میں آ جاؤنگا ٭

دوسرے دن وہ لوگ رتھ لے کر حاضر ہو گئے۔ مگر مہاراج نے اُس میں بیٹھنا منظور نہ کیا۔ پیدل ہی روانہ ہوئے۔ گاؤں کے لوگ بھی ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ مگر مہاراج کی تیز رفتاری اُن کو ساتھ نہ چلنے دیتی تھی۔ مہاراج بار بار ٹھیر کر اُن کا انتظار کرتے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ اُپدیش کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ "بیٹے بیٹی کا چھوٹی عمر میں بیاہ کرنا درست نہیں۔ اولاد کی بہتری چاہتے ہو۔ تو ان بیہودہ رسموں سے بچو۔ جس طرح کچے کھیت کو کاٹنا نقصان دہ ہے۔ اُسی طرح بچوں کا بیاہ کر دینے سے خاندان میں کمزوری آ جاتی ہے۔ اور اولاد خوشی اور ترقی سے محروم رہتی ہے۔" اس صوبہ کے کسانوں میں بچپن کے بیاہ کا رواج عام ہے۔ اس لئے ان پر

سوامی جی کے اُپدیش کا بہت اثر ہوا ٭

جب سوامی جی گاؤں کے قریب پہنچے ۔تو مرد عورتیں بچے بوڑھے باہر آ گئے ۔ آم کے پیڑ کے نیچے ایک صاف کپڑا بچھا کر سوامی جی کو اُس پر بٹھایا گیا۔ لوگ چاروں طرف کھڑے ہو گئے ۔ کسان "پونک" لا لا کر سوامی جی کو دیتے جاتے تھے ۔ اور سوامی جی لوگوں میں بانٹتے جاتے تھے ۔ اس کے بعد سوامی جی نے بھی "پونک" لی اور لوگوں کو اعلےٰ درجے کا اپدیش دیا ۔ اور پرماتما کا بھجن کرنے کی نصیحت کی ۔ چوتھے پہر جب چلنے لگے ۔ تو کسانوں نے عرض کی ۔ ہم کسان لوگ ہیں ۔ ہماری حالت اچھی نہیں ۔ ہم کس قابل ہیں ۔ یہ آپ کی ذرّہ نوازی ہے ۔ جو آپ نے ہم پر مہربانی کی ٭ سوامی جی نے کہا ۔ تم لوگ اپنے آپ کو حقیر کیوں سمجھتے ہو ۔ محنت کرتے ہو ۔ تم سچے دیش ہو ۔ تمہاری کمائی حلال کی کمائی ہے ۔ تمہاری محنت پر رعایا اور راعی زندہ ہیں ۔ کسانوں کی خوشی کا ٹھکانا نہ تھا ۔ وہ سوامی جی کو بہت دور تک پہنچانے آئے ٭

ایک دن دوران تقریر میں ایک سیٹھ نے آپ کے قدموں میں ایک بیش قیمت شال رکھ دیا ۔ سوامی جی نے کہا ۔ میں یہ کپڑا کبھی نہ لونگا ۔ اس طرح لیکچروں پر چڑھاوا چڑھانا آرین تہذیب کے قطعی خلاف ہے ۔ سیٹھ

نے کہا۔ میں یہ کپڑا آپ کے لیکچر کے باعث نہیں
دے رہا۔ آپ کے لئے میرے دل میں جو عزت
کا جذبہ ہے۔ یہ اُس کا اظہار ہے۔ سوامی جی نے
پھر جواب دیا۔ ایسے اوقات پر لے لینا اسی امر کا
مظہر ہے۔ کہ میں بھی پروہتوں کے مانند کتابوں کے
پاٹھ فروخت کرتا ہوں۔ اس پر وہ سیٹھ مطمئن ہو گیا ؛
یہاں محکمۂ تعلیم کے ڈائرکٹر ڈاکٹر بولر آپ سے مل کر
بہت دیر تک بات چیت کرتے رہے ؛
حُسن اتفاق سے جن لوگوں نے سوامی کو سورت
میں مدعو کیا تھا۔ وہ یہ سمجھتے رہے۔ کہ سوامی جی کے
کھانے پینے کا انتظام سیٹھ کر رہے ہیں۔ سیٹھوں نے
یہ خیال کیا۔ کہ جنھوں نے بُلایا ہے۔ وہ کھانا لاتے
ہونگے۔ اس لئے سوامی جی جب تک وہاں رہے
کھچڑی پر گزارہ کرتے رہے۔ مگر اُنھوں نے کسی
سے روپے کی امداد نہ مانگی ؛

دسواں باب

یہاں سے روانہ ہو کر بھروچ گئے۔ اور نرمدا کے کنارے بھرگو آشرم میں ڈیرہ لگایا۔ شام کو لیکچر ہوتے تھے اور ہزاروں لوگ سننے آتے تھے۔

اس زمانہ میں وہاں مادھوراؤ تریمبک نام کا ایک دکشنی رہتا تھا۔ اس کے کئی چیلے تھے۔ ایک دن سب کو ساتھ لے کر سبھا میں آیا۔ مورتی پوجا پر مباحثہ کو تیار ہوا۔ اور کہنے لگا۔ آج ویدوں سے مورتی پوجا ثابت کئے بغیر یہاں سے نہ ہلونگا۔ وعدے بڑا تھا۔ مگر اس میں قابلیت نہ تھی۔ تھوڑی دیر میں ہانپنے لگا۔ انجر پنجر ڈھیلے ہو گئے۔ تب اس نے مہاراج جی کی شان میں گستاخانہ کلمے کہنا شروع کر دیا۔ اور سوامی جی کی طرف مذاق کر کر کے اشارے کرنے لگا۔ بھگت بلدیو کی آنکھیں لال ہو گئیں۔ اس نے دانت پیس کر کہا ۔ باز آجا۔ نہیں تو سر توڑ دونگا۔ یاد رکھ۔ اب کے تو نے سوامی جی کی طرف اشارہ کیا تو تیری ہڈی پسلی سلامت نہ رہیگی۔

مادھوراؤ کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ جسم تھر تھر کانپنے لگا۔ اس وقت مہاراج نے بلدیو سے کہا۔ غصہ

کس پر؟ یہ تو ہمارے بھائی ہیں انہیں کی اصلاح کرنے کو ہم گھر سے نکلے ہیں۔ تم میری عزت بے عزتی کی پروا نہ کرو۔ اپدیشک کو زمین کی سی قوت برداشت کا مالک ہونا چاہیئے۔ مادھو راؤ نے سوچا۔ جان چھوٹی۔ وہ وہاں سے نو دو گیارہ ہوا ؛

ایک پارسی کیتھولک عیسائی ہو گیا۔ اُس نے عبرانیوں کی امداد سے مورتی پوجا ثابت کرنے کا اعلان کیا اور اشتہارات شائع کئے۔ سوامی جی کو بھی جلسہ میں شمولیت کی دعوت دی۔ سوامی جی وہاں گئے۔ لوگوں نے اُن کو پلیٹ فارم پر بٹھانا چاہا۔ مگر وہ یہ کہہ کر سب کے ساتھ ہی بیٹھ گئے۔ کہ میں سُننے والا ہوں۔ سُننے والوں میں بیٹھونگا ؛

لیکچرار نے اپنے لیکچر میں سوامی جی کے لئے ہتک آمیز الفاظ استعمال کئے۔ اُس وقت وہاں کچھ پوربئے فوجی موجود تھے۔ وہ غصہ کو نہ روک سکے۔ وہ لیکچرار کو زدوکوب کیا ہی چاہتے تھے۔ کہ سوامی جی نے اُنہیں روک لیا اور کہا۔ ہتک کرنے والے کی ہتک کرنے سے اصلاح نہیں ہو سکتی۔ عزت سے ہوتی ہے۔ جس طرح آگ میں آگ ڈالنے سے وہ اور بھی بھڑکتی ہے۔ اُسی طرح دشمن کے ساتھ دشمنی کرنے سے دشمنی دُور نہیں ہوتی۔ آگ کو بجھانے کا طریقہ یہ ہے۔ کہ اُس پر

پانی چھڑکا جائے۔ اِسی طرح دشمنی کو بجھانے کے لئے محبت کے پانی کی ضرورت ہے +

جیٹھا لال وکیل نے ایک دن عرض کیا۔ اگر آپ ویدوں سے مورتی پوجا ثابت کر دیں۔ تو ہم آپ کو شنکر کا اوتار ماننے لگینگے۔ جواب دیا "مہاراجہ کاشی نے بھی مجھے وشوناتھ کے مندر کی گدی کا لالچ دیا تھا۔ مگر میں کسی بھی دنیوی چیز کے لالچ سے سچائی کو نہ دبا سکتا ہوں نہ دباؤں گا "

ان الفاظ کا جیٹھا لال جی کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ سوامی جی کے لیکچروں میں شوق سے آنے لگے۔ ایک اور موقع پر اُنھوں نے سوامی جی سے کہا۔ آپ کی سنسکرت بڑی آسان ہوتی ہے۔ پنڈتوں کی سی مشکل زبان میں نے آپ کے مُنہ سے نہیں سُنی۔ جب آپ مباحثہ کرتے ہیں۔ تو مخالفوں کا منہ دلیلوں سے بند کرتے ہیں۔ پنڈت لوگ تو ایک ایک لفظ پر سارا سارا دن گزار دیتے ہیں۔ جواب دیا۔ " آسان سنسکرت بولتا ہوں۔ تاکہ لوگ سمجھ جائیں۔ میرا مقصد لوگوں کو سمجھانا ہے نہ کہ اپنی قابلیت ظاہر کرنا۔ لیکن یہ خیال رہے۔ کہ آسان زبان میں بولنا اُس زبان کے معمولی عالم سے نہیں ہو سکتا۔ اور میرے پاس وقت کہاں ہے کہ ایک ایک لفظ

بہ گھنٹوں اڑا رہوں - ایک ایک لفظ پر وہی اڑتے ہیں - جن کے پاس کچھ کرنے کو نہ ہو - میرا وقت لوگوں کے لیئے وقف ہو چکا ہے - آسے میں پرندوں کے مانند چیں چیں کرنے میں ضائع نہیں کر سکتا ۔

کھانے کے بعد آپ اپنے ملازموں کو بھی کچھ دیر کے لئے آرام کی اجازت دیدیتے تھے - ایک دن ایک ودیارتھی سوامی جی کی طرف پاؤں کرکے سو گیا- بیداری پر مہاراج نے اُسے اپنے پاس بلا کر کہا- ہر ایک آریہ کو آریوں کی مرجادا کا خیال رکھنا چاہئے- بغیر بلائے بولنا - بڑوں کی بات میں دخل دینا آریہ جن تہذیب کے خلاف ہے - اپنے قابل تعظیم بزرگوں کی طرف بیٹھ اور پاؤں کرکے سونا بھی آریوں کی تہذیب میں معیوب ہے - سوامی جی کا یہ اپدیش سُن کر قصوروار طالب علم نے پاؤں پکڑ لئے اور اپنی غلطی کے لئے معافی کا خواستگار ہوا ۔

بھروچ میں سوامی جی نے ایک طالب علم سے کنوئیں سے پانی نکالنے کو کہا - اُس نے جواب دیا- میں براہمن ہوں - میرا کام پانی کھینچنا نہیں - سوامی جی اُس وقت تو خاموش رہے - مگر شام کو سب کرم چاریوں کے جمع ہونے پر کہنے لگے کہ جس کے پاس کوئی رہتا ہو - یا جس سے علم حاصل کرتا ہو - اُسے اُس کا کہنا

ضرور ماننا چاہیئے۔ اُس کے حکم کی کبھی حکم عدولی نہ کرنا چاہیئے۔ نیز یہ بھی کہا۔ کہ گورو کی سیوا کیسے کرنی چاہیئے۔ اِس سے متعلق آپ بیتی سُناتا ہوں۔ جب میں متھرا میں پڑھتا تھا۔ تو اپنی قوت حافظہ اور انکسار کی بدولت گورو جی کا منظور نظر بن گیا تھا۔ میرے ہم سبق مجھ سے کد رکھتے تھے۔ اُن کی اور تو کوئی پیش نہ گئی۔ مجھے گورو جی کی نظروں میں گرانے کی کوشش کرنے لگے۔ ایک دن سب نے اُن سے کہا۔ دیانند بڑا گستاخ ہے۔ آپ کے سامنے حلیم بنا رہتا ہے۔ اور میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ مگر آپ کی غیر حاضری میں آپ کی نقلیں کرتا ہے۔ آپ کی طرح آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اور لاٹھی لے کر چلتا ہے اور مذاق کرتا ہے۔ یہ بات ہم سے دیکھی نہیں جاتی۔ پر کیا کریں۔ آپ تو اُسے اپنا معتمد اور نیک شاگرد سمجھتے ہیں ٭

میرے ہم سبق دوستوں کی یہ چال چل گئی۔ گورو جی نے غصہ کے جوش میں مجھے سخت سُست کہا۔ اور لکڑی سے اتنا مارا۔ کہ میرے جسم پر زخم پڑ گئے۔ یہ کہہ کر سوامی جی نے اپنا بازو ننگا کر کے اُن زخموں کے نشان دکھائے۔ اس کے بعد کسی آدمی نے اُن کا کہنا نہیں ٹالا ٭

ایک دن پنڈت کرشن رام اچھا رام کو بخار آ گیا۔ سوامی جی کو علم ہوا۔ تو اُن کے پاس جا کر سر دبانے لگے۔ پنڈت جی نے کہا۔ مہاراج! یہ آپ کیا کرتے ہیں۔ میں اس قابل نہیں۔ مگر مہاراج نے کہا۔ کوئی ڈر نہیں۔ باہمی امداد انسانی فرض ہے۔ اگر بڑے چھوٹوں کی خدمت نہ کرینگے۔ تو چھوٹوں میں یہ خیالات کیسے پیدا ہونگے ؞

یہاں سے چل کر سوامی جی دسمبر کے مہینے میں احمدآباد پہنچے۔ بھگت لوگ خیر مقدم کے لئے سٹیشن پر موجود تھے۔ ایک بھاٹیہ سیٹھ نے آپ کو اپنی گاڑی میں بٹھایا۔ اور آپ بھی ساتھ ہی بیٹھ گیا۔ جس راہ پر گاڑی جا رہی تھی۔ اُسی راہ پر اُس سیٹھ کا تعمیر کردہ ایک مندر تھا۔ اُس پر دو لاکھ روپے صرف ہوئے تھے۔ سیٹھ نے اشارہ سے وہ مندر سوامی جی کو دکھایا۔ اور اُس کی خوبصورتی کی تعریف کی۔ سوامی جی نے بڑے زور سے گاڑی پر ہاتھ مار کر کہا۔ ایسی ہی جہالت سے آج ہماری یہ حالت ہے۔ اگر آپ اتنا روپیہ پاٹھشالا پر لگاتے۔ تو وہاں سے ویدوں کے پنڈت تو نکلتے ؞

سوامی جی نے پاتکی ندی کے کنارے پُل کے قریب ہٹکیشور مہادیو کے مندر میں ڈیرہ لگایا۔ اور ہر روز ٹریننگ کالج میں لیکچر دینے لگے۔ حاضرین کی تعداد دن بدن بڑھتی گئی۔ ویسے تو یہاں کے قریباً تمام تر

معزّز لوگ سوامی جی کے ہم خیال تھے۔ مگر رائے بہادر گوپال راؤ ہری دیش مکھ پر سوامی جی کا اثر بہت گہرا تھا۔ یہاں رائے بہادر بیچرداس جی کے مکان پر گوجراتی پنڈتوں سے اور سوامی جی سے مباحثہ ہوا جس میں پنڈتوں کو شکست ہوئی۔ اور اس شکست کا اُنھوں نے اس طرح اقبال کیا۔ کہ سوامی جی کو ایک عمدہ آسن پر بٹھا کر اُن کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی۔ اور اُن پر پھولوں کی برکھا کی +

ایک دن ایک پنڈت صاحب آئے۔ اور بولے۔ آپ کی بات سُن کر ہم اپنا دھرم کیوں چھوڑیں۔ شری کرشن نے کہا ہے۔ کہ اپنا دھرم کمتر خوبیوں والا بھی نہ چھوڑے۔ جواب میں ارشاد فرمایا۔ کہ آپ نے یہاں دھرم کے معنے غلط سمجھے ہیں۔ یہاں دھرم کے معنی ورن آشرم اور دنیوی حیثیت کے ہیں۔ پنڈت صاحب قائل ہو گئے +

ٹریننگ کالج راجکوٹ کے پرنسپل شری ہری گووندداس جی کی استدعا پر مہاراج احمدآباد سے چل کر راجکوٹ پہنچے۔ اور ایک دھرم سالہ میں مقیم ہوئے۔ یہاں ایک کالج راجکماروں کے لئے تھا۔ جس میں دور دور کے راجکمار تحصیل علم کے لئے آیا کرتے تھے۔ مہاراج کے لیکچروں میں یہ راجکمار بھی شامل ہوا کرتے تھے +

سوامی جی نے یہاں آریہ سماج قائم بھی کر دیا۔ آریہ سماج کے اصول اس وقت تک نہ بنے تھے۔ مگر عہدیداروں کا انتخاب ہو گیا ٭

ایک دن آپ کو راجکماروں کا کالج دکھانے کے لئے لے گئے۔ جب آپ کالج دیکھ کر لوٹنے لگے۔ تو پرنسپل نے کہا۔ آپ ان کو کچھ اُپدیش کیجئے۔ سوامی جی نے حسب موقع ایک برجستہ تقریر کی۔ اس تقریر سے پرنسپل صاحب بھی متاثر ہوئے اور اثنائے گفتگو میں سوامی جی سے بولے۔ آپ اہنسا (عدم تشدد) کے قائل ہیں اور یہ راجکمار شکار کرتے ہیں۔ آپ کے دھرم میں تو ان کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی ٭

جواب دیا۔ ہمارے رشی بڑے سمجھدار تھے۔ ہرن وغیرہ حیوان ہمارے کھیتوں کو، باغوں کو اور باغیچوں کو خراب نہ کر دیں۔ اس لئے چھتریوں کے لئے ان کے مارنے کی اجازت دے گئے ہیں ٭

جب سوامی جی وہاں سے روانہ ہوئے۔ تو پرنسپل صاحب نے رگوید کی دو کتابیں نذر کیں ٭

راجکوٹ میں مہاراج نے ویدوں کے الہامی ہونے پر ایک لیکچر دیا۔ جس کے دوران میں کہا۔ کہ جس پرماتما نے آدمیوں کی آنکھوں کے لئے سورج پیدا کیا ہے۔ اس سے یہ اُمید نہیں ہو سکتی۔ کہ اس نے

انسان کے دماغ کو ترقی دینے اور اُسے منور کرنے کے لئے اپنا "گیان" نہ دیا ہو۔ یہ گیان دنیا کے شروع میں ہونا چاہیئے +

شری ہرگووند داس کے ساتھ سوامی جی گجراتی زبان میں بات چیت کیا کرتے تھے۔ اور اُن کی زبان بڑی صاف، شیریں اور عام فہم ہوتی تھی +

کاٹھیاواڑ کے بے شمار لوگوں نے سوامی جی کے لیکچروں سے روحانی زندگی حاصل کی +

اس طرح اپنے جنم بھوم میں روحانیت اور صداقت کا بیج بوکر مہاراج پوس سدی ایکادشی سمبت ۱۹۳۱ کو احمد آباد کی طرف روانہ ہوئے۔ اور پورن ماسی کے دن دوسری دفعہ احمد آباد پہنچے۔ اس مرتبہ آپ نے سوامی نارائن مت کا زبردست کھنڈن کیا +

مہاراج بڑودہ جانا چاہتے تھے۔ مگر اُنہی ایام میں ملہار راؤ تخت سے اُتار دئے گئے تھے۔ اور وہاں فوجی سپاہیوں کی نقل و حرکت کے باعث بے چینی رونما تھی۔ اس لئے سوامی جی بڑودہ نہ گئے۔ ملیسارڑ چلے گئے +

یہاں سوامی جی کا خیر مقدم بڑی دھوم دھام سے ہوا اور ایک پارسی کی کوٹھی میں آپ کے رہنے کا انتظام کیا گیا۔ مختلف مضامین پر لیکچر ہوتے رہے۔ ان لیکچروں میں حاضری زیادہ تر مسلمانوں اور عیسائیوں کی

ہوتی تھی ۔

مخالف لوگوں نے یہاں بھی مخالفت کی۔ ان ایام میں بھاؤنگر کے راج گورو بھوانی شنکر وہاں آئے ہوئے تھے۔ لوگ انہیں مباحثہ کے لئے لے گئے۔ سوامی جی اُس وقت لیکچر دے رہے تھے۔ راجگورو بیٹھ کر سننے لگے۔ جب لیکچر ختم ہو گیا۔ تو سوامی جی نے اعلان کیا۔ کہ جس کسی کو اعتراض کرنا ہو۔ کر لے۔ لوگوں نے راجگورو سے کہا۔ آپ کچھ پوچھئے۔ مگر اُنہوں نے صاف کہ دیا۔ کہ سوامی جی جو کچھ کہ رہے ہیں۔ ویدوں کے مطابق کہ رہے ہیں۔ میں خواہ مخواہ اعتراض نہ کرونگا۔ راجگورو کے الفاظ سُن کر مخالف مایوس ہو گئے۔ مگر جو صداقت کے جویا تھے۔ اُن کی مسرت کا ٹھکانا نہ تھا ۔

کئی دن کے بعد جب آپ بمبئی کو روانہ ہوئے تو اُن کے پارسی اور دوسرے بھگت سٹیشن تک چھوڑنے آئے۔ جب سوامی جی گاڑی پر چڑھے۔ تو اُن کے گلے میں پھولوں کی مالا پہنائی گئی۔ اور اُن پر پھول برسائے گئے ۔

بمبئی جاتے ہی سوامی جی نے ایک نہایت عالمانہ لیکچر دیا۔ اور لوگوں کے شکوک رفع کئے ۔

اس جگہ ایک نوکر نے سوامی جی کی گھڑی اُڑا لی۔ لوگوں نے تحقیقات کر کے اُسے پکڑ لیا۔ اور سوامی جی

کے سامنے پیش کر دیا۔ نوکر روتا ہوا سوامی جی کے پاؤں میں گر پڑا۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اُسے پولیس کے سپرد کر دیا جائے۔ مگر رحم و ہمدردی کے اوتار نے یہ منظور نہ کیا۔ اور کہا۔ ہمارا کام سانپ کو مارنا ہے۔ اُس کے بل کو کوٹنا نہیں۔ یہ کہکر انہوں نے نوکر کو اُپدیش کیا۔ اور اُس پر چوری کے نتائج واضح کئے۔ اس اُپدیش کا اُس پر ایسا اثر ہوا۔ کہ اُس نے آیندہ کے لئے اس فعل بد سے توبہ کی ؛

یہاں سے مہاراج بمبئی چلنے کو تیار ہوئے ؛

سنگھٹن کانڈ

پہلا باب

دوسری مرتبہ جب سوامی جی بمبئی تشریف لے گئے۔ تو بھگت لوگوں نے بڑے جوش سے خیر مقدم کیا۔ اور والو کیشور لال جی دلال کے بنگلہ میں ٹھیرایا۔ یہاں سوامی جی کے ہم خیال اصحاب آریہ سماج قائم کرنے کے لئے بڑے بیتاب تھے۔ اُنہوں نے فروری ۱۸۷۵ء میں راو بہادر داموبا پانڈو رنگ کی زیر صدارت جلسہ کرکے آریہ سماج کے اصول اور مقاصد شائع کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کی۔ اُس کمیٹی کے بعض ممبران نے رائے دی کہ بعض وجوہ سے ابھی آریہ سماج

قائم کرنا مُناسب نہیں - پس معاملہ پھر معرض التوا میں پڑ گیا ÷

اب جو مہاراج کے اُپدیش شروع ہوئے - تو لوگوں میں پھر جوش پیدا ہوا - اور پھر سب نے مل کر اتفاق رائے سے راجمان راجیشری یانا چندر آنند جی پارکھ کو اصول و قواعد وضع کرنے کے لئے منتخب کیا - پارکھ مہاشہ نے چند ہی دنوں میں آریہ سماج کے اصول سب کے سامنے پیش کر دئے - سوامی جی نے بھی اُنہیں پسند کیا ÷

مہاراج کے حکم سے چیت سدی ۵ سمبت ۱۹۳۲ بکرمی سنیچروار کو بمبی کے گرگام محلہ میں ڈاکٹر منی چندر کے باغیچہ میں شام کے وقت آریہ سماج کی قائمی ہوئی - ویدک دھرم پرچارک سبھا کا سنگ بنیاد نصب کیا گیا - سدھارک کلپ ترو کا بیج بویا گیا - آریہ قوم میں نئی زندگی اور بیداری پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا گیا - آریہ تہذیب، آریہ رسوم و رواج - اور آریہ خیالات کی محافظت کے لئے، ایک فوجی سنگھ قائم کیا گیا - عوام کو سدھارنے کے لئے نیکی کا ایک سوتا کھل گیا - اور دین دکھیوں کی امداد کے لئے ایک سیوک سمتی بن گئی - اُس وقت آریہ سماج کے لئے مفصلہٗ ذیل اصول تھے :-

۱- سب انسانوں کی بہتری کے لئے آریہ سماج کا وجود لازمی ہے ÷

۲- اس سماج میں وید سوتہ پرمان (ایسا ثبوت جس کے لئے کسی دوسرے ثبوت کی ضرورت نہیں) ہونگے - شہادت کے لئے - ویدوں کے گیان کے لئے نشت پتھ وغیرہ براہمن - چھ وید انگ - چار اپ وید چھ درشن اور ۱۱۲۷ ویدوں کی تشریح روپی شاخوں کو بھی وید کے مطابق ہونے سے ثبوت تسلیم کیا جائیگا۔

۳- اس سماج میں ہر ایک صوبہ کے مرکز میں ایک مرکزی سماج ہوگا - اور دوسرے سماج اُس کے ماتحت ہونگے۔

۴- سب سماجوں کی ویوستھا مرکزی سماج کے بموجب ہوگی۔

۵- مرکزی سماج میں ستیہ اپدیش کے لئے سنسکرت اور ہندی میں کئی قسم کی کتابیں موجود رہینگی - اور ایک ہفتہ وار اخبار "آریہ پرکاش" شائع ہوگا۔

۶- ہر ایک سماج میں ایک پریزیڈنٹ ہوگا - ایک سکرٹری اور دوسرے مرد عورتیں ممبر ہونگے۔

۷ پریزیڈنٹ سماج کی ویوستھا کا خیال رکھیگا - اور سکرٹری سب خطوط کا جواب دیگا - اور سب کے نام ویوستھا لگائے گا۔

۸- اس سماج میں ست پرش (صداقت شعار) سداچاری (نیک چلن) اور پروپکاری (خادم ملک و قوم) ممبر بنائے جائیں گے۔

۹- ہر ایک خانہ دار ممبر کو واجب ہے - کہ وہ اپنے نجی کاموں سے فراغت پا کر جس طرح گھر کے کاموں میں محنت کرتا ہے - اس سے زیادہ محنت سماج کی ترقی کے لیئے کرے - اور جو ممبر دُنیا دار نہ ہو - وہ اپنی تمام تر قوت اس کام میں صرف کرے +

۱۰- ہفتہ میں ایک دن پریزیڈنٹ سکرٹری اور دیگر سبھاسد سماج کی جگہ میں جمع ہوں - اور اس کام کو دیگر کاموں سے افضل سمجھیں +

۱۱- جمع ہو کر محبت سے سوال جواب کریں - پھر سام وید پرمیشور - صادق مذہب - صداقت شعاری وغیرہ مضامین پر باجہ سے بھجن گائیں - پھر انہی مضامین پر وید منتروں کے معانی کی تشریح کی جائے - پھر بھجن ہوں - پھر وید منتروں کی تشریح ہو - پھر بھجن ہوں +

۱۲- ہر ایک ممبر نیک نیتی اور ایمانداری و محنت سے جو روپیہ کمائے - اُس کا سواں حصہ آریہ سماج - آریہ ودیالہ اور آریہ پرکاش کی امداد کے لیئے آریہ سماج کو چندہ دے +

۱۳- جو آدمی ان کاموں کے لیئے جتنی زیادہ محنت کرے - اُس کی اُتنی ہی زیادہ عزت حوصلہ افزائی کے لیئے ہونی چاہیئے +

۱۴- اس سماج میں ویدوں کے مطابق ایک پرماتما ہی کی ستتی - پرارتھنا اور اپاسنا کی جائیگی یعنی ——
نراکار (بغیر شکل وصورت کے) - سرو شکتیمان (سب کچھ کرنے والے) - نیائے کاری (منصف) - اجنما (نہ پیدا ہونے والے) - اننت (لامحدود) - نروکار (نیک بالذات) - انادی (ازلی) - انوپم (بے عدیل) - دیالو (رحیم و کریم) - سرو ادھار (سب کے سہارے) اور ست (راست) - چت (ذی روح) اور آنند (مسرور) وغیرہ خوبیوں سے مملو پرماتما کے بھجن گانا - پرارتھنا —— سب نیکی کے کاموں میں اس سے امداد چاہنا - اور اپاسنا اس میں محو ہو جاتا ہے - پس ایسے پرماتما ہی کی عبادت کرنی چاہیئے - اس کو ترک کرکے کسی دوسری شے کی پناہ نہ لینی چاہیئے ❖

۱۵- اس سماج میں تمام سنسکار ویدک ریتی سے کئے جائیں گے ❖

۱۶- آریہ ودیالہ میں وید وغیرہ آرش گرنتھوں (آریہ کتب) کی تعلیم دی جائیگی - اور سب مرد عورتوں کو ویدک ریتی سے تعلیم دی جائیگی ❖

۱۷- اس سماج میں ملکی بہبودی کی خاطر دو قسم کی شدھی کی کوشش کی جائیگی - ایک پرمان - دوسرے بیوہار -

ان دونو کی اصلاح کی جائیگی - اور دنیا کی بہبودی کو ترقی دی جائیگی ‡

۱۸- اس سماج میں انصاف - تعصب سے مبرا - اور کسوٹی پر پورا اُترا ہوا سچا دھرم ویدک دھرم ہی تسلیم کیا جائیگا - اس کے خلاف کبھی نہ ہوگا ‡

۱۹- اس سماج کی طرف سے شریف اور قابل لوگ اپدیش کے لئے وقتاً فوقتاً ہر جگہ بھیجے جائینگے ‡

۲۰- عورت اور مرد دونو کے لئے جہاں تک ممکن ہو مختلف مقامات میں الگ الگ آریہ ودیالے جاری کئے جائینگے - عورتوں کے ودیالوں میں استانی وغیرہ کا کام عورتوں ہی کے سپرد ہوگا - اور مردوں کے ودیالہ میں مردوں کے ‡

۲۱- ان پاٹھشالاؤں کا انتظام پردھان آریہ سماج کے احکام کے بموجب کیا جائیگا ‡

۲۲- اس سماج میں پردھان وغیرہ سب ممبران کو باہمی محبت سے - غرور - ضد - تعصب اور غصہ چھوڑ کر نیک دل سے ایک دوسرے کے ساتھ سلوک کرنا چاہیئے ‡

۲۳- غور و فکر کے موقع پر جو بات درست اور بہتری عامہ کی ثابت ہو - اُسے ہی سب ممبران کے روبرو ظاہر کرنا ہوگا - اور اُسے ہی تسلیم کرنا ہوگا ‡

۲۴- جو آدمی ان اصولوں کے بموجب زندگی بسر کرنے والا

نیک باطن - شریف ہو - اُسے اعلےٰ ممبران میں داخل کیا جائے - جو ایسا نہ ہو اُسے عام ممبر رکھا جائے - اور جو صاف طور پر بدچلن ہو - اُسے سماج سے نکال دیا جائے - مگر یہ دونو کام تعصب سے نہیں - بلکہ شریف ممبران کے مشورہ سے کئے جائیں - کسی دوسری طرح نہیں ؂

۲۵- آریہ سماج - آریہ ودیالہ - آریہ پرکاش (اخبار) اور آریہ سماج کے روپیہ کی حفاظت پردھان اور دیگر ممبران تن من دھن سے کریں ؂

۲۶- جب تک نوکری کرنے اور نوکر رکھنے والا آریہ سماجی ملے - تب تک کسی اور کو نوکر نہ رکھے - نہ کسی اور کے پاس نوکری کرے - مگر اُن کو اپنی اپنی حیثیت کا پاس رکھنا لازمی ہے ؂

۲۷- جب بیاہ - پیدائش - موت یا کوئی دیگر دان کا موقع ہو - تو آریہ سماج کا خیال رکھا جائے - دھرم کا ایسا کام کوئی دوسرا نہیں - یہ سمجھ کر آریہ سماج کو کبھی حافظہ سے محو نہ کرے ؂

۲۸- ان اصولوں میں اگر کمی بیشی کرنا مطلوب ہو - تو سب ممبران کے مشورہ سے اور سب کو اطلاع دے کر کرنا ہوگا ؂

ان اصولوں کی منظوری کے بعد پردھان - منتری

وغیرہ عہدیدار منتخب ہوئے۔ اوّل اوّل سماج کے ہفتہ وار جلسے ہفتہ کو ہوتے رہے۔ مگر کئی ایک ممبران کے لئے یہ دن ٹھیک نہ تھا۔ اس لئے بعد میں ست سنگ کا دن اتوار مقرر ہوا۔

بمبئی میں سماج قائم کر کے مہاراج احمد آباد چلے گئے۔ اور وہاں سے لوٹتے وقت بڑودہ ٹھیرے۔ وہاں آپ وشوامتری کے کنارے مہادیو کے مندر میں مقیم ہوئے۔ کھانے پینے کے اخراجات ریاست کے ذمے تھے۔

مہاراج کے پہلے لیکچر کا مضمون "ویدوں کا حق" تھا۔ اس میں دیوان صاحب اور دیگر تمام عہدیدار شریک ہوئے۔ گوبند شاستری اور آبا شاستری بھی بیٹھے تھے۔ اُپدیش میں ایک جگہ مہاراج نے ایک وید منتر پڑھا۔ تو ایک دکشنی پنڈت شو شو کہتے ہوئے کھڑا ہو گیا۔ استفسار پر کہا۔ اس جلسہ میں ایک مسلمان زمیندار بیٹھا ہے۔ کچھ شودر بھی کھڑے ہیں۔ ان کی موجودگی میں وید منتر پڑھ کر سوامی جی نے بڑا ظلم کیا ہے۔ عہدیداروں نے سمجھا بجھا کر اُسے بٹھا لیا۔

سوامی کی آمد سے پہلے ہی پنڈت صاحبان مباحثہ کرنے کو تیار تھے۔ اس لئے لیکچر ختم ہوتے ہی شاستروں کی جنگ چھڑ گئی۔ مہاراج کی زبان (سنسکرت) ایسی صاف اور عام فہم تھی۔ کہ عوام آسانی سے سمجھ جاتے تھے۔ مگر

پنڈتوں کو یہ بات اچھی نہ لگی - وہ مذاقیہ طور سے سوامی جی کو مشکل زبان بولنے کے لئے للکارنے لگے - ایک شاستری نے یہاں تک کہ دیا - کہ مہاراج آسان زبان سے یہاں کام نہ چلیگا - آج آپ کو دکھنی پنڈتوں سے پالا پڑا ہے - کچھ قابلیت دکھائیے - سوامی جی مشکل زبان استعمال نہ کرنا چاہتے تھے - مگر مخالفین کے مجبور کرنے پر جب آپ نے موٹے موٹے غیر معروف اور ذو معنی الفاظ استعمال کئے - تو وہ منہ دیکھتے رہ گئے - اُن کو یہ بھی علم نہ ہوا - کہ سوامی جی کیا کہ گئے ہیں - جواب کیا دیتے - مجبوراً خاموش ہو گئے ✣

ویاکرن (گرامر) کے بھو (لفظ) پر ایک پنڈت نے بحث کرنا چاہا - مگر جلد ہی رہ گیا ✣

اسی طرح کئی پنڈت ایک ایک کرکے میدان مباحثہ میں اُترے اور دیانند کے سامنے لاجواب ہوکر پیچھے ہٹتے رہے - دو گھنٹے کے بعد شاستریوں کا ہجوم تالاب کے پانی کے مانند خاموش ہو گیا - سبھا میں دیانند کی جے کے نعرے لگنے لگے - پنڈت اچھا رام کرشن رام کو اتنے دنوں کے بعد آج معلوم ہوا - کہ میرے گورو دیو کا علم لامحدود ہے - اُس کی تھاہ کوئی بھی نہیں لے سکتا ✣

ایک دن آپ حجامت بنوا رہے تھے - کہ ایک پنڈت وہاں آنکلا - اور بولا - سنیاسیوں کا دھرم تو تیاگ (ترک دنیا)

ہے۔ آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ ہنس کر جواب دیا۔ اگر بال بڑھانے ہی میں تیاگ ہے۔ تو ریچھ سب سے بڑھکر تیاگی ثابت ہوگا۔ مگر اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ ایسی باتوں میں تیاگ ویراگ نہیں ہے۔ جسم کی حفاظت کے لئے اُسے سنوارنا۔ اور ٹھیک رکھنا دھرم کے عین مطابق ہے۔ جس طرح عیاش لوگ مضبوط جسم سے زیادہ پاپ کماتے ہیں۔ اُسی طرح نیک آدمی مضبوط اور طاقتور جسم سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں؂

ایک دن ایک پنڈت نے بھگوان سے کہا۔ ہم نے سُنا ہے آپ روپیہ لے لیتے ہیں۔ حالانکہ شاستر میں لکھا ہے۔ کہ سنیاسیوں کو سونا نہ دیا جاوے۔ مہاراج نے جواب دیا۔ کہ وہاں صرف سونا لینے سے منع کیا ہے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ سنیاسیوں کو چاندی۔ ہیرا۔ موتی لینے میں کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیئے۔ بھئی اس کا مطلب سمجھنا چاہو تو نہایت صاف ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ سنیاسیوں کو روپیہ جمع نہ کرنا چاہیئے۔ مگر لوگوں کی بہتری کے لئے روپیہ لینا پڑے۔ تو کوئی بات نہیں۔ جن بھگتوں نے اپنا جسم بھی دوسروں کی خاطر وقف کر دیا ہے۔ وہ کروڑوں من سونا رکھتے ہوئے بھی غریب ہیں۔ اب رہی میری بات۔ میں جب گنگا کے کنارے رہتا تھا۔ تو صرف کوپین پہنتا تھا۔ اُس وقت مجھے ایک کوڑی لینے کی بھی

ضرورت نہ تھی۔ مگر اب میں نے بہبودیٔ خلائق کے کام میں زیادہ حصہ لینا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے کنوئیں کی مٹی کنوئیں پر۔ میں لوگوں سے لیتا ہوں۔ لوگوں پر لگا دیتا ہوں۔ لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے۔ کہ روپیہ پاپ سے لپٹا ہوا ہے۔ اسے چھو لینے سے انسان گنہگار ہو جاتا ہے۔ تو آپ بھی تو امیر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ کیا آپ اپنے آپ کو پاپی خیال کرتے ہیں؟

یہ جواب سن کر اس آدمی نے سوامی جی کے پاؤں کو بوسہ دیا اور کہا کہ آپ حقیقت میں ایسی باتوں سے بالا ہیں۔ یہ میری حماقت تھی جو آپ سے ایسا سوال کیا*

ایک دن سوامی جی نے شریمان مادھو راؤ جی کے کہنے پر ایک لیکچر راج دھرم پر دیا۔ اس میں سوامی جی نے آریہ راج کی ایسی تصویر کھینچی کہ رموز مملکت سمجھنے والے بھی حیرت زدہ ہو گئے۔ کسی بھی موجودہ انتظام پر اعتراض کئے بغیر مہاراج نے رعایا اور راعی کے فرائض و تعلقات کا ایسی خوبی سے بیان کیا۔ کہ لیکچر کے خاتمہ پر مادھو راؤ نے بھی اُن کی تعریف کی*

بڑودہ کے دیوان بہادر نے ایک دن سوامی جی کو اپنے ہاں کھانا کھلایا۔ اور جب سوامی جی لوٹنے لگے۔ تو ایک ہزار اشرفی نذر کی۔ سوامی جی نے اس رقم کو یہ کہ کے نامنظور کر دیا۔ کہ میں بُری رسموں کے خلاف

بولتا ہوں - اگر یہ روپیہ لے لونگا - تو گوسائیوں کے لئے ایک مثال بن جائیگی ؞

نوساری کا ایک زمیندار کسی جرم میں ماخوذ بہت دیر سے جیلخانہ میں پڑا تھا - مگر اُس کا فیصلہ نہ ہوتا تھا - اُس کے رشتہ داروں نے ایک دن پنڈت کرشن رام اچھا رام سے کہا - کہ سوامی جی کے پاس دیوان صاحب وغیرہ اور دیگر عہدیدار آتے ہیں - اگر وہ اُن سے کہ کر جلد فیصلہ کرا دیں - تو ہم پچاس ساٹھ ہزار روپیہ دینے کو تیار ہیں ؞

پنڈت جی نے یہ ساری بات چیت سوامی جی کو سُنا دی - اس پر سوامی جی نے کہا - کہ حکومت کے کاموں میں دخل دینا ہمارا کام نہیں اور پھر رشوت لے کر - یہ تو مہا پاپ (گناہ عظیم) ہے - ہاں اگر وہ شخص بے قصور ہے - تو چھوٹ جائیگا - اس کے چند ہی دن بعد وہ زمیندار رہا ہو گیا ؞

ایک دن سرکاری مترجم راؤ بہادر شنکر پانڈو رنگ سوامی جی سے ملنے آئے - اور نمسکار کر کے گفتگو کرنے لگے - اثنائے گفتگو میں راو بہادر نے اپنے رگوید بھاشیہ کا نمونہ دکھا کر کہا - کہ اگر آپ میرے ساتھ مل کر میرے خیال کے مطابق وید بھاشیہ کر دیں - تو بہت ہی اچھا ہوگا - سوامی جی نے اُس بھاشیہ کے چند اوراق دیکھ کر کہا -

کہ آپ میکس مولر اور سائن کی تقلید کرنا چاہتے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں۔ کہ یہ دونو بھاشہ آریہ طریقۂ تفسیر سے محض ناواقف ہیں۔ آپ میرے ساتھ مل جائیے۔ یا مجھے اپنے ساتھ ملا لیجئے۔ مگر یہ یاد رکھئے۔ کہ میں انارش خیال کا بھاشیہ کبھی نہ کرونگا ٭

راؤ بہادر مایوس ہو چلے گئے ٭

دوسری طرف بمبئی میں پورانک پنڈتوں نے بڑا شور مچا رکھا تھا۔ آریہ سماجیوں کو مباحثہ کے لئے للکار رہے تھے۔ اس لئے سوامی جی نے وہاں جاکر پنڈتوں کو چیلنج دے دیا۔ جب اُنہوں نے یہ سُنا۔ کہ سوامی جی بمبئی پہنچ گئے ہیں۔ تو بغلیں جھانکنے لگے۔ اُن ایام میں وہاں کمل نین پنڈت بہترین پنڈت شمار ہوتے تھے۔ پورانکوں نے بڑی کوششوں سے اُنہیں مباحثہ کے لئے تیار کیا۔ چنانچہ ۲۲۔ جون ۱۸۷۵ء کو فرام جی کاوس جی انسٹی ٹیوٹ میں مباحثہ ہونا قرار پایا۔ اُس دن لوگ وہاں مقررہ وقت سے پہلے ہی جمع ہونے لگے۔ دن کے تین بجے سوامی جی بھی وہاں تشریف لے گئے۔ اُنہیں نہایت عزت سے پلیٹ فارم پر کرسی بچھاکر بٹھایا گیا۔ سامنے دوسری کرسی کمل نین صاحب کے لئے تھی۔ ان دونو کرسیوں کے درمیان کوئی ڈیڑھ سو کتابیں حوالہ جات کے لئے رکھی گئیں۔

پلیٹ فارم کے نیچے آٹھ نامہ نگاروں کی نشست کا انتظام تھا۔ اس مباحثہ میں شہر کے قریباً قریباً تمام سیٹھ۔ پنڈت اور معزز لوگ موجود تھے۔ سوامی جی کے آنے کے آدھ گھنٹہ بعد بیس پچیس چیلوں کو ساتھ لئے کمل نین بھی آ گئے۔ اور اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ صدر جلسہ راؤ بہادر بیچر داس قرار پائے ؀

سب سے اوّل صدر جلسہ نے جلسہ کے مقاصد اور قواعد بیان کئے۔ اس کے بعد کمل نین جی کھڑے ہو کر بولے۔ کہ مباحثہ تب شروع ہوگا۔ جب تمام پنڈت جو یہاں موجود ہیں۔ بتا دیں۔ کہ وہ کس عقیدہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ لوگوں نے بہت کہا۔ کہ اس بات کا مضمونِ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ آپ کا اِس سے کوئی مطلب حل ہو سکتا ہے۔ مگر کمل نین اپنے ہٹ سے رائی بھر بھی اِدھر اُدھر نہ ہوئے ؀

سوامی جی نے نہایت شیریں لفظوں میں کہا۔ کمل نین جی! آج کا دن بڑا مبارک ہے کہ آپ سچ جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے ہیں۔ اور اس قدر لوگ بھی اسی لئے آئے ہیں۔ کہ سچ جھوٹ کا فیصلہ کر سکیں۔ اب آپ کا فرض ہے۔ کہ معتبر کتب سے حوالہ جات دے کر مورتی پوجا کو درست ثابت کریں۔ گو فیصلہ کے لئے غیر جانبدار صاحب صدر موجود ہیں۔

تاہم ان سے بھی بڑے صدر جلسہ چاروں وید ہیں۔ جو ہمارے اور آپ کے درمیان رکھے ہیں۔ اپنے حق میں ان میں سے ایک بھی منتر تو نکالیئے ؛

سوامی جی کی پُر تاثیر تقریر سے، پُر جلال شکل وصورت سے اور حوصلہ مندی سے مرعوب ہوکر کمل نین کے ہوش اُڑ گئے۔ اور وہ بار بار یہی کہنے لگے۔ کہ پہلے پنڈت بتا تو دیں۔ کہ وہ کس مت سے تعلق رکھتے ہیں۔ پھر مباحثہ بھی ہو لے گا۔ اور آخر میں وہ بے حد نادم ہوکر وہاں سے بھاگ گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ساری سبھا پر سوامی جی کی سچائی چھا گئی۔ اور اُن کی قابلیت کا سکہ بیٹھ گیا ؛

اُسی جلسہ میں ایک سیٹھ کے استفسار پر مہاراج نے کہا۔ مورتی پوجا بودھ اور جین لوگوں کی ایجاد ہے۔ آریوں کی نہیں۔ اس کے بعد آپ نے مورتی پوجا کے خلاف ایک زبردست لیکچر دیا۔ واپسی کے وقت لوگوں نے آپ کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا ؛

صوبہ پنجاب کے ضلع ہوشیار پور میں ہریانہ نام کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں کی ایک خاندانی لڑکی جوانی ہی میں دنیا چھوڑ بیٹھی تھی۔ اُس نے چند ویدانت کی کتابیں بھی دیکھی تھیں۔ اُس کا نام اُس وقت بھگوتی تھا۔ سوامی جی جب احاطۂ بمبئی میں پرچار کر رہے تھے۔ اُسی زمانہ

میں راجہ جے کرشن داس جی کے اہتمام سے ستیارتھ پرکاش شائع ہوا تھا۔ یہ کتاب اُس دیوی نے بھی پڑھی۔ اور اس کے مطالعہ کرنے کے ساتھ ہی اُس کے ویدانت کے خیال یک قلم تبدیل ہو گئے۔ ساتھ ہی سوامی کے لئے بھگتی اور درشنوں کی خواہش پیدا ہوئی۔ آخرکار وہ اپنے بھائی کو ہمراہ لے کر سوامی جی کے درشنوں کو بمبئی پہنچی۔ سوامی جی لیکچر کے سوائے عورتوں کو اپنے ڈیرہ میں نہ آنے دیتے تھے۔ مگر اس قدر فاصلہ سے آئی ہوئی دیوی کے ساتھ پردے کی اوٹ میں بیٹھ کر بات چیت کرنا سوامی جی نے منظور کر لیا۔ مائی بھگوتی اس سے بڑی خوش ہوئی۔ چند ایک سوالوں کا جواب دینے کے بعد سوامی جی نے کہا۔ عورتوں میں تعلیم کی بڑی کمی ہے۔ اُن کو اپنے فرائض کا پتہ نہیں۔ اگر تم نیکی کرنا چاہتی ہو تو اپنے صوبہ میں جا کر اپنی بہنوں میں تعلیم پھیلاؤ۔ جو کچھ خود جانتی ہو۔ وہ اُن کو سکھا دو ٭

یہ مائی بھگوتی پہلی خوش نصیب عورت تھی۔ جس کو اُپدیش دے کر مہاراج نے عورتوں میں کام کرنے پر لگا دیا۔ اُس دیوی نے بمبئی سے آتے ہی اپنے علاقے میں کام شروع کر دیا ٭

بمبئی ہی میں قیام کے دوران میں مہاراج نے "سنسکار ودھی" اور آریہ بھوسنے نامی دو کتابیں شائع

کیں۔اور وید بھاشیہ کرنے کی تیاریاں کیں *

شری مہادیو گووند راناڈے پونا میں جج تھے۔انہوں نے سوامی جی سے پونا آنے کی استدعا کی۔اس درخواست پر سوامی جی یکم جولائی ۱۸۷۵ء کو بمبئی سے پونا پہنچے۔ یہاں سوامی جی نے پندرہ لیکچر دیئے۔یہ لیکچر اس قدر کامیاب تھے۔کہ سوامی جی کی جگہ بجگہ تعریف ہونے لگی۔ ان لیکچروں میں راناڈے بھی شریک ہوتے تھے۔اور نہ صرف شریک ہوتے تھے۔بلکہ انتظام کا تمام تر کام بھی وہی کرتے تھے *

جب سوامی جی پونا سے روانہ ہونے لگے۔تو شہر میں نگرکیرتن کرنے کا تصفیہ کیا گیا۔سوامی جی کی سواری کے تمام انتظامات راناڈے کے ذمہ تھے *

آخری لیکچر کے خاتمہ پر مہاراج کے گلے میں پھولوں کا ہار پہنایا گیا۔ایک پالکی میں وید رکھے گئے۔ اور سوامی جی کو ہاتھی پر چڑھایا گیا۔اس شان و شوکت سے نگرکیرتن کا جلوس نکلا۔ ادھر پونا کے مفسدہ پردازوں نے گدھے کی سواری نکالی۔ جوں جوں نگرکیرتن کا جلوس آگے بڑھتا جاتا تھا۔وہ لوگ بھی شور و غل میں اضافہ کرتے جاتے تھے۔اور بیہودہ باتیں کرتے تھے۔جو سمجھدار تھے۔وہ اُن کو لعن طعن کرتے تھے۔ مگر وہ ٹلنے والے آدمی نہ تھے۔کچھ پانی پڑ جانے کے

باعث راہ میں کیچڑ ہو گیا تھا۔ اُن لوگوں نے سوامی جی پر کیچڑ پھینکنا شروع کر دیا۔ اینٹ اور پتھروں کی بھی برکھا ہونے لگی۔ اُس وقت راناڈے بھی ساتھ تھے۔ سوامی جی کے مشورہ سے اُنہوں نے پولیس سے کہ دیا کہ دخل نہ دینا ۔

بد معاش غنڈے بے عزتی کرتے تھے، گالیاں دیتے تھے۔ کیچڑ پھینکتے تھے۔ اور دیگر طریقوں سے شور مچا رہے تھے۔ مگر سوامی جی ہنستے تھے۔ اُن کے چہرے پر وہی رونق تھی۔ اُن کی آنکھوں میں ذرا بھی غصّہ نہ تھا ۔

کیچڑ کا کچھ حصّہ راناڈے کو بھی ملا۔ جب وہ گھر گئے تو لوگوں نے پوچھا۔ یہ کیچڑ آپ پر بھی پڑ گیا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ جب ہم نے ایک طرف کی بات قبول کی ہے تو ساتھیوں کے ساتھ ہمیں بھی عزت بے عزتی کا خیال نہ کرنا چاہیئے۔ راناڈے کے دل میں سوامی جی کے لئے گہری عزّت تھی۔ وہ اُنہیں اپنے زمانے کا بہترین آدمی سمجھتے تھے ۔

ایک دن پونا کے تیس چالیس پنڈت مل کر سوامی جی سے بحث کرنے آئے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں شکست کھا کر واپس چلے گئے ۔

دو ماہ تک سوامی جی پونا باسیوں کو اُپدیش دیتے رہے اور اس کے بعد پھر بمبئی کو روانہ ہوئے ۔

بھادرپد سدی ۲ سمبت ۱۹۳۲ کو سوامی جی بمبئی پہنچے۔ اب کے شری یت نوین چندر رائے۔ پرتاپ چندر موزمدار اور ڈاکٹر بھنڈارکر وغیرہ برہمو سماجی اصحاب سوامی جی کے پاس وید کے مضمون پر بات چیت کرنے آئے۔ ان لوگوں کا خیال یہ تھا۔ کہ وید میں آگ وغیرہ بے جان اشیا کی پوجا کا بیان ہے۔ سوامی جی نے جواب میں وید منتروں سے ثابت کیا۔ کہ جہاں آپ کو بے جان اشیا کی پوجا کا وہم ہوتا ہے۔ وہاں حقیقت میں پرماتما کی پوجا کا ذکر ہے +

سوامی جی نے اپنے سب آدمیوں سے کہ رکھا تھا۔ کہ ٹھیک وقت پر کھانا کھا لیا کرو۔ کیونکہ خوش اور تندرست رہنے کا یہی طریقہ ہے۔ علاوہ ازیں وقت پر کھا لینے سے باورچی کو بھی تکلیف نہیں ہوتی +

سوامی جی کی ذات میں کام کی باقاعدگی اور سلوک کی یکسانیت سمائی ہوئی تھی۔ اُن کو اس امر کا بڑا خیال رہتا تھا۔ کہ کسی چھوٹے بڑے آدمی پر ظلم نہ ہونے پائے۔ اس انصاف کو وہ کھانا کھاتے وقت بھی فراموش نہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی باورچی خانہ میں بھی چلے جاتے تھے۔ کہ کسی کو کوئی چیز کم و بیش تو نہیں ملتی +

باورچی کو آٹا۔ دال۔ چاول۔ گھی سب کچھ تول کر دیا جاتا تھا۔ اُن کا حکم تھا۔ کہ ضرورت سے زیادہ چیز نہ

दयानन्द प्रकाश

स्वामी दयानन्द सरस्वती ।

کسی کو دو۔ نہ کسی سے لو۔ تھال میں جھوٹھ چھوڑنا بے حد بُری عادت ہے۔اس سے اناج کا نقصان ہوتا ہے۔وہ کسی کو جوٹھی چیز دینے کے بہت مخالف تھے۔

ایک آدمی نے ایک دن کہا۔آپ رسد تول کر دیتے ہیں۔کہیں ایسا نہ ہو۔لوگ آپ کو کنجوس سمجھنے لگ جائیں۔ سُن کر جواب دیا۔لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں۔اور کیا نہیں سمجھتے۔اس کی پروا مجھے نہ کبھی تھی نہ ہے۔میں تول کر اس لئے دیتا ہوں۔کہ اناج نہ ضائع ہو۔نہ اُس کی بے عزتی کی جائے۔زیادہ کھانے سے آدمی بیمار ہو جاتا ہے۔کفایت شعاری کا مطلب کنجوسی نہیں۔ ان ایام میں سوامی جی شام کو کھانا نہیں کھاتے تھے۔صرف دودھ پی لیتے تھے۔

سوامی جی صبح تین بجے اُٹھتے تھے۔اور کلی کرکے پانی پی لیتے تھے۔اس کے بعد حاجات ضروری سے فارغ ہوکر نہاتے اور پھر دھیان میں محو ہو جاتے تھے۔کئی قسم کے آسنوں سے ورزش کرتے تھے۔جس وقت پرانا یام میں کُمبھک کی حالت میں ہوتے تھے۔اُس وقت اُن کا جسم تپے ہوئے سونے کے مانند چمکیلا دکھائی دیتا تھا۔اور چہرہ نہایت منوّر و شاداں ہوتا تھا۔سورج نکلنے سے پہلے پہلے سیر کو نکل جاتے تھے۔اور اس قدر تیز چلتے تھے۔کہ اگر کوئی دوسرا ہمراہ ہوتا۔تو اُسے دوڑنا پڑتا۔

چلتے وقت سانس ناک سے لیتے تھے۔ جب بہت دُور چلے جاتے۔ تو ایک گھنٹہ تک سمادھی لگاتے۔ اور آٹھ بجے کے قریب اپنے ڈیرے پر واپس آ جاتے۔ واپسی پر اپنے پاؤں اور جوتے صاف کرتے۔ مگر بالعموم اُن کو یہ کام دوبارہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ کرنے دیتے تھے۔ خود آگے بڑھ کر صاف کر دیتے تھے۔ اس کے بعد مہاراج پندرہ بیس منٹ تک آرام فرماتے تھے۔ اُس وقت اُن کا جسم بےحرکت ہوتا تھا۔ پھر سیر بھر دودھ پیتے تھے۔ اور اُس کے بعد لکھنے پڑھنے کا کام جو شروع ہوتا تو گیارہ بجے تک ہوتا رہتا ۔

سوامی جی کھانا کھانے کے وقت بھی نہایا کرتے تھے۔ اس لئے تحریر کا کام ختم ہونے پر پھر نہانے اور بعد ازاں کھانا کھاتے۔ ہر ایک نوالہ کو اچھی طرح چباتے تھے۔ اور کھانا کھانے میں آدھ گھنٹے کے قریب صرف کرتے تھے۔ اُسی وقت اخبار سنتے تھے۔ پھر آدھ گھڑی تک بائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام کرتے۔ اور پھر چار بجے تک کام میں لگے رہتے۔ ٹھیک چار بجے ملاقاتی آ جاتے تھے۔ اُن سے ملنے جلنے اور لوگوں کے سوالوں کے جواب دینے میں دس بج جاتے تھے۔ اس کے بعد سادہ مگر صاف بچھونے پر لیٹ جاتے۔ نیند اُن کے اس قدر بس میں تھی۔ کہ اِدھر بستر پر لیٹے اُدھر آنکھیں

بند ہو جاتیں - انہیں نیند کا انتظار نہ کرنا پڑتا تھا +

دوسرا باب

بہت دیر تک بمبئی باسیوں کو اُپدیش کا امرت پلانے اور بحر دنیا سے پار اُتارنے کے بعد مہاراج نے آگرہ اور اودھ کی جاترا کا ارادہ کیا - چنانچہ وہاں سے روانہ ہو کر یکم مئی ۱۸۷۶ء کو پانچویں دفعہ فرخ آباد پہنچے - اُس زمانہ میں یہاں کی پاٹھشالا میں ادھیاپکوں نے بہت تباہی برپا کر رکھی تھی - ظاہر طور سوامی جی کے خیالات کی مخالفت ہوتی تھی - اس لئے سوامی جی نے یہاں آتے ہی پاٹھشالا بند کر دی - اور جیٹھ سدی یکم سمبت ۱۹۳۳ کو فرخ آباد سے چل کر قائم گنج - کاشی - جونپور اور اجودھیا ہوتے ہوئے آشون سُدی ۹ کو لکھنؤ تشریف لے گئے - اور حسین گنج کے سردار بکرم سنگھ آہلو والیہ کی کوٹھی میں ٹھیرے - یہاں شری راما دھار جی سوامی جی کے پہلے سے واقف تھے - اس لئے زیادہ تر وہی سوامی جی کی خدمت کرتے تھے - یہاں سوامی جی نے ایک بنگالی کو ملازم رکھ کر اُس سے انگریزی پڑھنا شروع کیا - اس سے

کئی احباب کو یہ خیال ہوا ہے۔کہ وہ یورپ جا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرنا چاہتے تھے۔مگر یہ خیال درست نہیں۔اگر اُن کا یہی ارادہ ہوتا۔تو زیادہ دیر تک زیادہ وقت دے کر انگریزی پڑھتے۔مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔نہ اُن کے ارادے پانی کی لکیر تھے۔جو ادھر بنتی ہے اُدھر فنا ہو جاتی ہے۔وہ ارادے کے پکے تھے۔اگر وہ یورپ جانا چاہتے۔تو تھوڑے ہی عرصہ میں تیار ہو سکتے تھے۔یہ خیال بہت ٹھیک ہے۔کہ سنگھٹن (تنظیم) کے کام میں لگ جانے سے اُن کا بہت سا وقت خط وکتابت میں چلا جاتا تھا۔بے شمار رجسٹریاں آتی تھیں۔روپیہ بھی آتا جاتا رہتا تھا۔کتابوں کو چھپوانا۔پروف دیکھنا۔پھر لوٹانا یہ سب کام ایسے تھے۔کہ انگریزی کے علم بغیر خوش اسلوبی سے سرانجام نہ پاتے تھے۔اس لئے انہوں نے انگریزی پڑھنا شروع کیا۔

۴۔دسمبر ۱۸۷۶ء کو سوامی جی نے "ایشور نراکار ہے" پر لیکچر دیا۔حاضرین کی تعداد بہت زیادہ تھی۔اور لیکچر موثر تھا۔

لکھنؤ میں لالہ برج لال نامی ایک ویدانتی رہتے تھے۔اُنہوں نے سوامی جی سے مل کر اپنے شکوک رفع کئے۔

مہاراج نے ایک کتاب "واکیہ پربودھ" چھپوائی تھی۔ اس میں پروف کی غلطیاں رہ گئی تھیں۔ اس پر کاشی کے پنڈتوں نے سوامی جی کی قابلیت پر پر زور اعتراض کئے۔ سوامی جی کے شاگرد اُن غلطیوں کو درست ثابت کرنے پر تیار ہو گئے۔ مگر مہاراج نے اُن سے کہا۔ غلط بات پر جھگڑنا مذہبی آدمیوں کا شیوہ نہیں۔ صاف طور پر غلطیاں مان لو۔ اور دوسرے ایڈیشن میں درست کر دو۔

ایک دن پنڈت پربھودیال نے سوامی سے پوچھا۔ میمانسا کے جن سوتروں کے معنی جانوروں کا مارنا کئے جاتے ہیں۔ اُن کے معنی آپ کیا کرتے ہیں۔ جواب دیا۔ میمانسا میں ایسا کوئی سوتر نہیں۔ جس کے معنی جانوروں کا مارنا کئے جائیں۔ ایسے معنی لینا سوترکاروں کی ناقابلیت اور غلطی ہے۔ اُن سوتروں میں آلبھن لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس کے دو معنی ہیں۔ مس اور قتل۔ وہاں اس کے معنی مس کے ہیں۔ قتل کے نہیں۔ سوامی جی نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میں نے ویدوں کے ایک ایک منتر کو اچھی طرح غور کرکے دیکھ لیا ہے۔ اُن میں سے ایک بھی ایسا منتر نہیں ہے۔ جو غیر موزوں ثابت ہو سکے۔ جس طرح صراف روپیوں کو پرکھ کر ہتھیلی میں رکھ لیتا ہے۔ اور پھر اُن کے کھرے ہونے میں اُسے ذرا بھی شبہ

نہیں رہتا۔ اُسی طرح ایک ایک وید منتر کو دلیل اور ثبوت کی کسوٹی پر پرکھ کر مجھے اُن کی صداقت کا یقین ہو گیا ہے ٭
ایک آدمی نے کہا۔ آپ لفظوں کے معنی الٹ دیتے ہیں۔ ہنس کر فرمایا۔ میں تو نہیں اُلٹتا۔ اُلٹنے والے دوسرے ہیں۔ میں اُن کے اُلٹے معنی کو اُلٹ کر ٹھیک کر دیتا ہوں ٭

لکھنؤ کے لوگوں کو نہال کر کے مہاراج وہاں سے کارتک پورنما سمبت ۱۹۳۳ کو چل کر شاہجہاں پور پہنچے۔ اور وہاں پانچ دن قیام کیا۔ اس کے بعد بانس بریلی چلے گئے۔ وہاں آپ لالہ لکشمی نارائن کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ اور لیکچر دیتے رہے ٭

مراد آباد کے منشی اندرمن سوامی جی سے کئی دفعہ مل چکے تھے۔ اور اُن کے مقاصد اور خیالات پر فریفتہ ہو کر اُن کے پیرو بن گئے تھے۔ وہ ہمیشہ سوامی جی سے مراد آباد چلنے کی درخواست کرتے رہتے تھے۔ اُن کی متواتر درخواستوں پر سوامی جی بانس بریلی سے مراد آباد تشریف لے گئے۔ وہاں اُن کو راجہ جے کرشن داس کے بنگلہ میں ٹھہرایا گیا۔ اُسی بنگلہ کے چبوترہ پر مہاراج ہر روز شام کو سبھا لگاتے اور اُپدیش کرتے تھے ٭

مراد آباد میں لالہ کھیم کرن داس وغیرہ کئی معززین نے مہاراج کے دست مبارک سے یگیوپویت پہنا۔ اس پر

کئی آدمیوں نے کہا - سنیاسیوں کو یگیوپویت دینے کا حق حاصل نہیں - ایک آدمی نے یہ بات سوامی جی سے بھی کہ دی - اس کے جواب میں مہاراج نے فرمایا - کہ سنیاسی کا جنیئو دینا ویدوں کے احکام کے عین مطابق ہے ؎

پادری پارکر صاحب پندرہ دن تک سوامی جی سے تبادلۂ خیالات کرتے رہے - یہ تبادلہ خیالات راجہ جے کرشن داس کے بنگلہ پر تین تین گھنٹے تک جاری رہتا تھا ؎

انہی ایام میں برٹش انڈین ایسوسی ایشن کا اجلاس بھی اُسی بنگلہ کے ایک کمرہ میں ہو رہا تھا - آخری یوم کا مضمون تھا "دنیا کب بنی؟" پادری صاحب فرماتے تھے - کہ دُنیا کی پیدائش ہوئے پانچ ہزار سال گزرے ہیں - سوامی جی مہاراج اٹھکر ایک دوسرے کمرے میں گئے - اور وہاں سے ایک بلوری پتھر لاکر سوال کیا - کہ آپ عرض النجوم کے ماہر ہیں - براہ نوازش یہ بتائیے - کہ اس پتھر کو اس حالت میں آنے کے لئے کتنے سالوں کی ضرورت ہوگی؟ انہوں نے جواب دیا - کئی لاکھ سالوں کی - اس پر مہاراج نے کہا - کہ جب دنیا کو بنے کل پانچ ہزار سال ہوئے ہیں - تو پھر یہ پتھر کہاں سے آگیا - اس پر پادری صاحب بہت نادم ہوئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں بنانے لگے ؎

اس مباحثہ کا لوگوں پر بہت گہرا اثر پڑا - اور

اُن کو عیسائی مذہب کے عیوب صاف نظر آنے لگے ✦

ایک دن سوامی جی کے اُپدیش میں وینکٹیشور واس نامی ایک ویشنو آ نکلا۔ اور بار بار کہنے لگا۔ دیانند "آکرشنین رجسا" کے معنی بتا۔ منشی اندرمن نے اُسے بہت سمجھایا۔ کہ لیکچر ختم ہو لینے دو۔ سوامی جی اس کے معنی بتا دینگے۔ مگر وہ خاموش رہنے والا آدمی نہ تھا۔ آخر سوامی جی نے اس کے معنی پرماتما کی طرف لگا کر دکھا دئے۔ وہ اس پر اور بھی بھڑک اُٹھا۔ اور اناپ شناپ بکنے لگا۔ مہاراج بہت دیر تک تو اُس کی حماقت پر مسکراتے رہے۔ مگر جب دیکھا کہ یہ ٹلنے ہی میں نہیں آتا۔ تو اُس سے پوچھا۔ کہ اگر میرے معنی درست نہیں۔ تو تم کر دو۔ مگر وہ تو محض اُمّی تھا۔ معنی کیا خاک کرتا۔ لوگوں نے اُسے بہت شرمندہ کیا ✦

مراد آباد کے کئی امرا نے رنڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ سوامی جی کے اُپدیش سُن کر اُن میں سے کئی ایک سُدھر گئے۔ اور اُن کے گھروں کی گئی ہوئی خوشی واپس آ گئی ✦

مہاشہ دیال سنگھ بھی اسی قسم کے آدمی تھے۔ وہ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے۔ صحبتِ بد نے اُن کو تباہ کر دیا تھا۔ شراب بھی پیا کرتے تھے۔ اور رات دن مخمور رہتے تھے۔ ایک دن یار دوستوں کے کہنے سے وہ سوامی جی کے لیکچر میں چلے گئے۔ حسن اتفاق سے اُس دن سوامی جی شراب پینے کے نتائجِ بد کا

بیان کر رہے تھے - یہ بیان ایسا درد ناک تھا - کہ دیال سنگھ کا کلیجہ دہل گیا - لیکچر کے خاتمہ پر اُنہوں نے شری مہاراج کے پاؤں چھو کر عہد کیا - کہ "آج سے شراب نہ پیوں گا" ✦

اس کے بعد اُنہیں جلاب لگ گئے - کئی دن تک چار پائی پر پڑے رہے - یہاں تک کہ نزع کی حالت طاری ہو گئی - ممتا کی ماری ماں نے اپنے ہاتھ سے شراب دے کر کہا - بیٹا پی لو - مگر عہد صادق کرنے والے دیال سنگھ نے اپنا عہد نہ توڑا ✦

ایک دن بخشی رام نامی ایک آدمی نے بڑی انکساری سے یوگ کا طریقہ دریافت کیا - پہلے تو مہاراج نے لیت و لعل کیا - مگر اُن کے اصرار پر کہا - جو ابھیاس کبھی میں کرتا تھا - وہی آپ کو بتاتا ہوں اُس کے بعد آپ نے یہ منتر بتایا :-

ओम् भूः ओम् भुवः ओम् स्वः ओम् महः

ओम् जनः ओम् तपः ओम् सत्यम् ।

तत्सवितुर्वरेण्यं, भर्गो देवस्य धीमहि, धियो यो नः प्रचोदयात् ।

ओं आपो ज्योतिः रसोऽमृतं ब्रह्म भू र्भुवः स्वरोम् स्वाहा ॥

مہاشہ بخشی رام نے اس منتر کا ابھیاس کیا - اور اِس سے اُنہیں بہت فیض پہنچا ✦

مراد آباد میں دھرم پرچار کرنے اور آریہ سماج بنانے

کے بعد سوامی جی کرنواس وغیرہ مقامات میں ہوتے ہوئے دلی جانے کی کوشش کرنے لگے ٭

دلی میں ملکہ وکٹوریہ سے متعلق ایک زبردست سیاسی جلسہ ہونے والا تھا۔ اس ضمن میں تمام راجے مہاراجے اور معزز لوگ وہاں جمع ہو رہے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ مہاراجہ اندور نے سوامی جی کو اس موقع پر پرچار کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ اُن کا یہ بھی ارادہ تھا۔ کہ مہاراج کے لیکچر کا انتظام راج منڈل میں بھی کیا جائے٭

سوامی جی دسمبر کے آخر میں ٹھاکر مکند سنگھ کے ہمراہ علیگڑھ سے دلی پہنچے۔ اور شہر سے باہر شیر مل کے انار باغ میں ڈیرہ لگایا۔ پرچار اور رہنے کے لئے قناتیں لگ گئیں۔ اور دروازے پر ایک بورڈ لگا دیا گیا۔ جس پر جلی حروف میں لکھا تھا۔ "سوامی دیانند سرسوتی کے رہنے کی جگہ" پنڈت بھیم سین۔ راجہ جے کرشن داس۔ ٹھاکر مکند سنگھ۔ ٹھاکر بھوپال سنگھ اور منشی اندرمن وغیرہ اصحاب بھی سوامی جی کے پاس ہی ٹھیرے ٭

اشتہار تقسیم کرنے کے ساتھ ہی سوامی جی کے لیکچروں میں بھیڑ ہونے لگی۔ ہر ایک قوم اور ہر ایک مذہب کے لوگ آتے تھے۔ ایک دن ایک مسلمان نے کہا۔ آپ جو ہندوؤں کی بت پرستی کا کھنڈن

کرتے ہیں - یہ بہت ہی اچھا کام ہے - اور اسلام کے عین مطابق ہے - مہاراج نے جواب دیا - میں سبھی مذہبوں کی بُت پرستی کا کھنڈن کرتا ہوں - پرانکوں کی مورتیاں تو چار انگل سے ایک ہاتھ تک کی ہوتی ہیں - اُن کو تو کسی طرح ہٹایا بھی جا سکے گا - مگر مسلمانوں کے بت - قبر وغیرہ تین منزلہ مکانوں سے بھی بڑے ہیں - اُن کو ہٹانا بڑا مشکل ہے - یہ سُن کر وہ مسلمان چپ ہو گیا +

سری کرشن کا ایک بھگت اُن کے پاس آیا اور اُن کے سامنے مٹی کا ایک ڈھیلا رکھ کر بیٹھ گیا - مہاراج نے دریافت کیا - یہ مٹی کیسی ہے ؟ اُس نے کہا - سری کرشن نے بچپن میں مٹی کھائی تھی - اس لئے میں یہ پرساد کے طور پر آپ کے پاس لایا ہوں - سوامی جی نے جواب دیا - بچے مٹی کھایا ہی کرتے ہیں - سری کرشن نے بھی کھائی ہوگی - مگر جوان آدمی یہ شے نہیں کھایا کرتے +

ویسے تو سوامی جی کی خدمت میں اعلےٰ طبقہ کے لوگ آتے ہی رہتے تھے - ریاست کشمیر کے وزیر اعظم سنت رام جی بھی اُن کے درشن سے شاد کام ہوئے تھے - مگر سوامی جی یہ چاہتے تھے - کہ راجوں مہاراجوں کا جلسہ کر کے اُن سب کو ایک مذہب اور ایک خیال کی لڑی میں پرو دیا جائے مگر کئی وجوہ سے یہ خواہش

بر نہ آسکی ؎

ہندوستانی والیان ریاست سے اپنی خواہش پوری نہ ہوتے دیکھ کر سوامی جی نے ایک دن ہندوستان کے مختلف مذاہب اور اقوام کے لیڈروں کا ایک جلسہ کیا۔ جس میں کنھیالال جی الکھدھاری ۔شری نوین چندر رائے۔ شری ہریشچندر چنتامنی ۔ سرسید احمد۔ شری کیشوچندر سین۔ اور منشی اندرمن بھی شریک ہوئے ۔ ساتویں مہاراج تھے۔ سب نے مل کر ہندوستان کی بہتری پر غور کیا۔ یقیناً اُن بزرگوں نے بھارت کی بہتری کے طریقے سوچے ہونگے ۔ مگر نفس مضمون سے تعلق رکھنے والی بات یہ ہے ۔کہ سوامی جی نے اس سبھا میں یہ ریزولیشن پیش کیا۔ کہ سب ہندوستانی ایک مذہب کے پیرو ہو کر ایک ہی طریقہ سے اصلاح کریں ۔ تو اُمید ہے ۔ کہ ہندوستان کی اصلاح ہو جائیگی ۔ اُنھوں نے کیشوچندر سین وغیرہ احباب سے یہ بھی کہا ۔ کہ علیحدہ علیحدہ سبھائیں قائم کرنے کے بجائے اگر ہم مل کر ایک ہی دھرم کا پرچار کریں ۔ تو ٹھیک ہوگا ۔ مگر کئی وجوہ سے یہ خواہش بر نہ آسکی ؎

سوامی جی کا ایک سیوک راجوں مہاراجوں کے ڈیروں پر اشتہار تقسیم کرنے جایا کرتا تھا۔ اس نے سوامی جی سے کہا ۔ کہ اگر آپ ظاہرا طور پر پورانک

بن کر ہندوستانی راجوں میں پرچار کریں۔ تو آپ کو بہت تھوڑے وقت میں عظیم الشان کامیابی حاصل ہوگی۔ سوامی جی نے اُسے دھمکا کر کہا۔ میں امرت کو زہر میں ملا کر نہیں دینا چاہتا۔ سچائی کو چھپانا گناہ عظیم ہے۔ آخر میں فتح سچائی ہی کو نصیب ہوتی ہے +

دلی میں مہاراج کے درشن کر کے اور لیکچر سُن کر پنجابی لوگ بے حد خوش ہوئے۔ اور اُن کے دل میں مہاراج کے لئے جذبہ احترام پیدا ہوا۔ اپنے صوبہ کے لوگوں کو بھی ان مہاپرش کے خیالات سے مستفید کرانے کے لئے ایک دن سردار بکرم سنگھ اہلوالیہ۔ پنڈت من پھول اور منشی کنھیالال الکھ دھاری وغیرہ اصحاب نے مہاراج سے عرض کیا۔ کہ پنجاب میں چل کر اُپدیش کیجئے۔ لوگ آپ کے خیالات سُننے کو بیتاب ہو رہے ہیں۔ سوامی جی نے اُن کی درخواست قبول کر لی اور کسی وقت پنجاب میں جانے کا وعدہ کر لیا +

یہاں سے سوامی جی ۶ جنوری ۱۸۷۷ء کو بھیم سین کے ہمراہ میرٹھ پہنچے۔ اور سوریہ کنڈ کے متصل مہتاب سنگھ کی کوٹھی میں ٹھیرے۔ لوگ آنے جانے لگے اور اپنے اپنے شکوک رفع کرنے لگے +

اُس زمانہ میں سوامی جی حقہ پیا کرتے تھے۔ ایک دن ایک پنڈت نے پوچھا "حقہ پینا وید میں کہاں لکھا

ہے؟" سوامی جی نے کہا۔ وید میں کہیں اس کی ممانعت بھی تو نہیں کی گئی۔ پنڈت نے پھر کہا۔ آپ سنیاسی ہو کر حقہ پیتے ہیں۔ جواب دیا۔ اگر آپ کو حقہ سے نفرت ہے۔ تو لیجئے میں اسے پرے پھینک دیتا ہوں ÷

۴ فروری کو میرٹھ سے چل کر سہارنپور پہنچے۔ اُس وقت اُن کے ساتھ بھیم سین وغیرہ کئی ودیارتھی تھے۔ مہاراج جی کنھیا لال کے شوالہ میں ٹھہرے ÷

اس جگہ چنڈی پرشاد نام کے ایک آدمی نے سوامی جی سے مذہب اور قوم سے متعلق کئی سوال کئے۔ جن کا جواب تسلی بخش دیا گیا۔ ان میں سے ایک سوال یہ تھا۔ کہ ہندوستان کے لوگ اپنی عورتوں کو پردہ میں اس لئے رکھتے ہیں۔ کہ وہ دھرم سے نہ گر جائیں عیسائی اپنی مستورات کو پردہ میں نہیں رکھتے۔ اور آزادی سے سیر وغیرہ میں ساتھ لے جاتے ہیں اور وہ گراوٹ کا شکار نہیں ہوتیں۔ ہندوؤں میں پردہ کرنے کے باوجود گر جاتی ہیں۔ اس کا باعث کیا ہے؟ سوامی جی نے اس کے جواب میں کہا۔ آریوں میں پردے کی رسم قدیم نہیں ہے۔ اس کا رواج مسلمان بادشاہوں کے عہد میں شروع ہوا ہے۔ تب نئے قسم کے مظالم سے اپنی بہو بیٹیوں کو بچانے کی خاطر ظلم

کے عہد میں یہ رسم چلی تھی - مگر اب بیوقوف لوگ اسے دھرم سمجھ بیٹھے ہیں ۔

سوامی جی کے لیکچر چترگپت کے مندر میں ہوتے تھے - سُننے والوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہوتی تھی - کہ کہیں تل رکھنے کو جگہ نہ ملتی تھی - لوگوں کے سانس رُک جاتے تھے - شہر کے سبھی معززین سُننے آتے تھے - اثنائے تقریر میں ایسی خاموشی ہوتی تھی - کہ کوئی کھانستا تک نہ تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا - کہ دیواروں پر تصویریں بنی ہیں - سوامی جی تین تین گھنٹے بولتے چلے جاتے تھے - اُن کے الفاظ میں ایسی تاثیر تھی - لوگوں کی زبان سے بے اختیار واہ وا نکلتا جاتا تھا - ایک لیکچر میں سُکھی دُکھی کے مضمون پر مہاراج نے یہ مثال دی :-

کسی شہر میں ایک امیر آدمی رہتا تھا - اُس پر ایک الزام لگا اور مقدمہ چلا - عدالت میں اُس کے مقدمہ کی سماعت کے لئے جو تاریخ مقرر ہوئی تھی - اُس سے کئی دن پہلے ہی وہ بحرِ تفکّرات میں ڈوب گیا - حالانکہ اُس کے نوکر چاکر ہنسی خوشی سے کھاتے پیتے اور اپنا اپنا کام کرتے تھے - تاریخ مقررہ کے دن اُسے عدالت میں پہنچانے کے لئے ایک پالکی آئی - اُس میں نرم کپڑا بچھا تھا - اور خس کی ٹٹیاں

لگی تھیں۔ اُس میں بیٹھکر وہ عدالت کو روانہ ہوا۔ مگر اُس کی طبیعت میں فکر کا انتشار واقع ہو رہا تھا۔ اُس کے دل میں خوشی کا ایک ذرہ بھی نہ تھا۔ حالانکہ اُس کے نوکر جو پالکی کو اُٹھائے لئے جاتے تھے۔ وہ اس وقت بھی خوش تھے +

مہاراج نے اس مثال سے یہ سمجھایا۔ کہ ظاہری ٹھاٹ باٹ میں سُکھ نہیں ہے۔ سُکھ دل کی حالت پر منحصر ہے +

سہارنپور میں بھی مخالفوں نے مخالفت کی۔ اور یہاں تک مخالفت کی۔ کہ سوامی جی کو اپنی جگہ تبدیل کرنا پڑی +

تیسرا باب

جس وقت سوامی جی سہارنپور میں دھرم کے ڈنکے بجا رہے تھے۔ اُس وقت شاہجہانپور سے پانچ کوس کے فاصلے پر چاندپور نامی گاؤں میں برہم میلہ منانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اس میلہ کی وجہ یہ ہوئی کہ چاندپور میں پادری لوگ اپنے خیالات کی اشاعت

کرتے تھے اور وہاں کے کبیر پنتھی زمینداروں سے کہتے تھے۔ کبیر کو چھوڑ دو۔ یسوع پر ایمان لاؤ۔ تمہیں نجات مل جائے۔ کبیر پنتھی سنت اُن سے مباحثہ بھی کرتے تھے۔ مگر اُن کی پیش نہ جاتی تھی۔ آخر لالہ پیارے لال وغیرہ اصحاب نے اِس شر کو مٹانے کے لئے پادریوں کے مشورہ سے ایک میلہ کیا۔ اُس میں مولویوں کو بھی مدعو کیا گیا۔ اور پرماتما کے مضمون پر مباحثہ ہوتا رہا۔

میلہ کے خاتمہ پر چاندپور کے گرد و نواح میں یہ خبر مشہور ہو گئی۔ کہ میلہ میں کبیر پنتھیوں کو شکست نصیب ہوئی ہے۔ اور مسلمان جیت گئے ہیں۔ پیارے لال کے بھائی شری مکتا پرساد جی اپنے بیوپار کے سلسلہ میں آس پاس کے گاؤں میں جایا کرتے تھے۔ میلہ کے بعد وہ جہاں جہاں گئے۔ وہاں کے مسلمانوں نے اُن سے کہا۔ کہ اب تو آپ نے اسلامی صداقت دیکھ لی ہے۔ پھر اسلام قبول کیوں نہیں کر لیتے۔ کبیر پنتھ میں کیا دھرا ہے؟ اس دانتا کلکل سے تنگ آ کر مکتا پرساد نے اپنے دل میں فیصلہ کر لیا۔ کہ اب کے سال کسی ایسے پنڈت کو بلواؤنگا۔ جو اسلام سے بخوبی واقف ہو۔ اور جو مسلمانوں کو شکست دے کر ہمارے داغ چھٹانے کا اہل ہو۔

ایک آدمی سے اُنہیں پتہ لگا۔ کہ اس وقت آریوں

ہیں مذہب اسلام کی اندرونی باتوں کو جاننے والے اندرمن مرادآبادی ہیں۔ اُن کے آنے سے آپ کو یقیناً فتح حاصل ہوگی۔ یہ سُنتے ہی گنگا پرساد نے منشی اندرمن سے خط و کتابت شروع کر دی۔ اُنھوں نے لکھا۔ میں تو ضرور آؤنگا۔ مگر اس وقت بھارت بھر میں وید شاستر کے لاثانی پنڈت شری دیانند جی مہاراج ہیں۔ اُن کے سامنے ٹھیرنے کی کسی کو تاب نہیں۔ اگر آپ اپنی کامیابی کو یقینی بنانا چاہتے ہیں تو اُن کو ضرور بلوائیے۔

اس سے پہلے اس چھوٹے سے گاؤں میں سوامی جی کا نام بھی کسی نے نہ سُنا تھا۔ اُنھوں نے منشی اندرمن سے پتہ پوچھ کر سوامی جی کو لکھا۔ کہ آپ آکر یہاں ڈگمگانی ناؤ کو بچائیں۔ بیڑا بھنور میں ہے۔

سوامی جی نے چاندپور والوں کو حوصلہ دیا۔ اور اپنے سیوکوں کو سہارنپور چھوڑ کر چاندپور پہنچے۔ اس وقت اُن کے ساتھ منشی اندرمن جی تھے۔ سوامی جی نے گاؤں میں رہنا پسند نہ کیا۔ اس لئے اُن کے رہنے کا انتظام میلہ کے ایک سائبان میں کر دیا گیا۔ یہ جگہ گاؤں سے کوئی نصف کوس کے فاصلہ پر گرّا ندی کے کنارے تھی۔ وہاں کبیر پنتھیوں کا ایک چھوٹا سا آشرم بھی تھا۔ میلہ گو ندی کے کنارے لگتا تھا۔ تاہم جاتریوں

کے لئے سات نئے کنوئیں کھدوائے گئے تھے +

۱۱۔ مارچ کو میلہ میں لوگ آنے لگے۔ مولوی اور پادری بھی دھوم دھام سے وہاں پہنچ گئے۔ لوگوں کی تعداد پچاس ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوگی +

رات کے وقت منشی اندرمن نے کہا۔ مولویوں کا جتھا آ پہنچا ہے۔ میلہ میں بھی مسلمان لوگوں کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اور یہ لوگ جوش میں بہت جلد آ جاتے ہیں۔ آپ بحث میں نہایت نرم الفاظ ہی استعمال کیجئے گا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ جھوٹ بولنا اور اُس کی تائید کرنا۔ میرے لئے ناممکن ہے۔ سچائی میری بنائی ہوئی نہیں ہے۔ وہ قدیم ہے اور پرماتما کی ہے۔ اُس کے اظہار میں مَیں کسی سے ذرا بھی خوف نہ کرتا ہوں نہ کرونگا۔ آپ خوف نہ کیجئے۔ میرے ہوتے ہوئے ایسا کوئی مائی کا لال نہیں۔ جو آپ کا بال بھی ٹیڑھا کر سکے +

۲۰۔ مارچ کو صبح کے ساڑھے سات بجے پنڈت۔ مولوی اور پادری میلہ میں گئے۔ اور اپنی اپنی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ چاروں طرف انسانی سروں کے سوائے کچھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ اُس وقت لالہ پیارے لال کی طرف سے شری مکتا پرساد نے حسب ذیل پانچ سوال اس سبھا کے سامنے پیش کئے۔ اور ان کے جواب کا مطالبہ کیا:۔

۱۔ دنیا کو پرماتما نے کس چیز سے کب اور کیوں بنایا؟
۲۔ ایشور ہر جگہ حاضر ناظر ہے یا نہیں؟
۳۔ ایشور منصف اور رحیم کس طرح ہے؟
۴۔ وید بائبل اور قرآن کے الہامی ہونے کا کیا ثبوت ہے؟
۵۔ نجات کیا شے ہے اور کیسے حاصل کی جا سکتی ہے؟

مکتا پرساد جب یہ سوال کر چکے تو تھوڑی دیر اس بات پر جھگڑا ہوتا رہا۔ کہ پہلے کون بولے۔ آخر میں پہلے پادری سکاٹ صاحب اُٹھے اور پہلے سوال سے متعلق بولے۔ یہ سوال سراسر بیہودہ ہے۔ میرے خیال میں اس کا جواب دینا اور وقت ضائع کرنا دونو ہم معنی ہیں۔ تاہم جواب دیتا ہوں۔ پرماتما نے دنیا نیستی سے بنائی۔ کب بنائی یہ ہم نہیں جانتے۔ اُس نے دُنیا کے سُکھ کے لئے دُنیا بنائی ÷

مولوی صاحب نے کہا۔ خدا نے دُنیا کو اپنے آپ سے بنایا ہے۔ کب بنایا ہے یہ سوال لغو ہے۔ ہمیں آم کھانے سے غرض ہے پیڑ گننے سے نہیں۔ تمام اشیا خدا نے انسان کے لئے بنائی ہیں۔ اور انسان کو عبادت کے لئے پیدا کیا ہے ÷

اپنی اپنی تقریر میں پادری صاحب اور مولوی صاحب مخالفین پر چوٹیں کرتے رہے تھے۔ اس لئے جب

سوامی جی نے بولنا شروع کیا۔ تو سب کو مخاطب کر کے بولے۔ یہ میلہ سچائی جاننے کے لئے کیا گیا ہے۔ یہاں ایک دوسرے کو جھوٹا کہ دینے سے کام نہ چلے گا۔ ہمارا فرض یہ ہے۔ کہ باہمی پیار و محبت رکھتے ہوئے جھوٹ کا کھنڈن کریں۔ اور سچائی کو اختیار کریں۔ اس کے لئے مخاصمت کو ترک کر دینا لازمی ہے۔ سخت کلامی تہذیب کے خلاف ہے۔ اس کے بعد آپ نے پہلے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔ پرماتما نے دنیا کو مادّہ سے (جو موجود تھا) بنایا۔ وہ پرمانو روپ (لطیف) مادّہ دنیا کا اپادان (کارن) ہے اور اُس کی ابتدا نہیں۔ نیتی سے کسی شے کی ہستی نہیں ہو سکتی۔ جو خاصیتیں علت کی ہوتی ہیں وہی معلول کی ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر دنیا کی علت نیستی تسلیم کی جائے تو معلول بھی نیستی ہوگا۔ اگر یہ تسلیم کیا جائے۔ کہ پرماتما نے دنیا کو اپنے آپ سے بنایا ہے۔ تو یہ دنیا بھی ایشور سروپ ثابت ہوگی۔ جس طرح گھڑا مٹی سے علیحدہ چیز نہیں ہو سکتا۔ اُسی طرح دنیا اور پرماتما ایک ہی چیز کی دو شکلیں ہونگی۔ اس حالت میں چور۔ قصائی۔ اور بدمعاش ہونے کا الزام پرماتما ہی کے ذمہ عائد ہوگا۔ اس لئے جو لوگ مادہ کو پرماتما سے الگ نہیں تسلیم کرتے۔ ان کا عقیدہ خلاف ثبوت اور دلیل

سے خالی ہے ؂

دنیا کب بنی ؟ اس کا جواب بھی دوسرے مذہب والوں کے پاس نہیں - اور ہو بھی کیسے ؟ جب کسی مذہب کو جاری ہوئے اٹھارہ سو سال ہوئے ہیں - کسی کو تیرہ سو - کسی کو سات سو - کسی کو پانچ سو - اس کا جواب ہم اور صرف ہم دے سکتے ہیں - کیونکہ ہمارا مذہب دنیا کی ابتدا میں ظاہر ہوا تھا ؂

یگوں کا حساب بیان کرتے ہوئے مہاراج نے کہا - کہ ہر ایک مبارک موقع پر آریہ پنڈت جو سنکلپ کا پاٹھ کرتے ہیں اس میں دنیا کی ابتدا سے آج تک سالوں - مہینوں دنوں اور گھنٹوں کا شمار موجود رہتا ہے ؂

دنیا کیوں بنائی - اس بارے میں کہا - رُوح اور مادہ کی علت بذات خود ازلی ہے اور معلول دُنیا اور اُس کے لوگوں کے افعال ازلی ہیں - جب دنیا میں پرلے (تباہی) آجاتی ہے - اُس وقت بھی روحوں کے کچھ افعال باقی رہ جاتے - اس لئے پھر دنیا کا دوبارہ ظہور ہوتا ہے ؂

دنیا کو پیدا کرنے کی طاقت پرماتما میں فطرتاً ہے - اُس نے اپنی قوت سے دُنیا کو پیدا کیا ہے - تاکہ لوگ دھرم - ارتھ کام اور موکش سے سُکھ حاصل کریں ؂

جب مہاراج یہ تقریر کر رہے تھے۔ اُس وقت سارے جلسہ گاہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا۔ لوگوں کے دلوں پر اثر ہو رہا تھا۔ یہ باتیں اس سے پہلے لوگوں نے کبھی نہ سُنی تھیں۔ اُن کو اس بات کا علم نہ تھا۔ کہ آریہ دھرم میں بھی کوئی ایسا سورما ہے۔ جو دوسرے مذہب والوں پر فتح حاصل کر سکتا ہے۔ اس لئے لوگ حیرت زدہ ہو رہے تھے۔ جو آریہ خیالات کے تھے۔ اُن کے دلوں میں خوشی کھیلتی تھی +

اس وقت گیارہ بج چکے تھے۔ اس لئے کارروائی ختم ہوئی۔ تمام مذاہب کے لیکچرار اپنے اپنے خیمہ میں چلے گئے۔ اور ایک بجے پھر جلسہ شروع ہوا۔ فیصلہ ہوا۔ کہ وقت تھوڑا ہے۔ اس لئے باقی مضامین کو چھوڑ کر صرف نجات کے مضمون پر بحث کی جائے۔ مگر اُس وقت مولوی اور پادری دونو پہلے نہ بولنا چاہتے تھے۔ اُن کو وہم ہو گیا تھا۔ کہ صبح ہم اسی لئے گھاٹے میں رہے۔ کیونکہ پہلے ہم بولے تھے +

جب کوئی بھی نہ اُٹھا۔ تو سوامی جی نے اُٹھ کر کہا۔ نجات چھوٹ جانے کا نام ہے۔ جس قدر بھی دُکھ ہیں۔ اُن سے چھوٹ کر سچدانند پرماتما کے حصول سے ہمیشہ مسرور رہنا اور پھر پیدائش موت میں نہ پھنسنا نجات ہے +

نجات کا پہلا ذریعہ سچ بولنا ہے۔ دوسرا وید ودیا کو درست طریقہ سے حاصل کرنا ہے۔ تیسرا نیک آدمیوں اور عالم لوگوں کی صحبت اختیار کرنا۔ چوتھا یوگا بھیاس کے ذریعہ اپنے حواس اور روح کو جھوٹ سے ہٹا کر جادۂ صداقت پر چلانا۔ پانچواں پرماتما کی عبادت کرنا۔ اُس کی مہربانیوں کے لئے اُس کا شکریہ ادا کرنا۔ اور اُس کی کتھا کو من لگا کر سُننا۔ اور چھٹا ذریعہ پرارتھنا ہے۔ پرارتھنا اس طرح کرنی چاہیئے۔ کہ ہے جگدیشور کرپاندھے! ہمارے پتا!! ہمیں جھوٹ سے نکال کر سچ میں داخل کرو۔ جہالت کے اندھیرے اور ادھرم کے چلن سے علیحدہ کرکے روشنی اور دھرم کے رستے پر چلاؤ۔ پیدائش موت سے بچاؤ۔ اور اپنی مہربانی سے مجھے نجات دو۔

پرارتھنا کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ جب آدمی اپنے سچے دل سے، اپنی روح سے، اپنی جان سے اور اپنی ساری قوت سے پرماتما کا بھجن کرتا ہے۔ تب وہ رحیم وکریم پرماتما اُسے اپنے آنند میں محو کر لیتا ہے۔ جس طرح ننھا بچہ گھر کی چھت پر سے یا نیچے سے جب ماں باپ کے پاس جانا چاہتا ہے۔ تو وہ اس اندیشہ سے کہ کہیں ہمارے پیارے بیٹے کو اِدھر اُدھر گر پڑنے سے تکلیف نہ ہو۔ اپنے ہزاروں کام پرے پھینک کر اُسے اُٹھا کر اپنی گود میں لے لیتا ہے۔ اور پھر اُسے

کوئی تکلیف نہیں ہونے دیتا۔ اور وہ آدمی ہمیشہ اُسی خوشی میں رہتا ہے۔ پرماتما والدین کے مانند اپنے بندوں کو ہمیشہ خوش دیکھنا چاہتا ہے +

اس طرح سوامی جی نے کئی قسم کی دلیلوں سے مرصع تقریر کی۔ پھر کچھ تنقید کے بعد شام کی کارروائی ختم ہوگئی۔ مگر دوسرے مقرروں کی تقریروں میں لوگوں کو مزہ نہ آیا۔ جس طرح سورج کے سامنے چراغ کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔ اُسی طرح سوامی جی کے مقابلہ میں مولوی اور پادری لوگوں کی حالت ہوئی +

۲۱۔ مارچ کو پادری صاحبان صبح ہی تشریف لے گئے۔ پنڈال میں کسی نے یوں ہی کہ دیا۔ کہ میلہ ختم ہو گیا ہے۔ سوامی جی نے بہت کہا۔ کہ میلہ کم از کم پانچ دن تو ہونا چاہیئے۔ مگر مولوی اور پادری صاحبان اپنی شکست کو تاڑ گئے تھے۔ اس لئے اُنہوں نے اسے منظور نہ کیا ــــ میلہ ختم ہو گیا +

میلہ کے خاتمہ پر بہت سے پادری سوامی جی سے ملنے آئے۔ سوامی جی نے اُن کا خیر مقدم کیا اور پھر کرسیوں پر بٹھا کر مختلف مذہبی مضامین پر بات چیت کرنے لگے۔ ایک پادری نے ازراہ مذاق کہا۔ پنڈت جی! ہم بھی آریہ ہیں۔ سوامی جی نے مسکرا کر جواب دیا۔ آپ مہذب تو ہیں۔ مگر آریہ نہیں۔ سبب پوچھنے پر کہا۔

آریہ کہتے ہیں نیک دھرماتما کو۔ آپ کی مذہبی کتاب سے آپ نیک دھرماتما ثابت نہیں ہوتے ؛

ایک دفعہ جناب یسوع مسیح کے شاگردوں نے اُن سے دریافت کیا۔ کہ آپ اندھے اور کوڑھیوں کو بھلا چنگا کر دیتے ہیں مگر ہم کیوں نہیں کر سکتے ؟ جواب میں مہاتما مسیح نے کہا۔ تم میں رائی جتنا بھی اعتقاد نہیں ہے۔ لہذا جب استاد کے سامنے ہی شاگردوں میں رائی جتنا اعتقاد نہ تھا تو آج آپ میں کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ سُن کر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔ سوامی جی نے یہ بھی کہا۔ کہ ہم نے آپ کی بائیبل شروع سے آخر تک دیکھی ہے اُس میں مہاتما مسیح نے کہیں بھی نہیں کہا۔ کہ مجھ پر ایمان لاؤ گے۔ تو تمہاری نجات ہو گی۔ یہ پادریوں کا محض وہم ہے ؛

روانگی کے موقع پر پادریوں نے سوامی جی کی ملنساری کی بڑی تعریف کی۔ اور اُن کی وسیع معلومات پر حیرت ظاہر کی ؛

ایک دن سوامی جی نے پیارے لال جی سے بھنے ہوئے چنے منگوائے۔ منشی اندرمن نے کہا۔ چنوں میں گھن ہوتا ہے۔ بھاڑ میں وہ بھی بھن جاتا ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ گھن تو گیہوں میں بھی ہوتا ہے۔ اور وہ بھی چکی میں گیہوں کے ساتھ ہی پس جاتا

ہے۔کیا تم آٹا پھینک دیا کرتے ہو۔منشی اندرمن خاموش ہو گئے ٭

شری پیارے لال کو یقین تھا۔کہ سوامی جی محض منطق کے زور سے مخالف کو جیت لینے والے پنڈت ہیں۔یوگ ودیا میں اُن کو رسائی نہیں۔نہ وہ ہمارے کبیر پنتھیوں کے مانند سنت ہیں۔اُنہوں نے ایک دن خدمت عالی میں حاضر ہو کر دریافت کیا۔کہ اجپا جاپ کیا ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔اجپا جاپ تو سب میں ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اُس کو سُننے کے لئے کچھ دن مشق کرنی چاہئے۔ پھر پیارے لال جی نے کہا۔ہمارے مذہب میں یہ مانا جاتا ہے۔کہ سوتے وقت سانس آواز کی شکل ہو کر انہت ناد میں رل جاتا ہے۔جواب دیا۔یہ خیال مشاہدہ کے خلاف ہے۔اس لئے غلط ہے۔اس کے بعد آہستہ آہستہ ابھیاس کرنے پر پیارے لال جی کو معلوم ہوا۔کہ سوامی جی تو بڑے زبردست یوگی ہیں ٭

ایک دن بخشی رام مرادآبادی اور منشی اندرمن سوامی جی کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔کہ سوامی جی نے اُنہیں آپ بیتی سُنائی۔اور کہا۔کہ جن دنوں میں تن تنہا گھومتا تھا۔اُس زمانہ میں ایک دفعہ ایسی جگہ گزر ہوا۔جہاں صرف شاکت رہتے تھے۔اُنہوں نے میری بڑی خدمت کی۔جب کئی دن کے بعد میں چلنے لگا۔تو

انہوں نے بڑے اصرار سے مجھے پھر ٹھیرا لیا۔ میں سمجھتا تھا۔ کہ وہ بھگتی سے مجھے ٹھیراتے ہیں۔ اس اثنا میں اُن کا پرب دن آ گیا۔ اُس دن تمام شاکت دیوی کے مندر میں جمع ہو کر گیت گانے لگے۔ مجھ سے بھی بولے۔ کہ ہمارے مندر میں چلئے۔ میں نے بہت کہا۔ کہ مجھے دیوی کے درشن پر اعتقاد نہیں۔ مگر اُنہوں نے ایک نہ سُنی۔ پاؤں پر گر کر بولے۔ اگر آپ آج ہمارے مندر میں نہ گئے۔ تو ہماری بہت دلشکنی ہوگی۔ آپ مورتی کو نمسکار نہ کریں۔ مگر تشریف تو لے چلیں +

وہ مندر شہر سے باہر ویران جگہ میں تھا۔ اُن کے مجبور کرنے پر میں وہاں چلا گیا۔ اُس وقت آنگن میں ہوم ہو رہا تھا۔ اور لوگ جلسہ کر رہے تھے۔ مجھے درگا کی مورتی دکھانے کے بہانے سے اندر لے گئے۔ میں بے خوفی سے مورتی کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے قریب ہی ایک موٹا تازہ آدمی ہاتھ میں ننگی تلوار لئے کھڑا تھا +

وہاں وہ لوگ کہنے لگے۔ مہاتما جی! ماتا کے آگے جُھک کر نمسکار ضرور کیجئے۔ میں نے اُن سے صاف لفظوں میں کہ دیا۔ کہ مجھ سے ایسی امید نہ رکھو۔ اس سے پوجاری غصّہ میں آ گیا۔ اُس نے میرے قریب آ کر میری گردن پکڑ کر زبردستی مجھے جھکانا چاہا۔

اُس کی اس حرکت سے میں حیران ہو گیا۔لیکن جوں ہی میں نے گردن پیچھے کی۔تو کیا دیکھتا ہوں۔کہ وہ تلوار والا آدمی میرے پاس کھڑا ہے اور میری گردن پر تلوار برسانا ہی چاہتا ہے۔میں فوراً سنبھل گیا اور میں نے اُس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر اُسے زور سے دھکا دیا۔جس سے وہ دیوار کے ساتھ جا ٹکرایا۔ اور میں تلوار لئے آنگن میں نکل آیا۔اُس وقت وہاں جتنے لوگ جمع تھے۔سب کلھاڑا۔چھُرا وغیرہ ہتھیار لیکر مجھ پر ٹوٹ پڑے۔دروازے کی طرف دیکھا۔تو اُس میں تالا پڑا ہوا تھا۔اپنے آپ کو بلیدان سے بچانے کے لئے میں اُچھل کر دیوار پر چڑھا۔اور دوسری طرف کود گیا۔ قریب ہی ایک جنگل تھا۔میں دن بھر وہیں چھپا بیٹھا رہا۔لیکن جب رات کی حکومت کو فروغ حاصل ہوا۔تو میں دوسرے گاؤں میں جا پہنچا۔اُس کے بعد میں نے شاکت لوگوں پر کبھی اعتبار نہیں کیا ٭

اُس وقت مہاراج نے یہ بھی کہا۔کہ ایک مرتبہ گورنر جنرل صاحب سے بھی مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ مجھ سے ملاقات پر اُنہوں نے بہت خوشی ظاہر کی۔ اور میرے خیالات کو بڑے احترام سے سُنا۔میری تکلیفوں کا حال سُن کر اُن کو حیرت اور افسوس ہوا۔میرے چلتے وقت بولے۔اگر آپ چاہیں۔تو آپ کی محافظت

کے لئے کچھ سپاہی آپ کے ساتھ متعین کر دئے جائیں۔ اور سفر کے لئے اوّل درجہ کا پاس دلا دیا جائے۔ میں نے اُن کی ہمدردی کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ میں آپ کی اس امداد کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس سے لوگ مجھے سرکاری ملازم اور عیسائیت کا پرچارک سمجھنے لگینگے۔ اس پر اُنہوں نے کہا۔ کیا آپ سرکاری ملازمت کو بُرا سمجھتے ہیں۔ میں نے جواب دیا۔ میں سنیاسی ہوں۔ اور سچی سرکار پرماتما کی ملازمت میں منسلک ہو چکا ہوں۔ اس لئے مجھے اُسی پر بھروسہ ہے اور میں کسی انسان کی نوکری کرنا اچھا نہیں سمجھتا۔ مجھ سے پھر پوچھا گیا۔ کیا آپ موجودہ گورنمنٹ کو سچی سرکار نہیں تسلیم کرتے؟ میں نے جواب دیا۔ سچی سے میرا مطلب اُس حکومت سے ہے۔ جو کبھی تبدیل نہ ہو۔ ایسی حکومت محض پرماتما کی حکومت ہے۔ جو امر اور اٹل ہے۔ انسانی قواعد و انصاف تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ گورنر صاحب ان باتوں سے بے حد خوش ہوئے۔

چاند پور سے سوامی جی عزّت و احترام سے وداع ہو کر سہارنپور پہنچے۔ اور رام باغ میں مقیم ہوئے۔ وہیں آپ کے دلکش لیکچر ہونے لگے۔

چوتھا باب

۲۱ مارچ ۱۸۷۷ء کو سہارنپور سے چل کر مہاراج لدھیانہ پہنچے۔ پانچ ندیوں کی متبرک سرزمین ہیں۔ رشی منیوں کی قدیم جگہ ہیں۔ اور بیر سورما سپاہیوں کے قلعہ ہیں داخل ہونے کا مہاراج کو یہ پہلا موقع تھا۔ اس جگہ آپ شہر سے پون کوس کے فاصلے پر لالہ بنسی دھر کے باغ ہیں ٹھیرے۔ اس وقت آپ کے ساتھ دس بارہ برہمچاری تھے۔ اور آپ پنڈتوں کو وید بھاشیہ لکھوایا کرتے تھے ؞

بساکھ بدی ۲ سمبت ۱۹۳۴ کو مہاراج کا پہلا اپدیش شری جٹ مل خزانچی کے مکان ہیں ہوا۔ اُپدیش کے شروع ہی ہیں مہاراج نے اعلان کر دیا۔ کہ اس جگہ سات لیکچر ہوں گے۔ درمیان ہیں کوئی سوال و جواب نہ کرے۔ آٹھواں دن سوالوں کے لئے وقف ہوگا۔ اُس دن جو چاہے سوال کرلے ؞

ان لیکچروں ہیں ہزاروں لوگ آئے اور اثر لے کر گئے۔ ایک دن پادری وہری صاحب اپنے دوستوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کی خدمت ہیں آئے۔ اور کہنے

لگے۔ شری کرشن کے جو افعال بیان کئے جاتے ہیں۔ اُن کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اُنہیں مہاتما ماننے میں عقل ہچکچاتی ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ شری کرشن پر جو الزام لگائے گئے ہیں۔ وہ غلط اور بے بنیاد ہیں۔ لیکن عقل کے ہچکچانے سے متعلق کیا کہا جائے۔ عقل اگر یہ مان لیتی ہے کہ خدا کی روح کبوتر کی صورت میں ایک انسان پر اُتری۔ تو اُسے شری کرشن کی لیلا ماننے میں کیا اعتراض ہے ؟

ایک پادری صاحب نے "تناسخ پر سوال کئے۔ اُن کا جواب دیتے وقت سوامی جی نے اُن سے پوچھا۔ کہ کھانا۔ پینا۔ دیکھنا وغیرہ افعال جسم والے لوگوں کے ہوتے ہیں یا بغیر جسم والے لوگوں کے۔ پادری صاحب نے جواب دیا۔ جسم والے لوگوں کے۔ پھر سوال کیا۔ ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے جسم کو اختیار کر لینا بھی "تناسخ ہے نا۔ پادری صاحب نے جواب دیا۔ ہاں۔ سوامی جی نے کہا۔ آپ نے مان لیا ہے۔ کہ کھانا پینا وغیرہ کام مجسّم لوگوں کے ہیں۔ آپ نے یہ بھی تسلیم کر لیا ہے۔ کہ ایک جسم کو چھوڑ کر دوسرے جسم میں چلے جانا یہ "تناسخ ہے تو اب آپ کو یہ بھی تسلیم کر لینا چاہئیے۔ کہ انسانی جسم کو چھوڑ کر جو لوگ عیسائیوں کے بہشت میں جا کر کئی قسم کے عیش کر رہے ہیں۔ یہ

اُن کا دوسرا جنم ہے۔ پادری صاحب خاموش رہ گئے ٭

وہاں اُس زمانہ میں رام سرن نامی ایک براہمن عیسائی لڑکیوں کے سکول میں ناگری پڑھاتا تھا۔ اُس کی مالی حالت بہت خراب تھی۔ عیسائیوں کے پاس ملازم پہلے تھا۔ اب چکمہ میں بھی آگیا۔ اور عیسائی ہونے کو تیار ہو گیا۔ حسن اتفاق سے ایک دن وہ اپنے دوستوں کے ساتھ سوامی جی کے لیکچر میں چلا آیا۔ جب لیکچر ختم ہوگیا۔ تو سوامی جی نے عیسائی مذہب کے نقص بتا کر اُسے عیسائی بننے سے بچا لیا ٭

جن بھوتوں کے خلاف لیکچر دیتے ہوئے ایک دن مہاراج نے ایک کھیل دکھایا۔ جس مکان میں آپ رہتے تھے۔ اس کے تین دروازے اور دو دریچے تھے۔ انہوں نے اُن دونو دریچوں میں دو دئیے جلا کر آمنے سامنے رکھ دئیے۔ پھر انہوں نے ایک دیا بجھا دیا۔ اور دوسرے کو بجھانے کا حکم دیا۔ جس وقت دوسرا دیا بجھایا گیا۔ اُسی وقت پہلا خود بخود جل اُٹھا۔ اِسی طرح ایک دئیے کے بجھانے پر دوسرے کے جل اُٹھنے کا تماشہ لوگ بڑی دیر تک دیکھتے رہے۔ لوگ حیران تھے۔ کہ بیس پچیس ہاتھ کے فاصلے پر رکھے ہوئے ان دو چراغوں میں کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ کھیل ختم ہو چکنے پر سوامی جی نے کہا۔ کہ یہ جو کچھ آپ کو دکھایا گیا ہے۔ علم کی بات

ہے اِس میں جن بھوتوں کا کوئی ہاتھ نہیں ÷
لدھیانہ میں شردھا رام پھلوری وغیرہ کچھ پنڈت دور دُور بیٹھے سوامی جی کے خلاف اوٹ پٹانگ بولتے رہتے تھے۔مگر قریب آنے کی جُرات نہ ہوتی تھی ÷
ایک براہمن سوامی جی کے پاس آکر سنسکرت میں بات چیت کرنے لگا۔ مہاراج نے تھوڑی دیر سنسکرت میں بولنے کے بعد کہا۔ اب تو آپ کو یقین ہوگیا ہے۔ کہ میں سنسکرت بول سکتا ہوں۔ اب ہندی میں بولئے تاکہ دوسرے لوگ بھی کچھ سمجھ سکیں ÷
ایک براہمن نے اپنے ساتھیوں سے کہا۔ اِس دُشٹ (نقل کفر کفر نہ باشد) کا مُنہ دیکھنا بھی گناہ ہے۔ اُٹھو چلیں۔ سوامی جی نے کہا۔ میرا منہ دیکھنا گناہ ہے۔ تو میرے پیچھے کھڑے ہو جائیے۔ مگر میری بات ضرور سُنئے ÷
اُس زمانہ میں کارسٹیفن صاحب وہاں جج تھے۔ اُن پر سوامی جی کا رعب تھا۔ اکثر لیکچروں میں آیا کرتے تھے۔ اور پاؤں چھوکر نمسکار کیا کرتے تھے۔ اُن کی منکسر المزاجی سے خوش ہوکر مہاراج لدھیانہ سے روانگی کے وقت شری کنھیا لال جی کے ساتھ اُن کے بنگلہ پر پہنچے۔ جج صاحب نے بڑے احترام سے خیر مقدم کیا۔ اور ایک لفافہ میں بند کر کے کچھ روپے نذر

گئے ۔

اہل لدھیانہ کے دلوں میں دھرم کا بیج بو کر شری مہاراج بساکھ سدی ۶ سمبت ۱۹۳۴ کو وہاں سے چل کر لاہور تشریف لائے ۔ پنڈت من پھول وغیرہ اصحاب نے ریلوے سٹیشن پر خیر مقدم کیا ۔ اور رتن چند ڈاڑھی والے کے باغ میں اُن کے ٹھہرنے کا انتظام کیا ۔ اُس وقت سوامی جی کے پاس اتنی کتابیں تھیں ۔ کہ صرف اُن کے لیئے ایک چوپہیہ گاڑی کی ضرورت پڑی ۔

سوامی جی کی تشریف آوری کی خبر سن کر لوگ ست سنگ کے لیئے اُن کے پاس آنے جانے لگے ۔ اور اُن پر سوامی جی کے اُپدیشوں کا نہایت عمدہ اثر پڑا ۔ مہاراج کا پہلا لیکچر وید کے مضمون پر بساکھ سدی ۱۳ کو باولی صاحب میں بڑے جوش و خروش سے ہوا ۔ لیکچر کا وقت شام کے چھ بجے تھا ۔ مگر جگہ بہت دیر پہلے ہی پُر ہو گئی ۔ ہزاروں آدمی آ چکے تھے اور ہزاروں چلے آ رہے تھے ۔ مہاراج نے نہایت عمدگی سے مضمون کو بیان کیا ۔ اور لوگ اثر لے کر گھروں کو لوٹے ۔

مہاراج نے دوسرا لیکچر باولی صاحب میں بساکھ پورنماسی سمبت ۱۹۳۴ کو دیا ۔ اس میں حاضری پہلے کی نسبت بھی زیادہ تھی ۔ مہاراج کے الفاظ بجلی کی

طرح پنجابیوں کے دلوں میں سرایت کر رہے تھے۔
جوش سے لوگ بھڑک بھڑک اُٹھتے تھے۔ اس لاثانی
مہاپُرش کی سادہ شکل و صورت پر اُس کے مؤثر
اُپدیشوں پر لوگ ایسے فریفتہ ہوئے۔ کہ جگہ بجگہ
اُنہی کے چرچے ہونے لگے۔ اخبارات میں بھی اُن کا
ذکر ہونے لگا۔ کئی اصحاب نے اپنے ٹھاکروں کو اُٹھا
کر راوی میں بہا دیا۔

باولی صاحب کے اُپدیشوں میں مہاراج نے تین
باتیں اپنے متعلق سُنائیں۔ اُن میں سے پہلی بات
یہ تھی کہ ایک مرتبہ میں گنگا کنارے گھوم رہا تھا۔
کہ ایک گھنے جنگل میں جا نکلا۔ وہاں مجھے اپنے سامنے
ایک شیر آتا دکھائی دیا۔ میں سیدھا اُس کی طرف
چلا گیا۔ جب پاس پہنچا تو اُس نے مُنہ دوسری طرف
کیا۔ اور اپنی راہ چلا گیا۔ دوسری بات یہ تھی۔ کہ میں ایک
مرتبہ کٹیا میں آسن لگائے بیٹھا تھا۔ پاس ہی کچھ سادھو
رہتے تھے۔ وہ خدا واسطے کا مجھ سے بیر کرنے لگے تھے۔
جب رات کی تاریکی آسمان کی سیاہی سے بغلگیر ہو رہی
تھی۔ تو وہ سادھو میرا خاتمہ کرنے کی غرض سے میری
کٹیا میں آئے اور مجھے قتل کرنے کی تدبیریں سوچنے
لگے۔ اُن کی باتیں مجھے بھی سُنائی دیتی تھیں۔ تھوڑی
دیر مشورہ کرنے کے بعد اُنہوں نے میرے جھونپڑے

میں آگ لگا دی - جب چھپر جلنے لگے - تو میں اٹھا اور باہر چلا آیا ÷

تیسرا واقعہ یہ ہے - بنارس میں میں لیکچر دے رہا تھا - تو ایک آدمی نے مجھے پان لا کر دیا - جوں ہی میں نے اُسے منہ میں رکھ کر چبایا - مجھے معلوم ہو گیا - کہ اس میں زہر ملا ہے - پس میں نے اُسے قے کر دیا ÷

سوامی جی کو لاہور بلانے میں زیادہ تر ہاتھ برہمو سماجیوں کا تھا - اُن کے رہنے کا انتظام بھی وہی کرتے تھے - مگر سوامی جی اپنے اصول کے ایسے پکے تھے - کہ لیکچر کے وقت اپنے مددگاروں کا بھی لحاظ نہ کرتے تھے - جو جس کا مستحق ہوتا تھا - اُسے برابر سُنا دیتے تھے ÷

آپ کے دو لیکچر برہمو سماجیوں نے اپنے مندر میں کرائے - جن میں سے پہلے لیکچر میں آپ نے یہ ثابت کیا کہ وید ایشور کا گیان ہے اور دوسرے میں تناسخ کا مسئلہ ثابت کیا - یہ دونو لیکچر برہمو سماجیوں کے اصول کے خلاف تھے - اس لئے اُن کو ایسے بُرے لگے - کہ وہ سوامی جی کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے ÷

سوامی جی نے اپنے لیکچروں میں پرانوں کی بے بنیاد باتوں پر سخت تنقید کی - نتیجہ یہ ہوا - کہ اُن سے ہلچل مچ گئی - یہاں تک کہ کچھ پنڈت شری رتن چند ڈاڑھی والے کے پاس جا کر بھڑکانے لگے - کہ آپ نے

باغ میں کس ناستک کو اُتار رکھا ہے جو دیوی دیوتاؤں کا کھنڈن کرتا ہے۔کیا معلوم عیسائی ہے ** کچھ اور۔ خوف رسوائی سے مجبور ہو کر رتن چند جی نے سوامی جی کو باغ چھوڑ دینے کے لئے کہا۔ سوامی جی کے بھگت اُنہیں ڈاکٹر رحیم خاں کی کوٹھی میں لے گئے۔ یہ کوٹھی بھگت چھجو کے چوبارے کے قریب واقع تھی +

پنڈت من پھول جی سوامی جی کے عقیدتمندوں میں سے خاص آدمی تھے۔برہمو سماجیوں نے غصہ ہوکر مہاراج کو خرچ دینا بند کر دیا تھا۔اس لئے یقیناً سوامی جی کے اخراجات کے متحمل من پھول ہی ہوتے ہونگے۔ ایک دن اُنھوں نے سوامی جی سے عرض کی۔ شہر کے تمام لوگ مورتی پوجا کے کھنڈن سے ناخوش ہیں آپ اب اس کا کھنڈن نہ کیا کریں۔ ایسا کرنے سے مہاراجہ جموں و کشمیر بھی آپ پر خوش ہو جائینگے۔ مہاراج نے اُس وقت جواب دیا۔ میں مہاراجہ جموں وکشمیر کو خوش کروں۔یا وید کے احکام پر عمل پیرا ہوں۔ خواہ کچھ ہی ہو۔مگر میں وید گیان کے خلاف نہ کرونگا۔ یہ سُن کر من پھول جی خفا ہو گئے۔ اور اُنھوں نے سوامی جی کے پاس آنا چھوڑ دیا +

ڈاکٹر رحیم خاں کی کوٹھی میں سوامی جی ایک دن لیکچر دیتے تھے۔اور دوسرے دن سوالات کا جواب

دیتے تھے۔ اُن کے لیکچروں میں ہزاروں آریہ۔ مسلمان اور عیسائی آتے تھے۔ اُپدیش سُنتے تھے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔ ایک دن پادری ہوپر صاحب آئے۔ اور بولے۔ ویدوں میں جو اشومیدھ اور گومیدھ یگیہ کا بیان آتا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کیا جواب دینگے۔ سوامی جی نے ارشاد فرمایا۔ وید میں جانور کی بلی دینے کا کوئی ذکر نہیں۔ اشومیدھ کے معنی انصاف کی حکومت ہے۔ اور گومیدھ کے معنی اناج جمع کرنا۔ حواس کو پاکیزہ بنانا۔ زمین کو صاف رکھنا۔ اور مرے ہوئے کو جلانا ہے۔ پھر دوسرا سوال پادری صاحب نے ویدک ورن ویوستھا پر کیا۔ اس کے جواب میں کہا۔ وید میں ورن (ذات) خوبیوں اور افعال پر منحصر ہے۔ اس پر پادری صاحب بولے۔ اگر میرے افعال اچھے ہوں۔ تو کیا میں براہمن بن سکتا ہوں؟ جواب دیا۔ یقیناً بن سکتے ہیں۔

ایک دن مہاراج بھائی دت سنگھ کو ویدانت کا ادھوراپن سمجھا رہے تھے۔ اتفاق سے اُس وقت وہاں پنڈت شو نارائن اگنی ہوتری بھی موجود تھے۔ وہ قطع کلام کرنے لگے۔ سوامی جی نے اُن سے کہا۔ آپ خواہ مخواہ درمیان میں کیوں بولتے ہیں۔ کیا آپ کو معلوم ہے۔ کہ بھائی جی کا کیا سوال ہے اور میں نے اُس کا

کیا جواب دیا ہے۔ اگنی ہوتری صاحب نہ سوال بتا سکے۔ نہ جواب۔ تب سوامی جی نے اُن سے کہا۔ جس بات کا علم نہ ہو۔ اُس میں دخل نہ دینا چاہیئے۔ اس بات سے پنڈت صاحب خفا ہو گئے ؀

ایک دن پنڈت شو نارائن نے پوچھا۔ آپ وید میں قصہ کہانی نہیں مانتے۔ مگر سام وید میں اُلو کی کہانی موجود ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ نہیں ہے۔ مگر پنڈت صاحب بار بار کہتے تھے۔ کہ ضرور ہے ضرور ہے۔ تب سوامی جی نے سام وید اُٹھا کر پنڈت صاحب کے حوالے کر دیا اور کہا جھگڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ کہانی نکال کر دکھا دو۔ پنڈت صاحب اُلٹ پلٹ کرتے رہے۔ مگر کہانی نہ دکھا سکے۔ سوامی جی چپ رہے۔ مگر اُنہیں لوگوں نے بہت شرمندہ کیا ؀

سوامی جی کے پرچار سے بہت سے لوگ اُن کے ہم خیال بن گئے۔ اور آریہ سماج کی قائمی کی تدبیریں ہونے لگیں۔ اُس وقت یہ ضروری سمجھا گیا کہ سماج کی قائمی سے پیشتر آریہ سماج کے اصولوں میں ترمیم و تنسیخ کی جائے۔ اس لئے مہاراج نے آریہ سماج کے یہ دس اصول قرار دئے :۔

۱۔ سب ست ودّیا اور جو پدارتھ ودیا سے جانے جاتے ہیں۔ اُن سب کا آدی مول پرمیشور ہے ؀

۲- ایشور سچدانند سوروپ - نراکار - سرب شکتیمان - نیائے کاری - دیالو - اجنما - اننت - نروکار - انادی - انوپم - سرو آدھار - سرویشور - سرب ویاپک - سرب انتریامی - اجر - امر - ابھے - نتیہ - پوتر - اور سرشٹی کرتا ہے - اُسی کی اُپاسنا کرنا یوگیہ ہے ٭

۳- وید ستیہ ودیاؤں کا پستک ہے - وید کا پڑھنا پڑھانا - سُننا سُنانا سب آریوں کا پرم دھرم ہے ٭

۴- ستیہ کے گرہن کرنے اور استیہ کے چھوڑنے میں سرودا ادیت رہنا چاہیئے ٭

۵- سب کام دھرم انوسار ارتھات ستیہ استیہ کو وچار کر کے کرنے چاہئیں ٭

۶- سنسار کا اپکار کرنا اس سماج کا مکھیہ اُپدیش ہے - ارتھات شاریک - آتمک اور ساماجک ترقی کرنا ٭

۷- سب سے پریتی پوروک دھرم انوسار یتھا یوگیہ برتاؤ کرنا چاہیئے ٭

۸- اودیا کا ناش اور ودیا کی بردھی کرنی چاہیئے ٭

۹- ہر ایک آدمی کو اپنی ہی ترقی پر مطمئن نہ رہنا چاہیئے - بلکہ سب کی ترقی میں اپنی ترقی سمجھنی چاہیئے ٭

۱۰- سب آدمیوں کو ساماجک سرب ہتکاری نیم پالنے

میں پرتنتر اور پرنیک ہتکاری نیم پالن کرنے میں سوتنتر رہنا چاہیے ٭

جب سوامی جی یہ اصول وضع کر رہے تھے اُس وقت برمھ سماجیوں نے کہا۔ کہ اگر آپ تیسرا اصول اُڑا دیں۔ تو ہم بھی آپ کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ مگر سوامی جی نے اس بات کو منظور نہ کیا ٭

رائے بہادر لالہ مولراج سوامی جی کے بھگتوں میں سے تھے۔ اصولوں میں ترمیم کرنے کے وقت وہ وہاں موجود تھے۔ اُن سے سوامی جی رائے بھی لیتے جاتے تھے۔ اُنھوں نے عرض کیا۔ آپ نے جو تیسرا اصول رکھا ہے۔ اِس میں سے اگر سنبد شبد نکال کر "وید ودیاؤں کا پستک ہے" رکھا جائے۔ تو وہ عالمگیر ہو جائیگا۔ پھر اس کے تسلیم کرنے میں کسی کو بھی عار نہ ہوگا۔ مہرشی آچاریہ تھے۔ وہ لوگوں کی رائے کے پیچھے نہ چلتے تھے۔ بلکہ اُسے اپنے پیچھے چلاتے تھے۔ چنانچہ اُنھوں نے یہ تبدیلی کرنا منظور نہ کیا۔ اس طرح جب نئے اصول وضع ہو چکے تو آریہ سماج لاہور قائم کیا گیا۔ اُس وقت لالہ مولراج جی پریزیڈنٹ اور لالہ سائیں داس جی سکرٹری مقرر ہوئے۔ اس سماج کا پہلا جلسہ ڈاکٹر رحیم خاں کی کوٹھی میں سوامی جی کے پاس ہوا۔ اس پر سوامی جی

نے اشیرباد دیا۔ کہ اب یہ سماج ضرور پھولے پھلیگا۔ دوسرا جلسہ سنتیہ سبھا کی جگہ پر ہوا۔ جس میں سوامی جی نے ایک نہایت عمدہ لیکچر دیا +

لاہور میں سوامی جی نے آریہ سماج کے اصول بنا کر آریہ سماج کی بنیاد چٹان پر رکھ دی۔ آریہ سماج کے عقائد کو زیادہ واضح کر دیا۔ اور اس کے مقاصد کو ایک نہ ٹوٹنے والی دیوار پر منقش کر دیا۔ بمبئی کے اصولوں کی لڑی نہ صرف لمبی تھی۔ بلکہ ادھوری بھی تھی +

بمبئی کے اصول پارکھ مہاشہ نے وضع کئے تھے۔ وہ سوامی جی کے وضع کردہ نہ تھے۔ سدھانت کے نکتہ نگاہ سے وہ انارش تھے۔ یہ اُن میں پہلا نقص تھا۔ دوسرے اُن میں ویدوں کو پرماتما کا گیان کہیں بھی نہ کہا گیا تھا۔ تیسرے اُن میں کوئی بھی اصول ایشور کو دنیا کا مصنف نہیں بناتا۔ چوتھے اُن میں ایک اصول ایسا رکھا گیا ہے۔ جس کی بنا پر نیک ممبران کی رائے سے کوئی بھی اصول تبدیل کیا جا سکتا ہے۔ خواہ وہ اصول ایشور کی پوجا اور ویدوں سے متعلق ہی کیوں نہ ہو +

بمبئی کے اصولوں کی رو سے اگرچہ مستورات کو ممبر بننے کا حق حاصل ہے۔ مگر پریزیڈنٹ اور سکرٹری کے عہدہ کے ساتھ مرد کا لفظ لگا کر مذہبی مساوات کے

معراج کو تنگ کر دیا گیا ہے۔ لاہور کے اصولوں میں
سدھانت کا خیال مدِنظر رہا۔ اب وہ صاف اور اعتراضات
سے بالا بن گئے۔ اُن کی تبدیلی کا کسی کو بھی حق نہیں
رہا۔ وہ عورت مرد دونو کے لئے یکساں ہیں۔ اور اُن کے
رو سے ہر ایک سماج کو کامل آزادی حاصل ہے۔
اس جگہ سوامی جی نے اُپ نیموں کو الگ کر دیا۔ اور
اُن کو سوامی جی کے بھگتوں ہی نے کارتک سدی سمبت
۱۹۳۴ کو وضع کیا اور منظور کیا۔ مہاراج نے صرف
رائے دی +

ایک دن سوامی جی نے کہا۔ ویدک دھرم پرچار کا
کام بہت بڑا ہے۔ ہم جانتے ہیں وہ ہم سے اس
جنم میں مکمل نہ ہو سکیگا۔ مگر خواہ دوسرا جنم لینا پڑے
ہم اس کام کو ختم ضرور کرینگے +

ایک دن مہاراج آریہ سماج کے ہفتہ وار جلسہ میں
اُس وقت پہنچے۔ جب پرارتھنا اور اُپاسنا ہو رہی تھی۔
گورو دیو کو آتے دیکھ کر سارے ممبران نے اُن کا جذبہ
احترام سے خیر مقدم کیا۔ جب پرارتھنا ختم ہو چکی۔ تو
مہاراج نے اُپدیش کیا۔ کہ اُپاسنا کے وقت اُپاسک ایشور
کے ست سنگ میں ہوتے ہیں۔ اُس پربھو کے برابر بڑی
شے کوئی بھی نہیں ہے۔ اس لئے اُپاسنا کے وقت خواہ
کوئی کتنا بھی بڑا آدمی کیوں نہ آئے کبھی نہ اُٹھنا چاہیئے

ایسے وقت میں کسی شخص کی تعظیم کرنا پرماتما کی توہین ہے۔ اس بات کو ممبران نے سر جھکا کر تسلیم کیا ؀

اگرچہ آریہ سماج میں ترمیم و تنسیخ اور ردّ و بدل کے تمام تر اختیارات سوامی جی ہی کے ہاتھ میں تھے۔ تاہم آپ اس قدر منکسر المزاج اور ایسے قانع تھے۔ کہ اس باب میں اُن کا ثانی ملنا دشوار ہے۔ آریہ سماج لاہور کے ہفتہ وار اجلاس میں مہاشہ شاردا پرساد نے تحریک پیش کی۔ کہ آریہ سماج کے بانی کو عہدہ دیا جائے۔ تمام ممبران نے اِس تحریک کی بخوشی تمام تائید کی۔ مگر سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ میں نے کوئی نیا پنتھ چلا کر گوروگدی کا مٹھ نہیں بنایا ہے۔ میں تو لوگوں کو مت متانتر کے مٹھوں سے آزاد کرنا چاہتا ہوں۔ ایسے عہدوں سے آخر میں نقصان ہی ہوا کرتے ہیں ؀

شاردا پرساد نے دوسرا ریزولیوشن یہ پیش کیا۔ کہ سوامی جی کو اس سماج کا پرم سہائک (بہت بڑا مددگار) بنایا جائے۔ اِس پر سوامی جی نے کہا۔ اگر مجھے پرم سہائک بناؤ گے۔ تو پرم پتا پرمیشور کو کیا کہو گے؟ پرم سہائک تو وہی جگدیش ہیں۔ اگر میرا نام لکھنا ہی چاہتے ہیں۔ تو سہائکوں میں لکھ لیں ؀

سوامی جی کے اُپدیش سُن کر لوگوں کے دلوں میں سنسکرت پڑھنے کا شوق پیدا ہو گیا تھا۔ قریباً تمام ممبران

سنسکرت پڑھنے لگے تھے۔ کئی آدمی سوامی جی سے پڑھا کرتے تھے۔ اُن میں سے ایک مظفر گڑھ نواسی مہاشہ گنپت رائے بھی تھے جو اُن دنوں لاہور میں وکالت پڑھتے تھے۔ ایک دن سوامی جی نے اُن سے پوچھا۔ آپ شادی شدہ ہیں۔ یا کنوارے۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ ابھی تک تو کنوارا ہوں۔ مگر سگائی کبھی کی ہو چکی ہے۔ سوامی جی نے اُن سے کہا۔ گنپت! تم بیاہ نہ کرو۔ تمہاری شاخ زندگی تیس سال سے پیشتر ہی ٹوٹ جائیگی۔ مہاشہ گنپت رائے کو اپنے گورو کے گیان پر کامل یقین تھا۔ لہذا اُنہوں نے عزم مصمم کر لیا۔ کہ "میں بیاہ نہ کرونگا"۔

کچھ دنوں کے بعد اُن کے لواحقین نے اُنہیں بیاہ کے لئے مجبور کیا۔ اور کہا کہ سادھوؤں کی باتیں ہمیشہ سچ نہیں ہوتیں۔ وہم میں پڑ کر بیاہ سے انکار کرنا تمہاری غلطی ہے۔ گنپت رائے نے بہتیرا انکار کیا۔ مگر آخر اُنہیں مجبوراً اپنے گھر والوں کے روبرو جھکنا پڑا۔ مگر اُنہیں سوامی جی کے الفاظ پر شبہ نہ تھا۔ وکالت پڑھنا ختم کر کے اُنہوں نے ضلع ملتان میں کام شروع کیا۔ وہاں وہ معاً ایک دن بیمار ہوئے۔ اور یہ بیماری ایسی بڑھی۔ کہ پیام مرگ بن گئی۔ آخر اٹھائیس سال کی عمر میں موت کی تیاریاں ہونے لگیں۔ اُس وقت اُنہوں نے اپنے رشتہ داروں سے کہا۔ گورو جی نے جو کچھ

کہا تھا۔ وہ اب پورا ہونے کو ہے۔ یہ کہہ کر اُن کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو گئیں ÷

ایک دن مہاراج کے پاس آ کر ایک آدمی نے کہا۔ سوامی جی! آپ کہتے تھے۔ کہ دھیان میں تمہیں روشنی نظر آئیگی۔ مگر مجھے تو اندھیرا ہی اندھیرا دکھائی دیتا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ دلی لگن سے مشق جاری رکھوگے۔ تو اسی اندھیرے میں روشنی کا ظہور ہو جائیگا۔ ایک دن اثنائے گفتگو میں سوامی جی نے کہا۔ یوگ شاستر کا تمام تر بیان درست ہے۔ مگر اُس کے بتانے کے لئے یہ وقت موزوں نہیں ÷

ڈاکٹر رحیم خاں کی کوٹھی میں ایک دن بہت سے پنڈتوں نے سوامی جی سے کہا۔ آپ ویدوں کا پرچار کرتے ہیں۔ یہ بڑی اچھی بات ہے۔ لیکن اگر پُرانوں کو بھی ساتھ ملائے رکھیں۔ تو سونے سے خوشبو آنے لگے۔ جواب میں ارشاد فرمایا۔ میں کئی سال تک سوچتا رہا ہوں۔ کہ کسی طرح پُران ویدوں کے ساتھ چل سکیں۔ مگر جب دیکھا۔ کہ یہ قطعی ناممکن ہے۔ تو یہ خیال چھوڑ دیا ÷

ایک پنڈت نے سوامی جی سے کہا۔ کہ آپ جو مکتی سے واپسی مانتے ہیں۔ یہ خیال زیادہ قدیم زمانے کا معلوم نہیں ہوتا۔ جواب دیا۔ صرف آپ کا خیال ہے۔ میں نے اس مضمون پر کئی مہینوں تک غور کیا ہے۔ اور آخر

اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ کہ محدود فعل کا نتیجہ غیر محدود پھل کی صورت میں نہیں مل سکتا۔ اس لیئے مکتی سے واپسی ماننا ہی درست ہے ؂

پانچواں باب

مہرشی نے صوبۂ پنجاب کے مرکز لاہور کو اپنے عالمانہ لیکچروں سے مسحور کر لیا۔ وید شاستروں کی خوبیوں کا دیوانہ بنا دیا۔ اور اپنی محبت کے پاکیزہ رشتہ میں منسلک کر کے اُسے میدان عمل میں اُتار لیا۔ پنجابیوں کی بے غرض محبت سے۔ سیدھے سادے مزاج سے۔ عقیدت سے اور نہ ہی جوش سے مہاراج بہت ہی خوش ہوئے اہل لاہور میں ویدک دھرم کا سچا جوش پیدا کر کے سوامی جی ۵۔ جولائی ۱۸۷۷ء کو امرت سر تشریف لے گئے۔ اور زیر انتظام سردار دیال سنگھ صاحب مجیٹھیہ رام باغ میں میاں محمد خاں کی کوٹھی میں ٹھیرے۔ ان کی آمد سے امرت سر کے لوگوں میں دھرم کا جوش امڈ آیا۔ جوق در جوق خدمت اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ مہاراج نے یہ دیکھا۔ تو شام کے وقت لیکچر دینا شروع

کر دیا۔ لوگ روزانہ آکر سُننے لگے۔ اس جگہ سوامی جی نے مورتی پوجا۔ اوتار اور شرادھ کا کھنڈن کیا۔ پنڈتوں میں کھلبلی مچ گئی ٭

لوگ اپنے پروہتوں اور پنڈتوں کو سوامی جی سے مباحثہ کرنے پر تیار کرنے لگے۔ پنڈت بھی اپنی سبھائیں لگاتے اور کہتے۔ دیانند عیسائی ہے۔ ناستک ہے۔ مگر مباحثہ کرنے کا کسی میں حوصلہ نہ تھا۔ اُس زمانہ میں شری رام دت جی امرتسر کے زبردست پنڈت شمار ہوتے تھے۔ پنڈتوں نے جا کر اُن سے درخواست کی۔ کہ دیانند تو پورانک دھرم کی جڑ اُکھاڑ دینا چاہتا ہے۔ ہمارا دھرم بھنور میں ہے۔ آپ چل کر اُسے شکست دیجئے۔ ورنہ ہماری لاج نہ رہیگی ٭

پنڈت رام دت نے اُنہیں بہت سمجھایا۔ کہا۔ کہ سوامی جی وید شاستر کے پنڈت ہیں۔ اُن سے میں مباحثہ نہیں کرسکتا۔ مگر پنڈت لوگ اُن کی ایک نہ سُنتے تھے۔ مجبوراً رام دت جی ہردوار بھاگ گئے ٭

ایک دن ایک پاٹھشالا کے پنڈت نے اپنے چھوٹے چھوٹے طالب علموں سے کہا۔ آج ہم سب ایک کتھا میں چلینگے۔ تم اپنی اپنی جھولی میں روڑے بھر لو۔ جس وقت میں اشارہ کروں۔ تم لوگ کتھا کرنے والے پر روڑے پھینکنے لگ جانا۔ تم سب کو لڈو ملینگے۔ نادان بچے لالچ

میں آ گئے اور روڑوں سے جھولیاں بھر کر جلسہ گاہ میں پہنچ گئے۔ لیکچر رات کے آٹھ بجے ختم ہوتا تھا۔ اندھیرا شروع ہوتے ہی پنڈت صاحب نے اشارہ کر دیا۔ اور نادان بچے روڑے برسانے لگے۔ لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ مگر سوامی جی نے سب کو مطمئن کر دیا۔ اُدھر پولیس کے آدمیوں نے اُن میں سے کچھ ایک بچوں کو گرفتار کر لیا اور جب لیکچر ختم ہو چکا۔ تو سوامی جی کے پاس لائے۔ اُس وقت وہ سہمے ہوئے تھے اور زار زار روتے تھے۔ سوامی جی نے اُنہیں حوصلہ دیا۔ اور پیار سے اینٹیں روڑے برسانے کی وجہ پوچھی۔ اُنہوں نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔ ہم کو پنڈت جی نے کہا تھا۔ کہ روڑے مارنا لڈو ملینگے۔

سوامی جی کا دل بھر آیا۔ اُنہوں نے اُسی وقت لڈو منگوا کر اُن میں تقسیم کر دئے اور کہا۔ تمہارا پنڈت تو ممکن ہے۔ تمہیں لڈو نہ دے۔ اس لئے میں ہی دئے دیتا ہوں۔ پھر پولیس سے کہہ کر اُنہیں رہا کروا دیا۔

سوامی جی کے لیکچروں میں شہر کے تمام نر معزز لوگ آتے تھے۔ اور سوامی جی کے لیکچر سنتے تھے۔ سوامی جی اپنے سنگھاسن کے سامنے ایک کرسی بچھوا دیا کرتے تھے کہ اگر لیکچر کے بعد کسی کو اعتراض کرنا ہو تو آ کر اُس پر بیٹھ جائے۔ ایک دن ایک پنڈت اُس

کرسی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ آپ نے ہمیں نیچے کی جگہ دی ہے۔ میں آپ ہی کے برابر کی کرسی پر بیٹھونگا۔ مہاراج نے ہنس کر فرمایا۔"میں تو لیکچر کے سبب بلند جگہ پر بیٹھتا ہوں۔ تاہم اگر آپ اس کرسی پر بیٹھنا اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ تو کرسی کو میز کے اوپر رکھ لیجئے۔ مجھے بڑی حیرت ہے کہ آپ قابل ہو کر بھی ایسی حقیر باتوں کا خیال کرتے ہیں۔ کیا کسی چکرورتی راجہ کے مکٹ پر بیٹھ کر مچھر یا مکھی بڑے کہلا سکتے ہیں"۔

ایک دن ایک پنڈت نے کہا۔ ہم آپ کے جلسہ میں آ کر کیا کریں۔ آپ تو کہتے ہیں کہ براہمن ایک شلوک (شعر) بھی نہیں جانتے۔ ان کو گئو کا دان (گائے کی خیرات) لینے کا حق حاصل نہیں۔ آپ ہی بتائیں کہ اگر ہم لوگ گئو کا دان نہ لیں۔ تو کھائیں کیا راکھ؟

سوامی جی نے جواب دیا۔ گائے لینے کا حق پنڈتوں کا ہے۔ اگر تم پنڈت نہیں ہو تو مت لو۔ اور راکھ کیوں کھاؤ۔ گھاس کھایا کرو۔

صاحب کمشنر کی درخواست پر ایک دن سوامی جی ان کے بنگلہ پر تشریف لے گئے۔ اثنائے گفتگو میں صاحب کمشنر بہادر نے پوچھا۔ سوامی جی! یہ تو بتائیے۔ ہندو دھرم کو سوت کے تاگے کی طرح کچا

کیوں کہا جاتا ہے ؟ جواب دیا۔ یہ کچا نہیں لوہے سے
بھی مضبوط ہے۔ لوہا ٹوٹ جاتا ہے۔ مگر یہ کبھی نہیں
ٹوٹتا۔ صاحب کمشنر بہادر نے پوچھا۔ یہ ایسا مضبوط
کیوں ہے ؟ ارشاد فرمایا۔ ہندو دھرم ساگر (سمندر)
کے مانند ہے۔ اس میں بے شمار اچھے اور بُرے
متوں کی ترنگیں ہیں۔ اس دھرم میں ایسے بھی لوگ
ہیں۔ جو بہت قابل ہیں۔ نیک چلن ہیں۔ خادمان قوم
ہیں اور ایک پرمیشور کی مورت کو من کے مندر میں
پوجا کرتے ہیں۔ بخلاف ازیں ایسے لوگ بھی اس دھرم
میں پائے جاتے ہیں۔ جو بڑے ظالم۔ بدچلن۔ اور لفنگے ہیں
ایشور کی ہستی سے منکر ہیں۔ اوتار ماننے والے ہیں۔ اس
میں یوگی گیانی دھیانی اور زندگی بھر برہمچاری (مجرّد)
رہنے والے بھی ہیں اور ایسے بھی ہیں جن کا مقصد
کھانا پینا اور عیش کرنا ہے۔ ہندو دھرم میں جہاں چھوت
چھات کرنے والے لاکھوں ہیں۔ وہاں سب کے ساتھ بیٹھ کر
کھا جانے والے بھی ہزاروں ہیں۔ حقیقت آشنا لوگوں کی
یہاں کمی نہیں۔ اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہیں جو
عقل کے پیچھے ڈنڈا لئے پھرتے ہیں۔ اعلےٰ درمیانے
اور نچلے درجہ کے خیالات اور ان کے پیرو سبھی اس
میں آپ کو ملینگے۔ وہ سب ہندو ہیں۔ کوئی انہیں اس
دھرم سے خارج نہیں کر سکتا۔ اس لئے میں کہتا ہوں

کہ ہندو دھرم کمزور نہیں۔ بڑا مضبوط ہے"۔

اس کے بعد کمشنر صاحب نے پوچھا۔ آپ کس مذہب کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں۔ کہ لوگ وید بھگوان کے احکام کو مانیں۔ ایک ایشور کی پوجا (عبادت) کریں اور بری عادتیں ترک کر کے اچھی عادتیں اختیار کریں۔

امرتسر میں سوامی جی عیسائی مذہب پر بھی مدلل نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ اس مذہب کی ناممکن الوقوع کہانیاں سنا کر لوگوں کو سمجھاتے تھے اور ویدک دھرم کے ساتھ اس کا مقابلہ کر کے اسے غلطیوں سے پر مذہب ثابت کر دیا کرتے تھے۔

مشن سکول کے چالیس طالب علم دل سے عیسائی ہو چکے تھے۔ انہوں نے ایک پرارتھنا سبھا جاری کی ہوئی تھی۔ اس میں ہر اتوار کو جمع ہوتے تھے اور عیسائی مذہب کے طریق پر عبادت کرتے تھے مگر سوامی جی کے لیکچروں نے ان کے خیالات تبدیل کر دئے۔ انہیں عیسائی مذہب کے اصولوں میں نقص دکھائی دینے لگے۔ اور وہ از سر نو اپنے دھرم کی خوبیوں کے مداح بن گئے۔

پادری کلارک صاحب آکر ایک دن بولے۔ آئیے ہم اور آپ دونو مل کر کسی دن ایک ہی میز پر کھانا کھائیں۔ سوامی جی نے پوچھا۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟

جواب دیا۔ محبت بڑھیگی۔ سوامی جی نے کہا۔ شیعہ اور سُنّی مسلمان ایک ہی برتنوں میں کھاتے ہیں۔ روسی اور انگریز، آپ اور کیتھولک ایک ہی میز پر کھاتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود آپس میں کیسی دشمنی ہے، کتنا بغض۔ یہ سُن کر پادری صاحب چپ ہو گئے۔

سردار دیال سنگھ نے ویدوں کے الہامی ہونے پر کچھ سوالات کئے۔ مگر وہ اپنی بات کو بہت طول دیتے تھے۔ اور سوامی جی کے جواب کو غور سے نہ سُنتے تھے۔ آخر سوامی جی نے اُن سے کہا۔ اگر آپ کو کچھ فیصلہ کرانا منظور ہے۔ تو کیشو چندر جی کو بلوا کر کیجئے۔ سردار صاحب نے اس جواب کو اپنی توہین تصور کیا اور خفا ہو کر چلے گئے۔

لالہ بہاری لال ای اے سی نے مہاراج سے کہا۔ اگر آپ مورتی پوجا کے خلاف بولنا بند کر دیں۔ تو تمام ہندو آپ کے معتقد ہو سکتے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ میں دنیا کے لئے قدیم صداقتوں کو ترک نہیں کر سکتا۔

اُس زمانہ میں من سُکھ نامی ایک صاحب امرتسر میں رہتے تھے۔ اُنہیں نہ کسی مذہب کی پروا تھی نہ سادھو سنت کی۔ سوامی جی کے لیکچر سُن کر اُن کے دل میں دھرم کے جذبات پیدا ہوئے۔ ایک دن مصری کا تھال لے کر خدمت عالی میں حاضر ہو گئے۔ اور عاجزی سے

قدموں میں رکھ کر گورو منتر لینے کی خواہش ظاہر کی۔ سوامی جی نے من سُکھ پر نگاہ کرم کی۔ اور اپنے ہاتھ سے گایتری منتر لکھ کر دیا ٭

سوامی جی کے پاس ایک معمولی حیثیت کا آدمی اکثر آیا کرتا تھا اور سوامی جی کے خیالات سے فیض حاصل کرتا تھا۔ ایک دن اُس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ مہاراج! امیر لوگ تو اناج وغیرہ کے دان اور نیکیوں سے بحر دنیا سے پار ہو جائینگے۔ پر میرے جیسے غریب کا نستارا کیسے ہوگا؟ میں تو دان پن کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ مہاراج نے جواب دیا۔ آپ بھی نیک اور دھرماتما بن سکتے ہیں۔ ایک آدمی دوسروں کا بھلا کرنے اور دان دینے سے نیک بن جاتا ہے۔ اور دوسرا لوگوں کی بُرائی نہ کرنے اور گناہ سے بچنے کے باعث نیک بن جاتا ہے۔ اس لئے آپ اپنے دل میں بُرا خیال نہ آنے دیں۔ آپ بڑے دھرماتما بن جائینگے۔ گناہ نہ کرنا بھی دنیا کا بھلا کرنا ہے ٭

ایک دن مہاراج اپنے ایک کمرے میں بیٹھے پنڈتوں کو وید بھاشیہ لکھا رہے تھے۔ کہ یکایک چونک کر کھڑے ہو گئے۔ اور بولے۔ کتابیں اور دیگر اسباب فوراً دوسرے کمرے میں لے چلو۔ ملازموں نے حکم کی تعمیل تو کی۔ لیکن دل میں کہ رہے تھے۔ کہ سوامی جی نے مفت کی تکلیف

دی۔ جب سارا اسباب دوسرے کمرے میں منتقل ہو چکا۔ تو پہلے کمرے کی چھت گر پڑی۔ ملازم لوگ حیران رہ گئے ❖

ایک دن سوامی جی اُپدیش کر رہے تھے۔ کہ ایک طرف سے زبردست آندھی اُٹھی۔ ہوا نے بھی تیز چلنا شروع کیا۔ سبھا میں کھلبلی مچ گئی۔ مہاراج نے میز پر زور سے اپنا ہاتھ مارا۔ اور کہا۔ آپ لوگ بیٹھے رہیئے۔ یہاں آندھی نہیں آئیگی۔ اور اُن کا کہنا سچ نکلا ❖

مہاراج کے اُپدیشوں سے امرتسر میں بھی آریہ سماج قائم ہو گیا۔ کئی اصحاب کو گیان کی آنکھیں نصیب ہوئیں بہبودی عامہ کی راہ ملی۔ اور خدمت قوم کی عقل ان میں بیدار ہوئی ❖

سوامی جی اہل امرت سر کو اپنے اُپدیشوں کا آبحیات پلا کر اہل گورداسپور کی عرض معروض پر وہاں جانے کے لئے تیار ہوئے۔ وہاں آپ کے خاص بھگت ڈاکٹر بہاری لال جی تھے۔ اُنہوں نے اپنے بھائی کو گاڑی دے کر امرت سر روانہ کیا۔ تا کہ سوامی جی کو لے آئے۔ ۱۰ اگست ۱۸۷۷ء کو مہاراج گورداسپور تشریف لے گئے۔ شہر کے معززین چھوٹے بڑے۔ سرکاری عہدیدار اور عوام سب نے پون کوس آگے آکر مہاراج کا خیر مقدم کیا۔ جب سوامی جی پاس پہنچے تو نمستے کے نعروں سے آسمان ہلا دیا۔ اور پھر عاجزانہ انداز سے نمسکار کی۔ مہاراج گاڑی سے اُتر آئے اور

لوگوں کو آشیرباد دینے لگے - اس کے بعد پھر گاڑی میں بیٹھ گئے اور ہجوم کے ہمراہ آہستہ آہستہ چل کر ڈاکٹر صاحب کے مکان پر اُترے - اس وقت کوئی پانچ بجے تھے - مہاراج نے نصف گھنٹہ آرام فرمایا - اور اس کے بعد نہا کر لوگوں کو ایک مؤثر اُپدیش دیا ٭

سوامی جی کے لیکچروں میں سینکڑوں آدمی آتے تھے - سرکاری ملازم بھی شریک ہونے تھے - ڈیرہ پر بھی ست سنگ کی گنگا بہتی رہتی تھی ٭

اُن دنوں گورداسپور میں میاں ہری سنگھ اور میاں شیر سنگھ سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے - یہ دونو صاحب کٹر مورتی پوجک تھے - سوامی جی کے لیکچروں سے وہ بہت خفا ہوئے - اُس زمانہ میں شہر سے باہر ایک مندر میں گنیش گری نامی ایک سادھو رہتے تھے - وہ دونو اُن کے پاس گئے - اور بولے - دیانند جی ہماری مورتیوں کا کھنڈن کرتے ہیں - آپ چل کر اُن سے مباحثہ کریں اور اُن کا منہ بند کردیں - مہاتما گنیش گری نے اُن سے کہا - ہم سادھو ہیں - ہم کو تمہارے جھگڑوں سے کیا کام ؟ بہت ستاؤگے تو ہم یہاں سے کسی اور طرف چل دینگے ٭

یہاں سے مایوس ہو کر اُنھوں نے پنڈت لکشمی دھر اور دولت رام کو دینا نگر سے منگوایا - اور اُنھیں مباحثہ کے لئے تیار کیا - جب وہ سوامی جی کے پاس پہنچے

سوامی جی کے اُپدیشوں سے موثر ہو کر لوگوں نے ۲۴ راگست ۱۸۷۷ء کو آریہ سماج گورداسپور قائم کیا۔ کئی مولوی اور پنڈت سوامی جی کے پاس آ کر سوال پوچھتے تھے۔ اور مطمئن ہو کر لوٹ جاتے تھے +

۲۶ راگست کو گورداسپور سے چل کر مہاراج نے بٹالہ کے رائے بھاگ مل کے باغ میں ایک گھنٹہ آرام فرمایا اور پھر امرت سر تشریف لے گئے۔ بھادوں سُدی ۶ سمبت ۱۹۳۴ کو امرت سر سے چل کر اُسی دن دو بجے جالندھر داخل ہوئے۔ اور سردار بکرم سنگھ کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ یہاں آپ کا پہلا لیکچر کنور سچیت سنگھ کے مکان پر بہ مضمون پیدائش عالم ہوا۔ پر جگہ تنگ تھی۔ اس لئے لوگوں کو اطلاع دے دی گئی۔ کہ دوسرے دن سے لیکچر سردار بکرم سنگھ کے مکان پر ہونگے۔ یہاں مختلف مضامین پر سوامی جی کے چونتیس پینتیس لیکچر ہوئے +

مہاراج اپنے لیکچروں میں حسب موقع لطیفے بھی سنایا کرتے تھے۔ چاپلوسی پر۔ ہاں میں ہاں ملانے پر اور خوشامد پر آپ بینگن کی مثال دیا کرتے تھے۔ کہ ایک راجہ نے بینگن کھانے کی خواہش کی۔ پروہت نے تائید کرتے ہوئے کہا۔ راجن! بینگن بڑی عمدہ شے ہے یہ شیام سُندر شری کرشن کے مانند سانولا ہے۔ اس کے سر پر بھی منوہر مکٹ ہے۔ اور اس کا نام بھی بھوگُن

(بہت خوبیوں والا) ہے۔

پروہت کی تعریف پر راجہ صاحب بڑے خوش ہوئے۔ اور دونو وقت بینگن کی ترکاری بننے لگی۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ اُنہیں گرمی ہو گئی اور بیمار رہنے لگے۔ تب اُنہوں نے پنڈت صاحب سے کہا۔ کہ بینگن تو بہت ہی بُری چیز ہے۔ پروہت صاحب بولے۔ آپ کا فرمانا بجا ہے۔ راجن اس کا رنگ ہی دیکھئے۔ پرماتما نے کیسا بھونڈا۔ گول سا کالا کرڑیلا بنایا ہے۔ سر پر کانٹے ہیں اور سیدھا کیل لگا ہے۔

لوگ آسان مذہب کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ جھوٹ سچ کا خیال نہیں کرتے۔ ہمارے بزرگ ایسا ہی کرتے آئے ہیں۔ اس لئے ہم بھی ایسا ہی کریں۔ اس قسم کی دلیلوں پر سوامی جی دلی کی مٹھائی کی کہانی سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک دفعہ بہت سے گنوار دلی آئے۔ اچھی اچھی مٹھائیاں دیکھ کر اُن کے مُنہ میں پانی آگیا۔ پر کافی پیسے پاس نہ تھے۔ مٹھائی کیسے خرید لیتے۔ ایک مٹھائی والے نے انہیں سستی مٹھائی دینے کا اقرار کیا اور اندر جا کر بکری کی مینگن پر کھانڈ چڑھا دی۔ اور اُنہیں دے کر بولا۔ لو۔ ایسی سستی مٹھائی ساری دلی میں نہ ملے گی۔ گنواروں نے پیسے دے کر جھولیاں بھر لیں اور اُسے ہی تناول کیا۔ اس کے بعد وہ ہمیشہ آتے تھے۔ اور

وہاں سے وہی مٹھائی لے لے جاتے تھے۔ ایک دن اُنہیں
ایک عقلمند نے کہا۔ تمہاری مٹھائی ناقص قسم کی ہے۔
اور اندر سے پھیکی ہے۔ گنوار بولے۔ تم ہمیں یوں ہی
بہکاتے ہو۔ یہ مٹھائی دلی کی ہے اور بڑی سستی ہے۔
پھیکی ہے تو کیا ہوا۔ ہمارے بزرگ اسے ہی کھاتے آئے
اسے چھوڑ کر ہم دوسری مٹھائی کبھی نہ لینگے +

سوامی جی ایک راجہ کی کتھا سُنایا کرتے تھے۔ کہ ایک
ٹھگ راجہ سے ملا اور کہنے لگا۔ میں ایک ایسا لباس تیار
کر سکتا ہوں۔ جو صرف اُسی کو نظر آئیگا۔ جو اپنے ماں باپ
کا بیٹا ہوگا۔ اور جو حرام کا ہوگا۔ اُسے کچھ دکھائی نہ دیگا۔
راجہ نے ایسے لباس کے لئے بیچینی کا اظہار کیا۔ وہ
ٹھگ کچھ دنوں کے بعد آکر کہنے لگا۔ کہ وہ عجیب و غریب
لباس تیار ہے۔ اندر چلئے میں زیب تن کرا دوں۔ راجہ
اُس کے ساتھ اندر گیا۔ ٹھگ نے راجہ کا بیش قیمت
لباس اُتروا لیا اور یوں ہی ہاتھ سے ایسے اشارے
کئے۔ جیسے راجہ کو سچ مچ لباس پہنا رہا ہے۔ پھر
کہا۔ مہاراج! لباس پہنا دیا ہے۔ اب مجھے میرا انعام
دیا جائے۔ راجہ دیکھتا تھا۔ کہ میں ننگا ہوں۔ مگر سمجھتا
تھا۔ کہ یہ میری ماں کا قصور ہے۔ ورنہ مجھے یہ لباس
ضرور دکھائی دیتا۔ دوسرا کوئی شخص بھی اُسے نہ کہتا
تھا۔ کہ تم ننگے ہو۔ وہی حرام کا بن جاتا۔ اسی لباس

میں راجہ صاحب دربار میں پہنچے۔ عقل مند وزیر نے کہا مہاراج آپ کا لباس بدیسی ہے۔ آپ کو سودیشی لنگوٹا لگا لینا چاہیئے ؛

سوامی جی اس مثال سے یہ سمجھایا کرتے تھے۔ کہ جو لوگ اپنی عقل سے کام نہیں لیتے۔ اور دوسروں کے کہنے میں آ جاتے ہیں۔ جو اپنے دھرم کرم کو نہیں سمجھتے۔ اپنے وطن اور قوم کی حالت کو خود نہیں دیکھتے۔ اپنی مذہبی کتب اور تاریخ کو خود نہیں پڑھتے۔ صرف دوسروں کے کہنے پر اعتبار کر لیتے ہیں۔ وہ آخرکار اس بیوقوف راجہ کے مانند دوسروں کی نگاہوں میں مذاق کا مضمون بنتے ہیں؛

مہاراج نے یہاں رنڈی بازی کا بھی کھنڈن کیا۔ نیرتھ مہاتم اور گنگا سنان کو بھی بغیر پھل کے بتایا۔ امرت سر کے دربار صاحب کے بارے میں کہا۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ دیوالی کے دن وہاں شوجی مہاراج نہاتے ہیں۔ ہمارا دل تو وہاں ہاتھ منہ دھونے کو بھی نہیں چاہتا۔ اس پر بکرم سنگھ نے کہا۔ سوامی جی! آج تو ہم پر بھی برکھا ہو گئی۔ جواب دیا۔ لیکچر میں جانبداری نہیں ہو سکتی۔ جو سچ ہے کہنا ہی پڑتا ہے ؛

نجات کے مضمون پر بولتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ روح اور پرماتما کو ایک سمجھنا بڑا بھاری وہم ہے۔ باپ بیٹے کا تعلق اور پرمانند کا حصول ہی نجات

ہے۔ نجات سے روح واپس آتی ہے۔ سری کرشن وغیرہ نجات ہی سے آئے تھے۔ گناہوں کو تیرتھوں کا پانی نہیں دھو سکتا۔ گناہ نیک ارادوں اور نیک کاموں سے زائل ہوتا ہے ؛

اُس وقت لوگوں کو وید کا اتنا گیان تھا۔ کہ مہاشہ رام ناتھ نے سوامی جی سے آ کر کہا۔ کہ مہاراج! جب ہم اپنے پروہتوں سے پوچھتے ہیں۔ کہ اتھرو وید کیا ہے؟ تو وہ جواب دیتے ہیں۔ کہ عورتیں جو گیت بیاہ کے موقع پر گاتی ہیں۔ وہی اتھرو وید ہے۔ مہاراج نے فرمایا۔ غلط کہتے ہیں۔ اتھرو وید نہایت اعلےٰ کتاب ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے مہاشہ رام ناتھ کو اتھرو وید کے درشن کرائے ؛

مولوی احمد حسن نے سوامی جی سے تناسخ اور معجزہ کے مضمون پر مباحثہ کیا۔ اور یہ مباحثہ اخبارات میں شائع ہو گیا ؛

جالندھر میں امرت برکھا کرنے کے بعد شری سوامی جی ۱۸۷۷ء کے اکتوبر میں لاہور تشریف لائے۔ اور نواب رضا علی خاں کے باغ میں ٹھیرے۔ یہاں ایک پادری صاحب مع ایک لڑکی کے سوامی جی سے ملنے آئے۔ دوران گفتگو میں سوامی جی نے کہا۔ دولت کا بڑھ جانا آخر میں تنزل کا باعث ہو جاتا ہے۔ آریوں

کے تنزل کی یہی وجہ ہے۔ زیادہ دولت کے باعث انگریزوں کی طبیعت بھی بدل رہی ہے۔ جب ہم جنگلوں میں رہتے تھے۔ اُس زمانے میں صبح سیر کرنے جاتے تو راہ میں انگریز ملا کرتے تھے۔ مگر اب یہ لوگ بہت دیر تک سوئے رہتے ہیں ؂

جن دنوں سوامی جی امرتسر میں اُپدیش کر رہے تھے۔ اُسی زمانہ میں ایک دن ہفتہ وار اجلاس میں شری شاردا پرساد نے لیکچر دیا اور اُس میں کہہ دیا۔ کہ وید۔ قرآن اور بائیبل سبھی الہامی کتابیں ہیں۔ آریہ لوگوں نے اس خیال کو بُرا سمجھا۔ اور سوامی جی کے واپس آنے پر سوامی جی سے مشورہ طلب کیا۔ سوامی جی نے مہاشہ موصوف سے کہا۔ آریہ سماج کے خلاف بولنے کا نہ آپ کو کوئی حق تھا۔ نہ کسی دیگر آریہ سماج کے ممبر کو۔ نیز سوامی جی نے تمام ممبران سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ آریہ سماج کا پریزیڈنٹ بھی اگر آریہ سماج کے پلیٹ فارم پر سے آریہ سماج کے اصول کے خلاف بولنے لگے۔ تو ہر ایک ممبر کا حق ہے کہ اُسے وہیں روک دے۔ اس بات کا اس قدر اثر ہوا۔ کہ آریہ سماج کی دیواروں کے ساتھ لکھ کر لٹکا دیا گیا۔ کہ یہاں آریہ سماج کے خلاف بولنے کا کسی کو حق حاصل نہیں ؂

ایک دن کا ذکر ہے کہ سوامی جی سے ایک لاٹ پادری ملنے آئے۔ اثنائے گفتگو میں کہنے لگے۔ سوامی جی! ہمیں تو ہرنیہ گربھا منتر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں رشی لوگ ایشور کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ سوامی جی نے رائے مولراج سے اُس منتر کا انگریزی ترجمہ سُنا اور کہا۔ یہ ترجمہ غلط ہے۔ اس کا اصل ترجمہ یہ ہے۔ کہ روشنی کے مرکز۔ دُنیا کے خالق۔ مالک اور سکھ دینے والے پرمیشور کی ہم پوجا کرتے ہیں۔ پھر لاٹ پادری بولے۔ بائیبل کی عظمت دیکھئے۔ اس کی تعلیم ساری دنیا میں پھیل رہی ہے۔

سوامی جی نے جواب دیا۔ یہ بائیبل کی عظمت نہیں آپ لوگوں کی سعی کا نتیجہ ہے۔ آریہ لوگ برہمچریہ۔ تحصیل علم۔ ایک عورت سے بیاہ۔ سیاحت۔ حب وطن وغیرہ خوبیوں سے محروم ہو چکے ہیں۔ اسی لئے ان کی یہ حالت ہے۔ آپ لوگ وید کی اس تعلیم پر عمل کر رہے ہیں۔ ترقی ہو رہی ہے۔ پر اصل حقیقت یہ ہے کہ آریہ قوم کی عظمت ہی سے دوسری اقوام میں تعلیم۔ تہذیب۔ نیک چلنی پھیلی ہے۔

۲۱ر اکتوبر کو سماج کا ہفتہ وار اجلاس تھا۔ اُس میں سوامی جی بھی شامل ہوئے۔ اُدھر اُسی دن مقامی برمھو سماج کا سالانہ جلسہ تھا۔ ہفتہ وار اجلاس ہو چکنے

پر بھگوان دیانند اپنے ڈیڑھ دو سو بھگتوں کو ہمراہ لیکر برمھو سماج کے جلسہ میں تشریف لے گئے۔ برمھو سماجیوں اور عوام پر اس دریا دلی کا گہرا اثر ہوا ✤

چھٹا باب

لاہور میں سوامی جی کے پرچار اور آریہ سماج کی قائمی سے پنجاب بھر میں ہلچل مچ گئی تھی۔ دھرم کے اس نئے نیتا (لیڈر) کی صاف روشنی چاروں طرف منعکس ہو رہی تھی۔ ہر جگہ ایسے آدمیوں کی کافی تعداد پیدا ہو چلی تھی جو سوامی جی کے ہم خیال تھے۔ اور جن کے ہر دل میں اصلاح کی لہریں بلند ہو رہی تھیں۔ اسی طرح کے کچھ نیک دل آدمیوں نے فیروز پور چھاونی میں ہندو سبھا کے نام سے ایک سوسائٹی جاری کر رکھی تھی۔ اس سبھا کے دو ممبر لاہور میں سوامی جی کے لیکچر بھی سُن گئے تھے۔ اُنھوں نے وہاں جاکر اپنے بھائیوں کے آئینۂ دل پر مہاراج کی مقدس زندگی کی ایسی تصویر کھینچی۔ کہ وہ درشنوں کو بیتاب ہو گئے اور سوامی جی کی خدمت میں درخواستوں کا تانتا باندھ

دیا۔ اس سبھا کے پریزیڈنٹ لالہ متھرا داس تھے۔اُن کے دل میں مہاراج کے لئے ایسی گہری، ایسی پرزور اور ایسی اونچے مرتبہ کی عقیدت تھی۔کہ اُنہوں نے سوامی جی کو ٹھیرانے کی خاطر نئی جگہ بنوائی۔ اور سوامی جی کو لانے کے لئے اپنا ایک ممبر لاہور بھیج دیا۔

سوامی جی ۲۶ر اکتوبر کو فیروزپور پہنچے۔اور چونکہ جو جگہ سوامی جی کے لئے بنوائی گئی تھی۔وہ شہر کے اندر تھی۔ اس لئے سوامی جی کو لالہ بنواری لال کی کوٹھی میں ٹھیرایا گیا۔لیکچروں کے لئے لالہ متھرا داس کے مکان کے سامنے پنڈال بنایا گیا اور اُسے پھولوں وغیرہ سے سجایا گیا۔یہاں سوامی جی کے لیکچر ہونے لگے۔

پہلا لیکچر پیدائش عالم پر تھا۔لیکچر کے درمیان ہی میں ایک پنڈت نے کہا۔ہمیں کچھ سوال پوچھنا ہے۔اس لئے ہمیں وقت دیا جائے۔مہاراج نے کہا۔لیکچر کے خاتمہ پر پوچھ لیجئے گا۔اُس نے کہا۔اُس وقت تک میں بھول جاؤنگا۔تب سوامی جی نے کہا۔اگر بھول جانے کا اندیشہ ہے۔تو لکھتے جائیے۔لیکچر کے خاتمہ پر جواب دئے جائینگے۔مگر وہ پنڈت ایسا بے صبر ہوا۔کہ اُسے یہ بھی خیال نہ رہا۔کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔اُس کی زبان سے کچھ کا کچھ نکلنے لگا۔منہ میں کف آگیا اور وہ بکتا جھکتا باہر نکل گیا۔

پنڈت کرپارام نامی ایک صاحب سوال کرنے آئے۔ اور مہاراج کو اونچے آسن پر بیٹھے دیکھ کر کہنے لگے۔ آپ تو اونچے آسن پر بیٹھے ہیں۔ ہم نیچے کھڑے ہو کر مباحثہ نہ کرینگے۔ ہمیں بھی آپ کے برابر کرسی ملنی چاہیئے۔ سوامی جی نے اُن کے لیئے کرسی لانے کا حکم دیا اور اُن سے کہا۔ کرسی کے بغیر بھی آپ بول سکتے تھے۔ اگر میرا اونچا بیٹھنا آپ کی نگاہوں میں کھٹکتا ہے۔ تو میں بھی نیچے آ جاتا ہوں۔ اتنے میں کرسی آ گئی۔ پنڈت کرپارام نے پوچھا۔ خدا محدود ہے یا لا محدود۔ سوامی جی نے کہا۔ میں عربی نہیں جانتا۔ ہندی بولئے۔ کیا آپ کا مطلب ایک دیشی (محدود) اور سرودیشی (لا محدود) سے ہے۔ پنڈت کرپارام کے اثبات میں جواب دینے پر آپ نے کہا۔ پرماتما سرو ویاپک (حاضر ناظر) ہے۔ پنڈت کرپارام نے فوراً جیب سے گھڑی نکال کر میز پر رکھ دی اور کہا۔ اگر حاضر ناظر ہے تو بتایئے۔ اس میں کہاں ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ پرماتما ایتھر کے مانند نہایت لطیف اور ہر جگہ حاضر ناظر ہے۔ وہ ان بیرونی آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا۔ پھر اپنا ڈنڈا اُٹھا کر کہا۔ کہ ایتھر ہر جگہ موجود ہے۔ اس ڈنڈے کے اندر بھی ہے باہر بھی۔ مگر نظر نہیں آتا۔ اسی طرح آپ کی گھڑی میں ایشور ہے۔ مگر اُس کے نہایت

لطیف ہونے کے باعث ہمارے حواس اُسے محسوس نہیں کر سکتے ؞

ایک دن فیروز چھاونی کے بڑے مندر کا پوجاری رگھوناتھ سوامی جی کے پاس آیا۔ سوامی جی نے کہا۔ سوال بعد میں کیجیئے گا۔ پہلے یہ تو فرمائیے۔ کہ پوجاری لفظ کے معنی کیا ہیں؟ رگھوناتھ حیران سا رہ گیا۔ سوامی جی نے کہا۔ پوجاری لفظ کے معنی ہیں۔ پوجا کا اری یعنی دشمن۔ آپ پنڈت ہو کر ایسے نام کیوں رکھ لیتے ہیں؟

رگھوناتھ نے کہا تمام تر شاستر وید ہی کی بنا پر بنائے گئے ہیں۔ اس لئے اُنہیں بھی ویدوں کے مانند تسلیم کرنا چاہیئے ؞

مہاراج نے جواب دیا۔ وید کی بنا پر تو بنے ہیں۔ مگر تھیلی کے روپوں کو جس طرح سمجھدار ہی پرکھ سکتا ہے۔ اُسی طرح اُن کتابوں کی صداقت کا فیصلہ کرنا پنڈتوں کا کام ہے ؞

مہاراج سے کئی پنڈتوں اور مولویوں نے اپنے شکوک رفع کئے۔ سوالات پوچھے۔ اور روحانی روشنی حاصل کی۔ اور اس ہندو سبھا ہی نے آریہ سماج کی صورت اختیار کر لی۔ فیروزپور چھاونی میں آریہ سماج قائم ہو گیا ؞

بھگت سروپ سنگھ بھجن پاٹھ کرنے والے آدمی تھے۔ ست سنگ رس کے بھنورے۔ ایک دن مہاراج سے

بہت دیر تک یوگ چرچا کرتے رہے۔ آپ نے بھگوان سے یوگ کے کئی موتی حاصل کئے۔ اور اپنا جنم سپھل کیا۔ فیروز پور والوں کو دھرم کی زندگی دان کر کے مہاراج ۵ نومبر کو پھر لاہور تشریف لے آئے۔ کارتک سدی ایک سمبت ۱۹۳۴ کو لاہور آریہ سماج کی انترنگ سبھا (مجلس انتظامیہ) کا اجلاس تھا۔ اس میں آریہ سماج کے اُپ نیم کی ترمیم و تنسیخ ہو رہی تھی۔ ممبران اُن پر اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔ حسن اتفاق سے اُس وقت سوامی جی بھی موجود تھے۔ اُن سے کہا گیا۔ آپ بھی اپنی رائے دیجئے۔ مہاراج نے جواب دیا میں تو انترنگ سبھا کا ممبر ہی نہیں۔ رائے کیسے دوں۔ مہاراج کی بیش قیمت رائے لینے کے لئے اُن کو اُسی وقت ممبر منتخب کیا گیا۔

لاہور سے چل کر سوامی جی کارتک سدی ۲ کو راولپنڈی پہنچے۔ وہاں شری گریش چندر نے جامسن جی پارسی کی کوٹھی میں آپ کے رہنے کا انتظام کیا۔ اور اشتہارات تقسیم کرا کے لیکچروں کا اعلان کر دیا۔ سوامی جی بیس دن تک لیکچر دیتے رہے۔ جن میں اوتار اور مورتی پوجا کا بھی کھنڈن کیا۔ پورانک دھرم میں زلزلہ آ گیا۔ پورانکوں سے اور تو کچھ بن نہ پڑا۔ سیٹھ جامسن کو بھڑکانے لگے۔ سوامی جی نے یہ دیکھا۔ تو از خود سردار سجان سنگھ کے باغ کی

بارہ دری میں چلے گئے۔ وہاں بھی لیکچر بدستور سابق ہوتے رہے ٭

خود غرض لوگوں نے عوام میں مشہور کر دیا۔ کہ دیانند در اصل عیسائی ہے۔ دھوکا دینے کے لئے بھگوے کپڑے پہنتا پھرتا ہے۔ یہ لوگوں کا دھرم نشٹ کرنا چاہتا ہے۔ بعض تو یہاں تک کہ دیتے تھے۔ کہ دیانند ناستک (خدا سے منکر) ہے۔ اس کے پاس جانا بھی گناہ ہے۔ پھر بھی پوٹھوہار کے بڑے بڑے شہروں کے سینکڑوں ایسے لوگ تھے۔ جو نہایت گہری عقیدت سے۔ انتہا محبت سے۔ اور دلی لگن سے مہاراج کے اُپدیشوں میں شامل ہوتے تھے۔ اُن شہروں میں مہاراج کا جس گانے والے بھی بیسیوں تھے۔ ایسے ہی اصحاب کی بدولت وہاں سماج قائم ہوا ٭

ایک دن لیکچر کے بعد کئی اصحاب خدمت عالی میں بیٹھے تھے کہ سوامی جی نے کہا۔ آریوں کی حالت بیحد افسوسناک ہے۔ یہ لوگ اپنی حفاظت کرنا تو جانتے ہی نہیں۔ اور باتوں کو جانے دو۔ جب کوئی مسلمان یا عیسائی ان کے مذہب پر حملہ کرتا ہے۔ اور برہما کی کتھا سناتا ہے تو منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔ جواب تک نہیں دے سکتے۔ کہ برہما کی کہانی کسی مستند کتاب میں نہیں۔ لیکن لوط کا قصہ تو بائیبل میں موجود ہے۔ اگر یہ لوگ

دوسروں کی مذہبی کتب کا مطالعہ کریں۔ تو اُن کا منہ بند کر سکیں ۔

دوسرے دن عیسائی باہم مشورہ کر کے سوامی جی کے پاس آئے اور بولے۔ کہ آپ نے حضرت لوط سے متعلق کل جو کچھ کہا ہے سب غلط ہے۔ مہاراج نے بہت کہا کہ سنیاسی جھوٹ نہیں کہتا۔ مگر وہ اپنی ضد پر برابر اڑے رہے۔ آخر سوامی جی نے بائیبل کھول کر وہ قصہ اُن کے سامنے رکھدیا۔ عیسائی صاحبان کے مُنہ بند ہو گئے ۔

یہاں کے پورانک پنڈت اپنے گھروں میں، مندروں میں، دھرم سالاؤں میں اور ججمانوں کے مکانوں میں مباحثہ کے لئے باتیں بہت بناتے تھے۔ مگر اُس زبردست پہلوان کے سامنے جانے سے جی چراتے تھے۔ اُس زمانہ میں وہاں ایک قابل سنیاسی سمپت گری آئے ہوئے تھے۔ پنڈتوں نے اپنی بلا اُن کے سر پر ڈالنا چاہی۔ اور اُن کے پاس جا کر عرض کی۔ کہ دیانند سے مباحثہ کرنے کے لئے آپ ہمارے ہمراہ چلئے۔ گری جی نے منظور کر لیا۔ اور اُن کے ساتھ چلے۔ مگر عین وقت پر کنارہ کش ہو گئے۔ پنڈتوں نے جب دیکھا کہ گری جی تو مکھن کے بال کے مانند باہر ہو گئے ہیں۔ تو گلے پڑا ڈھول اُنہیں خود ہی بجانا پڑا ۔

سارے شہر میں شور مچ گیا۔ کہ آج پنڈت صاحبان

سوامی جی سے مباحثہ کرینگے۔ لوگ جوق در جوق سجان سنگھ جی کے باغ کو جانے لگے۔ اُدھر سوامی جی کو ایک آدمی نے اطلاع دی۔ کہ پنڈت لوگ بڑی دھوم دھام سے مباحثہ کرنے آ رہے ہیں۔ جس شیر نے ایراوت ہاتھی کا غرور توڑا ہو وہ معمولی جانوروں کی گیدڑ بھبکیوں سے کب خوف زدہ ہوتا ہے۔ جس پنڈت نے کاشی بنگال اور دکھن کے زبردست عالموں کا مُنہ بند کر دیا ہو۔ وہ راولپنڈی کے پنڈتوں کی کیا پروا کرتا۔ مہاراج نے جواب دیا۔ انہیں آنے تو دو۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے ؛

پنڈت صاحبان آ کر سوامی جی کے پاس بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ آخر پنڈت برج لال جی نے ایک شلوک پڑھا۔ سوامی جی نے پوچھا۔ یہ شلوک کس کتاب کا ہے اور کس وقت سے متعلق ہے ؟ پنڈت برج لال جواب نہ دے سکے ؛

ہری پور کے پنڈت ہریشچندر نے ایک بالکل غلط شلوک پڑھا۔ سوامی جی نے ڈانٹ کر کہا۔ اگر کوئی کام کی بات کرنا ہے تو کرو۔ نہیں تو بیہودگیوں میں میرا وقت کیوں ضائع کرتے ہو۔ یہ نادان بچّوں کا مدرسہ نہیں۔ کہ جو مُنہ میں آیا بولتے گئے۔ کوئی دھیان نہ دیگا۔ برج لال نے بھی ہریشچندر کی غلطی کو تسلیم کیا۔ اور سب کے سب اُٹھ کر چلے گئے ؛

مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر نے سوامی جی کو لکھا۔ کہ میری ریاست میں تشریف لاکر اسے زینت بخشیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ "مہاراج نے بہت سے مندر بنوائے ہیں۔ اور وہ پکے مورتی پوجک ہیں۔ اگر میں وہاں گیا۔ تو کھنڈن ضرور کرونگا۔ اس سے وہ رنج ہو جائینگے اور مجھ سے فائدہ نہ اُٹھا سکینگے۔ میں سردست وہاں نہیں جانا چاہتا"۔ اُس وقت سوامی جی نے ایک واقعہ بھی سنایا۔ کہ ہم مارواڑ کے ایک راجہ کے ہاں گئے۔ وہ پندرہ سیر وزنی رودراکش کی مالا کا بوجھ اُٹھائے پھرتا تھا۔ صبح کو نہانے کے بعد پانچ سیر کی چھوٹی چھوٹی گولیاں بناتا اور ایک براہمن اُن پر جل (پانی) چڑھاتا جاتا تھا۔ ہم نے اُس سے کہا۔ کہ جب تک ہمارا اپدیش نہ سنوگے۔ ہم تمہاری میزبانی منظور نہ کرینگے۔ چنانچہ ہم نے اُسے تیس دن تک اُپدیش کیا۔ اور تب جاکر اُس کی عقل کی آنکھیں وا ہوئیں۔ اور اُس نے یہ سب پاکھنڈ چھوڑ دیا۔

ایک دن سیر کرتے وقت سوامی جی سے اور سمپت گری سے ملاقات ہوئی۔ نسکار وغیرہ کے بعد سوامی جی نے اُن سے کہا۔ کچھ اُپدیش بھی دیا کرو۔ جب گری جی اپنے ڈیرے پر گئے۔ تو لوگوں نے پوچھا۔ دیانند جی سے کیا بات چیت ہوئی؟ جواب دیا۔ براہمن ذات کے بڑے قابل سنیاسی ہیں۔ ہم دونو ایک ساتھ پڑھتے رہے

ہیں۔ لوگوں نے کہا آپ بھی اُن کے مانند لیکچر دیا کریں۔ اُنہوں نے جواب دیا وہ بے خوف ہو گئے ہیں۔ ہم سے نہیں ہوا جاتا *

ایک دن سردار بکرم سنگھ جی نے عرض کیا۔ سنتے ہیں۔ برہمچریہ سے آدمی مہابلی بن جاتا ہے۔ کیا یہ سچ ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ برہمچریہ اختیار کرنے کی جو عظمت شاستروں نے بیان کی ہے۔ وہ بالکل درست ہے۔ سردار صاحب بولے۔ مہاراج آپ بھی تو برہمچاری ہیں۔ ہمیں آپ میں کوئی خاص طاقت نہیں دکھائی دیتی۔ مہاراج نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ سردار صاحب بہت دیر تک بیٹھے رہے۔ چلتے وقت جب نمسکار کرکے گاڑی پر سوار ہوئے۔ تو مہاراج نے اُن کی گاڑی کو پیچھے سے پکڑ لیا۔ بکرم سنگھ نے گھوڑوں کو بہت چابک لگائے۔ اُنہوں نے بھی اپنی طرف سے بڑا زور مارا۔ مگر گاڑی نہ کھینچ سکے۔ سردار صاحب نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا۔ تو مہاراج نے گاڑی چھوڑ دی۔ اور کہا۔ برہمچریہ کی طاقت کا ثبوت آپ کو مل گیا۔ سردار صاحب اس قدر طاقت پر دنگ رہ گئے۔ بعض اصحاب کا خیال ہے کہ یہ واقعہ راولپنڈی کا نہیں بلکہ جالندھر کا ہے *

راولپنڈی میں دھرم پرچار کرکے سوامی جی گوجرات

جاتے ہوئے راہ میں جہلم ٹھیر گئے۔ اور سیٹھ جام جی کے بنگلہ میں اترے۔ یہاں مہاراج نے پہلا لیکچر ایک سرائے میں دیا اور دوسرا اپنے ڈیرہ پر۔ مگر دونو جگہیں تنگ تھیں۔ اس لئے پادری صاحبان کی درخواست پر سوامی جی نے باقی لیکچر سکول میں دئے ؎

دو چار دن تک تو پادریوں نے بحث مباحثہ کیا۔ مگر ہر مرتبہ شکست کھا کر اُنہیں یہ سلسلہ بند کرنا پڑا۔ جہلم کے مشن سکول کے ہیڈ ماسٹر شوچرن گھوش تھے۔ وہ بنگالی عیسائی تھے۔ اُنہوں نے بھی سوامی جی سے مباحثہ کیا۔ مگر مہاراج نے بائبل کے حوالے دے دیکر اُن پر ایسی مُدلّل تنقید کی۔ کہ گھوش صاحب منہ دیکھتے رہ گئے۔ اُن سے جواب نہ دیا گیا ؎

سوامی جی کے مُوثر اُپدیش اور عالمانہ لکچروں سے جہلم میں آریہ سماج قائم ہوگیا۔ اور ممبران بڑے جوش سے دھرم کا کاج کرنے لگے۔ آریہ سماج کے سب سے پہلے بھجن بنانے والے اور علم موسیقی کے ماہر مہتہ امین چند جی کو سوامی جی کے درشن سے شادکام ہونے کا پہلا موقع جہلم ہی میں میسّر ہوا۔ دل میں عقیدت بیٹھ گئی۔ اور بعد میں تو وہ رنگ چڑھا۔ کہ لوگ دیکھتے تھے اور حیران ہوتے تھے ؎

اُن ایّام میں سوامی جی کے ساتھ بھاشیہ لکھنے کے

لئے تین پنڈت تھے - انگریزی خط و کتابت کے لئے ایک انگریزی داں تھا - اور دیگر کام کے لئے پانچ اور ملازم تھے - سوامی جی مکان پر معمولی لباس میں رہتے تھے - مگر جب لیکچر دینے جاتے تو سر پہ ریشمی صافہ - نیچے زرد رنگ کی ریشمی دھوتی اور اوپر ایک اونی چغہ پہن لیتے تھے - وہ اس لباس میں پُر جاہ و جلال بن جاتے تھے - ایسا معلوم ہوتا تھا - عظمت نے انسانی شکل اختیار کر لی ہے - اُن کی مُنوّر - سنجیدہ - مؤثر اور دیوتاؤں کی سی مقدس شکل و صورت دیکھ کر دل میں اُن کے لئے عقیدت اور محبت اُمڈ پڑتی تھی - مہاراج رات کا بیشتر حصہ دھیان (عبادت) میں گزارا کرتے تھے - اُس زمانہ میں آپ حقّہ پیا کرتے تھے ؎

گجرات میں ڈاکٹر بشن داس جی مشہور ویدانتی تھے - وہ مجلسی اصلاح کے بڑے حامی تھے - سوامی جی کی شہرت نے اُن پر بھی اثر کیا - اور اُنہوں نے خط لکھ کر درخواست کی - کہ لاہور جاتے وقت اہل گجرات کو بھی مستفید کرتے جائیے گا - پس سوامی جی ٹگ بھگ ۱۳ جنوری ۱۸۷۸ء کو جہلم سے گجرات آئے - ایک دن تو دمدمہ میں ٹھیرے - دوسرے دن شہر سے باہر فتح سر میں چلے گئے - سوامی جی کے عقیدت مندوں نے سکول کے ہیڈ ماسٹر بک مین صاحب کی اجازت سے سکول کی

شاخ کی عمارت میں سوامی جی کے لیکچروں کا سلسلہ شروع کرایا۔ یہ لیکچر بڑے ہی زبردست تھے ❖

گجرات میں نند لال اور ہوشناک رائے دو نامی پنڈت تھے۔ ہوشناک رائے جمّوں میں پڑھایا کرتے تھے۔ ایک دن اُنھوں نے کہا۔ مورتی پوجا کی اجازت منوسمرتی میں موجود ہے۔ سوامی جی نے منوسمرتی اُٹھا کر اُن کے آگے پھینک دی اور کہا۔ دکھائیے۔ پنڈت صاحب نے جواب دیا۔ یہ آپ کی منوسمرتی ہے۔ اس میں نہ ہوگی۔ مگر ہماری منوسمرتی میں ہے۔ کل لا کر دکھا دُونگا ❖

دوسرے دن ہوشناک رائے لیکچر میں آئے تو سہی۔ مگر پیچھے ہی بیٹھ گئے۔ لیکچر کے خاتمہ پر مہاراج نے کہا۔ کہ کل والے پنڈت اگر آئے ہوں تو منوسمرتی سے مورتی پوجا کی اجازت دکھا کر اپنا عہد پورا کریں۔ ہوشناک رائے چپ رہے مگر لوگوں نے اُنہیں اصرار کر کے اُٹھا دیا۔ اُس وقت اُن کی بغل میں ایک کتاب بھی تھی۔ پنڈت صاحب نے ایک شلوک بول کر کہا۔ یہ منوسمرتی کا شلوک ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ جھوٹ کیوں بولتے ہو۔ یہ شلوک منوسمرتی کا نہیں بلکہ وشنو پران کا ہے۔ آپ کی بغل میں بھی وشنو پران ہی ہے۔ پنڈت جی شرم سے پانی پانی ہو گئے ❖

پھر ایک دن پنڈت ہوشناک رائے جی نے ترک شاستر

(منطق) پر بات چیت کرنے کی خواہش ظاہر کی۔مہاراج تو ہمیشہ ہی تیار رہتے تھے۔جھٹ منظور کر لیا۔پنڈت نندلال فیصلہ دینے والے مقرر ہوئے۔مباحثہ کے خاتمہ پر پنڈت نندلال نے سوامی جی کے حق میں فیصلہ دیا۔پنڈت ہوشناک رائے مطمئن ہو گئے۔پنڈت نندلال نے بھی سوامی جی سے کچھ سوال پوچھ کر اپنے شکوک رفع کئے اور پھر دونو پنڈت سوامی جی کے ہم خیال بن گئے۔ اُدھر مخالفین بھی نچلے نہ بیٹھتے تھے۔برابر اینٹ پتھر برساتے رہتے تھے۔ایک دن اتنے اینٹ پتھر برسے کہ ساری سبھا منتشر ہو گئی۔مگر سوامی جی اُسی طرح اپنے آسن پر لیکچروں میں ڈٹے رہے۔تب مخالفوں نے جا کر ٹُک نین صاحب سے کہنا شروع کیا۔ کہ آپ ان کے لیکچر سکول میں نہ ہونے دیں۔ایک دن اُنھوں نے سوامی جی سے کہا۔آپ مُردہ کو جلانا بتاتے ہیں۔لیکن وید میں تو دبانا لکھا ہے۔ثبوت میں میکس مولر کا ترجمہ سُنایا۔"اے زمین! تو اپنے بازو کھول دے۔کہ اُن میں مُردہ کو رکھا جائے"۔سوامی جی نے اس ترجمہ کو غلط کہا۔اور پھر اسی منتر سے مردہ کو جلانے کے احکام ثابت کر دئے۔لوگوں نے خوشی کا اظہار کیا۔مگر ٹُک نین صاحب نادم سے ہو گئے۔ دوسرے دن سوامی جی کو کہلا بھیجا۔کہ آپ سکول میں

لیکچر نہ دیں۔ اس پر سوامی جی کے بھگتوں نے اسی سکول کے مقابل کی زمین لے لی۔ اور وہیں لیکچر ہونے لگے ‫٭

ویدانت کا کھنڈن سُن کر ڈاکٹر بشن داس بھی بہت خفا ہوئے۔ پہلے وہ سوامی جی کو جلسہ گاہ میں ساتھ لے کر جاتے تھے۔ اب اُنہوں نے یہ بند کر دیا۔ لیکن مہاراج کے دل پر ایسی باتوں کا اثر کب ہوتا تھا ‫٭

ایک دن ایک سکھ سادھو لوئی اوڑھے سوامی جی کے پاس آیا۔ اُس وقت سوامی جی بیٹھے حقہ پی رہے تھے۔ اُس سادھو نے مسئلۂ تقدیر پر بات چیت کرنا شروع کیا۔ مہاراج نے دلیلوں اور حوالوں سے بتایا۔ کہ تقدیر اور محنت دونو ٹھیک ہیں۔ تقدیر پہلے کرموں کے پھل کا نام ہے۔ اور اس دُنیا میں جو محنت کی جاتی ہے۔ وہ محنت ہے۔ محنت ضرور کرنی چاہیئے ‫٭

مگر وہ سادھو یہ بات نہ مانتا تھا۔ کہتا تھا۔ محنت کی ضرورت نہیں۔ جو ہونا ہوتا ہے۔ وہ خود بخود ہو کر رہتا ہے ‫٭

سوامی جی نے اپنے نوکر کو حکم دیا۔ کہ ان مہاتما کی لوئی اُتار کر سڑک پر پھینک دو۔ دیکھیں محنت کے بغیر وہ ان کے پاس کیسے چلی آتی ہے۔ نوکر سادھو سے لوئی چھیننے لگا۔ تو وہ لوئی سے لپٹ گیا۔ اور پھر

سوامی جی سے بولا۔ کہ محنت کی ضرورت تو آپ نے واضح کر دی۔ مگر آپ حقہ کیوں پیتے ہیں۔ پرائی جوٹھ کو منہ لگانا پڑتا ہے؟

سوامی جی نے جواب دیا۔ حقہ میں کف دور کرنے کے لئے پیتا ہوں۔ دھرم شاستر میں اس کی ممانعت بھی نہیں ہے۔ میں اپنا حقہ نہ کسی کو دیتا ہوں۔ نہ کسی دوسرے کا لیتا ہوں۔ اس لئے اس میں جوٹھ کا سوال بھی نہیں اُٹھ سکتا۔

ایک دن بہت سے لوگوں نے مل کر سوچا۔ کہ سوامی جی سب کا منہ بند کر دیتے ہیں۔ ان سے کوئی ایسا سوال کرو۔ جس سے ایک دفعہ تو انہیں بھی سر جھکانا پڑے۔ سوچ سوچ کر فیصلہ کیا گیا۔ کہ ان سے یہ پوچھئے کہ آپ گیانی ہیں یا اگیانی۔ اگر کہیں گیانی۔ تو اُن سے کہا جائے۔ کہ مہاپُرش غرور نہیں کیا کرتے۔ اگر کہیں۔ اگیانی۔ تو ہم کہیں گے کہ جب آپ خود اگیانی ہیں۔ تو ہمیں کیا سمجھائیںگے۔

دوسرے دن سوامی جی سے یہی سوال کیا گیا۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ میں کئی باتوں میں گیانی ہوں کئی میں اگیانی۔ وید شاستر کے مضمون میں میں گیانی ہوں۔ اور عربی فارسی۔ انگریزی کے میدان میں اگیانی یہ جواب سُن کر وہ ہکّے بکّے رہ گئے اور ایک دوسرے

کا منہ تکنے لگے۔ اُس دن گوجرات کے لوگوں کو معلوم ہوگیا۔ کہ سوامی جی کو جیتنا ناممکن ہے۔ ان کی حاضرجوابی حیرت انگیز ہے ٭

ایک دن دو سرکاری عہدیدار سوامی جی سے ملنے آئے۔ اور دوران گفتگو میں طنزیہ پیرایہ میں بولے۔ سوامی جی! کھنڈن میں کیا پڑا ہے۔ اس سے عوام بھڑک جاتے ہیں۔ ہم تو جس کام میں ہمیں فائدہ ہو۔ اُسی کو اچھا سمجھتے ہیں۔ لوگوں کی بہتری و بہبودی تو ایک ڈھکوسلا ہے ٭

سوامی جی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ اگر صرف اپنا بھلا کرنا ہی مقصد ہے۔ تو انسانیت کیا ہوئی۔ اپنے بھلے کا جذبہ تو گدھے میں بھی پایا جاتا ہے۔ تمام حیوان اپنے لئے زندہ ہیں۔ دوسروں کی بھلائی ہی کا دوسرا نام انسانیت ہے۔ اس جواب سے مطمئن ہوکر وہ صاحب چلے گئے ٭

سوامی جی خادمانِ قوم و ملک سے ہمیشہ خوش رہا کرتے تھے۔ اور اُنہیں حوصلہ دینے کو تیار رہتے تھے۔ بھارت کی بہبودی کا خیال اُن کے دل میں کس قدر زبردست تھا۔ اس کا پتہ اس خط سے مل سکتا ہے۔ جو مہاراج نے ۱۹ر جنوری ۱۸۷۸ء کو سکرٹری آریہ سماج داناپور کے نام لکھا تھا۔ "جب میں بنگال کی طرف آؤنگا۔ تو آپ

سب سے مل کر ضرور خوشی حاصل کرونگا۔ آپ لوگوں کی محنت اور سعی سے دیس کی ترقی دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔ اس خوشی کا میں بیان نہیں کر سکتا۔ بلاشبہ آپ اس کے پھلوں کو اپنی جیون حیات ہی میں دیکھ لینگے۔ پرماتما آپ کو تندرست اور سرسبز رکھے۔ آپ سب کو میرا آشیرباد ؟"

اہل گجرات کو اُپدیش دینے کے بعد مہاراج ۲ر فروری کو وزیر آباد میں رونق افروز ہوئے۔ اس شہر میں سوامی جی کی آمد سے پہلے ہی آریہ سماج قائم ہو چکا تھا۔ سوامی جی کے پریمیوں نے اُن کو راجہ فقیراللہ کے باغ میں ٹھیرایا۔ مہاراج نے یہاں ایک ہفتہ بھر لیکچر دئے۔ جن میں لوگ بڑے جوش سے آتے رہے۔ مخالفوں نے کوشش کی مگر حاضری کم نہ ہوئی +

سوامی جی کی آمد کی اطّلاع پاکر وزیر آباد کے مشہور پنڈت تو بوریا بسترا سنبھال کر وہاں سے چلتے بنے۔ مگر اس شہر میں ایک واسدیو نامی پنڈت آیا ہوا تھا۔ وہ بڑا موٹا تازہ تھا۔ اور شاکت پجاریوں کے مانند لمبے بال رکھتا تھا۔ شہر کے مفسدہ پرداز اُسے سو روپیہ کا لالچ دے کر سوامی جی کے پاس لے آئے۔ اُس دن وہاں لوگوں کی بھیڑ ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا سارا شہر وہیں آ گیا ہے +

مباحثہ کے شروع میں واسدیو نے ایک شلوک پڑھ کر کہا۔ یہ وید منتر ہے۔ اور اس میں تلسی اور شالگرام کے بیاہ کی اجازت ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ یہ وید منتر نہیں ہے۔ آپ وید کا نام لے کر انرتھ کر رہے ہیں۔ واسدیو کوئی جواب نہ دے سکا۔ تو مفسدہ پرداز جھگڑا کرنے پر اتر آئے۔ دو ایک معزز عہدیدار بھی وہاں موجود تھے۔ مگر موقع دیکھ کر ٹل گئے۔ جوں جوں سوامی جی واسدیو پر حوالہ دینے کا زور دیتے تھے۔ شور بڑھتا جاتا تھا۔ یکایک ایک لڑکے نے سیٹی بجانا شروع کر دیا۔ پریذیڈنٹ آریہ سماج نے اسے دھمکی دے کر کہا۔ چپ رہو۔ بس پھر کیا تھا۔ پنڈت واسدیو اور ان کے ساتھی سوامی جی پر اور لالہ لدھارام جی پریذیڈنٹ آریہ سماج پر ٹوٹ پڑے بمشکل تمام سوامی جی اپنی کتابیں بچا کر ڈیرے میں پہنچے۔ مگر بدمعاشوں نے پیچھا نہ چھوڑا۔ انہوں نے اینٹ پتھر برسا کر ساون بھادوں کی جھڑی لگا دی۔ مہاراج نے دروازہ بند کر لیا۔ اور اندر بیٹھ کر ان کی حماقت پر ہنسنے لگے۔ مگر مہاراج کا ایک آدمی باہر رہ گیا تھا۔ ان بدمعاشوں نے اسے پکڑ کر بہت ہی مارا۔ جب سوامی جی نے اس کی آواز سنی۔ تو اسے چھڑانے کے لئے باہر آ گئے۔ اور شیر کے مانند گرجے۔ یہ گرج سنتے ہی لوگ بھاگ گئے۔ اس کے بعد تین چار

اور لیکچر دے کر مہاراج گوجرانوالہ کو روانہ ہو گئے۔ سردار سنت سنگھ جی اور سردار دھرم سنگھ جی سٹیشن پر آئے تھے۔ سوامی جی مہاں سنگھ کے وسیع مکان میں ٹھہرے۔ اور ہر روز شام کو لیکچر دینے لگے۔ پنجاب میں سوامی جی زیادہ تر آریہ ادیش رتن مالا کے مضامین کی تشریح کرتے تھے۔ باری باری سے ایک ایک مضمون لیتے تھے۔ اور اُس پر لیکچر دیتے تھے۔ اس لیکچر کے دوران میں وید منتر۔ درشنوں کے سوتر۔ اور دھرم گرنتھوں کے شلوک سُناتے تھے۔ پاکھنڈ کھنڈن کا کام بھی ساتھ ہی ساتھ ہوتا جاتا تھا۔ اور دلیلوں کی تو جھڑی لگا دیتے تھے۔ جب ضرورت سمجھتے۔ کہانیاں اور لطیفے بھی سناتے تھے۔

گوجرانوالہ میں آپ نے آریہ ادیش رتن مالا کے تمام مضامین پر لیکچر دئے۔ لیکچر کے بعد سوال پوچھنے کی اجازت ہوتی تھی۔ ہر سوال کا جواب میٹھے الفاظ میں نرمی سے دیا کرتے تھے۔ اور کسی سوال کا جواب سوچنے کی اُنھیں ضرورت نہ پڑتی تھی۔

ساتواں باب

سوامی جی کی تشریف آوری سے پہلے پنجاب میں پادریوں کا بڑا زور تھا۔ اور نہ صرف تعلیم یافتہ لوگ ہی اس طرف جھکے ہوئے تھے۔ بلکہ بھولے بھالے دیہاتی بھی اُن کی چکنی چپڑی باتوں کی بھول بھلیاں میں پھنستے جاتے تھے۔ مگر سوامی جی کے آنے کے ساتھ ہی اُن کا جادو ٹوٹنے لگا۔ آریہ لوگ سمجھنے لگے۔ کہ ہمارا مذہب کامل طور پر خوبصورت ہے۔ دھرم بھکشا کے لئے ہمیں بھکاری بن کر دوسروں کے دروازوں پر بھٹکنے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے سوامی جی اور پادریوں میں کشمکش ہونا قدرتی تھا۔ گوجرانوالہ کے پادریوں نے سوامی جی سے اُن کے اصول پوچھے۔ اُنہوں نے جواب میں آریہ اُدیش رتن مالا نامی کتاب اُن کے پاس بھجوا دی۔ اس کے بعد پادریوں نے شہر کے پنڈتوں کو سوامی جی سے بحث کرنے پر تیار کرنا چاہا۔ مگر بعض پنڈت تو شہر ہی چھوڑ گئے تھے۔ جو باقی تھے۔ اُنہوں نے یہ کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لیا تھا۔ کہ ایسے آدمی کا منہ دیکھنا بھی پاپ ہے۔

پنڈت ودیادھر گوجرانوالہ کے مشہور پنڈت تھے۔انہوں نے ایک پاٹھشالا بھی کھول رکھی تھی۔عیسائی ان کے پاس جاکر کہنے لگے۔ دیانند ہمارا تمہارا دونو کا دشمن ہے۔اس لئے آپ ہمارے ساتھ مل کر اُن سے مباحثہ کریں۔ پنڈت ودیادھر نے جواب دیا۔ میں ایسا نہیں کرسکتا۔ سوامی جی کا اور ہمارا خانگی اختلاف ہے۔ اس پر ہم گھر ہی میں بات چیت کرینگے۔آپ سے مل کر بحث کرنا اپنی قوم سے غداری کرنے کے برابر ہے۔ پھر وہ سوامی جی سے مل کر بہت دیر تک گفتگو کرتے رہے ؛

جب پادری پنڈتوں کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ تو خود مباحثہ کے لئے تیار ہوئے۔ فریقین کی رائے سے بحث کا وقت دن کے چار بجے اور جگہ مشن سکول کی عمارت مقرر ہوئی۔چنانچہ یوم مقررہ پھاگن بدی ۲ سمبت ۱۹۳۴ کو دن کے چار بجے سوامی جی مشن سکول میں پہنچ گئے۔ اُس دن شہر کے معززین اور قریباً تمام سرکاری عہدیدار وہاں موجود تھے۔ سکول لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔فیصلہ یہ ہوا تھا۔کہ مباحثہ تحریری ہوگا۔ اس لئے پہلے دن عیسائیوں نے روح کے ازلی ہونے پر تحریری اعتراضات کئے۔ اور سوامی جی نے مدلّل جواب دئے۔یہ بحث رات کے

آٹھ بجے تک ہوتی رہی۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ مگر جگہ بڑی تنگ تھی۔ لوگوں کے سانس رُک جاتے تھے۔ اس لئے دوسرے دن مباحثہ کے خاتمہ پر سوامی جی نے پادریوں سے کہا۔ یہاں لوگوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے کل کسی کھُلی جگہ کا انتظام کرنا چاہیئے۔ یہ جگہ آپ کی ہے۔ اس لئے مینیجر صاحب طرفداری بھی کر جاتے ہیں ٭

اُس وقت تو پادریوں نے کوئی صاف جواب نہ دیا۔ مگر دوسرے دن بغیر سوامی جی کو اطلاع دئے ہوئے دن کے بارہ بجے کچھ عیسائیوں کو گھروں سے بُلاکر سکول کی عمارت میں جمع کیا۔ اور سوامی جی کو کہلا بھیجا۔ کہ مباحثہ کا وقت ہو گیا ہے۔ جلد آ جائیے۔ سوامی جی کو پادریوں سے ایسی اُمید نہ تھی۔ وہ حیران ہو گئے۔ اُن کا یہ وقت وید بھاشیہ کے لئے وقف ہو چکا تھا۔ اور اس وقت وہ کسی بھی دیگر کام کی طرف توجہ نہ دیا کرتے تھے ٭

سوامی جی نے کہلا بھیجا۔ کہ جب طرفین کی رائے سے چار بجے کا وقت مُقرّر ہے۔ اور عوام کو بھی یہی بتایا گیا ہے۔ تو آپ نے یہ خلاف قاعدہ حرکت کیوں کی؟ اگر آپ کو بارہ بجے مباحثہ کرنا تھا۔ تو آپ کو ایک دن پہلے مجھ سے رائے لینا اور لوگوں

کو مطلع کرنا چاہیئے تھا۔ آپ کو از خود وقت تبدیل کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ جب آپ نے دھینگامشتی سے وقت تبدیل کر لیا ہے تو میرے لئے یہ پابندی نہیں۔ کہ میں وید بھاشیہ جیسے اعلٰے کام کو چھوڑ کر اس وقت وہاں آؤں۔ نیز میں نے کل کسی کشادہ جگہ میں مباحثہ کرنے کی درخواست کی تھی۔ اگر آپ نے اب تک انتظام نہ کیا ہو۔ تو چار بجے تک کر لیں۔ میں وقت مقررہ پر پہنچ جاؤنگا +

پادری صاحبان تو اپنی خلاصی کرانا چاہتے تھے۔ اس لئے سوامی جی کا جواب آنے پر انہوں نے اعلان کر دیا۔ کہ سوامی جی نہیں آئے اس لئے جلسہ منتشر کیا جاتا ہے۔ اُس وقت وہاں سکول کے طلبۂ اور چند عیسائی صاحبان کے سوا اور کوئی نہ تھا +

اُدھر شام کے ٹھیک چار بجے سوامی جی کے عقیدت مندوں نے ہری سنگھ کی سمادھ کے پاس جلسہ کا انتظام کر دیا۔ پادری صاحبان کو آنے کے لئے بار بار کہا گیا۔ مگر وہ اپنے مکان سے باہر نہ نکلے۔ جب اُن کے آنے کی کوئی اُمید نہ رہی۔ تو سوامی جی نے عیسائیت پر لیکچر دینا شروع کر دیا انہوں نے بائیبل کی آیتیں پڑھ پڑھ کر اُن پر ایسی

مدلل بحث کی کہ حاضرین دنگ رہ گئے۔ اُن کے سامنے عیسائیت کی تصویر کھنچ گئی۔ اور لوگ سوامی جی کے وسیع مطالعہ کی تعریف کرنے لگے ؂

جس دن مشن سکول میں مباحثہ ہونے لگا۔ اُس دن وزیر آباد کے کچھ آدمی بھی سُننے آئے تھے۔ اُن میں زیادہ تر وہی لوگ تھے۔ جنہوں نے سوامی جی پر اینٹیں برسائی تھیں۔ جب وہ سکول کے اندر جانے لگے۔ تو عیسائیوں نے اُنہیں داخلہ کا ٹکٹ نہ دیا وہ مایوس ہو کر احاطہ میں منڈلانے لگے۔ اتنے میں سوامی جی بھی آ پہنچے۔ اور اُن وزیر آبادی باسیوں کو پہچان کر اُن سے بولے۔ یہاں کیوں پھرتے ہو۔ اندر کیوں نہیں جاتے؟ وہ بولے۔ عیسائی لوگ ٹکٹ نہیں دیتے۔ مہاراج نے اُنہیں بڑی محبت سے کہا۔ آپ بغیر جھجک کے میرے ساتھ آ جائیے۔ میں آپ کو اندر داخل کرا دونگا۔ وہ مہاراج کے حسن سلوک کے قائل تو اُسی وقت ہو گئے۔ لیکن جب اندر جا کر آریہ دھرم کی حفاظت کی دلیلیں سُنیں تو اپنے گزشتہ افعال پر نادم ہوئے ؂

نیکی انسان کو کتنا نرم بنا دیتی ہے۔ مہربانی۔ اُلفت۔ اور ہمدردی وغیرہ خوبیاں انسان کو کس طرح کشش کر لیتی ہیں۔ اس کی روشن مثال سوامی جی کی سوانح عمری میں ملتی ہے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ شری سوامی جی اپنے

آسن پر بیٹھے تھے۔ کہ ایک آدمی آنکھوں میں آنسو بھرے
اُن کے پاس آیا اور پاؤں پکڑ کر کہنے لگا۔ بھگون! وزیرآباد
کے بُرے آدمیوں نے آپ کی جو گستاخی کی تھی۔ اُس کا
سبب میں ہوں۔ اُس وقت مجھے غرور نے اندھا کر دیا
تھا۔ مجھے یہ علم نہ تھا۔ کہ آپ ہی سچے سناتن دھرم کے
محافظ ہیں۔ آپ کی حقیقی خوبیوں کا علم مجھے تب ہوا۔
جب میں نے آپ کو عیسائیوں کے ساتھ مباحثہ کرتے
دیکھا۔ اور اُن کا مُنہ بند کر دینے والی دلیلیں سُنیں۔
اس وقت اپنے گناہ کے باعث میرا دل جل رہا ہے۔
آپ مجھے معاف کر کے اُسے ٹھنڈا کریں۔ سوامی جی نے
فوراً پہچان لیا۔ کہ یہ پنڈت واسدیو ہے۔ اُنہوں نے
اُسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ آپ نے اُس وقت جو کیا۔
اپنے لئے اچھا سمجھ کر کیا۔ میں نے جب اُس وقت بُرا
نہیں منایا تو اس وقت کون سی بات ہے۔ کہ جسے
معاف کروں۔ واسدیو! کسی بھی سخت لفظ اور سخت
کام سے سنیاسیوں کے دل کالے نہیں ہوتے۔ یقین
رکھو۔ کسی بھی بےعزتی سے ہماری طبیعت میں فرق
نہیں آتا۔ اپنے دل کو سنبھالو۔ پرماتما تمہاری عقل
اسی طرح ٹھیک رکھیں ؛

ایک دن سوامی جی صبح کے وقت سیر کر رہے
تھے راہ میں پادری میکی سے ملاقات ہو گئی۔ سلام

دُعا کے بعد میکی صاحب نے کہا۔ سوامی جی! آپ عیسائیت کا بڑا زوردار کھنڈن کرتے ہیں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ میں جو کچھ کہتا ہوں۔ آپ کی کتابوں سے کہتا ہوں۔ اگر آپ کی کتابوں کو سُنانا کھنڈن ہے۔ تو ایسا کھنڈن آپ بھی کرتے ہیں۔ میں تعصب سے کچھ نہیں کہتا۔ اور نہ نامُناسب خیال ظاہر کرتا ہوں ٭

ایک دن کچھ آدمی مغربی فلسفہ کے ماہر ایک بنگالی کو سوامی جی کے پاس لائے۔ اُن کا مقصد یہ تھا۔ کہ اُن کو فلسفہ کی دوڑ میں اُلجھایا جائے۔ مہاراج نے اُس بنگالی کے سوالوں کا ایسا مدلّل جواب دیا۔ کہ وہ کامل طور پر مطمئن ہو گیا۔ طویل فلسفیانہ بات چیت کے بعد جب وہ چلنے لگے۔ تو سوامی جی نے پوچھا۔ کیا یہ بنگالی کچھ فلسفہ جانتا ہے؟ اُنہوں نے اس سے یہ مطلب لیا۔ کہ سوامی جی اپنے سے کمتر درجہ کے لوگوں کو یوں ہی تنکہ کے برابر سمجھ لیتے ہیں۔ چنانچہ شہر میں آ کر اُنہوں نے اُس بنگالی سے پوچھا۔ سوامی جی کا فلسفہ کا علم کیسا ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ علم کا اتھاہ ساگر ہیں۔ میں تو اُن کے سامنے کچھ بھی نہیں جانتا ٭

ایک دن سوامی جی نے برہمچریہ کی عظمت بیان کرتے ہوئے کہا۔ سردار ہری سنگھ جی جو اتنے زبردست ہوئے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہی تھی۔ کہ وہ پچیس برس تک

برہمچاری رہے تھے ۔ میری عمر اس وقت پچاس سال سے
زیادہ ہے ۔ مگر کوئی بھی طاقتور آدمی سامنے آ جائے ۔
میں اُس کا ہاتھ پکڑتا ہوں ۔ وہ چھڑا کر دکھائے ۔ میں
بازو اکڑاتا ہوں ۔ وہ اُسے جھکا کر دکھائے ۔ اُس وقت
وہاں کئی پہلوان بیٹھے تھے ۔ مگر آگے نکلنے کی ہمت کسی
میں نہ تھی ؎

گوجرانوالہ میں کئی آدمیوں کے شبہات مٹانے ، شکوک
رفع کرنے اور آریہ سماج قائم کرنے کے بعد مہاراج ۲ مارچ
۱۸۷۸ء کو لاہور تشریف لے گئے اور نواب نوازش علی خاں
کی کوٹھی میں ٹھیرے ۔ اس کوٹھی میں ایک دن لیکچر دیتے
ہوئے اسلام پر اظہار خیال کر رہے تھے ۔ کہ نواب صاحب
بھی باغ میں آ گئے ۔ لیکچر کے خاتمہ پر ایک آدمی نے
اُن سے کہا کہ آپ کو کوئی ہندو عیسائی اور مسلمان رہنے
کو جگہ نہیں دیتا ۔ نواب صاحب کی بڑی مہربانی ہے
کہ اُنہوں نے کوٹھی دے دی ہے ۔ اب آپ اسلام پر
لیکچر دینے لگ گئے ہیں ۔ نواب صاحب سُن گئے ہیں ۔
کہیں وہ بھی خفا نہ ہو جائیں ۔ جواب دیا ۔ میں ویدک دھرم
کا پرچار کرنے آیا ہوں ۔ جہاں بھی رہونگا ۔ اُسی کا پرچار
کرونگا ۔ میرے یہاں آنے کا مقصد اسلام یا کسی دیگر
مذہب کی تعریف کرنا نہیں ۔ جب نواب صاحب لیکچر
سُن رہے تھے ۔ تو میں نے اُنہیں دیکھ لیا تھا ۔ اور جان

توجہ کر اُن کے کانوں تک اپنا پیام پہنچایا ہے۔ مجھے پرماتما کے سوائے اور کسی مرد عورت کا خوف نہیں ہے ◆

ملتان چھاؤنی کے پریمی آدمیوں نے مہاراج سے وہاں چلنے کی درخواست کی تھی۔ اس لئے آپ ۱۲ مارچ کو ملتان چھاؤنی تشریف لے گئے۔ خیر مقدم کے لئے کئی اصحاب ریلوے سٹیشن پر موجود تھے۔ انہوں نے سوامی جی کو احترام سے بگی کے باغ میں ٹھیرایا۔اُسی دن شام کو لیکچر شروع ہو گئے۔ اور شہر اور چھاؤنی کے لوگوں پر اثر ہونے لگا ◆

مگر مخالفوں کی بھی کمی نہ تھی۔ وہ گلی گلی اور کوچہ کوچہ میں چکر لگاتے کہتے پھرتے تھے۔ کہ یہ عیسائیوں کا نوکر ہے۔ اُنہوں نے اسے کہہ دیا ہے کہ جب تمام بھارت کو عیسائی بنا دوگے۔ تو ہم تمہیں ایک لاکھ روپیہ دینگے۔ گوسائیوں نے سب سے زیادہ اودھم مچایا۔ ایک دن کا بیان ہے کہ سوامی جی لیکچر دے رہے تھے۔ گوسائیں اپنے ملازموں کی ہمراہی میں وہاں آ پہنچے۔ اور سنکھ اور گھڑیال بجانے لگے۔ اور نعروں کا بھی تار باندھ دیا۔ مہاراج نے اُن کے اس پُر فساد سیاہ کھیل پر ذرا بھی دھیان نہ دیا۔ اور سنجیدگی سے لیکچر دیتے گئے۔ آخر کار پولیس کے سپاہیوں نے اُنہیں پرے ہٹا دیا۔ دوسرے دن وہ پھر آ چڑھے۔ اور لڑائی پر کمر بستہ ہو گئے۔

سوامی جی کو اُس دن لیکچر بند کرنا پڑا +

ہولیوں کے دن تھے۔ اس لئے حقیر لوگوں کو چھیڑ چھاڑ کرنے کا بہانہ مل جاتا تھا۔ لہذا سیٹھ ڈنشا بہرام جی نے کچھ احباب کے مشورہ سے اپنی کوٹھی میں لیکچر کرانا شروع کر دیا۔ وہاں بھی سوامی جی نے عالمانہ لیکچر دئے۔ اہل ملتان کے زیر انتظام وہاں کوئی چھتیس کے قریب لیکچر ہوئے۔ اُن میں سے ایک میں ایک دن سوامی جی نے براہمنوں کے فرائض کا بیان کیا۔ اور کلجگ میں اُن کی حالت زار کے باعث بتائے۔ انہوں نے اُس وقت مثال دی۔ کہ ایک سیٹھ اپنے مصر جی کے ساتھ بدیس کو جا رہا تھا۔ ایک مسلمان پٹھان بھی اُن کا ساتھی بن گیا۔ وہ سیٹھ جب صبح کو اُٹھتا۔ تو براہمن دیوتا کو نمسکار کیا کرتا۔ نہانے کے وقت اُس سے پانی منگواتا۔ کھانے کے وقت روٹی بنواتا۔ اور چلتے وقت اپنا کمبل اور کوٹ اُتار کر اُس کی پیٹھ پر رکھ دیتا۔ پٹھان کو ان باتوں پر بڑی حیرت ہوتی تھی۔ ایک دن چلتے چلتے سیٹھ اور مصر جی بہت پیچھے رہ گئے۔ اور پٹھان رُک رُک کر اُن کا انتظار کرنے لگا۔ سیٹھ تو جوں توں کرکے پٹھان سے آ ملا۔ مگر مصر جی نہ پہنچ سکے۔ سیٹھ کو تنہا دیکھ کر پٹھان نے کہا۔ وہ آدمی۔ پروہت نوکر اور گدھا کہاں ہے۔ اس سے انہوں نے یہ نتیجہ

نکالا۔ کہ سب طرح کے اعلے ادنے کام کرنے والے نادان لوگ براہمن کہلانے کے مستحق نہیں۔ قابل آدمی ہی براہمن ہوتا ہے ✤

ایک دن مہاراج نے باقی سب مذہبوں کا کھنڈن کرکے گایتری منتر کی عظمت بیان کی اور کہا۔ کہ اس کا جاپ ہر روز کرنا چاہیئے ✤

ایک دن تندرستی پر لیکچر دیا۔ خاتمہ پر ایک پارسی سیٹھ نے اُن سے کہا۔ جب آپ یہ کہتے ہیں۔ کہ بنی نوع انسان ایک ہیں۔ تو ہمارے ساتھ مل کر آپ کھانا کیوں نہیں کھاتے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ مسلمان وغیرہ اقوام کے ساتھ آپ کھا لیتے ہیں۔ ورنہ کوئی رُکاوٹ نہیں اگر آپ آریہ لوگوں سے زیادہ ملنے ملانے لگ جائیں تو تھوڑے ہی عرصہ میں یہ رُکاوٹ ہٹائی جا سکتی ہے۔ ایک برتن میں کھانے کا جب مضمون چلا تو سیٹھ نے کہا۔ اس سے محبت بڑھتی ہے۔ سوامی جی بولے۔ اگر محبت اکٹھے کھانے سے بڑھتی ہے تو مسلمانوں میں کوئی فساد نہ ہونا چاہیئے۔ جب ترکوں نے روس پر حملہ کیا تھا۔ تو اکٹھے مل کر کھانے والے افغانوں نے درخواست پر بھی ترکوں کو امداد نہ دی تھی۔ پھر کہا۔ کہ اکٹھے کھانے سے کئی قسم کی بیماریاں لگ جاتی ہیں۔ طبی کتابیں اس بات کی ممانعت کرتی ہیں ✤

ملتان کے ویدانتیوں کو سمجھاتے وقت سوامی جی نے
کہا۔ چار مہا واکیہ اُپنشد وچن ہیں۔ آپ لوگ ایک ٹکڑہ
لے کر من مانے معنے کرنے لگ جاتے ہو۔ اگر تمام عبارت
لو۔ تو نیا ویدانت ثابت نہیں ہوتا +

ایک دن ہندو مسلمان اور عیسائی سب مل کر آئے۔
انہوں نے ایک ہی دفعہ کئی قسم کے سوال کئے۔ ان کا
خیال تھا۔ کہ اس طرح سوامی جی گھبرا جائینگے اور سب کو
جواب نہ دے سکینگے۔ مگر سوامی جی نے باری باری سے
سب کا جواب ایسی خوبی سے دیا۔ کہ وہ سناٹے میں
آ گئے۔ اور اُن کی تعریف کرنے لگے +

ایک دن سوامی جی نے گوشت خوری کو خلاف وید
بتایا۔ اس پر مہاشہ کرشن نارائن نے کہا۔ اس میں کوئی
نقصان تو نہیں ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ پرماتما
کا حکم نہ ماننا ہی کافی نقصان ہے۔ تب کرشن نارائن
نے کہا۔ کہ میں گوشت کھاتا ہوں۔ اگر اس میں کوئی
نقصان ہوتا۔ تو میں محسوس کر لیتا۔ سوامی جی نے
جواب دیا۔ حکم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک جسم سے
متعلق اور دوسرے روح سے متعلق۔ جسم سے متعلق
حکم کو نہ ماننے سے بیماریاں وغیرہ ہوتی ہیں۔ روح سے
متعلق حکم نہ ماننے سے بیماریاں تو نہیں ہوتیں۔ مگر
روح بلند نہیں اُٹھ سکتی۔ گوشت کھانا روحانی حکم کی

خلاف ورزی ہے - اس لئے گوشت خور کو یوگ وِدّیا نہیں آتی ۔

سوامی جی اپنے محبت بھرے خطوط سے اپنے بھگتوں کی وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی کرتے رہتے تھے۔ اُن کے کام کی تعریف کرتے - اور زیادہ جوش سے کرنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے - چنانچہ مہاراج نے ۱۳ر مارچ ۱۸۷۷ء کو ملتان سے مہاشہ مادھو لال جی کو لکھا :-

" مہاشہ مادھو لال جی خوش رہو - آریہ سماج کے اصولوں کو ٹھیک سمجھ کر آپ کو ویدوں کے احکام کے بموجب سب کی بہتری میں لگ جانا چاہیئے - خاص کر اپنے آریہ ورت کی اصلاح میں بہت عقیدت محبت اور بھگتی ہونی چاہیئے - سب کو اپنے برابر سمجھ کر اُن کی تکالیف کو مٹانے اور سکھوں کو بڑھانے کے لئے کوشش کرنا واجب ہے - سب کی بہتری چاہنا ہی سب سے بڑا دھرم ہے - اسی کے پرچار کی وید میں آگیا ہے "

سوامی جی اپنے پیروؤں کو ٹھیک وقت پر اور ٹھیک طریقہ سے کام نہ کرنے پر سرزنش بھی کیا کرتے تھے - اُن کی سستی پر سخت سست بھی کہا کرتے تھے - چنانچہ آپ نے چیت سدی ایکادشی سمبت ۱۹۳۴ کو ملتان سے آریہ سماج لاہور کے اراکین کو لکھا :-

"رام رکھا کے خطوط مل سکے تو آپ کو بھیج دینگے۔ نہیں تو نئے لکھوا کر بھیجے جائینگے۔ لیکن جیسے ...... آج تک نہیں چھپے۔ ایسی ہی حالت ان کی ہو۔ تو محنت کرنا بے کار ہے۔ ایسا نہ ہو۔ جس طرح انترنگ سبھا کے اصولوں کا جھگڑا آج تک نہیں ختم ہو سکا۔ لکھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہر کام وقت پر کرنا چاہیئے۔ وقت پر کام کرنا کامیابی کا ذریعہ اور عقلمندی کی دلیل ہے۔ یہاں ہم بہت خوش ہیں۔ اُمید ہے آپ بھی خوش ہونگے"۔

ملتان چھاؤنی اور شہر کے لوگوں کو وید اُپدیش دے کر سوامی جی پھر لاہور گئے۔ اور لیکچروں کا سلسلہ شروع کر دیا۔

مہاراج چاہتے تھے۔ کہ اُن کا وید بھاشیہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں پڑھایا جائے۔ لاہور کی ایک سیاحت کے دوران میں اُنہوں نے رائے مولراج سے کہا۔ کہ پنجاب کے لاٹ صاحب کے نام ایک خط لکھئے۔ اور اُس میں تحریر کیجئے۔ کہ سرکاری درسگاہوں میں میرا وید بھاشیہ پڑھایا جائے۔ رائے مولراج یہ کام جلد نہ کر سکے۔ اس لئے سوامی جی لاٹ صاحب سے خود جا ملے۔ اور اُن سے پُر زور لہجہ میں کہا۔ کہ میرا وید بھاشیہ درست ہے۔ اُسے سرکاری سکولوں میں پڑھایا جانا چاہیئے۔ لاٹ

صاحب نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا اور وید بھاشیہ کی جلد اوّل کی کچھ کاپیاں لے کر پنڈتوں کے پاس ریویو کے لئے بھیج دیں۔ پنڈت سوامی جی کے خلاف تھے۔ اس لئے انہوں نے اپنی رائیں وید بھاشیہ کے خلاف دیں۔ جب وہ رائیں گورنمنٹ کی طرف سے شائع ہوئیں۔ تو سوامی جی نے ان کا تسلّی بخش جواب بھی شائع کرا دیا +

ایک دن بات چیت کے دوران میں مہاراج نے کہا۔ مجھے آپ اس وقت بڑا مضبوط اور طاقتور سمجھتے ہیں۔ مگر میں تو ساحل گنگا پر رہنے کے زمانہ کی نسبت کمزور ہوگیا ہوں۔ آپ لوگوں کی بہتری کے فکر نے مجھے لاغر کر دیا ہے +

سوامی جی کا ایک ملازم بانکے بہاری لال بڑی چڑچڑی طبیعت کا آدمی تھا۔ سوامی جی اس سے بڑی نرمی سے کام لیتے تھے۔ اس کی طبیعت سے رنج نہ ہو جاتے تھے۔ جب وہ نوکری چھوڑ کر جانے لگا۔ تو سوامی جی نے اسے تنخواہ کے روپے نوٹ کی صورت میں دئے۔ اس نے غصہ سے کہا۔ آپ نے دستخط تو کئے نہیں۔ سوامی جی نے دستخط کر دئے۔ اس نے اس سے بھی بلند آواز میں کہا۔ میرا نام بھی لکھ دیجئے نا۔ مہاراج نے لکھ دیا۔ بانکے بہاری لال کو دئے۔ وہ پھر گستاخی سے بولا۔ آپ نے بانکے بہاری لال ٹھٹھیرا تو لکھا

نہیں۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ خفا نہ ہو جیئے۔ اگر آپ ٹھٹھبرا ہی پہننا چاہتے ہیں۔ تو ہم یہ بھی لکھے دیتے ہیں ؟

ایک آدمی نے کہا۔ کیا سبب ہے۔ کہ جہاں ناچ اور راگ رنگ ہوتا ہے۔ مذاق ہوتا ہے۔ وہاں تو ساری ساری رات بیٹھے گزر جاتی ہے اور نیند نہیں آتی۔ مگر جہاں دھرم اُپدیش ہو۔ وہاں لوگ تھوڑی دیر میں او گھنے لگ جاتے ہیں ؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ پرماتما کا نام نرم سیج ہے اگر اُس پر نیند نہ آئے۔ تو کہاں آئے۔ ناچ گانا بھڑکانے والے جذبات روح کے لئے کانٹوں کا بستر ہیں۔ وہاں نیند کیسے آئے ؟

لاہور سے مہاراج امرتسر گئے اور سردار بھگوان سنگھ کے مکان میں ٹھیرے۔ پنڈتوں نے اب کے بھی مخالفت کی۔ اور مباحثہ کے لئے تیار ہوئے۔ آریہ سماج نے اُنہیں چیلنج کیا۔ مباحثہ کے لئے سردار بھگوان سنگھ کا مکان مقرر ہوا۔ اُس دن اُس مکان میں کوئی چھ سات سو آدمی جمع ہو گئے۔ شہر کے قریباً تمام معززین موجود تھے۔ آمنے سامنے دو کرسیاں بچھا دی گئیں۔ تاکہ مباحثہ میں آسانی ہو۔ اور کوئی شخص گڑ بڑ نہ کر سکے ؟

وقت مقررہ پر سوامی جی اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔ مگر مد مقابل کا کوئی پتہ نہ تھا۔ بڑی دیر تک انتظار کرنے کے بعد ایک آدمی نے آ کر کہا۔ پنڈت صاحبان باہر

کھڑے ہیں۔ اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ جواب میں کہا گیا۔ کہ وہ شوق سے تشریف لے آئیں۔ ہم اُنہی کا انتظار کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں پنڈت صاحبان جے کے نعرے لگاتے اندر داخل ہوئے۔ اور سات آٹھ تلک دھاری سوامی جی کے سامنے جا بیٹھے۔ اتنے میں ان کے چیلے چانٹوں نے چاروں طرف سے اینٹ پتھر برسانا شروع کر دیا۔ سبھا مٹی اُڑنے سے دھواں دھار ہو گئی۔ چاروں طرف شور مچ گیا۔ مگر جب پولیس کے آدمی آگے بڑھے۔ تو پنڈت دیوتا ایک ایک کر کے غائب ہو گئے۔ سوامی جی کے بھگت سوامی جی کی بے عزّتی دیکھ کر اپنے غصّہ پر قابو نہ رکھ سکے۔ وہ چاہتے تھے کہ بد معاش لوگوں کو وہیں درست کر دیں۔ مگر سوامی جی نے اُن کو ٹھنڈا کر دیا۔ اور کہا۔ کہ مذہبی جوش کے دیوانوں پر غصّہ نہ کرنا چاہئے۔ ہمارا کام حکیم کا کام ہے۔ وہ بیمار کو دوا پلاتا ہے۔ اُسے مارتا پیٹتا نہیں۔ یقین کرو۔ کہ آج جو لوگ مجھ پر اینٹ پتھر اور مٹی پھینکتے ہیں۔ وہ کبھی آپ پر پھولوں کی برکھا کرنے لگینگے۔ جب آپ ڈیرے پر آئے۔ تو ایک بھگت نے کہا۔ آج اُن غنڈوں نے آپ کی بہت بے عزّتی کی' ارشاد فرمایا۔ لوگوں کی خدمت کرتے وقت عزّت بے عزّتی کا خیال چھوڑنا پڑتا ہے اس کے بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ میں نے

آریہ سماج کا باغ لگایا ہے۔ میری پوزیشن باغبانی کی سی ہے۔ کھاد ڈالتے وقت راکھ مٹی مالی پر پڑا ہی کرتی ہے۔ مجھے اس کی پروا نہیں۔ خیال یہ ہے۔ کہ باغ سرسبز و شاداب رہے +

مہاراج کا ایک لیکچر ملوئی بنگلہ میں برہمچریہ پر ہوا۔ لوگوں پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اس کے بعد اسی بنگلہ میں اُن کے اور بھی کئی لیکچر ہوئے۔ جن میں سے ایک کا مضمون براہمنوں کے فرائض تھا۔ اس میں اُنہوں نے براہمنوں کی گراوٹ کا ایسے الفاظ میں بیان کیا۔ اور اُن کی حالت کا نقشہ ایسے رقت خیز پیرایہ میں کھینچا۔ کہ بیسیوں براہمنوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ اُن کے پتھر دل موم ہو گئے۔ اُس دن پنڈتوں نے سوامی جی کے دل کو دیکھا اور پہچانا اور اُن کی مخالفت کرنا بند کر دیا +

ایک دن سوامی جی تقریر کرنے جا رہے تھے۔ کہ بازار میں ایک مشہور پنڈت نے ایک تھال میں مصری اور روپے رکھ کر اُن کی نذر کی۔ اور کہا کہ آپ تو کلجگ میں وشنو کا اوتار ہیں۔ سوامی جی نے اُسے آشیرباد دیکر کہا کہ "میں تو پہلے دس اوتاروں کا کھنڈن کرتا ہوں۔ آپ مجھے گیارھواں اوتار بنا رہے ہیں۔" اُس پنڈت کی دکان پر اونچا سنگھاسن پڑا تھا۔ مہاراج نے

پوچھا۔ یہ کیا ہے۔ وہ بولا۔ کما کھانے کی چکی ہے۔ کتھا کرنے کی جگہ ہے۔ مہاراج نے کہا۔ پنڈت جی! اگر چکی ہی چلانا ہے۔ تو سچ کی چکی چلائیے۔ روزی کا کیا ہے۔ خود بخود مل جائیگی ٭

کچھ بھگت لوگ رات کے وقت بھی سوامی جی کے ڈیرے پر ہی سویا کرتے تھے۔ اس سے ایک تو اُنہیں روحانی فیض پہنچتا تھا۔ دوسرے سوامی جی کی حفاظت کرتے تھے۔ ایک دن اُن میں سے ایک آدمی نے سوامی جی کو اطلاع دی۔ کہ آپ نے سکھوں پر جو نکتہ چینی کی ہے۔ اُس سے جوش میں آکر کچھ نہنگ آپ کو قتل کرنے پر تلے بیٹھے ہیں۔ مگر چونکہ رات کو آپ کے پاس بہت سے آدمی سوتے ہیں اس لئے اُن کا داؤ نہیں چلتا۔ یہ سُن کر مہاراج نے وہاں آدمیوں کا سونا بند کر دیا۔ اور کہا۔ میں اکیلا ہی رہونگا جس کا کام میں کر رہا ہوں۔ وہی پربھو میری حفاظت کریگا ٭

ایک لیکچر میں بہت سے نرملے سادھو آئے اور کھڑے ہی سُننے لگے۔ سوامی جی نے اُس وقت کہا۔ ہزاروں بھارت باسی پیٹ بھر کر روٹی نہیں کھاتے۔ دانہ دانہ کو ترستے ہیں۔ اور فاقہ کشی سے بلّی کُتّے کی موت مر جاتے ہیں۔ دیس کی ایسی افسوسناک

حالت میں دھڑا دھڑ لوٹے شاہی اور تمبو شاہی کی کیا
ضرورت ہے۔ اِس وقت تو محنت کر کے گزارہ کرنا
چاہیئے ÷

پنڈت پولو رام جی کو سوامی جی سے بہت محبت تھی۔
انہوں نے ایک دن ہاتھ باندھ کر عرض کی۔ آریہ سماج
میں تھوڑے سے لوگ ہی شامل ہوئے ہیں۔ اُن سے
کوئی بڑا کام تو کیا سرانجام پائیگا۔ سوامی جی نے جواب
دیا۔ آپ تو بہت ہیں۔ ہزاروں آدمیوں کو اپنے ساتھ
لے سکتے ہیں۔ مگر ذرا میری حالت کا خیال کیجئے۔ جب
میں نے کام شروع کیا تھا۔ اُس وقت میں تنہا تھا۔
آج پرماتما کی مہربانی ہے کہ آپ جیسے ہزاروں آدمی
میرے ساتھ ہیں۔ اور آریہ دھرم پر قربان ہونے کو تیار
ہیں۔ پولو رام سب کے خیرخواہ رہو۔ اور نتیجہ پرماتما پر
چھوڑ دو۔ تمہیں کامیابی ہوگی۔ مہاراج نے یہ بھی کہا۔
کہ اگر بال شاستری اور وشدھانند میرے ساتھ مل جاتے
تو ہم تینوں ساری دنیا جیت لیتے۔ افسوس! اُنہوں
نے مجھے سمجھے بغیر میری مخالفت کی۔ مگر میرے دل
میں جو نیک خواہش ہے۔ اُسے پرماتما ہی جانتا ہے ÷

ایک دن کا ذکر ہے کہ پنڈت پولو رام کو کسی نے
ایک نئی کرتی دان دی۔ وہ لے کر خدمت اقدس میں
حاضر ہو گیا۔ اور بولا۔ یہ کرتی مجھے آج ہی ایک ججمان

نے دی ہے - میرا دل مجھے مجبور کرتا ہے - کہ اس سے آپ کے پاؤں صاف کروں اور پھر کسی سیوک کو دیدوں - سوامی جی یہ بات نہ مانتے تھے - مگر پنڈت پولورام نے پاؤں پکڑ لئے اور انہیں پونچھ کر وہ کرتی ایک نوکر کو دیدی - مہاراج نے اسے اُپدیش دیا - کہ گائیتری کا جاپ کیا کرو - یہ کلیان کاری منتر ہے - میرے پاس اور کیا ہے جو آپ کو دُوں - ایک دن مہاراج نے یہ بھی کہا - کہ جب چارپائی پر لیٹو تو اوم کا جپ کیا کرو - اور جب تک نیند نہ آ جائے - تب تک بھی جپ جاری رکھو - تاکہ اسی میں نیند آ جائے - اس سے بڑے فیض حاصل ہوتے ہیں - اور نفس مرجاتا ہے - مہاراج نے انہیں حلق کا کوّا گرا کر دھیان لگانا بھی سکھایا - اور پرانا یام کا طریق بھی بتایا - کہا اس سے طبیعت یکسو ہوتی ہے - عقل بڑھتی ہے - طاقت زیادہ ہوتی ہے اور بیماریاں دُور ہو جاتی ہیں ؂

پولورام نے ایک دن سوامی جی کے سمادھی میں درشن کئے - اس وقت وہ بے حس و حرکت تھے - اُن کے جسم میں کسی بھی جگہ حرکت نہ تھی ؂

مہاراج کی شکل و صورت دلفریب تھی - اُن کی ذات میں تاثیر تھی - وہ ریشمی لباس پہنتے یا کوپین لگاتے - دونو حالتوں میں پیارے معلوم ہوتے تھے - اُن کے

چلنے پھرنے اُٹھنے بیٹھنے میں دلکشی پائی جاتی تھی۔ اُن کی ہر ایک حرکت دل کو موہ لیتی تھی۔ اور اُن کی زبان مخاطب کو اپنا بنا لیتی تھی ۔

اُن کے چہرے پر جلال، تاثیر، فراخ دلی، سنجیدگی، حوصلہ، مہربانی اور آشیرباد کا باس تھا۔ اُن کی رسیلی آنکھ میں محبت۔ مہربانی، کشش رس اور مٹھاس تھی۔ اُن کا سلوک نہایت ملائم۔ میٹھا اور طبیعت کو پکڑ لینے والا تھا۔ وہ کبھی کسی شخص کی مخالفت پر کان نہ دھرتے تھے۔ اپنے مخالفوں سے بھی خفا نہ ہوتے تھے۔ سوال و جواب میں اُن کے مطلب پر دھیان رکھتے تھے۔ بات چیت میں۔ کاروبار میں۔ کہنے سُننے میں وہ ایسے یکساں تھے کہ ہر ایک چھوٹا بڑا یہی سمجھتا تھا۔ کہ سوامی جی مجھے ہی مخاطب کر رہے ہیں۔ مجھے ہی سمجھا رہے ہیں۔ وہ سب سے زیادہ مجھی پر مہربان ہیں ۔

اب سوامی جی پورب کی طرف چلنے کو تیار ہوئے۔ پنجابی بھگت اُداس ہو رہے تھے۔ ایک آدمی نے عرض کی۔ بھگوان! آپ نے اس صوبہ میں آریہ سماج کے باغیچے جگہ جگہ پر لگا دئے ہیں۔ مگر آپ کے چلے جانے کے بعد اُن کی حفاظت کون کریگا۔ مہاراج نے جواب دیا۔ اس صوبہ کے لوگ حوصلہ اور جُرات والے ہیں۔ شردھالو (عقیدت کیش) اور بہادر ہیں۔ مجھے ان پر

بڑی اُمیدیں ہیں - میں نے اپنی مکمل طاقت سے زمین کو صاف کر کے باغ لگایا ہے - کھاد بھی اس میں پڑ گیا ہے - پانی بھی دیا جا چکا ہے - اب مجھے اس کے کھلانے اور مرجھانے کا فکر نہیں مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ایسے سب کام پرماتما کے بھروسے پر کئے جاتے ہیں - آریہ سماج کا بھی وہی محافظ ہے - جو سورج چاند اور تاروں کی حفاظت کرتا ہے ٭

چنانچہ سوامی جی ۱۵ - جولائی ۱۸۷۸ء کو امرت سر سے چل کر لدھیانہ پہنچے - اور وہاں لالہ بنسی دھر کے باغ میں ٹھیرے - اس مرتبہ بھی اُن کے لیکچروں میں لوگ بڑے جوش سے شامل ہوتے رہے اور اُن سے سوال پوچھتے رہے - ۲۲ - جولائی کو لدھیانہ سے چل کر انبالہ پہنچے اور ۲۵ - جولائی کو رڑکی تشریف لے گئے ٭

آٹھواں باب

سوامی جی قریباً ڈیڑھ سال پنجاب میں رہے اور کوئی بارہ تیرہ شہروں میں گھومے - مگر یہ عرصہ زیادہ تر تین چار ہی شہروں میں بسر ہوا - وہ لاہور وغیرہ رہتے ہوئے

درمیان میں امرتسر وغیرہ مقامات میں بھی ہو آتے تھے۔ گو صوبہ پنجاب کو پوجیہ پاد آنند کند شری دیانندجی نے تھوڑے ہی مہینے درشن دیئے اور صرف بارہ تیرہ شہروں میں تشریف لے گئے۔ مگر اس قدر عرصۂ قلیل ہی میں اُنہوں نے اہل پنجاب پر ایسا اثر ڈالا۔ اُن کو ایسی زندگی دی۔ اُن کو ایسا جوش دیا۔ اُن میں ایسی روح اور ایسی سرگرمی بھری۔ کہ اس کی کوئی اور نظیر نہیں ملتی ‌+

۲۹ جولائی کو مہاراج رڑکی پہنچے۔ اور وہاں کے شمبھو ناتھ جی کے بنگلہ میں ٹھہرے۔ اُسی شام کو "ایشور کا حکم" پر اُن کا لیکچر ہوا۔ رڑکی کالج کے معلم اور متعلم اور شہر کے لوگ اس لیکچر میں آئے۔ اور لیکچر سُن کر بے حد خوش ہوئے۔ مہاراج کے لیکچر ہر روز ہوتے تھے۔ وہ اس قدر باقاعدہ تھے۔ کہ وید بھاشیہ کا اہم کام کرتے ہوئے بھی لیکچر کے وقت جلسہ گاہ میں پہنچ جاتے تھے۔ اُن کی باقاعدگی پر لوگ حیران تھے +

۴ راگست ۱۸۷۸ء کو مہاراج کے لیکچر کا وقت شام کے پانچ بجے تھا۔ شری امراؤ سنگھ ایک معزز آدمی کو ساتھ لے کر سوا چار بجے خدمت عالی میں حاضر ہوئے۔ مہاراج نے گھڑی دیکھ کر کہا۔ ابھی سوا چار بجے ہیں۔

رستہ پاؤ گھنٹہ کا ہے۔ اتنا پہلے جا کر کیا کرینگے۔ میں تو صرف پانچ منٹ پیشتر پہنچنا چاہتا ہوں ؎

سوامی جی کے کھنڈن کے لیکچروں سے کچھ آدمی جوش میں آ گئے۔ مگر سامنے آ کر مباحثہ کرنے کی طاقت کسی میں نہ تھی۔ سوال پوچھنے والے اکثر آتے جاتے رہتے تھے ؎

امریکہ کے کرنل الکاٹ کے خطوط سوامی جی کے پاس پنجاب میں آئے تھے۔ مگر اُن کا جواب ابھی تک نہ دیا گیا تھا۔ پنڈت امراؤ سنگھ نے اُن خطوط کا ترجمہ لوگوں کو سُنایا۔ جس سے وہ بہت خوش ہوئے۔ سوامی جی نے اُن کا جواب لکھا اور امراؤ سنگھ جی سے ترجمہ کرا کے بمبئی میں شری چنتا منی کی معرفت امریکہ بھجوا دیا ؎

ایک دن سوامی جی اپنے بھگتوں کو اُپدیش دے رہے تھے۔ کہ بھارت ورش ایسا بد قسمت ہے۔ کہ یہاں کے لوگ اپنے دھرم کا ذرا خیال نہیں کرتے۔ اُن لوگوں میں ایک پنجاب کا مذہبی سکھ بھی بیٹھا سُن رہا تھا۔ اتنے میں ایک مسلمان چٹھی رساں آ گیا۔ اُس نے اُس مذہبی سکھ کو دھمکا کر کہا۔ کہ تو یہاں کیوں آ گیا ہے۔ تجھے شرم نہیں آتی۔ مذہبی سکھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے مگر مہاراج نے چٹھی رساں کو روک دیا۔ اور مذہبی سکھ کو محبت سے سمجھایا۔ کہ بغیر کسی خیال کے یہاں روزانہ آیا کرو۔ ہماری نگاہ میں پرماتما کے تمام لوگ ایک جیسے

ہیں - یہاں تم سے کوئی نفرت نہ کریگا - اس بات سے حوصلہ پا کر وہ شخص سوامی جی کے اُپدیشوں میں ہر روز شامل ہونے لگا ؛

اُس زمانہ میں کنھیا لال نام کے ایک انجنیئر رڑکی میں تھے - اُنہوں نے سوامی جی سے کہا کہ منشی اشیا کے استعمال سے دھیان خوب لگتا ہے - طبیعت اِدھر اُدھر جانا چھوڑ دیتی ہے - سوامی جی نے جواب دیا یہ ٹھیک ہے - کہ اس سے انسان کا دل ایک ہی خیال میں غرق ہو جاتا ہے - مگر اس سے کسی چیز کی اصلی ماہیت کا علم نہیں ہوتا - اصلی علم مقابلہ سے ہوتا ہے - خوبی اور خوبی والے اور سچ اور جھوٹ کا علم منشی اشیا کے اثر میں ہونا ناممکن ہے - اس بات کو کنھیا لال جی نے تسلیم کر لیا ؛

ایک دن ایک یوروپین کرنل اور کپتان سوامی جی کے لیکچر میں آئے - اُسدن آپ انجیل پر بول رہے تھے - کرنل صاحب جوش میں آ کر سوال کرنے لگے - طبیعت ابال کھانے لگی - مگر سوامی جی کے جواب ایسے مدلل تھے - کہ آخر اُسے خاموش ہونے کے سوا کوئی دوسرا رستہ نہ سوجھا - مولوی محمد قاسم نے طول طویل خط لکھا - مگر مباحثہ کرنے نہ آیا - بھوٹو سنگھ ویدانتی نے آ کر کہا - آپ پراودیا نہیں جانتے - اگر جانتے ہوتے - تو آپ پرماتما

اور روح کو الگ کبھی نہ کہتے۔ اُس نے کئی اُپنشد کے واکیہ پڑھے اور کہا کہ انسانی روح ہی پرماتما ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ بھوتو سنگھ! کیا آپ بھی ایشور ہیں؟ بھوتو سنگھ نے جواب دیا۔ یقیناً میں ایشور ہوں۔ سوامی جی نے پوچھا۔ اس کائنات کا مصنّف کون ہے؟ اُس نے جواب دیا۔ ایشور۔ تب سوامی جی نے پاس پڑی ہوئی ایک مکھی کو اُٹھا کر کہا۔ اگر آپ ایشور ہیں۔ تو اس میں جان ڈال دیجئے۔ تاکہ ہمیں بھی آپ کی طاقت کا علم ہو جائے۔ بھوتو سنگھ نادم اور خاموش ہو گیا۔

سوامی جی وقت مقررہ پر تقریر شروع کر دیتے تھے۔ لوگوں کا انتظار نہ کرتے تھے۔ حاضری کم ہو یا زیادہ۔ مگر وہ وقت پر تقریر شروع کرنے سے نہ چوکتے تھے۔ ایک دن اتفاق سے لیکچر کے وقت پنڈت بلدیو سہائے اور امراؤ سنگھ دو ہی آدمی موجود تھے۔ اُنھوں نے بہتیرا کہا۔ کہ تھوڑا سا انتظار کر لیجئے۔ لوگ ابھی آ جائینگے۔ پر سوامی جی نے نہ مانا۔ ٹھیک وقت پر لیکچر شروع کر دیا۔ اُس کے دن کے بعد لوگ وقت کے ایسے پابند ہو گئے۔ کہ وقت سے پہلے ہی آ جاتے تھے۔

سوامی جی ہمیشہ خوش رہتے تھے۔ ہر وقت اُن کا چہرہ کھلا رہتا تھا۔ اُن کی بھوؤں میں کھنچاوٹ اور اُن کی پیشانی پر بل کسی نے نہیں دیکھا۔ اُن کے دونو ہونٹوں پر ہلکی سی

مسکراہٹ کی بجلی ہمیشہ کھیلتی رہتی تھی۔ کوئی کتنا ہی جوش میں آتا۔ سخت سُست کہتا۔ مگر اُن کی طبیعت بے قابو نہ ہوتی تھی۔ ایک لیکچر کے موقع پر ایک آدمی نے پکار کر کہا۔ یہ باوا اوپر سے وید وید پکارتا ہے۔ مگر اندر سے ہندوؤں پر قینچی چلا رہا ہے۔ یہ عیسائی ہے۔ بھیس بدل کر ہندوؤں کو برباد کرنے آیا ہے۔ یہ بڑا فریبی ہے۔ بڑا دھوکا باز ہے۔ سادہ لوح ہندوؤں کو وہم کے جال میں پھنسانے کے لئے سنیاسی بنا پھرتا ہے۔ سوامی جی نے اس بات پر ذرا بُرا نہ منایا ٭

جس کوٹھی میں سوامی جی ٹھیرے ہوئے تھے۔ اُسی کے ایک کمرے میں آریہ سماج رڑکی کی انترنگ سبھا ہو رہی تھی۔ ممبران کو ابھی کام کا طریق نہ آتا تھا۔ اس لئے اُنہوں نے سوامی جی سے شمولیت کی درخواست کی۔ اُنہوں نے کہا۔ میں ممبر نہیں۔ رائے نہیں دے سکتا۔ اس پر اُنہوں نے اُسی وقت سوامی جی کو ممبر بنا لیا اور سوامی جی نے اپنی رائے کے ساتھ اُنہیں نصیحت کی۔ سبھا میں کبھی اڑنا نہیں چاہئے۔ اپنے حق میں دلیلیں دو۔ مگر دل میں ضد نہ آنے دو۔ کسی بات کو پکڑ کر ایسی کھینچا تانی نہ کرنی چاہئے۔ کہ بھائیوں کی محبت کا سلسلہ ہی ٹوٹ جائے۔ کثرت رائے سے جو فیصلہ ہو جائے۔ اُس کی پھر مخالفت نہ کرنی چاہئے۔ انترنگ

سبھا کی کارروائی کو دوسروں پر ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ وہ آدمی اوچھا اور پیٹ کا ہلکا ہوتا ہے جو کسی خفیہ بات کو خفیہ نہیں رکھ سکتا۔ ایسے آدمی پر کوئی اعتماد بھی نہیں کر سکتا ؂

رڑکی میں ایک وید تھان سنگھ جی رہتے تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی سے عرض کی۔ مہاراج جب آپ یوگ ودیا کی اس قدر طاقت تسلیم کرتے ہیں تو ہم آریوں کو اُس کی تعلیم کیوں نہیں دیتے۔ مہاراج نے کہا۔ پہلے دوسری ودیائیں (علم) حاصل کیجئے۔ پھر اس کی بھی باری آجائیگی ؂

رڑکی میں دھرم اُپدیش دینے کے بعد مہاراج وہاں سے ۱۲ر اگست ۱۸۷۸ء کو وداع ہوئے اور دوسرے دن علیگڑھ پہنچے۔ ٹھاکر مکند سنگھ جی اور بھوپال سنگھ جی وغیرہ اصحاب شرمان موسی کی کوٹھی میں مقیم تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی کو بھی اپنے ہی پاس ٹھہرا لیا۔ یہاں ان کے درشن کرنے کے لئے بمبئی سے شری ہریشچندر چنتامنی اور شیام جی کرشن ورما آئے۔ اُن سے اور سوامی جی سے دیر تک دھرم پر بات چیت ہوتی رہی۔ یہاں ایک صاحب نے سوامی جی سے پوچھا۔ دوسرے مذاہب کے ہاتھ کا پکا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ اس میں نہ بُرائی ہے نہ بھلائی ؂

سوامی جی علیگڑھ سے روانہ ہو کر ۲۶ر اگست کو میرٹھ پہنچے۔ اور لالہ دامودر داس کی کوٹھی میں ٹھہرے۔ اُن کے آنے کی خبر آناً فاناً سارے شہر میں مشہور ہو گئی۔ محقق آنے لگے۔ اُسی دن اُس کوٹھی کے برانڈہ میں اُن کا لیکچر ہوا۔ دوسرے دن لوگوں کی درخواست پر دوسرا لیکچر رائے گینڈشی لال کی کوٹھی میں ہوا۔ اس کے بعد اس کوٹھی میں اور بھی کئی لیکچر ہوئے۔ سوامی جی نے اعلان کر دیا تھا۔ کہ میرے لیکچر پر جس کسی کو بھی اعتراض ہو۔ وہ لیکچر کے ختم ہونے پر کھڑا ہو جائے۔ میں جواب دونگا۔ بعض وقت ایک دن محض سوال و جواب کے لئے رکھ لیتے تھے ۞

شریمان لالہ رام سرن داس کے اصرار پر مہاراج نے ۵ ستمبر کو اُن کے مکان پر لیکچر دیا۔ اور اس کے بعد چھ اور لیکچر اُسی جگہ ہوئے۔ اُن لیکچروں میں پُورانوں پر بڑی مزیدار تنقید ہوتی رہی۔ اس کے بعد ۱۴ ستمبر سے ۲۲ ستمبر تک شری چھوٹے لال کی کوٹھی میں لیکچر ہوتے رہے۔ وہاں مہاراج نے اچھی طرح کھنڈن کیا۔ اور رگ وید کے کچھ سوکت سُنا کر لوگوں کے دل موہ لئے ۞

میرٹھ کی دھرم سبھا نے سوامی جی سے یہ سوال کئے
ان چار دھام اور سپت پُری وغیرہ شہروں میں جو بلند

مندر ہیں۔ اور اُن میں جو دیو مورتیاں ہیں۔ اُن کی پوجا ہمیشہ سے ہوتی آتی ہے۔ سُنا ہے کہ آپ کو اس میں شُبہ ہے۔ اگر سچ مچ شُبہ ہے تو تم اُنہیں سمرتیوں کے مطالعہ سے رفع کر لیجئے۔ ورنہ اطلاع دیجئے (۲) گنگا کے متبرک ہونے کے ثبوت دیجئے۔ اگر آپ اُسے متبرک نہ مانتے ہوں۔ تو آپ اپنے شکوک ظاہر کریں (۳) جس قدر اوتار ہوئے ہیں۔ اُنہیں کس نے اوتار بنایا۔ اور اُنہیں کس نے یہ طاقت بخشی +

سوامی جی نے جواب دیا (۱) مجھے پتھر وغیرہ کی مورتیوں کی پوجا میں شکوک ہیں۔ میں تو یقینی طور پر مورتی پوجا کو وید کے خلاف سمجھتا ہوں۔ کسی بھی وید شاستر میں مورتی پوجا کا ذکر نہیں۔ نہ کسی رشی مُنی نے مورتی پوجا کی نہ کسی کو کرنے کا اُپدیش دیا۔ وید میں کہا ہے۔ "نہ تسیہ پرتما ستی" اس کی مورتی نہیں ہے۔ جو لوگ مورتیوں کو ایشور مانتے ہیں۔ اُن سے متعلق کہا گیا ہے۔ "اندھن تمہ پروشنتی" یعنی وہ لوگ جہالت وغیرہ کے سخت ترین دُکھوں کی تاریکی میں پھنس جاتے ہیں۔ لہذا وید کے احکام کے بموجب صرف ایک ایشور ہی کی پوجا کرنی چاہیئے۔ اگر آپ کہیں کہ ہم مورتیوں کو پرماتما نہیں مانتے۔ بلکہ مورتیوں میں پرماتما کا خیال کرتے ہیں۔ اور اسی خیال سے مورتی پوجا کرتے ہیں۔

ہمیں پھل ملیگا - تو ہم پوچھتے ہیں - آپ کا وہ خیال غلط ہے یا درست - اگر درست ہے تو یہ بتاؤ - کہ تمام دنیا جو آرام کا خیال کرتی ہے - اُس کی خواہش بر کیوں نہیں آتی - اگر مورتی میں پرمیشور کے خیال سے پرماتما مل جاتا ہے - تو پانی میں دودھ کا خیال کرنے سے اور مٹی میں مصری کا خیال کرنے سے کیوں کام نہیں بن جاتا - اگر خیال غلط ہے تو اُس پر اعتبار ہی کیا ہے - اگر پرماتما کو حاضر و ناظر سمجھ کر پوجتے ہو - تو پرماتما پھولوں میں بھی ہے - اُن کو توڑ کر مورتی پر کیوں چڑھاتے ہو - حاضر و ناظر کو محدود کرکے پوجنا اُس کے ساتھ مذاق کرنا ہے - اب اگر یہ مانتے ہو کہ مورتی پوجا پرمیشور کے علم کا ذریعہ ہے تو یہ بھی ٹھیک نہیں - صفات سے موصوف کا علم ہوتا ہے - مورتی میں پرمیشور کی ایک بھی خوبی نہیں + (۲) یہ آپ کا سوال ہی عجیب ہے - آپ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں گنگا کے پوتر (پاکیزہ) ہونے کا ثبوت دوں - اس سے دو نتیجے نکلتے ہیں - ایک یہ کہ آپ کو گنگا کے پوتر ہونے میں شبہہ ہے - دوسرے یہ کہ شبہہ تو نہیں ہے مگر پوتر ہونے کا ثبوت آپ کے پاس نہیں ہیں - اس لئے آپ مجھ سے پوچھتے ہیں - میرا تو یقین ہے کہ دوسری تمام ندیوں سے گنگا کا جل عمدہ ہے - مگر میں یہ بھی ساتھ ہی مانتا ہوں - کہ گنگا میں نہانے

سے مکتی نہیں مل سکتی ۔ نہ پاپ دھوئے جاتے ہیں ٭
شری سوامی جی شری کرشن وغیرہ مہاپرشوں کو معصوم مانتے تھے ۔ ستیارتھ پرکاش کے گیارھویں باب میں انہوں نے لکھا ہے کہ مہابھارت میں سری کرشن کے جو حالات زندگی پائے جاتے ہیں ۔ وہ بڑے عمدہ ہیں ۔ مہابھارت میں ایسا کوئی واقعہ درج نہیں ۔ جس سے پتہ لگے ۔ کہ شری کرشن نے پیدائش سے لے کر موت تک کوئی بھی پاپ کیا ہو ۔ پُوران کے مصنف نے اُن پر الزامات عائد کئے ہیں ۔ بارھویں باب میں لکھا ہے کہ شری کرشن وغیرہ نہایت نیک اور دھرماتما تھے ٭ (۳) دھرم سبھا میرٹھ کے تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے مہاراج نے لکھا کہ جن کو آپ پرمیشور کا اوتار مانتے ہیں ۔ وہ پرمیشور کا اوتار نہ تھے ۔ ہاں مہاپُرش ضرور تھے ۔ وہ پرمیشور کی مرضی پر چلتے تھے ۔ وہ سچے دھرم والے تھے ۔ معصوم تھے اور ویدوں کے پنڈت تھے ۔ اُن جیسا اونچا آدمی نہ پہلے ہوا ہے نہ اب ہوگا ۔ آپ اُن کو ایشور مانتے ہیں ۔ یہ آپ کی غلطی ہے ۔ جو اجرامر اور سروویاپک ہے وہ انسانی جامہ نہیں اختیار کرسکتا جو ہر جگہ ہے اور مکمل طور سے ہے ۔ اُسے اوتار بن کر آنے کی ضرورت نہیں ۔ اوتار ہونے سے اُس کی یہ صفت جاتی رہیگی ۔ اگر کہو ۔ کہ گنہگاروں کو سزا دینے

کے لئے وہ اوتار لیتا ہے۔ تب بھی درست نہیں۔
جو بغیر جسم کے کائنات کو پیدا کرتا ہے۔ اس کو قائم
رکھتا ہے اور پھر فنا کر دیتا ہے۔ اُس سے متعلق یہ
خیال کرنا کہ ایک معمولی کام کے لئے وہ انسانی جسم کا
محتاج ہے۔ کتنا چھوٹے درجہ کا خیال ہے۔ پھر آپ نے
پوچھا ہے کہ اوتاروں کو کون بناتا ہے اور کون قوت دیتا
ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ پرمیشور ہی سب کو بنانے
والا ہے۔ وہی سرچشمۂ قوت سب کو طاقت دیتا ہے۔
بڑے شرم کی بات ہے کہ آپ لوگ شری رامچندر اور
شری کرشن جی مہاپرشوں کو پرمیشور کا اوتار مان کر بھی
اُن کی توہین کرتے ہیں۔ اُن کی مورتیاں بازاروں اور
گلیوں میں گھما کر بھیک مانگتے ہیں۔ اُن کے سوانگ
نکال کر تو اور بھی زیادہ بے عزتی کرتے ہیں۔ رام
وغیرہ مہاپرشوں اور سیتا وغیرہ ستیوں کے آپ جب سوانگ
نکالتے ہیں۔ تو غیر مذاہب والے ہنستے ہیں۔ گندہ اشارے
کرتے ہیں۔ دکانداروں کے لئے یہ راس دل لگی کا سامان
ہے۔ مگر غیروں کی نگاہوں میں بڑی بے عزتی ہوتی ہے
ماکھن چور کے سوانگ بھی کم ہتک آمیز نہیں۔ اپنے دیس
کے جو راجے مہاراجے لاکھوں آدمیوں پر حکومت کرتے
تھے۔ اُن کی حفاظت کرتے تھے۔ جو مہاپرش زندگی بھر
پرماتما کی مرضی پر چلے۔ جو سچائی میں۔ انصاف میں۔

دھرم میں لاثانی تھے۔ بڑا سخت افسوس ہے کہ آپ لوگ
اُن کے سوانگ بنا بنا کر پیسہ پیسہ کے لئے ہاتھ پھیلاتے
پھرتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اپنے آپ کو ان مہاپرشوں کا
بھگت بتاتے ہیں۔ آپ عملی طور پر اُن کے سوانگ
بناتے ہیں اور اُنہیں ناچتے اور مانگتے دیکھتے ہیں۔
اور پھر بھی آپ پر کوئی خاص اثر نہیں ہوتا۔ ادھر
میرا دل اس بیان ہی سے پرزہ پرزہ ہو رہا ہے۔
اس وقت میرے دل کو اس قدر افسوس ہو رہا ہے۔
کہ اُسے بیان کرنا زبان کی طاقت سے باہر ہے۔
صرف اسی کو کافی سمجھئے۔ کہ پرماتما کا اوتار نہیں
ہوتا۔ اس کے بعد سوامی جی نے ایک منتر ثبوت
کے طور پر درج کیا تھا ٭

مولوی عبد اللہ نے مباحثہ کرنے کے لئے خط و
کتابت کی۔ سوامی جی نے اُن کی درخواست فوراً منظور
کر لی۔ اور تحریر کیا۔ کہ مباحثہ تحریری ہوگا۔ مولوی صاحب
نے یہ منظور نہ کیا ٭

مہاراج نے اپنے عالمانہ لیکچروں سے جھوٹے متوں کا
پول کھول دیا۔ اُن کے فرضی قصّوں کی تصویر لوگوں کے
سامنے رکھ دی۔ ناممکن باتوں پر نکتہ چینی کی۔ اس سے
پورانک لوگوں میں ہلچل مچ گئی۔ اور کھنڈن کی پر زور ہوا
سے پورانک سمندر میں جھکورے آنے لگے۔ پنڈت لوگ

جگہ جگہ پر جلسے کرتے۔ اور مہاراج کی خدمت میں گمنام چٹھیاں بھیجتے۔ مگر سوامی جی یہی جواب دیتے۔ کہ کسی معتبر پنڈت کی طرف سے چٹھی لائیے۔ میں مباحثہ کو تیار ہوں۔ کئی آدمی اِدھر اُدھر آتے گئے۔ طرفین کے معزز آدمیوں نے مل کر قواعد بھی مرتب کئے۔ لیکن نتیجہ پھر بھی وہی نکلا۔ سوامی جی کے پاس اُدھر سے جو بھی خط آیا۔ بغیر دستخطوں کے آیا۔ آخرکار سوامی جی نے تمام خط کتابت لوگوں کو سُنا کر مفت کی تضیع اوقات بند کر دی۔

مہاشہ بینی پرساد جی سوامی جی کے پاس ہر روز آیا کرتے تھے۔ انہوں نے ایک دن پوچھا۔ بھگون! گنگا مہاتم۔ تلک وغیرہ لگانے کی رسم یوں ہی جاری ہو گئی ہے یا اس کا کوئی خاص باعث ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ کہ مہاتم سب بے بنیاد ہیں۔ مگر یہ گنگا وغیرہ مقامات ہمارے رشیوں کے آشرم تھے۔ ان خوبصورت اور صحت بخش مقامات پر وہ جپ تپ اور یوگ کیا کرتے تھے۔ ودیارتھیوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ دُنیوی کاموں سے تھکے اور تپے ہوئے لوگ وہاں جا کر چار دن آرام کرتے تھے اور رشی مُنیوں کے درشنوں سے شادکام ہوتے تھے۔ بڑے چلن کے لوگ وہاں جا کر اپنے آپ کو سُدھارتے تھے مگر اب وہ دن کہاں؟

اب تو ان مقامات پر خود غرضی کا جمگھٹا ہے۔ اس طرح تلک لگانے میں کوئی پُن (ثواب) نہیں۔ یہ رسم یونہی جاری ہوگئی ہے۔ یہ درست ہے کہ قدیم آریہ لوگ دونو بھوؤں کے درمیان دھیان لگایا کرتے تھے۔ اور اپنے شاگردوں کو بھی یہی تعلیم دیتے تھے۔ اس جگہ دھیان لگانے سے فائدہ بھی بہت ہوتا ہے۔ یہ یوگ کی مشق کرنے والوں میں سے بعض کو قطرہ کے مانند روشنی کا ذرہ دکھائی دینے لگتا ہے۔ بعض کو روشنی کا چکر سا نظر آتا ہے۔ بعض نصف اور بعض پورے چاند کی شکل کی روشنی دیکھ لیتے ہیں۔ اور کسی کو چراغ کی لو کی سی روشنی نظر آتی ہے۔ یہ سب یوگ کے کرشمے روح کی ترقی کے آثار ہیں۔ صرف تلک کو ان سے کوئی تعلق نہیں"۔

بینی پرساد نے عرض کی۔ مہاراج! آپ پرماتما کی ہستی دلیلوں سے ثابت کر دیتے ہیں۔ مگر دلیلیں ہمیشہ بدلتی رہتی ہیں۔ جو دلیل آج ناقابل تردید ہے۔ کوئی تعجب نہیں اگر کچھ عرصہ بعد وہ رد ہو جائے۔ مہاراج نے جواب دیا۔ ہم نرے بودھ نہیں ہیں کہ دلیلوں کے بغیر کسی دوسرے ثبوت کو تسلیم نہ کریں۔ ہمارا سب سے بڑا ثبوت وید ہے۔ اُس میں ایشور کی ہستی تسلیم کی گئی ہے۔ ایشور کی ہستی کا بیّن ثبوت بھی ہے۔

ایشور سب کے قریب ہے۔ اور ہر روز سب کو اُپدیش دیتا ہے۔ جو لوگ جہالت کے اندھیرے میں ہیں۔ وہ اُسے نہیں سمجھتے۔ ذرا سوچو۔ ایک آدمی چلا جا رہا ہے۔ راہ میں ایک قیمتی چیز پڑی دیکھ کر اُس کا جی للچاتا ہے۔ وہ اُسے اُٹھانے کو ہاتھ بڑھاتا ہی ہے کہ اُسے اپنے اندر سے آواز آتی ہے۔ خبردار! یہ کام نہ کرو۔ یہ پاپ ہے۔ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ اسی طرح جب کوئی آدمی نیکی کرنے لگتا ہے۔ تو اُس کی خوشی اور ہمت بڑھ جاتی ہے۔ اُس کے اندر یہ آواز پیدا ہوتی ہے کہ یہ کام بڑا عمدہ ہے اور اچھا نتیجہ دینے والا ہے۔ یہ دونو قسم کے اُپدیش سب کے اندر کے آتما پرماتما کی طرف سے ہوتے ہیں۔ یہ آکاش بانی سب کے اندر گونجتی رہتی ہے۔ لیکن اسے سمجھتے وہی ہیں۔ جن کے ضمیر سے گناہ کی سیاہی کا داغ دُور ہو چکا ہو۔ ایشور کی ہستی کا یہی ثبوت ہے +

مہاشہ بینی پرساد اُس زمانہ میں جوان تھے۔ ایک دن وہ اپنے چھ سات دوستوں کو لے کر سوامی جی کے پاس گئے۔ رات کے نو بج چکے تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی سے عرض کی۔ ہم آپ کے پاؤں دبانا چاہتے ہیں۔ سوامی جی تاڑ گئے۔ کہ یہ اس بہانہ سے میری طاقت

کا اندازہ کرنا چاہتے ہیں - مسکرا کر بولے - پاؤں بعد میں دبائیو - پہلے سب مل کر ہمارا پاؤں زمین پر سے اُٹھا کر تو دکھا دو - یہ کہ کر سوامی جی نے پاؤں پسار دیا - مگر اُن سب سے اُٹھایا نہ گیا ‎۔

ایک دن بہت سے مسلمان اور پادری سوامی جی کے پاس آئے - اُن سب نے دلیلیں دے دے کر ثابت کرنے کی کوشش کی - کہ اُن کی مذہبی کتاب الہامی ہے - جواب دیتے وقت سوامی جی نے اُن سب کی دلیلوں کی دھجیاں اُڑا دیں - وید کے حق میں ناقابل تردید ثبوت دئے اور کہا سنسکرت زبان ہی ایک ایسی زبان ہے - جو قدرتی اور ایشور کی بخشی ہوئی ہے - اس کے سُروں کو لیجئے - ہر ایک ملک میں اُن کی آواز موجود ہے - چھوٹا بچہ بھی اُنہیں ادا کر سکتا ہے - کا کھا کا تلفظ بھی باقاعدہ اور آسان ہے - جو زبان قدرتی آوازوں سے بنی ہے - وہی زبان قدرتی اور پہلی زبان ہونی چاہئے - الہامی کتاب بھی اُسی زبان میں ہونی چاہئے ‎۔

بختاور سنگھ اُن دنوں میرٹھ میں سب جج تھے - وہ ہر روز سوامی جی کی خدمت میں آیا کرتے تھے - ایک دن وہ اپنے ایک نوجوان رشتہ دار کو ساتھ لے آئے - مہاراج نے کہا - اس نوجوان کی عمر ۱۶ برس کی معلوم ہوتی ہے - اتنی چھوٹی عمر میں آپ نے اس کا بیاہ

کیوں کر دیا ہے - آپ تعلیم یافتہ آدمی ہیں - اگر آپ بھی ایسی رسموں کو نہ مٹائینگے - تو سُدھار کیسے ہوگا؟ یہ بچپن کا بیاہ آپ کی قومی زندگی کو لکڑی کا گھن بن کر کھا رہا ہے - اب جو ہونا تھا - ہو گیا - مگر پچیس برس سے پہلے اس کی عورت کو گھر میں نہ آنے دیگا +

سوامی جی کو پرماتما پر کامل یقین تھا - وہ اُسی کے بھروسے پر ہر ایک کام نڈر ہو کر کرتے تھے - میرٹھ چھاؤنی کا ایک سیٹھ سوامی جی کا سخت مخالف تھا - اُس نے اُن پر حملہ کرنے کے لئے چھ سات گوجر مقرر کئے - اس بات کا علم مہاشہ شولال وغیرہ کو بھی ہو گیا - انہوں نے یہ اطلاع سوامی جی کو دی اور کہا - ایسے لوگوں سے خبردار رہنا چاہئے - سوامی جی نے جواب دیا - آپ میری طرف سے مطمئن رہیں - مجھے پرماتما پر بھروسہ ہے - وہی میرا محافظ ہے - یہاں سوامی جی نے ایک لیکچر میں شرادھ کا کھنڈن کیا - اس سے وہاں کے براہمن اور اچارج بہت طیش میں آئے - اور جس راہ سے سوامی جی کو اپنے ڈیرے پر جانا تھا - اُس پر لاٹھیاں لے کر بیٹھ گئے - اور کہنے لگے - کہ آج دیانند ادھر سے نکلے تو سہی - ہم اُسے زندہ نہ چھوڑینگے - یہ خبر سوامی جی کے پریمیوں کو بھی مل گئی - لیکچر کے خاتمہ

پھر جب مہاراج چلنے لگے۔ تو بھگتوں نے عرض کی۔ ذرا ٹھیر جائیے۔ تاکہ کچھ انتظام کر لیا جائے۔ راہ میں بدمعاش بیٹھے ہیں۔ اور فساد کرنا چاہتے ہیں۔ سوامی جی نے ہنس کر جواب دیا۔ وہ کچھ نہ کر سکینگے۔ میں ایسی باتوں سے نہیں ڈرتا۔ ایک شریف آدمی کے ساتھ میرا وقت مقرر ہو چکا ہے۔ اس لئے میں یہاں نہیں ٹھیر سکتا۔ یہ کہکر سوامی جی اُسی راہ سے روانہ ہوئے۔ کسی کو اُنگلی تک اُٹھانے کا حوصلہ نہیں ہوا۔ وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے ۔

پنڈت گوری شنکر جیوتشی اور کچھ اور آدمی سوامی جی سے ملنے آئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ سوامی جی نے اُن سے کہا۔ میں پچیس منٹ سو چکنے کے بعد آپ سے بات چیت کرونگا۔ اتنی دیر آپ تشریف رکھیئے۔ وہ سب باہر کے کمرے میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد سوامی جی کا ایک تحصیلدار بھگت آیا۔ گوری شنکر نے اُن سے کہا۔ سوامی جی کو پچیس منٹ سونا ہے۔ پندرہ منٹ سو چکے ہیں۔ دس منٹ باقی ہیں آجائیے بیٹھئے۔ جب پورے پچیس منٹ گزرے تو سوامی جی جاگ اُٹھے۔ وہ لوگ حیران رہ گئے۔ سوامی جی نے گوری شنکر سے پوچھا۔ آپ کس غرض سے تشریف لائے ہیں۔ اُس نے کہا۔ میں جیوتشی ہوں۔ کچھ لینے کی

غرض سے آیا ہوں - سوامی جی نے ہنستے ہنستے کہا - اگر آپ کو یہاں آتے وقت خیال تھا - کہ کچھ مل جائیگا - تو آپ کا جیوتش غلط ہے - میں آپ کو کچھ نہ دونگا - اگر آپ کو خیال تھا - کہ آپ کو یہاں سے کچھ نہ ملیگا - تو یہاں آنا بیکار ٹھیرا - ایسی حالت میں کون کہ سکتا ہے کہ آپ کا جیوتش ٹھیک ہے - گوری شنکر اس کا کچھ بھی جواب نہ دے سکے +

ایک دن مہاراج کی خدمت میں ضلعدار کھیم راج آئے - جب وہ جانے لگے - تو سوامی جی سے بولے - اگر میں ڈپٹی ہو گیا - تو پہلے ماہ کی تنخواہ وید بھاشیہ کے لئے نذر کرونگا - کچھ دیر کے بعد اُن کی خواہش پوری ہو گئی - ابھی اُنہوں نے کسی دوست کو بھی اطلاع نہ دی تھی - کہ سوامی جی کا خط اُنہیں موصول ہوا - جس میں اُن کی ترقی پر مبارکباد دی تھی - اور اُن کو اُن کا عہد یاد کرایا گیا تھا - اس پر کھیم راج بڑے حیران ہوئے - کہ انہیں کیسے پتہ لگ گیا +

ایک دن بہت سے نلک والے براہمن سوامی جی کے پاس بیٹھے تھے - کہ اتنے میں ایک معزز آدمی نے آکر سوامی جی کو نمسکار کیا - اور خیریت پوچھی - سوامی جی نے جواب دیا - ہمیں خیریت کیسی - بھگت نے پوچھا - مہاراج کیا کوئی تکلیف ہے - اُس وقت سوامی جی نے آہِ سرد

بھری اور کہا۔ اس سے بڑھ کر تکلیف اور کیا ہو سکتی ہے کہ یہ براہمن جو پاس بیٹھے ہیں۔ اپنے دھرم سے کوسوں دور ہیں۔ بیرونی نمائش اور پاکھنڈ سے پیار کرتے ہیں۔ دھرم پرچار کا انہیں خیال تک نہیں۔ آریوں کی اولاد کی حالت پر انہیں ذرا رحم نہیں آتا +

مہاراج کی طبیعت بڑی نرم تھی۔ اُن کا دل اتنا درد رس تھا۔ کہ آریہ قوم اور آریہ دھرم کی بُری حالت کا بیان کرتے ہوئے اُن کا دل بھر آتا تھا۔ اور اُن کی آنکھوں میں پانی آ جاتا تھا +

میرٹھ میں اُن کی تشریف آوری سے بڑا شور مچا۔ لوگ دھرم کی طرف آنے لگے۔ کئی آدمیوں نے اپنے چلن سدھار لئے۔ آریہ سماج بھی قائم ہو گیا۔ لالہ رام سرن داس جی اور چھیدی لال جیسے آدمی ممبر بن گئے۔ میرٹھ سے چل کر سوامی جی ۸ ر اکتوبر ۱۸۷۸ء کو دہلی پہنچے۔ اور سبزی منڈی میں لالہ بال مکند اور کیسری چند کے باغ میں ٹھیرے۔ اشتہارات کے ذریعے تمام شہر میں اعلان کیا گیا۔ اور شاہ جی کے چھتہ میں کئی لیکچر ہوئے +

سوامی جی یگیوں میں اور یگیوپویت سنسکار میں گایتری منتر کا جاپ کرایا کرتے تھے۔ کئی کئی پنڈت مل کر بارہ چودہ دن تک یہ جاپ جاری رکھتے تھے۔ یجمان کو بھی جاپ کرنا ہوتا تھا۔ جے پور کے ٹھاکر

شری رنجیت سنگھ نے ایک بھاری یگیہ کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر مہاراج نے انہیں کہہ رکھا تھا۔ کہ ہمارے کہنے کے بموجب گایتری کا جاپ کرائیے گا۔ اس ارادہ کو پورا کرنے کے لئے ٹھاکر صاحب نے جوشی رام سروپ کو سوامی جی کے پاس بھیجا۔ کہ انہیں لے آئے۔ سوامی جی نے جے پور جانا منظور کر لیا +

سوامی کے درشن کرنے اور انہیں دانا پور لے جانے کے لئے بھولانانھ اور لکھمن لال نامی دو اصحاب آئے اور نمستے کہہ کر مہاراج کے پاس بیٹھ گئے۔ ان کی درخواست کو سن کر سوامی جی نے کہا۔ یہاں سے تو میں جے پور جانے کا قول دے چکا ہوں۔ فرصت کے وقت آپ کے ہاں ضرور آؤنگا۔ وید بھاشیہ کا ذکر چلنے پر کہا۔ یہ کام میں آپ ہی کے لئے کر رہا ہوں۔ میری موت کے بعد بہت کام آئیگا۔ اور ترقی کا موجب ہوگا +

مہاراج دلی میں آریہ سماج قائم کر کے کارتک شکلا ایکادشی سمبت ۱۹۳۵ کو جے پور روانہ ہوئے۔ جب گاڑی سٹیشن پر پہنچی۔ تو وہاں جوشی رام سروپ موجود تھے۔ اُن کا سر منڈا ہوا تھا۔ سوامی جی کے پوچھنے پر بولے "بھگون۔ بڑا ہی افسوس ہے کہ ٹھاکر صاحب چل بسے" سوامی جی نے اس وقت کہا۔ تو میں اب یہاں نہ اترونگا۔ میری طرف سے ٹھاکر کے رشتہ داروں

سے افسوس کرنا - اور کہنا - کہ اجمیر سے ہو کر میں یہاں ضرور آؤنگا - یہ کہہ کر مہاراج نے اجمیر کا ٹکٹ لیا - اور گاڑی میں بیٹھ گئے - اور دوسرے دن اجمیر پہنچ گئے - کئی معززین خیر مقدم کو موجود تھے - سوامی جی سردار بھگت سنگھ کی بگھی میں بیٹھ کر سیٹھ رام پرساد کے باغ کو چلے گئے - کارتک پورنما کو پشکر جی میں میلہ ہوتا تھا - مہاراج وہاں پرچار کرنا چاہتے تھے - اس لئے اسی دن اجمیر سے چل کر جودھ پور کے گھاٹ پر ایشور ناتھ جی کے دریچہ میں جا ٹھیرے - دوسرے دن اشتہار دے کر سب کو اطلاع دی گئی - اور جلسہ کیا گیا - اس سے پیٹ کے پروہتوں میں ہلچل مچ گئی - اس کے بعد سوامی جی اجمیر لوٹ آئے - اور لیکچروں کا سلسلہ شروع ہو گیا - کئی مضامین پر تقریریں ہوئیں - جن میں سے ایک کا مضمون عیسائیت تھا - اُس وقت وہ بائیبل کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سُناتے تھے اور اُن پر رائے زنی کرتے تھے - ایک یوروپین پادری نے کہا - آپ بائیبل کے جن جن مضامین پر اعتراضات کرتے ہیں - اُن کے متعلق لکھ کر ہمیں بھیج دیجئے - ہم اُن پر غور کر کے آپ کو جواب دینگے - دوسرے دن سوامی جی نے چوبیس اقتباسات پنڈت بھاگ رام ای اے سی کے ہاتھ پادریوں کے پاس بھجوا دئے - دس دن تک

پادری صاحب اُن کا جواب سوچتے رہے اور اس کے بعد مارگ شیرش سدی ۴ کو مباحثہ کے لئے آئے۔ اس دن جلسہ گاہ میں لوگوں کا ہجوم تھا۔ سرکاری عہدیدار بھی آئے تھے۔ شروع میں سوامی جی نے کہا۔ پادریوں کے ساتھ میرا کئی دفعہ مباحثہ ہوا ہے۔ اور کبھی فساد نہیں ہوا۔ مجھے امید ہے کہ یہاں بھی کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی۔ اس کے بعد سوامی جی نے پیدائش باب ۱ آیت ۲ کا حوالہ دے کر کہا۔ کہ زمین بے ڈول ہے۔ جب پرماتما سب کچھ جاننے والا ہے۔ تو اس کا کام بے ڈول کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ کام تو کسی نو آموز کا ہو سکتا ہے۔ اس پر پادری گرے صاحب نے جواب دیا۔ بے ڈول کے معنی ویران کے ہیں ÷

سوامی نے کہا۔ اس سے پہلی آیت میں یہ بیان ہے۔ کہ ابتدا میں پرماتما نے زمین اور آسمان بنایا۔ اور زمین بے ڈول اور ویران تھی۔ جب علیحدہ ویران لفظ موجود ہے۔ تو پھر بے ڈول کے معنی ویران کے کیسے کئے جا سکتے ہیں؟ پادری صاحب بولے۔ ایک ہی معنی کے لئے دو دو لفظ استعمال ہو سکتے ہیں۔ اس پر سوامی جی ابھی بولنے ہی لگے تھے۔ کہ پادری صاحب نے کہا۔ سوامی جی! ایک اعتراض پر دو سوال جواب ہی ہوں تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ہم چوبیں مضامین

پر آج کیسے بول سکینگے۔سوامی جی نے بہتیرا کہا۔ کہ بولنے دیجیے۔ وقت کا خیال کرنا ناواجب ہے۔ جو سوال رہ جائینگے۔ اُن پر کل غور ہو جائیگا۔ مگر پادری صاحب نے منظور نہ کیا +

اس کے بعد سوامی جی نے دوسرا اعتراض کرتے ہوئے کہا۔اُسی آیت میں بیان آیا ہے کہ خدا کی روح پانیوں کے اوپر جنبش کرتی تھی۔اس سے پیشتر صرف آسمان اور زمین کو بنایا گیا ہے۔جب پانی کو بنایا ہی نہیں گیا۔تو اُس پر کسی کا جنبش کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جنبش وہی کر سکتا ہے۔جو مجسّم ہو۔ایسی حالت میں پرماتما نے آسمان کیسے بنا دیا۔کیونکہ وہ تو لامحدود ہے۔جواب دیتے ہوئے پادری صاحب نے کہا۔زمین میں پانی بھی آ گیا۔ توریت کے شروع سے آخر تک میں پرماتما کو روح کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔پرماتما کا جو بیان بائیبل میں پایا جاتا ہے اُس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس کا جسم بھی ہے۔ جیسے آدم کی باغیچی بنانا۔ پھر آسمان پر چڑھ جانا۔ موسیٰ وغیرہ سے گفتگو کرنا۔ خیمہ میں آنا۔ اور یعقوب سے مل کر جنگ کرنا۔پادری صاحب بولے۔ یہ سب باتیں اُس آیت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتیں۔ یہ سب انجان پن کی باتیں ہیں +

تیسرا اعتراض کرتے ہوئے سوامی جی نے کہا۔ اُسی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ تب ایشور نے کہا۔ آدم کو اپنی صورت میں اور اپنے جیسا بنایا۔ اِس سے تو یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جس طرح آدم مجسّم تھا۔ اُسی طرح پرماتما بھی مجسم ہے۔ پادری صاحب نے جواب دیا۔ کہ اس آیت میں جسم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا مطلب محض یہ ہے۔ کہ پرماتما نے آدم کو پاکیزہ علم والا اور خوش و خرّم بنایا ﴿

سوامی جی نے کہا۔ جب آپ کی الہامی کتاب میں ذکر آتا ہے۔ کہ ایشور نے آدم کو اپنے جیسا بنایا۔ تو اس کا مقدس اور علم وغیرہ معنی کیسے لیتے ہو؟ اگر آدم مقدّس تھا۔ تو اُس نے پرماتما کی مرضی کے خلاف کیوں کام کیا؟ آپ کی کتاب میں کہا گیا ہے۔ کہ جب آدم نے علم کے درخت کا پھل کھایا۔ تو اُس کی آنکھیں کھُل گئیں۔ اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب پرماتما نے اُسے بنایا۔ اُس وقت وہ عقلمند نہ تھا۔ عقل اُسے بعد میں حاصل ہوئی۔ اگر آپ آدم کی آنکھیں کھُل جانے اور اپنے آپ کو عریاں سمجھنے کو جہالت سمجھتے ہیں۔ تو کیا ایشور کو اور ایشور جیسی شکل والوں کو ان حالتوں کا علم نہیں ہوتا۔ اس سے تو آپ کے ایشور کی طاقت بہت کم ہو جانے کا

اندیشہ ہے ؛
پادری صاحب نے کہا۔ وقت ختم ہو گیا ہے۔ اب ہم زیادہ نہ ٹھہر سکینگے۔ اس طرح کے مباحثہ میں لکھنا بھی پڑتا ہے۔ بولنا بھی۔ اس سے وقت بہت ضائع ہوتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے اعتراضات لکھ کر ہمارے پاس بھیج دیجئے۔ ہم اُن کا تحریری جواب دے دینگے۔ سوامی جی بولے۔ جب آپ نے اپنا پہلا قول پورا نہیں کیا۔ تو دوسرا کیسے کرینگے۔ لکھ کر سوال و جواب کرنے میں عوام کو فائدہ نہیں ہوتا۔ مگر پادری صاحب نے سوامی جی کا کہنا نہ مانا۔ اور اُٹھ کر چلے گئے۔ تاہم لوگوں کو یہ معلوم ہو گیا۔ کہ عیسائیت کی اصل صورت کیا ہے ؛
اجمیر کے مسلمان بھی سوامی جی سے مباحثہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن جب اُن سے کہا گیا۔ کہ اپنے گوروکو تیار کرو۔ تو وہ ٹل گئے ؛
سوامی جی کے دل میں غریبوں کے لئے بڑی ہمدردی تھی۔ ایک دن لیکچر دے رہے تھے۔ کہ اطلاع موصول ہوئی۔ کہ بھرت پور کے چماروں کے گنج میں آگ لگ گئی ہے۔ یہ سُنتے ہی اُن کے رحم سے بھرے ہوئے دل میں ہمدردی اُمڈ آئی۔ اُنھوں نے اُسی وقت اُن کی امداد کے لئے چندہ دیا اور دوسرے

لوگوں سے بھی کہا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بہت سا روپیہ جمع ہوگیا۔
ریاست مسودا کے راؤ بہادر سنگھ جی نے نہایت عاجزی سے سوامی جی کو اپنے ہاں مدعو کیا۔ اُن کے اصرار پر سوامی جی مارگ شیرش سدی ۸ سمبت ۱۹۳۵ کو مسودا تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کے تین چار لیکچر ہوئے۔ راؤ صاحب لیکچروں میں تو آتے ہی تھے۔ مگر اُنہیں سوامی جی کی صحبت متبرک میں ایسا روحانی حظ حاصل ہوتا تھا۔ کہ سارے سارے دن سوامی جی کے پاس بیٹھے رہتے تھے۔ جو دل میں آتا۔ پوچھتے تھے اور اپنے شکوک رفع کرتے تھے۔

وہاں سے چل کر مہاراج نصیر آباد پہنچے۔ اور مسودا کے باغ میں ٹھہرے۔ وہاں آپ نے تین لیکچر دئے اور پھر چوتھے دن جے پور کو روانہ ہوئے۔

۱۴ دسمبر ۱۸۷۸ء کو سوامی جی جے پور پہنچے۔ اور ڈیر باغ میں ٹھہرے۔ وہاں اُنہوں نے جھوٹی باتوں کا کھنڈن کیا۔ ٹھاکر رگھوناتھ سنگھ نے مہاراجہ صاحب کو سوامی جی کے درشنوں کا مشورہ دیا۔ اور وہ تیار بھی ہوگئے۔ مگر ایک دو برہمچاریوں نے مہاراجہ صاحب کو کچھ اُلٹا سیدھا پڑھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ اس خوش نصیبی سے محروم رہ گئے۔ ریاست کے ایک معزز عہدہ دار سے ایک آدمی نے کہا۔ سوامی جی یہاں آئے ہوئے ہیں۔ آپ اُن

کے درشن کریں۔ اس پر اُس عہدیدار نے جوش سے کہا۔
آپ درشن کرنے کو کہتے ہیں۔ اور ہمارا بس چلے۔ تو
کتّوں سے نچوا دیں“۔ سوامی جی نے جب شرادھ اور
مورتی پوجا کا کھنڈن کیا۔ تو مہاراجہ صاحب جے پور بھی خفا
ہو گئے۔ اس خفگی سے خائف ہو کر ٹھاکر لکشمن سنگھ
جی نے کہا کہ ایسی حالت میں آپ کا یہاں رہنا ٹھیک
نہیں۔ مبادا آپ کو کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش
کی جائے۔ مہاراج نے جواب دیا۔ ٹھاکر صاحب! آپ
ہمارے لئے بالکل فکر نہ کریں۔ ہم دقتوں اور تکلیفوں
سے ڈر کر اپنے کام کو ترک نہ کرینگے۔ نہ ہمیں کسی
کا ڈر ہے۔ آپ عہدیدار ہیں۔ آپ کو خوف ہو سکتا
ہے۔ اس لئے آپ کو چاہیئے۔ کہ میرے پاس نہ آیا
کریں۔ مگر میں تو کسی آدمی کا ملازم نہیں ہوں۔ نہ
مجھ سے کوئی آدمی میری روح چھین سکتا ہے۔ اور
باقی کیا شے ہے۔ جس کے چھن جانے کا مجھے اندیشہ
ہو سکتا ہے؟

جے پور کے پنڈت سوامی جی کی قابلیت سے بخوبی
آگاہ تھے۔ اس لئے خود انہیں سوامی جی کے سامنے
آنے کی ہمت نہ تھی۔ البتہ ودیارتھیوں کو سکھا پڑھا کر
بھیج دیا کرتے تھے۔ سوامی جی اس رمز کو سمجھ گئے۔ ایک
دن انہوں نے ان سے کہا۔ تمہارے ساتھ میرے شاگرد

گفتگو کرینگے۔ ہم تمہارے گوروؤں سے مباحثہ کر سکتے ہیں؟"
جے پور میں تین اعلےٰ درجہ کے لیکچر ٹھاکر لکشمن سنگھ جی کی حویلی میں ہوئے۔ ان لیکچروں میں شہر کے معززین اور سرکاری ملازم بھی آتے تھے۔

سوامی جی کے نرم دل بھگتوں کو صدمہ پہنچانے کی غرض سے کمینے لوگ اُن سے متعلق غلط باتیں مشہور کر دیتے تھے۔ کبھی کہتے۔ سوامی جی کی وفات ہوگئی ہے کبھی کہتے۔ اُن کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اُن کے قیام جے پور کے دوران میں رُڑکی میں خبر اُڑی۔ کہ مہاراج جے پور نے سوامی جی کو اور اُن کے آدمیوں کو قید کر دیا ہے۔ جب تک اُن کو اس خبر کے غلط ہونے کی اطلاع نہ موصول ہوئی۔ تب تک بے چین رہے۔

ریواڑی میں بدھشٹر سنگھ نامی ایک معزز آدمی رہتے تھے۔ وہ نہایت نیک دل اور کوئی پچاس کے قریب گاؤں کے زمیندار تھے۔ اُنہوں نے مہاراج کے درشن دہلی میں کئے تھے اور اُس وقت سے مہاراج کے بھگت بن گئے تھے۔ اُن کی متواتر درخواستوں پر سوامی جی ۲۴ دسمبر ۱۸۷۸ء کو ریواڑی تشریف لے گئے اور شہر سے دور ایک باغ میں ڈیرہ کیا وہاں راؤ مہاشہ کے زیر انتظام اُنہوں نے نہایت عالمانہ لیکچر دئے اور اُن میں رسوم بد کا کھنڈن کیا۔ ایک لیکچر میں

گایتری کی عظمت بیان کی۔ اُس کے دوران میں ایک شخص گنگا پرساد نامی نے عرض کی۔ مہاراج! براہمن کہتے ہیں۔ برمھ گایتری کرنے کا حق صرف براہمنوں کو حاصل ہے۔ مہاراج نے جواب دیا۔ اُن کا کہنا بے بنیاد ہے۔ شاستر میں براہمن۔ چھتری اور ویشیہ تینوں کے لئے گایتری کرنے کا حکم ہے۔ اس کے ساتھ ہی مہاراج نے گنگا پرساد کو اپنی کتاب پنچ مہایگیہ ودھی کی ایک جلد دی۔ اور ایک گھنٹہ صرف کرکے اُسے گایتری پڑھنا سکھایا۔ جب وہ شہر میں گیا۔ تو براہمنوں نے اُس سے کہا۔ یہ جو کچھ تو سیکھ کر آیا ہے۔ یہ برمھ گایتری نہیں ہے۔ گنگا پرساد نے یہ بات سوامی جی سے کہی۔ سوامی جی نے کہا۔ اب جو کوئی تجھ سے یہ کہے۔ اُسے میرے پاس لے آنا۔ میں اُسے سمجھا دُونگا۔ اب تو گنگا پرساد شہر میں گیا۔ چاروں طرف دھاڑتا پھرتا تھا۔ کہ کون ہے جو کہتا ہے یہ گایتری نہیں ÷

راؤ صاحب نے سوامی جی کے لیکچر سننے کے لئے اپنی برادری کے آدمیوں کو دُور دُور سے منگوایا تھا۔ اس لئے ریواڑی کے گرد و نواح میں بھی پرچار ہوگیا ÷

راؤ صاحب کی زندگی کو نیکی اور پاکیزگی کا دان دیکر مہاراج یکم جنوری ۱۸۸۰ء کو دہلی آئے اور سبز منڈی کے قریب بالمکند کشور چند کے موتی باغ میں مقیم ہوئے۔

اس مرتبہ آپ نے وہاں دو تین ہی لیکچر دئے اور پھر ہر یدوار کے کمبھ میلہ پر پرچار کرنے کے لئے چلے گئے۔ راستہ میں آپ میرٹھ اُترے اور وہاں سے اشتہار چھپوا کر ساتھ لے گئے۔ راہ میں سہارنپور اور رڑکی ٹھیرتے ہوئے ۲۰ رفروری کو جوالا پور پہنچے۔ وہاں آپ مولا مصری کے بنگلہ میں ٹھیرے اور ہر روز اُپدیش کرنے لگے۔ اُس جگہ راؤ اوج خاں نامی ایک صاحب رہتے تھے۔ اُنہوں نے ایک دن عرض کیا۔ مہاراج! کیا گئو رکھشا تمام جانوروں کی رکھشا سے اچھی ہے۔ جواب دیا۔ گئو رکھشا سب سے اچھی ہے اور اس میں سب سے زیادہ فائدہ ہے۔ اس لئے گئو رکھشا ہر ایک آدمی کا فرض ہے۔ پھر پوچھا۔ آریوں میں ہر روز نہلنے کا طریق کیوں جاری ہوا؟ جواب دیا۔ طبی اصول کے بموجب ہر روز نہانا قوّت کو بڑھاتا ہے۔ اور تندرستی بخشتا ہے۔ اس سے جسم میں پاکیزگی اور چُستی آجاتی ہے۔ اوج خاں نے یہ جوابات معقول سمجھے اور سوامی جی کے کہنے پر گوشت کھانا ترک کر دیا ؂

ایک دن دو ناگے سادھو سوامی جی کے پاس آکر اوٹ پٹانگ بکنے لگے۔ وہ دونو گستاخ۔ منہ پھٹ اور ضدی تھے۔ سوامی جی اُن سے ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہے۔ اس گفتگو کے دوران میں ناگے کئی

دفعہ غیظ و غضب میں آگئے۔ مگر سوامی جی پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ اُسی طرح آرام و اطمینان سے بیٹھے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ناگوں نے اپنی جٹا اُسی دن کٹا دی اور سوامی جی سے معافی کے طالب ہوئے۔ آگ پانی گرم کرنے آئی تھی۔ آپ ٹھنڈی ہو کر گئی ؏

ایک دن خیمہ کے دروازے کھلے تھے۔ اور مہاراج بیٹھے کام کر رہے تھے۔ کہ آنندبن نامی سنیاسی اُدھر آ نکلے۔ اُن کے ایک ہاتھ میں کرمنڈل دوسرے میں لاٹھی اور جسم پر ایک لمبا صاف چولا تھا۔ ساتھ دس کے قریب چیلے بھی تھے۔ جونہی سوامی جی نے اُنہیں آتے دیکھا۔ فوراً آگے جا کر استقبال کیا اور آسن پر لا کر بٹھا دیا۔ فوراً ہی مباحثہ شروع ہو گیا۔ جب گیارہ بجے تو نوکر نے کہا۔ کھانا تیار ہے ؏

سوامی جی نے اپنے مہمان سے کہا۔ چلئے کچھ کھا لیجئے اُنہوں نے جواب دیا۔ جب تک یہ سوال حل نہ ہولیگا تب تک ہم کچھ نہ کھائینگے۔ مضمون یہ تھا۔ کہ روح اور پرماتما دو ہیں یا ایک۔ سوامی جی چار ویدوں سے اور پچاس ساٹھ دیگر کتابوں سے حوالے پر حوالہ دیتے جاتے تھے۔ اسی طرح دو پہر کے دو بج گئے۔ تب دونو سنیاسی کھڑے ہو گئے۔ اور تھوڑی سی گفتگو کے بعد سوامی آنندبن اپنے شاگردوں سے بولے۔ میں

نے سوامی دیانند کا یہ خیال کہ روح اور پرماتما الگ
الگ چیزیں ہیں - قبول کر لیا ہے - آج ان کی دلیلوں
کی روشنی نے میرے خیال کی پُرغرور تاریکیوں کو اُڑا دیا
ہے - اب آپ کو بھی یہی ماننا چاہیئے - یہ کہ کر وہ سنیاسی
چلے گئے - اور پھر اکثر کر کے سوامی جی کے لیکچروں میں
آتے رہے - اور ہمہ تن محو ہو کر سُنتے رہے - وہ سنسکرت
کے زبردست پنڈت تھے - اور اُس وقت اُن کی عمر
اسّی برس کے قریب ہوگی +

ایک نرملا سادھو جوت سنگھ سوامی جی کے پاس آیا اور
بات چیت کرنے لگا - وہ سوامی جی کے خلاف بڑے سخت
الفاظ استعمال کرتا تھا - مہاراج کے شاگرد جوش میں آجاتے
تھے - مگر مہاراج اُن کو ٹھنڈا کر کے اُس مورکھ مہاتما
سے بات چیت کرتے چلتے تھے - دو دن تک وہ
سادھو ٹیڑھا رہا - مگر تیسرے دن جب آیا - تو طبیعت
کا نقشہ ہی اور تھا - اُس کے دونو رخساروں پر آنسوؤں
کا تار بندھا تھا - وہ ہاتھ باندھ کر سوامی جی کے پاؤں
پر گر پڑا - اور اپنے افعال کے لئے معافی کا طالب
ہوا - سوامی جی کو اُس کی حالت پر بڑا رحم آیا - پس
اُنھوں نے اُسے اپنے پاس ہی رکھ لیا - اور انجام کار
وہ پکا آریہ سماجی بن گیا +

ایک دن آریہ سماج امرتسر کا ایک ممبر سوامی جی کی

خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بولا۔ مجھے آریہ سماج امرتسر نے سماج سے خارج کر دیا ہے۔ سوامی جی نے سوال کیا۔ کیوں؟ جواب دیا۔ کتاب چرانے کے الزام میں۔ سوامی جی نے سنجیدگی سے پوچھا سچ سچ کہو۔ تم نے کتاب چرائی تھی۔ اُس نے جواب دیا۔ یہ قصور مجھ سے سرزد ضرور ہوا ہے۔ سوامی جی نے فوراً سمجھ لیا۔ کہ ضمیر پراشچت کر رہا ہے۔ انہوں نے اُس شخص کو اس قسم کی حرکتوں سے محترز رہنے کا اُپدیش دیا۔ اور آریہ سماج امرتسر کے نام چٹھی لکھ دی۔ کہ اب اسے ممبر بنا لو ۔

ایک دن سوامی جی سے اور مہاتما رتن گری سے ملاقات ہوئی۔ اثنائے گفتگو میں سوامی جی نے کہا۔ تمام مٹھ دھاریوں میں سکھ دیو گری جی۔ جیون گری جی اور وشدھانند جی تین پنڈت ہیں باقی نرے جاہل ہیں۔ اور صرف لڈو پوری کھانا جانتے ہیں۔ آپ ان تینوں پنڈتوں کے پاس میرے سوال لے جائیں ۔

سوامی جی کے کہنے پر رتن گری سوامی جی کا خط لیکر سکھدیو گری کے پاس گئے۔ وہ شری سوامی جی کا خط دیکھتے ہی تلملا اُٹھے۔ اور غصہ سے بولے۔ اب تم دو گھروں کی بلی بن گئے ہو۔ خبردار! اب ہمارے پاس اُن کا کوئی خط نہ لانا ۔

سوامی جی کو ایشور پرارتھنا (حمد) میں بڑا اعتقاد تھا۔ ستیارتھ پرکاش میں لکھتے ہیں۔ ستتی (حمد) سے محبت بڑھتی ہے۔ اُس کے گن۔ کرم اور سوبھاؤ سدھرتے ہیں۔ ایشور کی پرارتھنا سے ابھمان مرتا ہے۔ اور اتساہ پراپت ہوتا ہے۔ پربھو کی سہائتا ملتی ہے۔ پروپکار کرنے کی پرارتھنا ہی میں پرمیشور سہائتا دیتا ہے"۔ ہر لیکچر کے شروع میں پرماتما سے پرارتھنا کیا کرتے تھے۔ وہ ایشور کی ستتی ایسی طرز سے گاتے تھے۔ کہ اُن کا گلا گدگد ہو جاتا تھا۔ اور حاضرین بھی عقیدت کے رس میں جھومتے ہوئے محبت کے آنسو بہانے لگ جاتے تھے۔ اُن کی پرارتھنا میں ایک عجیب و غریب تاثیر ہوتی تھی ؛

ایک دن نرمل مہاتما رام سنگھ جی نے سوامی جی سے پوچھا۔ ایسے قابل اور پنڈت ہو کر بھی آپ گداگروں کی طرح ایشور سے بھیک مانگتے ہیں۔ ایسا کام جاہلوں کا ہے۔ جس گیانی نے "میں پرماتما ہوں" میں یقین کر لیا۔ اُسے اس طرح رونے چلانے کی کیا ضرورت ہے؟ مہاراج نے جواب دیا۔ آدمی میں پرارتھنا کا خیال قدرتی ہے۔ جس طرح آپ میں کھانے پینے اور سونے کی خواہش تو موجود ہے مگر اُسے پورا کرنے کے لئے جگاتے ہیں۔ اُسی طرح پرارتھنا کی عقیدت

کو بیدار کرنے کی ضرورت ہے - یہ غلط ہے - کہ گیانی لوگ پرارتھنا نہیں کرتے - آپ اپنے آپ کو پورا مہدانتی مانتے ہیں - مگر ساتھ ہی ویدانت کے اصول دُہراتے رہتے ہیں - کیونکہ جس بات کا کسی کو جتنا علم ہوتا ہے - وہ اُسے اُتنا ہی یاد رکھتا ہے - جتنی محبت پرماتما سے بڑھیگی - اُس کا اُتنا ہی زیادہ ظہور ہوگا - بھائی رام سنگھ جی بظاہر جو جی چاہے کہو - مگر جب تک بھوک پیاس اور سُکھ دُکھ کو محسوس کرتے ہو - تب تک تم مکمل نہیں کہلا سکتے - تم میں خامیاں ہیں - اُن خامیوں کو رفع کرنے کے لئے تین صفات والی مایا سے اوپر اٹھنے کے لئے پرارتھنا ضروری ہے - رام سنگھ جی نے سر جُھکا کر کہا - مہاراج سچ ہے

سوامی جی کے لیکچروں میں نرملے سادھو بہت تعداد میں آیا کرتے تھے - اُن میں سے بہت سوں کو سوامی جی سے عقیدت ہو گئی - نرملوں کے اکھاڑے میں سادھو جھنڈے کو نمسکار کیا کرتے تھے - جب ایک دن لیکچر میں نرملوں کی منڈلی آئی - تو سوامی جی نے مسکرا کر کہا - آؤ بھائی چوب پرستو! بیٹھ جاؤ یہ سن کر سب سادھو کھلکھلا کر ہنس پڑے - سوامی جی نے اُنہیں اپدیش دیا - کہ تم لوگ رات دن آتما آتما کرتے رہتے ہو - اپنشدوں کو زبانی یاد کرتے

ہو - گیان کرم کی کتر بیونت میں کمال دکھاتے ہو - مگر وہم کا یہ عالم ہے - کہ بےجان اشیا کے سامنے سر جھکاتے ہو؟ اس اُپدیش کا اُن پر بڑا اثر ہوا ٭

سوامی جی کو مختلف مت دیکھ کر مُلک کی حالت پر رحم آتا تھا - اکثر کہتے تھے - ان لوگوں نے سچی راہ کو فراموش کر دیا ہے - لالچ میں پھنسے اپنی اپنی کھچڑی الگ پکاتے ہیں - لوگوں میں اتفاق کیسے ہو - سوامی جی ہندوستان کے مجلسی تنزل پر بھی رنجیدہ رہا کرتے تھے - ایک دن کا ذکر ہے - بیٹھے بیٹھے لیٹ گئے - اور پھر اُٹھ کر ٹہلنے لگے - ایک عقیدت گزار نے کہا - کیا آپ کو کوئی تکلیف ہے - لمبی سانس لے کر بولے - اس سے زیادہ دل کو چیرنے والی تکلیف کیا ہو سکتی ہے - کہ بیواؤں کی آہوں سے اور گئوکشی سے یہ ملک تباہ و برباد ہو رہا ہے ٭

ایک دن صبح کے وقت میرٹھ کے کمشنر صاحب کئی سرکاری ملازموں کے ہمراہ سوامی جی سے ملنے کے لئے آئے - سوامی جی کے سیوکوں نے اُنہیں بیٹھنے کو کرسیاں دیں - تھوڑی دیر بعد سوامی جی بھی اپنے خیمہ سے باہر آئے اور ان صاحبان سے بخندہ پیشانی ملے - کمشنر صاحب سوامی جی سے بات چیت کرکے بہت ہی خوش ہوئے اور اُن کی حفاظت کے

لئے پولیس کے سپاہی مقرر کر گئے۔

ایک دن سوامی جی بیٹھے تھے کہ ایک آدمی نے آکر عرض کی۔ مجھے مہاراجہ صاحب جموں و کشمیر نے بھیجا ہے۔ لوگوں نے تو آپ کی موت کی خبر بھی مشہور کر دی ہے۔ مگر مہاراجہ صاحب نے اُس پر یقین نہیں کیا۔ اور کہا کہ اگر سوامی جی بخیریت ہیں۔ تو کمبھ کے میلہ پر ہردوار ضرور آئینگے۔ اُن کو ہمارا خط دے دینا۔ یہ کہکر اُس آدمی نے مہاراجہ صاحب کا خط نکال کر سوامی جی کے ہاتھ میں دے دیا۔ لکھا تھا۔ ایک ایسی کتاب تیار کریں۔ جس میں شاستروں کے حوالوں سے یہ ثابت کیا جائے کہ جو ہندو اپنا دھرم چھوڑ کر مسلمان یا عیسائی ہو جاتے ہیں وہ پھر شُدھ ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت کریں۔ کہ پیدائش سے مسلمان اور عیسائی لوگ بھی ہندو بن سکتے ہیں۔ اُن کے ساتھ کھانے پینے میں کوئی نقصان نہیں۔ سوامی جی نے اُس آدمی کو جواب دیا۔ عیسائی اور مسلمانوں کو شاستروں کے بموجب آریہ بنانا ثابت کرنا چنداں مشکل نہیں۔ یہ بات بڑی آسانی سے ثابت کی جا سکیگی۔ میں اس سے متعلق مہاراجہ صاحب کے نام خط لکھ دونگا۔

امید خاں اور پیر جی ابراہیم نے پوچھا۔ ہم نے سُنا ہے۔ آپ مسلمانوں کو بھی آریہ بناتے ہیں۔ مہاراج نے جواب دیا۔ آریہ سچے رستے پر چلنے والے نیک آدمی کو

کہتے ہیں۔پس اگر آپ اپنا چلن آریہ دھرم کے مطابق کریں۔تو آپ بھی آریہ بن جائینگے۔تب اُنہوں نے پوچھا ہمارے آریہ بن جانے پر کیا آپ ہمارے ساتھ مل کر روٹی کھا لینگے۔مہاراج نے جواب دیا۔اکٹھے بیٹھ کر کھانے میں کوئی اعتراض نہیں۔اگر ایک تھالی میں کہو۔تو ہمارے ہاں کسی کا بھی جوٹھا کھانے کی اجازت نہیں ہے۔اُنہوں نے کہا۔اس سے محبت بڑھتی ہے۔مہاراج نے جواب دیا۔اس طرح سے محبت بڑھتی ہے تو کتے بھی ایک ساتھ ہی کھاتے ہیں۔مگر کھاتے کھاتے ہی ایک دوسرے کو کاٹنے نوچنے لگ جاتے ہیں۔یہ سُن کر دونو صاحب چپ ہو گئے۔

رڑکی کے تحصیلدار نجف علی صاحب تو سوامی جی کا لیکچر سُن کر لوٹ گئے۔وہ سوامی جی کو بڑا آدمی سمجھنے لگے۔اُنہیں یقین ہو گیا۔کہ جیسا روحانی علم سنسکرت کی کتابوں میں پایا جاتا ہے۔ویسا کہیں اور نہیں ملتا۔ایک دن سوامی جی سے اُنہوں نے پوچھا۔ہمارے مذہب میں کئی بیویاں کرنے کی اجازت ہے۔آپ کا اس سے متعلق کیا خیال ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔یہ بے انصافی ہے اور سراسر نامناسب ہے۔وید میں ایک ہی عورت سے بیاہ کرنے کا اُپدیش ہے۔تحصیلدار صاحب نے اس رائے کو سر آنکھوں سے قبول کیا۔

نواں باب

مہاراج کے اُپدیشوں سے ہزاروں آدمیوں نے اپنے شکوک رفع کئے۔ بھگت لوگوں کے لئے تو بھگوان کی سبھا گنگا سنان اور کمبھ کے پرب سے بھی کہیں زیادہ قیمتی چیز تھی۔ وہ شری سوامی جی کے اُپدیشوں کو بڑی محبت سے سُنا کرتے تھے۔

آریہ بھاشا کے پرچار میں سب سے پہلے اگر کسی نے کوشش کی۔ تو وہ سوامی دیانند جی تھے۔ گجرات میں پیدا ہو کر اور مختلف مقامات میں آریہ سماج قائم کر کے بھی آریہ بھاشا کی طرف توجہ دینا معمولی بات نہیں۔ اُنھوں نے آریہ سماج کی تنظیم کرتے ہوئے بمبئی کے پانچویں قاعدہ میں آریہ بھاشا کا کتب خانہ جاری کرنا اور آریہ بھاشا میں اخبار آریہ پرکاش نکالنا پریذیڈنٹ سماج کے لیئے لازمی قرار دیا تھا۔ لاہور کی تنظیم کے موقع پر بھی ایک اُپ نیم اس مطلب کا وضع کیا گیا۔ جس کی رو سے سنسکرت اور آریہ بھاشا کا سیکھنا ممبران کے لئے ضروری ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ آریہ بھاشا کو ملکی زبان کی شکل دینے والے پہلے آدمی

آپ ہی تھے ٭

سوامی جی گجراتی زبان کے پنڈت تھے۔ بمبئی میں رہتے ہوئے اُنہوں نے کئی کتابیں تصنیف کیں۔ مگر وہ سب آریہ بھاشا میں ہیں۔ گجراتی میں ایک بھی نہیں۔ اپنے صوبہ میں بھی وہ اپنی مادری زبان کو چھوڑ کر آریہ بھاشا ہی میں لیکچر دیتے رہے۔ اُن کی تمام تر کتابیں آریہ بھاشا میں چھپیں۔ ان سب باتوں کو تاریخی نکتہ نگاہ سے دیکھتے ہوئے بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ آریہ بھاشا کی حقیقی جڑ میں زندگی کا پانی ڈالنے والے سوامی دیانند جی ہی تھے۔ مفصلۂ ذیل سوال و جواب سے سوامی جی کی آریہ بھاشا سے محبت کا اظہار ہو سکتا ہے ٭

ہردوار میں ایک دن سوامی جی اپنے ملنے والوں کو سمجھا رہے تھے۔ کہ درمیان ہی میں ایک آدمی نے عرض کی۔ اگر آپ اپنی کتابوں کا ترجمہ کرا کے اُردو میں شائع کرا دیں۔ تو پنجاب وغیرہ صوبوں میں جو لوگ آریہ بھاشا نہیں جانتے۔ اُن کو آریہ دھرم جاننے میں آسانی ہو جائے مہاراج نے جواب دیا۔ کہ ترجمہ تو ممالک غیر والوں کے لئے ہوا کرتا ہے۔ ہندی کے حروف چند ہی دنوں میں سیکھے جا سکتے ہیں۔ یہ زبان سیکھنا کوئی مشکل تھوڑا ہی ہے۔ عربی اور فارسی الفاظ کو چھوڑ کر باقی جو زبان رہ جاتی ہے۔ وہ آریہ بھاشا ہی ہے۔ یہ نہایت میٹھی اور آسان

ہے۔ جو اس دیس میں پیدا ہو کر اپنی زبان سیکھنے کی کوشش نہیں کرتا۔ اُس سے اور کیا اُمید کی جا سکتی ہے اور یہ بھی کون کہ سکتا ہے۔ کہ ایسے آدمی کو دھرم کی لگن بھی ہے یا نہیں۔ آپ تو ترجمہ کی رائے دیتے ہیں۔ اور یہاں دیانند کی آنکھیں اُن دنوں کے سلئے ترپتی ہیں۔ جب کشمیر سے راس کماری تک اور اٹک سے ارکشٹک تک ہندی کا پرچار ہوگا۔ میں نے سارے ہندوستان میں ایک زبان رائج کرنے کے لئے ہی اپنی تمام کتب آریہ بھاشا میں شائع کی ہیں۔

مہاراج کو ہردوار میں بمبئی سے تار ملا کہ شری الکاٹ یہاں آ گئے ہیں۔ اور درشنوں کے لئے بیتاب ہیں۔ اُن دنوں سوامی جی کی صحت کچھ اچھی نہ تھی۔ اس لئے وہ کچھ آرام کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے بمبئی لکھ بھیجا۔ کہ الکاٹ صاحب ابھی تکلیف نہ کریں۔ سوامی جی نے یہاں آخری اُپدیش کے خاتمہ پر پرماتما کا شکر ادا کیا۔ کہ ہے جگدیش! آپ کی مہربانی سے پرچار کا یہ کام خوش اسلوبی سے سرانجام پایا ہے۔ پھر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ کہ اب آپ جتنی جلد ہو سکے۔ اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو جائیے۔ کوئی تعجب نہیں کہ میرے اس کہنے کا یہ بھی مطلب نکالا جائے کہ انگریز میلہ کو منتشر کرنا چاہتے ہیں۔ اور سوامی جی بھی اُن کے

ہم خیال ہو گئے ہیں۔ مگر میں آپ کو خبردار کرتا ہوں۔
آب و ہوا کی خرابی کے باعث یہاں ہیضہ پھیلنے کا اندیشہ
ہے۔ اگر آپ جلد چلے جائینگے۔ تو اس عالمگیر وبا سے
بچ جائینگے۔ سوامی جی کا یہ خیال درست ثابت ہوا۔ اور
سچ مچ ہی میلہ کے آخری دنوں میں وہاں ہیضہ پھوٹ پڑا۔
سوامی جی کی احتیاط کا یہ عالم تھا۔ کہ اپنے ڈیرے کا
تمام کوڑا کرکٹ جمع کروا کے جلوا دیا کرتے تھے۔ اور اپنے
ڈیرے پر جو ٹھے پتے اور خوراک وغیرہ نہ رہنے دیتے
تھے۔ نہ کہیں سڑی گلی اشیاء دکھائی دیتی تھیں۔ اُن کی
ساری جگہ صاف اور ستھری رہتی تھی ؛

اس میلہ میں ایسے سادھو بہت کم تھے۔ جو سوامی جی
کے اونچے مقصد کو جانتے ہوں۔ زیادہ تر لوگ تو تعصب
اور مت کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور سوامی جی
کی پر زور مخالفت کرتے تھے۔ کئی ایسے آدمی بھی تھے۔
جو دھرم اور بھگوے لباس کی آڑ میں اُن کو مار ڈالنے
کی کوشش کرتے تھے۔ ادھر سوامی جی بھی فطرتِ انسانی
کے ماہر تھے۔ وہ ان باتوں کی طرف سے لاپروا نہ تھے۔
ایک دن ایک جٹا جوٹ ناگا اُن کے پاس آیا اور بولا۔
"میں آپکے پاس رہ کر کچھ پڑھنا چاہتا ہوں۔ روٹی مانگ کر
لایا کرونگا۔ اور آپ کی خدمت کر دیا کرونگا" سوامی جی
اُس کے دل کی بات سمجھ گئے اور بولے۔ آپ کو پڑھانے

کی مجھے فرصت نہیں۔ ایک دوسرے موقع پر دو اور تانگوں نے آکر چیلہ بننے کی درخواست کی۔ اُنہیں بھی مہاراج نے ٹال دیا۔ اب آپ ہر ایک کے ہاتھ کا کھانا نہ کھا لیتے تھے۔ اپنی حفاظت کا خیال رکھتے تھے۔

ہردوار میں پرچار کر چکنے کے بعد آرام کرنے کے لئے ڈیرہ دُون جانے کا فیصلہ ہوا۔ اور وہاں اطلاع بھیجی گئی۔ پنڈت کرپارام گوڑ مہاراج کے بھگت تھے۔ اپنے گورو کے آنے کی خبر سے اُن کی باچھیں کھل گئیں۔ کچھ بنگالی اصحاب کے ساتھ مل کر اُنھوں نے ایک بنگلہ لے لیا۔ اور اپنے بھتیجے اور دو ملازموں کو سڑک پر کھڑا کر دیا۔ کہ جب سوامی جی آئیں۔ تو انہیں سیدھا اس بنگلہ کو لے جایا جائے۔ چنانچہ مہاراج ۱۴ اپریل ۱۸۷۹ء کو ڈیرہ دون پہنچے۔ اُس وقت اُن کے ہمراہ تین چار آدمی تھے۔ بہت سے بنگالی اصحاب خیر مقدم کو پہنچ گئے۔ اور سوامی جی کو اُس بنگلہ میں اُتارا گیا۔ سوامی جی کی تشریف آوری کی خبر آناً فاناً شہر میں مشہور ہو گئی۔ اور لوگ جوق جوق آنے لگے۔ گو سوامی جی کی صحت خراب تھی۔ تاہم آپ اچھی طرح اُن سے بات چیت کرتے تھے۔ کرپارام سے پوچھنے پر آپ کو پتہ لگا۔ کہ کھانے کے خرچ کا انتظام براہمو سماجیوں نے کیا ہے۔ سوامی جی نے کہا۔ یہ آپ نے اچھا نہیں کیا۔ جب ہمارے پرچار سے یہ لوگ رنجیدہ

ہو جائینگے ۔ اُس وقت آپ کو تکلیف کا سامنا ہوگا۔ شری کرپا رام نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ ناراض ہو جائینگے ۔ تو ہو جائیں ۔ آپ کی خدمت کے لئے آپ کے سیوک کے پاس پھل پھول کافی ہیں ۔

کچھ دن آرام فرمانے کے بعد لیکچر شروع ہو گئے۔ لوگ شوق سے سُنتے تھے ۔ ایک دن اُن کے لیکچر کا مضمون تھا ۔ قرآن اور بائیبل پر ریویو ۔ اُس دن چار پانچ یورپین پادری بھی آئے تھے ۔ سوامی جی کا لیکچر سُن کر ایک پادری جوش میں آ گیا ۔ اور لیکچر کے خاتمہ پر بولا ۔ پنڈت جی نے جو کچھ کہا ہے ۔ نری مٹی اُڑائی ہے ۔ اس مٹی سے ان کے وید بھی اٹ گئے ہیں ۔

سوامی جی کی دلیلیں کاٹنے کا اُن پادری صاحب کو موقع دیا گیا ۔ جب وہ بول کر بیٹھ گئے ۔ تو مہاراج نے کھڑے ہو کر جواب دینا شروع کیا ۔ پادری صاحب کی طبیعت بار بار کھولتی تھی اور وہ بول بول اُٹھتے تھے ۔ آخر اُنہیں اُن کے شریکان کار ہی نے بٹھا لیا ۔ لیکچر کے خاتمہ پر دوسرے پادری بڑی دیر تک سوامی جی سے بات چیت کرتے رہے ۔ اس لیکچر میں کچھ مسلمان لوگ بھی موجود تھے ۔ وہ بھی قرآن کے خلاف سُن کر بھڑک اُٹھے ۔ سوامی جی جس بنگلہ میں رہتے تھے ۔ وہ پھوس سے چھتا ہوا تھا ۔ کرپا رام جی

نے سُنا۔ کہ کچھ ایک مسلمان آج رات کو بنگلہ میں
آگ لگا دینا چاہتے ہیں۔ اُنہوں نے یہ خبر اُسی وقت
سوامی جی کو دیدی۔ اور اپنے تین چار ملازم پہرہ کے
لئے بھیج دئے۔ مگر سوامی جی کو کوئی خوف نہ تھا۔ وہ
بار بار یہی کہتے تھے۔ کہ یہ مخالفوں کی گیدڑ بھبکیاں
ہیں۔ لیکن پنڈت بھیم سین نے رات آنکھوں میں کاٹ دی +
سوامی جی کے "وید" لیکچر سے براہمہ سماجی رنجیدہ
ہو گئے۔ اور اُنہوں نے امداد دینا بند کر دیا۔ براہمہ سماجی
کالی موہن گھوش نے سوامی جی کو اپنے ہاں روٹی کھانے
کے لئے کہا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ آپ کے ہاں
کھانا کھانے میں مجھے محض اسی قدر اعتراض ہے۔ کہ
آپ لوگوں کے ہاں بھنگی بھی کھانا بنا۔تے ہیں۔ گھوش
مہاشہ نے کہا۔ یقیناً ہم کسی کے ہاتھ کا بھی کھانا قابلِ
اعتراض نہیں تسلیم کرتے۔ لیکن اس پر عمل درآمد نہیں
ہوتا۔ تب سوامی جی نے اُن کے ہاں کھانا کھانا منظور
کر لیا۔ جب اس بات کا کرپا رام کو علم ہوا۔ تو وہ
اُسی وقت کھانے کا تھال لے کر خدمت اقدس میں
حاضر ہو گئے۔ اُس وقت گھوش مہاشہ کے گھر سے بھی
تھال آ گیا تھا۔ کرپا رام نے عرض کیا۔ مہاراج! گھوش
صاحب کے ہاں ایک بھنگن کھانا بنانے پر مقرر ہے
اس لئے وہ کھانا واپس کر دیجئے۔ اور خادم کی رو کھی

سوکھی روٹی قبول فرمائیے۔ سوامی جی نے گھوش مہاشہ کا تھال اُسی وقت لوٹا دیا ؎

سوامی جی کے لیکچروں نے کئی آدمیوں کو اُن کا ہم خیال بنا دیا۔ اور وہ آریہ سماج قائم کرنے کی تیاریاں کرنے لگے۔ اس اثنا میں کرنل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی سہارنپور آ پہنچے۔ اور وہاں کے آریہ سماجیوں نے اُن کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ اور سوامی جی کو تار دیا۔ کہ وہ ڈیرہ دون آ رہے ہیں۔ سوامی جی نے جواب میں تار دیا۔ کہ آپ تکلیف نہ کریں۔ میں خود سہارنپور آ رہا ہوں چنانچہ سوامی جی یکم مئی ۱۸۷۹ء کو سہارنپور پہنچے۔ اور بڑی محبت سے اپنے بھگتوں سے ملے۔ ۲ مئی کو سوامی جی کرنل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی میرٹھ گئے۔ آریہ سماج کے ممبر صاحبان سٹیشن پر موجود تھے۔ اُنہوں نے جب سوامی جی کے ساتھ اُن کے مغربی شاگرد بھی دیکھے۔ تو اُن کی مسرت کا ٹھکانا نہ تھا۔ اُنہوں نے بڑی عزت سے ایک کوٹھی میں سوامی جی کو ٹھیرایا۔ دوسری میں کرنل الکاٹ اور میڈم صاحبہ کو ؎

۴ مئی سے ۸ مئی تک سوامی جی کے اور اُن کے ان نئے شاگردوں کے لیکچر بڑی دھوم دھام سے ہوئے۔ کرنل صاحب اور میڈم صاحب نے ہندی میں بڑی خوبی سے وید کی عظمت بیان کی۔ اور عیسوی مذہب کی

خامیاں دکھائیں۔ ان لیکچروں میں یوروپین لوگ بھی آتے تھے۔

کرنل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی سوامی جی کے پاس جاکر گیان چرچا کرتے تھے۔ روح سے متعلق سوال پوچھتے تھے۔ اور یوگ کے طریقے سیکھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو آریہ کہتے تھے۔ زمین پر بیٹھ کر روٹی کھاتے تھے۔ انہوں نے اوم کا تمغہ اور یجیو پویت پہن رکھا تھا۔ وہ مہاراج کو اپنا گورو سمجھتے تھے۔ اور اُن سے متعلق گہری عقیدت کا اظہار کرتے تھے۔ ایک دن جب مہاراج شری چھیدی لال کی کوٹھی میں تھے۔ اور گیان کے چرچے چھڑے ہوئے تھے۔ تو کرنل صاحب اور میڈم صاحبہ بھی آگئیں۔ انہوں نے مہاراج کو عقیدت سے نسکار کیا اور پوچھا۔ بھگوان! سُنا ہے۔ شنکرا چاریہ اپنی روح کو اپنے جسم سے نکال کر دوسرے جسم میں لے جایا کرتے تھے۔ آپ کا کیا خیال ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ یہ تاریخی مضمون ہے۔ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا۔ پر اتنا میں بھی دکھا سکتا ہوں۔ کہ اپنے سارے جسم کی قوت ایک ہی عضو میں مرکوز کر دوں۔ باقی سارا جسم مردہ سا ہو جائیگا۔ دوسرے جسم میں اپنی روح لے جانا اس سے بعد کا قدم ہے۔ کرنل صاحب اس بات سے بیحد خوش ہوئے۔ اور کچھ دنوں کے بعد سوامی جی سے اجازت لے کر بمبئی

چلے گئے +

مولوی محمد قاسم میرٹھ میں آکر مسلمانوں کو مباحثہ کے لئے اکسانے لگا۔ جب سوامی جی کو اس کا پتہ لگا۔ تو اُنھوں نے اعلان کرا دیا۔ کہ ہم ہمیشہ تیار ہیں۔ طرفین ابتدائی مراحل طے کرنے کے لئے جمع ہوتے۔ اُس میں گورنمنٹ سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب مسٹر کپسن صاحب کو بھی مدعو کیا گیا۔ کئی باتوں کے بعد جب معاملہ کھٹائی میں پڑنے لگا۔ تو اِس بات پر کہ سوامی جی تحریری مباحثہ پر زور دیتے تھے۔ مگر مولوی صاحب رڑکی کے مانند یہاں بھی اَڑتے تھے۔ کہ مباحثہ تقریری ہوگا۔ لکھنے پڑھنے میں طبیعت خراب ہو جاتی ہے اور مزہ کرکرا ہو جاتا ہے۔ نہ مباحثہ عوام کے روبرو ہونا چاہیئے۔ اس سے ہجوم ہو جاتا ہے۔ اور عجب نہیں کہ فساد بھی ہو جاوے +

سوامی جی نے کہا۔ محض تقریری مباحثہ سے کچھ نتیجہ نہ نکلیگا۔ کئی آدمی اپنا خیال کمزور دیکھ کر الفاظ کی چالاکی کھیل جاتے ہیں۔ اور اپنا مفہوم تبدیل کر دیتے ہیں۔ نیز اپنے پہلے الفاظ سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور ایک ایک لفظ پر اٹک کر خواہ مخواہ وقت ضائع کرتے ہیں۔ تحریری مباحثہ میں یہ اندیشہ نہیں ہوتا۔ اگر انتظام ٹھیک ہو تو فساد کا

ڈر نہیں +

ہیڈ ماسٹر کسپن نے کہا - سوامی جی کا خیال درست ہے - سوال و جواب کا تحریری ہونا سودمند ہوگا - طبیعت اکتا جانے اور دلیلیں بھول جانے کا خیال مضحکہ خیز ہے - اُس شخص کو کون قایل کہیگا - جس کے خیالات ذراسی دیر میں اُلٹ پلٹ جاتے ہیں - اور حافظہ ٹھکانے نہیں رہتا - مگر مولوی صاحب نے کسی کی نہ سُنی - اور اپنی بات پر اڑے رہے کہ مباحثہ تحریری نہ ہوگا - نہ عوام کے روبرو - نتیجہ یہ ہوا - کہ مباحثہ رُک گیا - مگر ویدک دھرم کی سچائی کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ گیا +

میرٹھ سے روانہ ہوکر سوامی جی علیگڑھ گئے - یہاں آکر اُن کے مشہور بھگت ٹھاکر مکند سنگھ جی اور بھوپال سنگھ جی اُنہیں چھلیسر لے گئے - اُن دنوں سوامی جی کی صحت اچھی نہ تھی - اس لئے وہ پرائیویٹ گفتگو ہی سے ملنے والوں کو نہال کرتے رہے - منشی اندرمن درشن کرنے آئے اور سوامی جی سے مرادآباد چلنے کی درخواست کی - چنانچہ سوامی جی چھلیسر میں ایک ماہ کے قریب ٹھیرنے کے بعد ۳ - جولائی ۱۸۷۹ء کو مرادآباد تشریف لے گئے - اور راجہ جے کرشن جی کے بنگلہ میں ٹھیرے - آپ کی صحت ٹھیک نہ تھی - اس لئے اس مرتبہ بھی اس جگہ سوامی جی نے صرف تین ہی لیکچر دئے +

سوامی جی جہاں لاثانی فلاسفر تھے۔ اعلےٰ درجہ کے یوگی تھے۔ دھرم کے جاننے والے تھے۔ اپنے وقت کے بے عدیل ریفارمر تھے۔ اور سارے بھارت میں واحد مقرر تھے۔ وہاں آپ علم سیاسیات کے بھی عالم متبحر تھے۔ آپ کا زمانہ سخت گیر پالیسی کا زمانہ تھا۔ اس پر آپ چوٹیں بھی کر دیتے تھے۔ لیکن اُن کے خیالات ایسے حکیمانہ، اس قدر صاف، اور اتنے عالمگیر ہوتے تھے۔ کہ اُنہیں سُن کر سرکاری عہدیدار بھی خوش ہو جاتے تھے۔ اور اُن سے رعایا اور راجہ کے تعلقات پر لیکچر کرایا کرتے تھے؎

مراد آباد کے کلکٹر سپیڈنگ صاحب نے ایک دن مہاراج سے عرض کی۔ کہ آپ "حکومت کی پالیسی" کے مضمون پر ایک لیکچر دیجئے۔ تمام انتظام میں کرونگا۔ سوامی جی نے منظور کر لیا۔ لیکچر کا انتظام چھاؤنی میں ہوا۔ اور لوگوں میں ٹکٹ تقسیم کئے گئے۔ شہر کے معززین اور آریہ سماجیوں کو بھی ٹکٹ مل گئے۔ وقت مقررہ پر سوامی جی نے اپنا لیکچر شروع کیا۔ اور ہندوستانی اور یوروپین اصحاب کو خطاب کر کے حکومت کی پالیسی کے قواعد بتائے۔ راجہ اور پرجا کے تعلقات کا ذکر کیا۔ اور حکومت کے نقائص کا بھی بیان کیا۔ یہ لیکچر کئی گھنٹے تک ہوتا رہا۔ اور حاضرین ہمہ تن محو ہو کر سنتے رہے۔ خاتمہ پر کلکٹر صاحب نے کھڑے ہو کر سوامی جی کا شکریہ

ادا کیا اور کہا سوامی جی نے جو کچھ کہا ہے۔ درست ہے۔ اگر لوگوں کے اپنے راجا سے ایسے ہی تعلقات ہوں تو کلجگ میں جو تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے۔ لوگ اُس سے محفوظ رہیں ؂

اُسی جگہ کالی پرسن نامی ایک وکیل سوامی جی کے پاس بیٹھا انگریزی میں بات چیت کر رہا تھا۔ سوامی جی نے اُس سے کہا۔ مہاشہ! اپنی ہی زبان میں بات چیت کرنا چاہئے۔ اپنے ملک کے آدمیوں میں بیٹھ کر غیر زبان میں بولنا اچھا نہیں ہے۔ اس سے غرور ٹپکتا ہے۔ اگر پوشیدہ بات کرنا مقصود ہو۔ تو بھی اس سے یہ مطلب حل نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہاں انگریزی داں لوگ موجود ہیں۔ کانا پھُسکیاں کرنے لگ جانا بھی خلاف تہذیب ہے ؂

سوامی جی ہٹ دھرم نہ تھے۔ اگر کوئی معمولی آدمی بھی اُنہیں درست بات کہتا۔ تو وہ فوراً تسلیم کر لیتے تھے۔ ایک دن مہاراج کے پاس ایک پنڈت آیا۔ اور سنسکرت میں بات چیت کرنے لگا۔ اتفاق سے سوامی جی کے مُنہ سے ایک غلط لفظ نکل گیا۔ اُس پنڈت نے کہا۔ "آپ سے یہ غلطی ہوئی ہے"۔ سوامی جی نے کہا۔ "ہاں! مجھ سے غلطی ہوئی" تھوڑی دیر کے بعد جب سوامی جی کے ایک دو بھگت بھی آ گئے۔ تو اُس پنڈت نے پھر کہا۔ سوامی جی! آج میں نے آپ کی ایک غلطی

پکڑی تھی - سوامی جی نے جواب دیا - ٹھیک - آپ نے میری غلطی پکڑی - اور میں نے اُسے فوراً منظور کر لیا - مگر وہ پنڈت صاحب تو سونٹھ کی گانٹھ پاکر پنساری بن بیٹھے - بار بار کہنے لگے - آج میں نے آپ کی غلطی پکڑ لی - مہاراج نے جب دیکھا - کہ یہ سر ہی چڑھے جاتا ہے - تو بولے - تم کیسے سڑی اور نا معقول ہو - جو میری سادگی سے فائدہ اُٹھا کر ٹیڑھی چال چل رہے ہو - غلطی کو نہ تسلیم کرنا پاپ ہے - میں یہ پاپ کبھی نہ کرونگا - مگر تم میں یہ طاقت کہاں - کہ اُسے غلط ثابت کر سکو - بھلے آدمی ! اس بچپن میں کیا دھرا ہے - کوئی کام کی بات کرنا ہو تو کرو - اس سے وہ پنڈت بیحد نادم ہوا +

۲۰ جولائی ۱۸۷۹ء کو دوبارہ آریہ سماج قائم کرنے کا فیصلہ ہوا - چنانچہ راجہ جے کرشن جی کے بنگلہ پر ہون کی سامگری منگوائی گئی - اور یگیہ کے بعد حاضرین میں بانٹنے کے لئے موہن بھوگ کا بھی انتظام کیا گیا - مگر عین وقت پر بارش ہونے لگی - انتظار کیا گیا - مگر جب بارش تھمنے میں نہ آئی - تو سوامی جی کے مشورہ سے ایک کمرہ میں ہون کر کے سماج قائم کیا گیا اور حاضرین میں موہن بھوگ تقسیم کیا گیا - شری اندرمن نے سوامی جی سے پوچھا - آپ نمستے لفظ رائج کرنا چاہتے

ہیں۔ ہم نے پہلے "جے گوپال" شروع کیا تھا۔ بعد میں "پرماتما جیتے" رائج کیا۔ ان الفاظ پر بہت مذاق کیا گیا تھا۔ اب اگر نمستے کا استعمال شروع ہوا۔ تو پھر ہماری کھلی اُڑائی جائیگی۔ ویسے باہمی میل و ملاپ میں "پرماتما جیتے" بہت مناسب ہے۔ چھوٹا بڑے کو نمستے کہے۔ تو مضائقہ نہیں۔ مگر باپ بیٹے کو آقا ملازم کو اور حاکم اپنے چپراسی کو نمستے کہے۔ یہ کچھ زیب نہیں دیتا؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ اندرمن! مغرور آدمی بڑا نہیں ہوتا۔ بڑا وہی ہے۔ جس نے غرور کو جیت لیا ہو۔ جو واقعی بڑے ہیں۔ وہ اسے ظاہر نہیں کرتے ہمارے بزرگوں میں جو رشی منی اور راجہ مہاراجہ ہوگزرے ہیں۔ اُن میں سے ایک نے بھی اپنے مُنہ سے اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کیا۔ نمستے کے معنی پاؤں میں گرنا نہیں۔ اس کے معنی ہیں عزّت کرنا۔ چھوٹے بڑے امیر غریب سبھی لوگ باہمی ملاقات میں باہمی عزّت کے حصّہ دار ہیں۔ اور یہی ہر جگہ ہوتا ہے۔ اچھا آپ ہی کہیں۔ جب آپ کے مکان پر کوئی آتا ہے۔ تو آپ کے خیالات اُس وقت کیا ہوتے ہیں۔ اندرمن نے اس کا جواب نہ دیا۔ تب سوامی جی نے پھر کہا۔ مہاشہ! اس بات کو سبھی جانتے ہیں۔ کہ جب کوئی معزز آدمی کسی شخص کے گھر پر آتا ہے۔ تو اُسے

دیکھ کر اُٹھنا اور اُس کی تعظیم میں جھکنا قدرتی ہے۔
بیٹے سے پیار کو جی چاہتا ہے۔ نوکر چاکروں سے
آ بیٹے کیا حال ہے کہنے کی دل ترغیب دیتا ہے۔ ان
تمام جذبات کا اظہار نمستے سے ہو جاتا ہے۔ مگر اُس
وقت پرماتما جیتے کہنا خلاف موقع ہے۔ اور جذبات کے
برعکس ہے۔ زبان کو دل کا آئینہ ہونا چاہئے +
قدیم زمانہ میں لوگ آپس میں نمستے ہی کہا کرتے تھے۔
یہ لفظ ویدوں میں بھی کئی جگہ آیا ہے۔ آریوں میں اسی
لفظ کو رائج کرنا چاہئے +
قائم گنج کے شری رام لال جی برسات کی تکلیفیں اُٹھا کر
محض اس لئے مراد آباد آئے ہوئے تھے۔ کہ سوامی جی
سے یجیو پویت لے سکیں۔ وہ منشی اندرمن کے پاس
ٹھیرے تھے۔ ایک دن منشی اندرمن اُنہیں ساتھ لے کر
سوامی جی کے پاس گئے۔ اور بولے۔ "یہ بڑے شردھالو
(عقیدت مند) ہیں۔ آپ ہی سے یجیو پویت لینا چاہتے
ہیں۔ اور اسی لگن میں بڑی تکلیف اُٹھا کر یہاں آئے
ہیں" مہاراج نے رام لال کی مذہبی محویت پر خوش
ہو کر اُسے یجیو پویت دیا۔ اور گایتری کا اُپدیش دیکر
اعلےٰ قسم کی تعلیم دی۔ جب اُس نے گایتری ٹھیک طور
سے یاد کر کے سوامی جی کو سُنائی۔ تو سوامی جی نے
اُسے بڑی محبت سے آشیرباد دیا۔ اور اپنا مبارک

ہاتھ اُس کی پیٹھ پر پھیرتے ہوئے کہا۔ رام لال! ہمارا شریر (جسم) زیادہ دیر تک نہ رہیگا۔ ساری عمر ہماری کتابوں سے اُپدیش لیتے رہنا۔ اور جہاں تک ہو سکے۔ اپنے بھولے بھٹکے بھائیوں کو بھی سیدھا رستہ بتاتے رہنا۔

مہاشہ رام لال نے اِس اُپدیش کو سر آنکھوں پر لیا اور دل میں جگہ دی۔ اور سوامی جی کے پاس دس دن تک ٹھیرے رہے۔ ایک دن اُنہوں نے ہاتھ باندھ کر کہا۔ مہاراج! معلوم ہوتا ہے آپ کی صحت کو کوئی سخت صدمہ پہنچا ہے۔ جواب دیا۔ مجھے کئی مرتبہ سخت قسم کے زہر دئے گئے ہیں۔ ایسے زہروں کو خواہ یوگ کے طریقوں سے مار دیا جائے۔ یا بستی کرم سے نکال دیا جائے۔ مگر خون میں سرایت کرچکا ہوا زہر اور اُس کا اثر تمام تر خون سے نہیں نکل جاتا۔ اُس کا کچھ نہ کچھ اثر رہ جاتا ہے۔ اگر مجھے اس قسم کے زہر نہ دئے جاتے تو میرے جسم پر ایک صدی تک تو افسردگی کے آثار کبھی نظر نہ آتے۔ اور نہ اس دوران میں بڑھاپا ہی قریب آنے کی جرأت کرتا"۔

رام لال جی نے کہا۔ مہاراج! جب آپ اپنے آدمیوں کو اس قسم کے یاس بھرے الفاظ کہنے لگ گئے ہیں تو آپ ایسے قابل چیلے کیوں تیار نہیں کرتے۔ جو ملک کی اس ناؤ کے سیانے ملاح بن سکیں۔ اور اپنا

سب کچھ برباد کرکے بھی مقصد کو آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔ مہاراج نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "برخوردار! میں نے پہلے پاٹھشالائیں جاری کرکے کئی پنڈت چیلے بنائے۔ وہ لوگ میرے روبرو تو بڑی انکساری اور عاجزی کا اظہار کرتے تھے۔ مگر میری غیر حاضری میں اُن کے اصول پھر وہی دقیانوسی خیال کے ہو جاتے تھے۔ کئی ایسے بھی تھے۔ جو میرے خلاف چالیں چلتے رہتے تھے۔ اب تو مجھے یقین ہو گیا ہے۔ کہ اس جنم میں مجھے کوئی قابل آدمی نہ ملیگا۔ اور اس کی وجہ بھی ہے۔ میں بیراگ کے جذبہ سے متحرک ہو کر جوانی ہی میں اپنے والدین اور رشتہ داروں کو چھوڑ کر موت پر فتح حاصل کرنے کے لئے یوگابھیاس کرتا رہا ہوں۔ میں نے گھر سے نکلتے وقت اپنی ماں کی محبت کا کوئی خیال نہیں کیا۔ باپ کا جو قرض میرے جسم و روح پر ہے۔ اُسے نہیں ادا کیا۔ اور یہ ایسے کام ہیں۔ جو مجھے قابل شاگرد ملنے کی راہ میں رکاوٹ ہیں۔ مگر مایوسی کی کوئی بات نہیں۔ آریہ سماج میں ایسے لوگ ضرور پیدا ہونگے۔ جو میرے مشن کو پورا کرینگے"

دسواں باب

مراد آباد میں دھرم پرچار کرنے کے بعد سوامی جی ۳۱ جولائی ۱۸۷۹ء کو بدایوں میں رونق افروز ہوئے۔ اور ساہو گنگا رام کے باغ میں ٹھیرے۔ یہاں ان کے دو تین عالمانہ لیکچر ہوئے۔ اور لوگوں نے اُن کی صحبتِ نیک سے بہت فیض حاصل کیا۔ وہاں کے مسلمانوں نے مباحثہ کرنے کے لئے مولوی محمد قاسم کو بہتیرا بلایا۔ مگر وہ آخری دن تک نہیں آیا۔ کچھ سناتن دھرمی پنڈت سوامی جی کے پاس آئے۔ اور اپنے سوالوں کے جواب لے کر چلے گئے۔

رکشا بندھن کے دن کئی جوان اور بوڑھے آدمی راکھی باندھنے کے لئے سوامی جی کے پاس آئے۔ سوامی جی نے مسکرا کر کہا۔ آپ لوگ اپنے دیس کی ریت بھی بھول گئے ہیں۔ زمانۂ قدیم میں بوڑھے رکشا باندھنے نہیں نکلتے تھے۔ اُس زمانہ میں اس دن کو سب ودیارتھیوں کو راجہ کی طرف سے راکھی باندھی جاتی تھی۔ گویا یہ رسم اس اعلان کی مظہر تھی۔ کہ ان کی حفاظت کرنا راجہ اور پرجا دونو کا فرض ہے۔

ایک وید نے ایک آدمی کو سوامی جی کے سامنے پیش کر کے کہا۔ اس پر کسی بھوت کا سایہ ہے۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ آپ وید ہو کر بھی ایسے وہم میں پھنسے ہیں۔ بھوت تو گزرے ہوئے وقت کا نام ہے۔ آیور وید میں کئی ایسے امراض کا ذکر ہے۔ جن میں مریض پاگل سا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے اُسے دوا دی اور کہا۔ اچھی طرح سے دوا دو۔ پرہیز کرو۔ بیماری چلی جائیگی۔

یہاں کے لوگوں کو راہ راست پر چلا کر سوامی جی بریلی گئے۔ اور بیگم باغ میں لالہ لکشمی نرائن کی کوٹھی میں ٹھیرے۔ وہاں کئی دن تک اُن کے لیکچر ہوتے رہے۔ اُن میں پادری صاحبان اور سرکاری عہدیدار بھی شامل ہوتے تھے۔

مہاراج کو اپنے عہد کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ایک مرتبہ ہفتہ کے دن لوگوں نے کہا۔ کل چھٹی کا دن ہے۔ وقت مقررہ سے ایک گھنٹہ پہلے اُپدیش شروع کر دیجئے گا۔ مہاراج نے کہا۔ میں شہر سے ڈیڑھ کوس کے فاصلے پر ٹھیرا ہوا ہوں۔ اگر گاڑی پہنچ گئی۔ تو میں وقت سے پہلے ہی آ جاؤنگا۔ لالہ لکشمی نارائن نے کہا۔ گاڑی کا میں انتظام کر دونگا۔ دوسرے دن لوگ تو پنڈال میں وقت پر آ گئے۔ مگر سوامی جی پون گھنٹہ بعد تشریف لائے اور لیکچر کے شروع میں کہنے لگے۔ میں تو وقت

پر تیار تھا۔ مگر گاڑی نہ پہنچی۔ آخر میں پیدل روانہ ہوا۔
راہ میں گاڑی ملی۔ یہ میرا قصور نہیں۔ قصور بچوں کے
بچوں کا ہے یعنی بچپن کے بیاہوں کا نتیجہ۔ اس قسم
کی لاپرواہی قدرتی ہے +

ایک دن مہاراج نے پرانوں کی کہانیوں پر رائے زنی
کرتے ہوئے کہا۔ ان کتابوں کے مصنفوں نے کنتی وغیرہ
لڑکیوں پر کتنے شرمناک الزام لگائے ہیں۔ تارا اور
دامودری پر کیسے واہیات حملے کئے ہیں۔ مہاراج کے
لیکچر میں مذاق کی ایسی چاشنی رہتی تھی۔ کہ وہ خواہ کتنا
ہی طویل ہو جاتا۔ لوگ اکتاتے نہ تھے۔ پرانوں کے لیکچروں
پر پادری کلکٹر اور کمشنر صاحب دل کھول کر ہنستے رہے۔
اس کے بعد سوامی جی نے کہا۔ یہ تو ہے پرانوں کی لیلا۔
اب ذرا عیسائیوں کی بات بھی سن لیجئے۔ یہ لوگ کنواری
کے پیٹ سے بیٹے کی پیدائش مانتے ہیں۔ اور اس کا
سارا الزام شدھ پوتر پرماتما پر لگاتے ہیں۔ ان کو ایسا
کرتے ہوئے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔ یہ سن کر کمشنر
صاحب کا چہرہ تمتما اٹھا۔ مگر سوامی جی نے اپنا لیکچر
جاری رکھا۔ اور آخر تک بائیبل ہی پر بولتے رہے +

دوسرے دن کمشنر صاحب نے لالہ لکشمی نارائن کو
بلا کر کہا۔ آپ سوامی جی سے کہہ دیجئے گا۔ کہ سخت الفاظ
استعمال نہ کیا کریں۔ ہم عیسائی لوگ تو مہذب اور تعلیم یافتہ

ہیں۔ اس بحث مباحثہ سے نہیں گھبراتے۔ مگر ہندو مسلمان جوش میں آگئے۔ تو اُن کے لیکچر بند ہو جائینگے لکشمی نارائن نے یہ بات سوامی جی سے کہنے کا اقرار تو کر لیا۔ مگر سوامی جی سے یہ کہے کون؟ خود اُن میں ہمت نہ تھی۔ جس دوست سے کہتے۔ وہ کانوں پر ہاتھ رکھ لیتا۔ آخر ایک ناستک (خدا سے منکر) نے یہ بیڑا اُٹھایا۔ کہ میں چل کر سوامی جی سے سب کچھ کہے دیتا ہوں۔ چنانچہ لالہ لکشمی نارائن اُس آدمی کو اور چند دیگر آدمیوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس پہنچے۔ سوامی جی کا پُرجلال چہرہ دیکھتے ہی اُس آدمی پر رعب چھا گیا۔ اور وہ بمشکل تمام یہ الفاظ کہہ سکا۔ کمشنر صاحب نے لالہ جی کو بُلایا تھا۔ اس لئے یہ کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ اب تو لالہ لکشمی نارائن بہت گھبرائے۔ کہ رہ رہ کر مصیبت مجھی پر آ رہی ہے۔ کچھ دیر تک تو وہ حیران کھڑے سوچتے رہے کہ کیا کریں۔ آخر کھانستے کھانستے رُک رُک کر بولے "مہاراج! اگر نرمی سے کام لیا جائے۔ تو بہت اچھا ہوگا۔ اس سے لوگوں پر بھی عمدہ اثر پڑنے کا امکان ہے۔ اور کمشنر صاحب بھی ناراض نہ ہونگے"

مہاراج یہ الفاظ سُن کر ہنس پڑے اور بولے۔ کیا اسی بات کے لئے آپ اس قدر پس و پیش میں تھے اور اسی کے لئے آپ نے اس قدر وقت ضائع کیا۔

کمشنر صاحب نے یہی کہا ہوگا۔ کہ تمہارا پنڈت بڑا زوردار کھنڈن کرتا ہے۔ اُس کے لیکچر بند ہو جائینگے۔ بھئی! میں کوئی ہتوا تھوڑا ہی ہوں۔ جو مجھ سے اس قدر ڈرتے رہے۔ صاف صاف مجھ سے بیان کر دیتے۔ ایک آدمی نے درمیان ہی میں بات کاٹ کر کہا۔ سوامی جی تو خدا رسیدہ ہیں۔ دل کی بات پا جاتے ہیں +

دوسرے دن لیکچر کا مضمون تھا۔" روح کی شکل " جب سوامی جی تشریف لائے۔ تو جگہ حاضرین سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ پادری سکاٹ کے سوا باقی سب یوروپین اصحاب آج بھی موجود تھے۔ مہاراج روح کی خوبیوں کا بیان کرتے ہوئے صداقت پر پہنچے۔ تو بولے۔ لوگ کہتے ہیں سچ نہ کہو۔ کمشنر ناراض ہو جائیگا۔ کلکٹر خفا ہو جائیگا۔ گورنر تکلیف دیگا۔ ارے کلکٹر کیا چاہے چکرورتی راجہ کیوں نہ ناراض ہو جاوے۔ ہم تو سچ ہی کہینگے۔ اس کے بعد مہاراج نے اُپنشد کے کچھ اقتباسات پڑھکر سُنائے اور کہا۔ روح کی ہستی امر ہے۔ اسے نہ کوئی ہتھیار چھید سکتا ہے۔ نہ آگ جلا سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہیگی۔ جسم برباد ہو سکتا ہے۔ اسے جب کوئی چاہے۔ برباد کر دے۔ ہم اس کی حفاظت کے لئے اپنا دھرم نہیں چھوڑینگے۔ نہ سچائی کہنا بند کرینگے۔ اس کے بعد اُنہوں نے اپنی منور آنکھوں کی بجلی حاضرین

پر چاروں طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ مجھے وہ سورما دکھاؤ۔ جو میری روح کو برباد کرنے کی ہمت رکھتا ہو۔ جب تک ایسا آدمی نظر نہیں آتا تب تک دیانند کے لئے سچائی پر شبہہ کرنا خواب میں بھی ممکن نہیں۔ الفاظ کیا تھے۔ شیر کی گرج تھی۔ ساری سبھا میں سناٹا چھا گیا۔ مہاراج لیکچر ختم کر کے بیٹھ گئے۔ مگر لوگوں کے کانوں میں ابھی تک وہی الفاظ گونج رہے تھے۔

پادری سکاٹ صاحب کو سوامی جی سے بہت محبت تھی۔ وہ سوامی جی کے لیکچروں میں باقاعدہ آیا کرتے تھے۔ یہ اُن کی غیر حاضری کا پہلا دن تھا۔ سوامی جی نے پوچھا۔ آج بھگت سکاٹ کیوں نہیں آئے۔ کسی نے جواب دیا۔ آج اتوار ہے۔ وہ گرجا گئے ہونگے۔ پنڈال سے باہر آ کر سوامی جی نے کہا۔ چلو۔ آج ہم پادری سکاٹ کا گرجا دیکھیں گے۔ تین چار سو آدمی ساتھ ہو لئے۔ پادری سکاٹ نے سوامی جی کو آتے دیکھا۔ تو پلیٹ فارم سے نیچے اُتر آئے اور سوامی جی کو لے جا کر پلیٹ فارم پر کھڑا کر دیا۔ کہ کچھ فرمائیے۔ سوامی جی نے بہت اصرار کرنے پر ایک مختصر سی تقریر کی۔ اور انسان کو پرماتما ماننے کے نقص بتائے۔ لوگوں نے بڑے غور سے یہ خیالات سُنے۔

بریلی میں سوامی جی سے سکاٹ صاحب کا مباحثہ

بھی ہوا جس کے پریزیڈنٹ لالہ لکشمی نارائن تھے۔ اس میں سوال جواب تحریری ہوتے تھے۔ اس مباحثہ میں تین محرر تھے۔ ایک سوامی جی کے پاس۔ دوسرا سکاٹ صاحب کے پاس۔ اور تیسرا پریزیڈنٹ کے پاس۔ تینوں کاپیوں پر تینوں کے دستخط ہوتے تھے۔ اس مباحثہ کا اختصار یہ ہے:-

بھادوں سدی ۷ سمبت ۱۹۳۵ کو تناسخ پر مضمون شروع کرتے ہوئے سوامی جی نے کہا۔ روح اور روح کے قدرتی اوصاف۔ کام اور فطرت ہمیشہ سے ہیں۔ انصاف کرنا پرماتما کا وصف ہے۔ یہ بھی ہمیشہ سے ہے۔ اگر روح کے اوصاف کا شروع مانا جائے۔ تو اُن کا خاتمہ بھی ماننا لازمی ہو جائیگا۔ علت کے بغیر معلول کا ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے ثابت کرنا پڑیگا۔ کہ ہستی کی علت کیا ہے۔ روح کے نیک اور بد کام ہمیشہ سے چلے آتے ہیں۔ اُن کی سزا جزا دینا پرماتما کا کام ہے۔ مادّی جسم کے بغیر روح دُکھ سُکھ محسوس نہیں کر سکتی۔ اس لئے اُس کا بار بار انسانی جسم میں آنا ضروری ہے۔ وہ پچھلے جنم کا نتیجہ حاصل کرتی ہے اور آیندہ جنم کے لئے کرموں کا کھیت بو جاتی ہے۔ یوم اور تاریخ کے بار بار لوٹ آنے سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ دنیا میں پھر آنے کا اصول رائج ہے ؛

پادری صاحب نے کہا۔ تناسخ کا مسئلہ ہے تو قدیم۔ مگر اب تعلیم یافتہ اقوام اسے چھوڑتی جاتی ہیں ۔ یہ خیال اب مٹتا جا رہا ہے ۔ میں سوامی جی سے دریافت کرتا ہوں ۔ کہ کیا پرماتما کے علاوہ دیگر روحیں بھی ابدی اور ازلی ہیں؟ کیا وہ کبھی تناسخ کے چکر سے آزاد بھی ہونگی ؟ کیا تناسخ سزا پانے کے ہے ؟ پرماتما ہمیشہ ہی صفات والا ہے یا اُس کے صفات کبھی زائل بھی ہو جاتے ہیں ؟ تناسخ اُسی قاعدہ پر منحصر ہے یا کسی دوسرے قاعدہ پر ؟

سوامی جی نے جواب دیا ۔ پرماتما ۔ رُوح اور مادّہ ان تینوں چیزوں کی ابتدا کبھی نہیں ہوئی ۔ ارواح تناسخ سے کبھی آزاد نہ ہونگی ۔ پیدائش دُکھ اور سُکھ دونو کے لئے ہے ۔ پرماتما ہمیشہ ہی سگن (صفات والا) اور نرگن (بغیر صفت کے) ہے ۔ جو جیسا کام کرتا ہے ۔ وہ اُسے اپنے کبھی بھی نہ بدلنے والے قاعدہ کے بموجب ویسا ہی پھل دیتا ہے ۔ پادری صاحب کا فرمانا ہے ۔ کہ اس تعلیم کو تعلیم یافتہ قومیں چھوڑتی جاتی ہیں ۔ میں پوچھتا ہوں کہ کیا موجودہ علوم ہر ایک پہلو میں درست ہیں ۔ اور کیا تمام پُرانی تعلیم غلط ہے ؟ اگر پادری صاحب کا خیال یہی خیال ہے ۔ تو بائبل کی بھی خیر نہیں ۔ آخر وہ بھی تو پُرانی ہے ۔

ان سوال و جواب کے بعد تناسخ کا مضمون ختم ہوا۔
اور دوسرے دن پادری صاحب نے پرماتما جسم انسانی
اختیار کرتا ہے؟ مضمون پر مباحثہ شروع کیا اور کہا۔
آج کا مضمون یہ ہے کہ پرماتما جسم انسانی اختیار
کرتا ہے یا نہیں۔ انسان کو اس مضمون پر سمجھ سوچ
کر بات کرنی چاہیئے اور غرور سے کام نہ لینا چاہیئے۔
ہم اُس کے علم اور طاقت سے آگاہ نہیں۔ اگر آگاہ
ہیں تو بہت کم۔ آج کے سوال کے دو حصّے ہیں
ایک یہ کہ کیا پرماتما جسم انسانی میں آ سکتا ہے۔
اور دوسرا یہ کہ کیا ایسا واقعہ کبھی ہوا ہے۔ انسان
اور پرماتما کی روحوں میں کئی امور میں یکسانیت پائی
جاتی ہے۔ ایسی حالت میں جب ہم انسانی جسم اختیار
کرتے ہیں تو پرماتما کیوں نہیں کر سکتا؟

سوامی جی نے کہا۔ جب پادری صاحب نے یہ کہ دیا۔
کہ ہم پرماتما کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور اگر جانتے
ہیں۔ تو بہت کم۔ ایسی حالت میں اُن کو اس مضمون پر
بولنے کا کیا حق حاصل ہے۔ پادری صاحب نے فرمایا۔
پرماتما جسم اختیار کرتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے۔ کہ کیوں
کرتا ہے۔ اُس کو اِس کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرے
اُس کی مرضی کا کوئی قاعدہ بھی ہے یا نہیں۔ تیسرے
وہ ساکار (مجسّم) ہے یا نراکار (غیر مجسم)؟ چوتھے وہ

لامحدود ہے یا محدود؟ پھر آپ نے کہا ہے کہ انسان
اور پرماتما کے اوصاف آپس میں ملتے جُلتے ہیں۔
تب تو دونو ہی پرمیشور ہو گئے۔ پرماتما جب انسانی جسم
اختیار کرتا ہے۔ تو وہ کامل طور پر اُس جسم میں آتا ہے
یا اُس کا حصّہ آتا ہے؟ اگر حصّہ آتا ہے۔ تو پرماتما
تباہ ہونے والی شے ثابت ہوگا۔ اگر کہو کہ کامل طور سے
آتا ہے۔ تو یہ ناممکن ہے کیونکہ لامحدود چیز محدود جسم
میں کیسے سما سکتی ہے؟ اور پھر وہ محدود پرماتما لامحدود
کائنات کا مالک کیسے بنیگا؟ جسم انسانی اختیار کر لینے
سے انسان اور پرماتما دونو مساوی ہو جاتے ہیں۔ اُن
میں سے ایک کو پرماتما کہنا سراسر خلاف انصاف ہے
پھر اور سوال پیدا ہوتا ہے۔ اگر پرماتما محدود ہے تو
ایک جگہ میں رہتا ہے یا ہر جگہ گھومتا پھرتا ہے۔ اگر
ایک جگہ رہتا ہے تو وہ ہر شے کا علم کیسے رکھ سکیگا
اگر کہو گھومتا پھرتا ہے تو یہ بھی نقص سے خالی نہیں۔
ایسی حالت میں اُس کی راہ میں رُکاوٹ بھی حائل ہو
سکتی ہے +

پرماتما کائنات کو مجسّم حالت میں بناتا ہے۔ یا غیر مجسّم
حالت میں؟ غیر مجسّم حالت میں مانا جاوے۔ تو کوئی اعتراض
نہیں۔ مگر اگر آپ کہیں کہ مجسم حالت میں تو یہ ناممکن
ہے۔ ذرّے اور ذرّوں کے ذرّے جب مجسم سے نہیں

پکڑے جاتے تو اُن ذروں سے دنیا کیسے بنیگی؟
تیسرے دن کا مضمون تھا" ایشور گناہ معاف بھی کرتا ہے" پادری صاحب نے مضمون شروع کرتے ہوئے کہا - میں یہ نہیں کہتا - کہ پرماتما سزا نہیں دیتا - سزا ضرور دیتا ہے مگر وقت پر دیتا ہے اور مناسب طریقہ سے دیتا ہے - اور انسان کی بہتری کے لئے گناہ معاف بھی کر دیتا ہے - جب وہ مکمل ہے - اوصاف سے متصف ہے - اور ذی علم ہے - تو ہمیں تسلیم کرنا ہوگا - کہ وہ ہمیں دیکھتا بھی ہے اور ہمارے متعلق فکر و غور بھی کرتا ہے - پرماتما اور ہم میں مشابہت ضرور ہے - بہت سی باتوں میں ہمارے اور پرماتما کے اوصاف ایک سے ہیں - پس ہمیں تسلیم کرنا ہوگا - کہ پرماتما کے ساتھ بھی ہمارا تعلق اسی طرح ہے - جس طرح یہاں کے دنیوی رشتہ داروں کے ساتھ - وید اور دیگر تمام مذہبی کتابیں پرماتما کے ساتھ ہمارا تعلق راجہ پرجا اور باپ بیٹے کا تعلق بیان کرتی ہیں - اُن کے اس خیال میں یہ بات لازمی طور پر سمائی ہوئی ہے - کہ وہ پرماتما بھی ہم سے راجہ اور باپ کے مانند برتاؤ کرتا ہے - راجہ اور باپ سزا اس لئے دیتے ہیں - کہ ہم درست ہو جائیں - اور بُرائیاں ترک کر دیں - اگر اُن کا خیال ہو کہ اصلاح معافی سے ہوگی - تو وہ معاف بھی کر دیتے

ہیں *

سوامی جی نے پادری صاحب کو جواب دیتے ہوئے کہا۔ ان کا یہ کہنا کہ پرماتما سزا بھی ضرور دیتا ہے اور معاف بھی کر دیتا ہے۔ متضاد باتیں کہنا ہے کیا وہ نصف افعال کے لئے سزا دیتا ہے۔ اور نصف کو معاف کر دیتا ہے۔ یا کم و بیش۔ جس طرح ہم میں انصاف اور علم وغیرہ اوصاف ہیں۔ اُسی طرح پرماتما میں ہیں یا نہیں؟

میں بھی تسلیم کرتا ہوں۔ کہ پرماتما کے ساتھ ہمارا تعلق راجہ اور باپ کے تعلق کے مانند ہے۔ لیکن وہ بے انصافی نہیں کر سکتا۔ وہ منصف ہے۔ اس لئے وید اور دیگر شاستروں میں گناہوں کی معافی کا ذکر نہیں۔ اگر مان لیا جائے۔ کہ ایشور گناہ معاف کرتا ہے۔ تو یہ ثابت ہو جائیگا۔ کہ وہ گناہ پھیلاتا ہے۔ گنہگار لوگ معافی کی آڑ میں گناہ کرنے پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ پرماتما سب کچھ جانتا ہے۔ وہ غلطی نہیں کرتا۔ نہ اپنی فطرت کے خلاف عمل کرتا ہے۔ انصاف اُس کا قدرتی خاصہ ہے۔ اس لئے وہ معاف نہیں کر سکتا۔ پرماتما رحیم ضرور ہے۔ مگر اُس کا رحم انصاف میں چھپا رہتا ہے۔ اگر ڈاکو کو معاف کیا جائے۔ تو یہ فعل رحم میں شمار نہ ہو سکیگا۔ وہ ہزاروں زندگیوں کا قاتل معاف

ہونے کے بعد چوگنے جوش سے پھر گناہ کرنے لگیگا۔
ایشور کے رحم کا مطلب پادری صاحب نے غلط سمجھا ہے*
اس طرح امن و آرام سے سوال و جواب ہوتے رہے
اور بڑے اطمینان و کامل سکون سے مباحثہ ختم ہوا*
جن دنوں سوامی جی بریلی میں دھرم پرچار کر رہے
تھے۔ انہی دنوں میں مہاتما منشی رام جی کے والد
بزرگوار وہاں شہر کے کوتوال تھے۔ مہاتما جی اُن دنوں
وہیں تھے۔ اُس زمانہ میں وہ گورنمنٹ کالج میں تعلیم
پاتے تھے۔ ایشور اور وید میں اُن کا اعتقاد نہ تھا۔
نہ دھرم کرم میں اُن کی طبیعت دوڑتی تھی۔ مہاتما جی
کے والد صاحب سناتن دھرمی تھے۔ تین تین گھنٹے تک
مورتی پوجا کرتے رہتے تھے۔ انہوں نے سوامی جی کا
پہلا لیکچر سُن کر اپنے بیٹے سے کہا۔ منشی رام! یہاں ایک
ڈنڈی سوامی آئے ہیں۔ بڑے قابل اور یوگی راج ہیں۔
اُن کے اُپدیش سُن کر تمہارے شکوک رفع ہو جائینگے۔
بیٹے نے انکسار بھرے لہجہ میں جواب دیا۔ میں کل
آپ کے ساتھ چلونگا۔ مگر دل میں خیال آتا تھا۔ کہ
سنسکرت جاننے والا سادھو عقل کی بات کیا کریگا؟
تاہم دوسرے دن والد کے ساتھ گئے۔ تو پہلے تو
درشنوں ہی نے جادو ڈال دیا۔ سکاٹ صاحب اور دیگر
مغربی اصحاب پر سوامی جی کا سکہ دیکھ کر یہ اثر اور بھی

زیادہ ہو گیا - آخر جب کچھ دیر تک سوامی جی کی بات چیت سُنی - تو منشی رام جی کے خیالات میں زبردست تبدیلی پیدا ہوئی - سوامی جی کی دلیلوں پر سنّاٹے میں آ گئے - حُسن اتفاق سے اُس دن لیکچر کا مضمون "اوم" تھا - اس لیکچر نے رہی سہی کسر پوری کر دی - اس کے بعد وہ ہر لیکچر میں آنے لگے ؞

اب اُن پر یہ دھن سوار ہوئی - کہ سوامی جی کی روزانہ زندگی کو دیکھنا چاہیئے - رات کے اڑھائی بجے تھے - کہ وہ گاڑی میں سوار ہو کر اُس باغ کے دروازے پر پہنچے - جس میں سوامی جی مقیم تھے - جب سوامی جی باغ کے دروازے سے گھومنے کے لئے باہر نکلے - تو انہوں نے بھی تعاقب کیا - مگر سوامی جی کی تیزی رفتار کو نہ پا سکے - اس لئے جلدی ہی ہانپ کر رہ گئے - اور گاڑی میں بیٹھ کر گھر چلے گئے - مگر دوسرے دن بارہ ہی بجے اُٹھ بیٹھے - اور باغ کے قریب جا کھڑے ہوئے - اس دن وہ بہت دُور تک سوامی جی کے پیچھے پیچھے گئے - اُس دن اُنہوں نے مہاراج کے سمادھی کی حالت میں بھی درشن کئے ؞

مہاتما منشی رام جی نے اپنی دلیل بازی کے زعم میں مہاراج کے ساتھ پرماتما سے متعلق بات چیت بھی کی - مگر سوامی جی نے چند ہی باتوں میں اُنہیں چپ کرا دیا -

تب مہاتما جی نے تین مرتبہ یہ الفاظ دہرائے۔ مہاراج! آپ نے میرا منہ تو بند کر دیا۔ مگر ابھی تک مجھے وشواس پیدا نہیں ہوا +

سوامی جی نے جواب دیا۔ منشی رام! تمہاری دلیلوں کو میں نے اپنی دلیلوں سے کاٹ دیا ہے۔ وشواس تو پرماتما کی مہربانی سے پیدا ہوا کرتا ہے +

وہاں اُس زمانہ میں وشنولال نامی ایک وکیل رہتے تھے۔ اُنہوں نے مغربی طریق پر تعلیم حاصل کی تھی۔ علم طبیعیات اور مغربی فلسفہ پر اُن کو کامل عبور حاصل تھا۔ ہندوستانی فلسفہ کی وہ کچھ حقیقت نہ سمجھتے تھے۔ ایک دن وہ اپنے یار دوستوں کو ساتھ لے کر سوامی جی کے پاس آئے اور آرین فلسفہ پر جی کھول کر اعتراض کرنے لگے۔ مگر جب سوامی جی نے زبان کھولی۔ تو وکیل صاحب کو اپنا علم وہم نظر آنے لگا۔ اور وہ سوامی جی کے فلسفہ پر فریفتہ ہو گئے۔ تب انہوں نے اپنے دوستوں سے کہا۔ سوامی جی مشرقی اور مغربی دونو قسم کے فلسفہ کے پنڈت ہیں۔ ان کی واقفیت ہم سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے" +

مہاراج لوگوں کو نیک کرداری کی بہت تلقین کیا کرتے تھے۔ اور خانہ داری کی زندگی کو خوشحال و متبرک بنانے کے لئے پتی برت دھرم اور پتنی برت دھرم پر

زور دیا کرتے تھے۔ اُن اُپدیشوں کی تاثیر سے کئی امیروں نے (جنہوں نے رنڈیاں رکھی ہوئی تھیں) رنڈیوں کو نکال دیا۔ اور اس تباہی اور گناہ سے اپنے خاندان کو بچائے رکھنے کا عہد کیا۔ مہاشہ لکشمی نارائن نے بھی ایک بازاری عورت رکھی ہوئی تھی۔ مہاراج کو یہ بات معلوم ہوگئی۔ ایک دن جب وہ سوامی جی سے ملنے آئے تو سوامی جی نے پوچھا "کیوں لالہ صاحب! آپ کی ذات کیا ہے"؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ آپ تو ذات کرموں سے مانتے ہیں۔ اس لئے کہوں تو کیا کہوں؟ سوامی جی نے کہا۔ جو ذات آپ کی لوگوں میں مشہور ہے وہی بتا دیجئے۔ لالہ صاحب نے کہا۔ لوگ کشتری کہتے ہیں۔ تب مہاراج نے سنجیدگی سے کہا۔ لالہ صاحب! آپ ہمارے ججمان ہیں۔ پر ہم سچی بات کہنے سے نہ رُکینگے۔ بھلا یہ تو بتائیے۔ کہ اگر کسی کشتری کا بازاری عورت کے پیٹ سے بیٹا پیدا ہو تو اُسے آپ کیا کہینگے؟"

لالہ صاحب کے سر پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ زمین کی طرف دیکھنے لگے۔ شرم نے سر نہ اُٹھانے دیا۔ اس دن گھر جاتے ہی انہوں نے رنڈی کو جواب دیدیا۔

بریلی میں امرت برکھا کرنے کے بعد سوامی جی ۴ ستمبر ۱۸۷۹ء کو شاہجہان پور تشریف لے گئے۔ اور

جاننے ہی مشتہر کر دیا۔ کہ سچائی کے پیاسے روزانہ آ کر لیکچر سنیں۔ اور جس کسی کو کوئی شک دُور کرنا ہو اُس کے لئے بھی سوامی جی کے جھونپڑے کے دروازے کھلے ہیں۔ اس جگہ سچائی پر لیکچر دیتے ہوئے مہاراج نے کہا۔ دنیا میں کئی مذاہب پھیلے ہوئے ہیں۔ محقق کے لئے سچائی کی تلاش بڑی مشکل ہے۔ جس سے پوچھو۔ وہ اپنے مذہب کو سچا اور دوسروں کو جھوٹا بتاتا ہے۔ ایک جگیاسو نے کسی فلاسفر سے کہا۔ مہاراج! مجھے وہ سچا مذہب بتائیے۔ جس سے میرا کلیان ہو۔ فلاسفر نے کہا۔ آؤ تمہیں سچا مذہب بتاؤں یہ کہ کر وہ اُسے ایک آدمی کے پاس لے گیا۔ اور بولا۔ سچا مذہب کون سا ہے؟ اُس آدمی نے اپنے مذہب کی بڑی تعریف کی۔ اور دوسرے مذہبوں کی مخالفت میں زمین آسمان ایک کر دیا۔ اسی طرح وہ محقق تمام مذاہب کے آدمیوں کے پاس گیا۔ سبھی نے اپنے اُٹھنے بیٹھنے کے طرز کی۔ اپنی عبادت کے طریقہ کی۔ اپنے مندروں کی تعریف کی۔ سبھی نے اپنے تیرتھوں کے گیت گائے۔ اپنے دیوؤں کو اعلےٰ بتایا۔ اپنے رسم و رواج کی خوبیاں بیان کیں۔ اپنے بزرگوں کے اقوال کو دھرم کے نام سے تعبیر کیا۔ اور دوسرے مذاہب کی دل کھول کر مذمت کی۔ ہر ایک مذہب

کے نمائندے کے نئے خیالات، نئے طریقے۔ نئی مورتیاں دیکھ کر محقق گھبرا گیا۔ اور سمجھ نہ سکا۔ کہ کیا کرنا چاہئے۔ تب اُس نے پھر اُسی فلاسفر کی طرف رجوع کیا۔ اور سچے دھرم کے لئے درخواست کی۔ اُس مہاتما نے کہا۔ سچائی وہ ہے۔ جس کی سبھی شہادت دیں۔ جس بات کو سو میں سے ننانوے آدمی سچ کہیں عدالت اُسے ہی مان لیتی ہے۔ اسی طرح دھرم کی جن باتوں کو سبھی مذاہب تسلیم کریں۔ جن میں کسی کو شک نہ ہو۔ وہی سچا دھرم ہے۔ اُسی کو مانو۔ کسی ایک مذہب کے آڈمبر میں نہ پھنسو۔ وہ مذہب جس پر کوئی بھی مذہب اعتراض نہیں کرتا۔ یہ ہے ایک تو پرمیشور میں یقین اور اُس کی عبادت کرنا۔ دوسرے جیسا خیال دل میں ہو۔ وہی زبان سے ظاہر کرنا۔ تیسرے اپنے حواس پر قابو رکھنا۔ چوتھے کسی کے حقوق کو نہ چھیننا۔ پانچویں کمزوروں اور بے کسوں پر رحم کرنا۔ یہ ایسے اصول ہیں۔ جن پر کسی کو بھی اعتراض نہیں۔ یہی سچا دھرم ہے۔ اس سے انسان کا کلیان ہوتا ہے"

ایک دن لکشمن شاستری سوامی جی سے بحث کرنے آیا۔ مضمون مورتی پوجا تھا۔ سوامی جی نے کہا۔ اپنے حق میں کوئی وید منتر پیش کیجئے۔ شاستری جی نے جواب دیا۔ وید منتر کہاں سے پیش کروں۔ وید تو تنکا سر چرا کر

لے گیا ہے۔ سوامی جی نے ہاتھ میں وید لے کر کہا۔ پنڈت جی! آپ کی سستی اور غفلت کے تنکا سر کو ہلاک کر گئے یہ وید میں نے جرمنی سے منگوا لئے ہیں۔ لیجیئے۔ ورق گردانی کیجئے۔ کہ کوئی منتر ملتا ہے یا نہیں۔ یہ سن کر ساری سبھا ہنسی سے بیتاب ہو ہوگئی۔ پنڈت جی نے بھی چپ ہی رہنا بہتر سمجھا۔ مگر اِس شکست سے سناتن دھرمیوں میں ہلچل مچ گئی۔ آخرکار اُنہوں نے مباحثہ کے لئے پیلی بھیت سے انگد شاستری کو بلوانے کا انتظام کیا۔ یہ شخص بڑا مغرور تھا۔ اپنے جیسا کسی کو سمجھتا نہ تھا۔ اُس کی نگاہوں میں دوسرے تمام پنڈت تنکے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتے تھے۔ اُس نے شاہجہانپور آتے ہی سناتنیوں کو برانگیختہ کرنا شروع کر دیا۔ اور مباحثہ کے وقت فساد کرانے کا انتظام کر لیا۔ اور سوامی جی کو ایک خط لکھ دیا۔ اُس کے جواب میں سوامی جی نے جو خط لکھا۔ اُس کا لب لباب یہ ہے۔ کیا آپ لوگ مورتی پوجا کے سے کرم ویدوں کے خلاف نہیں کرتے۔ اور کیا ایک ایشور کی پوجا نہ کرنے سے پرماتما کے احکام کی خلاف ورزی نہیں ہوتی؟ کیا آپ نے میرا کوئی بھی فعل وید کے خلاف دیکھا یا سُنا ہے؟ اگر مباحثہ کرنے کی آپ کی حقیقی خواہش ہوتی۔ تو مہذبانہ طریق سے مباحثہ کرنے سے میں نے آپ کو کب روکا

ہے۔ تہذیب سے مباحثہ کرنا چاہو۔ تو میرا دروازہ اب بھی کھلا ہے۔ لیکن آپ لوگ تو مباحثہ کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اگر چاہتے۔ تو میرے پاس نہ چلے آتے۔ جہاں بے وقوف لوگ بد تہذیبی پر اُتر آتے ہیں۔ اور شور و شر مچانا شروع کر دیتے ہیں۔ وہاں تو میں کھڑا ہونا بھی پسند نہیں کرتا۔ آپ کا یہ لکھنا۔ کہ جہاں جہاں میں جاتا ہوں۔ آپ دامن بچا کر نکل جاتے ہیں۔ محض غلط بیانی ہے۔ آپ سے مجھے نہ کسی قسم کا ڈر ہے۔ نہ کبھی ہوگا۔ آپ میں ایسی قابلیت ہی نہیں کہ جس سے کسی کو ڈرنے کی ضرورت ہو۔ آپ کو تو محض لوگوں کو بھڑکانا اور لڑانا آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بریلی میں آپ کو لکشمی نارائن جی نے باغ میں گھسنے بھی نہ دیا تھا۔ یہ توہین آپ کی فطرت کا کڑوا پھل تھی —— اب ہم دونو شاہجہانپور میں ہیں جو بھاگے گا۔ وہ جھوٹا سمجھا جائیگا۔ اب اپنے ارمان نکال لیجئے۔ اور اپنی ساری قوت سے مباحثہ کر لیجئے۔ لیکن یاد رکھئے گا۔ سچائی ہمیشہ فتح کی طرف ہے۔ سب رشی منیوں کا یہی دھرم ہے۔ کہ سچائی طرفداری اور جھوٹ کی مخالفت کرنا چاہیئے۔ مجھے اپنی عقل اور علم کے رو سے کامل یقین ہے۔ کہ میں لوگوں کو راہ راست پر لئے جا رہا ہوں۔ اگر آپ کو اس میں شبہہ ہے۔ تو مباحثہ کے وقت دور

ہو جائے گا +

متھرا میں کئی ودیارتھی شری سوامی ورجانند جی سے پڑھا کرتے تھے۔ آپ بھی شاید اُن کی خدمت میں رہے ہونگے۔ لیکن اگر آپ اُن کے شاگرد ہوتے تو اُن کے اُپدیش کے خلاف نہ چلتے۔ بڑا چھوٹا اور ذلیل رذیل آدمی اپنے کرموں کی بدولت بنتا ہے +

آپ کا خط دوپہر کے وقت ملا تھا۔ اس لئے کل جواب نہیں دیا جا سکا۔ آپ کے خط میں زبان کی کئی غلطیاں ہیں۔ جب آپ ملینگے۔ سب سمجھا دونگا"+

مگر اس کے باوجود شاستری صاحب میدان میں نہ آئے۔ دور بیٹھے گپیں مارتے رہے اور طول طویل خط لکھ لکھ کر وقت گزاری کرتے رہے۔ نہ اُنہوں نے سوامی جی کی شرائط کو تسلیم کیا۔ اس لئے یہ مباحثہ نہ ہو سکا +

کتنا ہی بڑا آدمی کیوں نہ ہوتا۔ اگر وہ کوئی ناواجب دباؤ ڈالنا چاہتا۔ تو سوامی جی مناسب جواب دیکر اُس کا مُنہ بند کر دیتے۔ ایک دن ڈپٹی کلکٹر علی جان صاحب اُس طرف سے نکلے۔ جہاں سوامی جی کا لیکچر ہو رہا تھا۔ اُنہوں نے باآواز بلند کہا۔ پنڈت جی! اپنے لیکچروں میں ذرا سنبھل کر بولا کریں۔ مہاراج نے فوراً جواب دیا۔ کوئی ڈر نہیں۔ اب حکومت انگریزوں کی ہے۔ اورنگ زیب

کی نہیں +

سوامی جی کو کفایت شعاری کا بڑا خیال رہتا تھا۔ فضول خرچی کے آپ مخالف تھے۔ عموماً لوگوں سے کہا کرتے۔ روپیے کا مناسب استعمال کرو +

سوامی جی کو جلسہ گاہ میں پہنچانے کے لئے جو شخص گاڑی بھیجا کرتا تھا۔ وہ ایک دن گاڑی نہ بھیج سکا۔ کرائے کی گاڑی سوامی جی کے ڈیرے پر آ گئی۔ مہاراج نے گاڑی دیکھ کر کہا۔ آپ کرائے کی گاڑی کیوں لائے ہیں۔ مجھے گاڑی میں چڑھنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ آنے جانے میں وقت ضائع ہو جاتا ہے۔ اس لئے گاڑی میں چڑھتا ہوں۔ ویسے مزہ تو پیدل ہی چلنے میں آتا ہے +

پنڈت بھیم سین ایک دن بازار سے کھانے پینے کا سامان خرید کر لائے۔ سوامی جی نے کہا۔ آٹے وغیرہ کے دام آپ سے زیادہ لئے گئے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا آپ نے نرخ وغیرہ دریافت نہیں کیا۔ نہ چیزیں عمدہ قسم کی ہیں۔ بھائی روپیہ بڑی محنت سے حاصل ہوتا ہے۔ کسی کو اگر کلکتہ جانا ہو تو وہاں نہ پہنچنے کے باعث خواہ اُس کا کتنا ہی نقصان ہوتا ہو۔ مگر بابو کرایہ میں ایک پیسہ کی کبھی رعایت نہ کریگا۔ بعض وقت تو ایک کوڑی کی کمی بھی کروڑوں کے نقصان

کا موجب ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک پیسہ کے خرچ میں بھی خبردار رہنا چاہیئے ۔

اسی طرح سوامی جی وقت کو بڑی قیمتی شے کہا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے وقت کا ایک ایک لحہ پروگرام میں باندھ رکھا تھا۔ اپنے ملازموں کو بھی وقت ضائع نہ کرنے دیتے تھے۔ ایک دن اُن کے منشی وقت پر نہ پہنچے اور آدھ گھنٹہ دیر کر کے آئے۔ سوامی جی نے انہیں اُپدیش دیتے ہوئے کہا۔ ہمارے ملک کے لوگ وقت کی اہمیت کو نہیں محسوس کرتے۔ اُن کے لئے باقاعدہ کام کرنا دشوار ہے۔ صبح سے لے کر شام تک اُن کے تمام کام بے قاعدہ ہوتے ہیں۔ بیکار وقت کھونا ان کی گراوٹ کا موجب ہے۔ وقت کی قیمت کا احساس اُس وقت ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص بستر مرگ پر پڑا ہوتا ہے۔ اور حکیم آ کر کہتا ہے۔ کہ اگر مجھے پانچ پل پہلے اطلاع دی جاتی۔ تو میں اسے مرنے نہ دیتا۔ مگر اب تو خواہ ہزاروں روپے صرف کر دو۔ تب بھی اس کی آنکھیں نہیں کھل سکتیں ۔

مہاراج کے اس اپدیش کا ملازموں پر بہت اثر ہوا۔

یہاں سے چل کر سوامی جی مہاراج ۱۸ ستمبر ۱۸۷۹ء کو لکھنؤ پہنچے۔ وہاں چھ دن ٹھیرے اور ۲۴ ستمبر کو داخل فرخ آباد ہوئے۔ اب کے مہاراج نے کالی چرن کے باغ

میں ڈیرہ لگایا۔ اور لیکچر شروع کر دئے۔ ہزاروں لوگ آنے لگے۔ اُن میں کلکٹر صاحب بھی شامل تھے۔ یہ لیکچر اتنے موثر تھے۔ کہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک تقریر میں گئو رکھشا کے فائدے بتاتے ہوئے مہاراج نے کہا:۔

"گئو کشی سے اتنا نقصان ہو رہا ہے۔ مگر افسوس کہ گورنمنٹ اس پر دھیان نہیں دیتی۔ یہ ہمارا قصور ہے۔ ہم میں اتفاق نہیں ہے۔ اگر ہم مل کر اسے بند کرانے کو تیار ہو جائیں۔ تو کون ہمارے رستے میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ جو لوگ دان کرتے ہیں۔ وہ بھی بھلائی بُرائی نہیں سوچتے۔ بھولے بھالے لوگ سمجھ لیتے ہیں۔ کہ گئو دان کرنے سے ہم "بے ترنی ندی" سے پار ہو جائینگے۔ وہ مر جاتے ہیں اور گئو پروہت کے آنگن میں بندھی رہ جاتی ہے۔ اور بار بار اُسی کو کئی موقع پر دان کیا جاتا ہے۔ ایسے نونہالوں کی بھی کمی نہیں۔ جو جھٹ ایسی گائے کو قصائی کے حوالے کر دیتے ہیں"*

ایک دن "دان" پر بولتے ہوئے کہا۔ اناج اور پانی کا دان ہر ایک بھوکے اور پیاسے کو جو ملے۔ دے دینا چاہئے۔ ایسا دان پہلے اپنے مصیبت زدہ غریب پڑوسی کو دینا چاہئے۔ پاس رہنے والے کے افلاس کو دُور کرنا حقیقی سعادت کا مظہر ہے۔ اس سے

داہ وا نہیں چلتی۔ اس لئے اس سے غرور نہیں آتا۔ پاس کے دکھیوں کو دیکھ کر اور ان کی مصیبت کا نظارہ کر کے رحم۔ ہمدردی اور کرم کے جذبات دل میں موجزن ہوتے ہیں۔ جو ان سے ہمدردی نہیں کرتا۔ اور دُور کے لوگوں پر رحم کرتا ہے۔ اُسے ہمدرد دل۔ نیک آدمی نہیں کہا جا سکتا۔ ایسے آدمی کا دان باہر کی نمائش اور ظاہری اڈمبر ہے۔ دان وغیرہ نیک جذبات کا نشوونما چراغ کی لو کے مانند قریب سے دُور تک پھیلتا ہے۔ یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو غریب لوگ اناج وغیرہ کا دان نہیں کر سکتے۔ وہ کیا کریں۔ جواب صاف ہے۔ کہ جو اناج وغیرہ سے امداد نہیں دے سکتے۔ وہ اپنے پڑوسی کے دکھ میں اس کے کام آئیں۔ غریبوں کی طرفداری کریں۔ مصیبت زدہ اور غمگین لوگوں کی خدمت کریں۔ رنجیدہ لوگوں سے پیار کریں۔ اُنہیں میٹھی باتیں سُنا کر خوش کریں۔ یہ سب دان ہیں اور روح سے تعلق رکھنے والے دان ہیں"۔

مہاراج نے ایک دن کہا۔ کئی لوگ کہتے ہیں۔ کہ آپ کے کھنڈن سے لوگوں میں گھبراہٹ چھا جاتی ہے۔ اُن کے دل میں جوش پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ اچھا کیسے ہوگا؟ جب بیماری دور نہیں ہوتی۔ تو لائق حکیم دید کی غلط کاریوں کو درست کرنے کے لئے اور

اندر کی میل کو نکالنے کے لئے مسہل دیا کرتے ہیں۔
اس سے طبیعت گھبراتی ہے۔ جی متلاتا ہے۔ مگر جب
خرابی خارج ہو جاتی ہے۔ تو مریض کو آرام آنے لگتا
ہے۔ اور آہستہ آہستہ اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔
اسی طرح آریہ قوم میں بے شمار بُرے رسم و رواج کی
خرابی اور جھوٹے خیالات کی میل بڑھ گئی ہے۔ اس وجہ
سے یہ قوم اتنی بیمار ہو گئی ہے کہ اس کے لواحقین کو
اس کی زندگی میں بھی شُبہ ہو چلا ہے۔ لوگ اس کی
زندگی کے سالوں کو اُنگلیوں پر گن رہے ہیں۔ ہمارے
اُپدیش مسہل کی طرح گھبراہٹ ضرور پیدا کرتے ہیں۔ مگر
وہ ہیں اسے بچانے اور جلانے والے۔ موجودہ قوم ہمیں
جو چاہے کہے۔ مگر بھارت کی آیندہ نسل ہمارے کام
کو اور ہماری محنتوں کو عقیدت اور عزت کی نگاہوں
سے دیکھے گی۔ ہم لوگوں کی مجلسی اور دماغی اور روحانی
بیماریوں کو رفع کرنے کے لئے جو کچھ کرتے ہیں نیک نیتی
سے کرتے ہیں ؂

سناتنی پنڈتوں نے سوامی جی سے پچیس سوال کئے
اُن کے حسب ذیل جواب سوامی جی نے آریوں کو
لکھائے :-

سوال ۱- وید وغیرہ شاستروں میں سنیاسیوں کے
کیا دھرم لکھے ہیں ؟

جواب - وید وغیرہ شاستروں میں سنیاسی کے یہ دھرم بتائے ہیں - سمجھ سوچ کر وید کے مطابق شاستر کے بموجب - تعصب - افسوس - دشمنی - ہٹ دھرمی - اور ضد کو ترک کرنا - خود غرضی - خوشامد - مذمت اور عزت بیعزتی وغیرہ برائیوں سے بچنا - سنیاسیوں کا دھرم ہے کہ سچ جھوٹ کا خود فیصلہ کریں - ہر جگہ گھومتے پھرتے ہوئے لوگوں سے جھوٹ چھڑائیں - اور انہیں سچ اختیار کرنے کی ترغیب دیں - تاکہ اُن کی جسمانی - مجلسی - روحانی ترقی ہو - اور وہ تعلیم پاکر اپنی کوشش سے دنیوی اور روحانی سکھوں کو حاصل کر سکیں - لوگوں کو نیک چلن بنانا سنیاسیوں کا دھرم ہے - جو سنیاسی دکھ سکھ سے بالا ہو۔ اُس کے لئے گاڑی میں چڑھنا عیب کی بات نہیں - بیماری وغیرہ سے بچنے کی خاطر اگر سنیاسی حقہ پیئے - تو کوئی نقصان نہیں - ایسا کرنا شاستروں کے مطابق ہے ؀

سوال ۴ - اگر آپ کے خیال میں معافی نہیں مانی جاتی - تو منو سمرتی کے پرائشچتوں کا کیا پھل ہے؟ پرمیشور کے رحم کا کیا مطلب ہے؟ اگر انسان خود بخود آیندہ کے لئے گناہوں سے بچا رہے - تو اُس کا رحیم ہونا کس کام آئیگا"؟

جواب - ہمارا خیال وید کے بموجب ہے - من گھڑت نہیں -

ویدوں میں کسی بھی جگہ ذکر نہیں آتا - کہ گناہ معاف ہو سکتے ہیں - گناہوں کی معافی عقل کے بھی خلاف ہے - اُن آدمیوں پر افسوس ہوتا ہے - جو سوال کرنا تو جانتے نہیں مگر پانچوں سواروں میں شامل ہونے کو ترستے ہیں ؂

معافی اور پرائشچت کا چنداں تعلق نہیں - کیا پرائشچت کوئی آرام کا کام ہے - جیسے جیلخانہ میں مجرم چوری وغیرہ جرائم کی سزا پا لیتا ہے - اسی طرح پرائشچت میں گناہ کی سزا پاتا ہے - کئی ناستک پرماتما کی ہستی سے انکار کرتے ہیں تکلیف اور مصیبت میں پرماتما کو گالیاں تک دے ڈالتے ہیں - وہ سب برداشت کرتا ہے اور اپنے رحم کو ترک نہیں کرتا - یہی اُس کا رحم اور کرم ہے - منصف اگر گناہ معاف کر دے تو منصف نہ رہیگا - پرماتما اپنے قدرتی وصف کے خلاف کبھی نہیں کرتا - جس طرح جج مجرموں کو سزا دے کر اور علم و ہنر سے روشن دماغ بنا کر شہری زندگی کے لئے مفید بنا دیتا ہے - اُسی طرح پرماتما کا رحم ہوتا ہے؂

سوال ۴ - اگر آپ کی رائے میں تتوؤں (آگ - پانی - مٹی - ہوا وغیرہ) کے پرمانو (ذرّے) نتیہ (لافانی) ہیں - تو علت کے وصف معلول میں پائے جاتے

ہیں تو یہ بتائیے کہ لطیف ذرّوں سے یہ بڑی دنیا کیسے بن گئی ؟

جواب - جو بہت ہی لطیف ہے اُسے پرمانو کہتے ہیں اور ایسے پرمانو لافانی ہیں - علت کے جو وصف علت میں لافانی ہیں وہ معلول میں بھی لافانی ہیں - پرمانوؤں کا باہم پیوست ہونا اور منتشر ہونا بھی لافانی وصف ہے - اس لیئے ان کے پیوست ہونے اور منتشر ہونے سے بھی ان کی اس صفت میں فرق نہیں آتا - پرمانوؤں میں چھوٹا بڑا ہونے کی طاقت بھی لافانی ہے ٭

سوال ۴ - آدمی اور پرماتما کا باہمی کیا تعلق ہے - کیا گیان (علم) سے آدمی پرماتما بن سکتا ہے ؟ روح اور خدا کا کیا تعلق ہے ؟ کیا دونو ازلی اور ابدی ہیں ؟ اگر دونو ذی علم ہیں - تو روح خدا کے ماتحت ہے یا نہیں - اگر ماتحت ہے تو کیوں ؟

جواب - پرماتما اور آدمی کا راجہ پرجا کا مالک نوکر کا تعلق ہے - آدمی کا گیان محدود ہے وہ ایشور نہیں بن سکتا - روح اور خدا میں ویاپیہ ویاپک وغیرہ کا تعلق ہے - روح ہمیشہ پرماتما کے ماتحت رہتی ہے - مگر اپنے افعال میں مختار مطلق اور سزا جزا لینے میں پابند ہے - ایشور کی طاقت لامحدود ہے -

اور روح کی محدود۔ اس لئے روح کا ایشور کے ماتحت
ہونا ضروری ہے ؎

سوال ۵ - کیا آپ دُنیا کا بننا اور فنا ہونا مانتے ہیں؟
ابتدائے آفرینش میں ایک آدمی پیدا ہوا تھا یا زیادہ
اُس وقت جب اُن کے افعال ایک سے تھے۔ تو
پرماتما نے اُن میں سے بعض ہی کو ویدگیان کیوں
دیا؟ کیا اُس سے پرماتما پر غیر جانبداری کا الزام
عائد نہیں ہوتا؟

جواب - دُنیا کی ابتدا اور فنا ہم مانتے ہیں؟ ایشور
کے گن کرم اور سوبھاؤ لافانی ہیں - اس لئے دنیا بھی
لافانی ہے - اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔
اگر ایسا نہ مانا جائے - تو دُنیا سے پہلے ایشور کو
نکما ماننا ہوگا - پرماتما کی طرح مادہ - اور روح کا بھی
کوئی شروع اور اختتام نہیں - جس طرح اس موجودہ
دنیا کی ابتدا میں کئی مرد عورتیں پیدا ہوئے - اُسی
طرح اس سے پہلے ہوتے رہے - اور اُسی طرح
آئندہ ہوتے رہینگے - روحوں کے افعال بھی ہمیشہ
سے ہیں - جن چار آدمیوں پر پرماتما نے ویدگیان
نازل کیا - اُن کے سے یا اُن سے اچھے افعال کسی
دوسرے کے نہ تھے - اس لئے پرماتما پر غیر جانبداری
کا الزام عائد نہیں ہوتا ؎

سوال ۶ - آپ کے خیال میں کرموں کا پھل کرموں کے مطابق کم و بیش ہوتا ہے تو انسان آزاد کس طرح ہے؟ پرمیشور کا گیان جیسا ہے - آدمی ویسا ہی عمل کریگا - اس لیئے وہ آزاد نہ رہا +

جواب - کرموں کا پھل کم و بیش کبھی نہیں ہوتا - جس نے جیسا اور جس قدر کرم کیا ہو - اُسے ویسا اور اُتنا ہی پھل نہ دیا جائے تو یہ بے انصافی ہے ایشور کے لئے ماضی اور مستقبل دونو زمانے نہیں - اُس کا گیان ہمیشہ یکساں ہے - جس طرح پرماتما اپنے گیان میں آزاد ہے - اُسی طرح آدمی اپنے کرموں میں مختار ہے +

سوال ۷ - مکتی (نجات) کیا شے ہے؟

جواب - سب بُرے کرموں سے چھوٹ کر صرف نیک ہی کام کرنا جیون مکتی (زندگی کی نجات) ہے - اور ہر قسم کے دُکھوں سے چھوٹ کر عالم مسرت میں پرمیشور میں رہنا مکتی ہے +

سوال ۸ - دولت بڑھانا - علم و ہنر کے ذریعے لوگوں کو خوشحال بنانا - اور مریض لوگوں کو دوا دینا گناہ ہے یا ثواب؟

جواب - ایمانداری سے دولت کمانا اور بڑھانا - علم و ہنر کو ترقی دینا اور دوا وغیرہ تقسیم کرنا نیکی ہے -

لیکن اگر کوئی آدمی متذکرہ بالا کام بے ایمانی سے کرتا ہے۔ تو یہ گناہ ہے۔ گنہگار آدمی کو بیماری سے بچا کر نیک رستے پر چلانا کار ثواب ہے۔

سوال ۹۔ گوشت کھانا گناہ ہے یا نہیں؟ اگر گناہ ہے تو وید اور دوسرے گرنتھوں میں یگیہ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کرنا کیوں لکھا ہے۔ اور وہ بھی کھانے کے ارادہ سے۔

جواب۔ گوشت کھانا گناہ ہے۔ ویدوں میں اور دوسرے گرنتھوں میں قربانی کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ گومیدھ وغیرہ الفاظ کے معنی بام مارگیوں نے بگاڑ دیئے ہیں۔ ان کا مطلب وہ نہیں جو بام مارگیوں نے کیا ہے۔ جس طرح بدمعاش اور ایذا رساں ڈاکوؤں کو راجہ لوگ مروا دیتے ہیں۔ اسی طرح خوفناک اور نقصان پہنچانے والے جانوروں کا مارنا انسان کے لئے گناہ نہیں۔ مگر وہاں کھانے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور آج کل تو بام مارگیوں نے آپ شلوک بنا بنا کر گائے کا گوشت کھانا بھی ثابت کر دیا ہے۔ جس طرح منوسمرتی میں ان کمبختوں نے یہاں تک ملا دیا ہے کہ گئو ماس کا پنڈ دینا چاہئے۔ کیا کوئی آدمی ایسے بے ہودہ الفاظ درست تسلیم کر سکتا ہے؟" *

* حاشیہ صفحہ ۶۲۱ پر۔

سوال ۱۰- جیو کا کیا لکش (وصفت) ہے؟

جواب - جیو کے لکشن نیائے شاستر میں اچھا (خواہش) دویش (دشمنی) پربھتی (سعی) دکھ سکھ اور گیان (علم) لکھے ہیں*

سوال ۱۱- لطیف اوزاروں سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی میں بے شمار کیڑے ہیں - ایسی حالت میں کیا پانی پینا چاہیئے؟

جواب - جب برتن اور برتن کا پانی دونو محدود ہیں - تو اُن میں بے شمار (لامحدود) کیڑے کیسے سما سکتے ہیں - پانی کو اچھی طرح سے دیکھ کر اور کپڑے سے چھان کر پینا چاہیئے*

سوال ۱۲- مرد کے لئے ایک سے زیادہ عورتوں سے بیاہ کرنے کی کہاں ممانعت ہے - اگر ہے تو دھرم شاستر میں یہ کیوں لکھا ہے - کہ اگر کسی مرد کی عورتوں میں سے ایک کے ہاں اولاد ہو - تو باقی بھی اولاد والیاں متصور ہونگی*

جواب - وید میں ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی ممانعت ہے - دنیا میں تمام لوگ نیک نہیں ہوتے -

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۲۱) یہ جوابات پنڈت لیکھرام جی کے تصنیف کردہ جیون چرتر سے لئے ہیں - مگر بھارت سدرشا پر ورتک اخبار میں اُس وقت اِس سوال کا جو جواب شائع ہوا تھا - وہ اس جواب سے مخالف تھا

اس لیئے اگر کوئی بُرا آدمی زیادہ عورتوں سے بیاہ کرلے تو اُن میں فساد رہیگا۔ اور اگر ایک کے ہاں لڑکا ہو جائے۔ تو دوسری اُسے زہر دے کر مار نہ دے۔ اس لیئے دھرم شاستر میں لکھا ہے کہ وہ اُسے اپنا بیٹا سمجھیں ✤

سوال ۱۳۔ جیوتش شاستر کے پھل بھاگ کو آپ مانتے ہیں یا نہیں۔ کیا بھرگو سنگھتا رشی کرت گرنتھ ہے ؟

جواب۔ ہم جیوتش شاستر کے پھل بھاگ کو نہیں مانتے۔ ہاں گنت بھاگ (حساب کے حصّے) کو مانتے ہیں۔ بھرگو سنگھتا میں گنت ہے۔ اس لیئے ہم اُسے مانتے ہیں۔ جیوتش شاستر کے گرنتھوں میں ماضی اور مستقبل کے حالات کا ذکر نہیں اور نہ اُن میں انسان کے رنج و راحت کا علم ہے ✤

سوال ۱۴۔ جیوتش گرنتھوں میں سے آپ کس گرنتھ کو سدھانت گرنتھ تسلیم کرتے ہیں ؟

جواب۔ جتنے بھی گرنتھ وید کے مطابق ہیں۔ اُن سب کو ہم آپت گرنتھ مانتے ہیں ✤

سوال ۱۵۔ آپ کا کیا خیال ہے۔ دنیا میں رنج و راحت۔ علم۔ ایمانداری اور انسانوں کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی ہے یا نہیں۔ اگر ہوتی ہے تو پہلے زیادتی تھی۔ اب ہے یا آیندہ ہوگی ✤

جواب - ہمارا خیال ہے کہ دنیا میں رنج و راحت کی زیادتی ہمیشہ ہوتی رہتی ہے - اور درمیانی حالت میں برابر ہوتی ہے ✣

سوال ۱۶ - دھرم کا کیا لکشن ہے ؟ پرماتما کی طرف سے قدیم ہے یا انسان کی طرف سے ؟

جواب - دھرم کا لکشن تعصب سے مبرّا انصاف ہے - اور سچائی کا اختیار کرنا ہے - وہ وید پرتی پادت اور ایشور کی طرف سے قدیم ہے ✣

سوال ۱۷ - اگر کوئی مسلمان عیسائی آپ کے دھرم پر ایمان لے آئے - تو کیا آپ کے پیرو اُسے اپنے اندر شامل کر لینگے - اور اُس کے ہاتھ کا بنا کھانا کھا لینگے ؟

جواب - ہمارا دھرم ویدک دھرم ہے - بڑے افسوس اور شرم کی بات ہے - کہ آپ لوگوں نے صرف کھانے پینے نہانے، کپڑے پہننے اور اُٹھنے بیٹھنے ہی تک دھرم کو محدود کر رکھا ہے - یہ تو ہر ایک ملک کے علیحدہ علیحدہ رواج ہیں ✣

سوال ۱۸ - کیا آپ کے دھرم میں بغیر گیان کے مکتی ہو جاتی ہے ؟

جواب - پرماتما سے متعلق گیان کے بغیر کبھی مکتی نہیں ہوتی - جو دھرم میں مستقل ہوگا - اُسے گیان بھی

ضرور ہوگا +

سوال ۱۹۔ کیا شرادھ کرنا شاستر کے مطابق ہے۔ اگر نہیں تو پتری کرم کے کیا معنی ہیں ؟ کیا منوسمرتی وغیرہ کتابوں میں اس کا ذکر ہے ؟

جواب۔ زندہ بزرگوں کو شردھا (عزت) سے، خدمت سے، محنت اور مختلف اشیاء سے خوش کرنے کا نام شرادھ ہے۔ وید میں اسی قسم کے شرادھ کا ذکر آتا ہے۔ منوسمرتی کا وہی حصہ ماننے کے قابل ہے۔ جو وید کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے۔ باقی کا نہیں +

سوال ۲۰۔ اگر کوئی شخص اس خیال سے خودکشی کرلے کہ میں گناہوں سے نہیں بچ سکتا۔ تو کیا اُس کا یہ فعل گناہ ہے ؟

جواب۔ گناہ ہے۔ گناہوں کی سزا برداشت کئے بغیر کوئی انسان گناہوں سے بچ نہیں سکتا +

سوال ۲۱۔ روحیں گنی ہوئی ہیں یا بے شمار ؟ کیا انسان کرموں کے مطابق انسانوں۔ جانوروں اور درختوں کے قالب میں جا سکتا ہے ؟

جواب۔ ایشور کے لئے روحیں گنی ہوئی ہیں۔ لیکن انسان کے لئے اُن کا شمار نہیں۔ روح کرموں کے مطابق جانوروں اور درختوں کے قالب میں جاتی

ہے ؛

سوال ۲۲ - کیا بیاہ کرنا مناسب ہے ؟ اولاد ہونے سے کون گنہگار ہوتا ہے ؟

جواب - جو لوگ قابل ہوں - جنہیں اپنے جذبات پر قابو ہو - اور جو دنیا کی خدمت میں اپنی عمر صرف کرنا چاہتے ہوں - اُنہیں بیاہ نہ کرنا چاہئیے - مگر جو لوگ ایسا نہیں کر سکتے - انہیں بیاہ ضرور کرنا چاہئیے اور رتوگامی ہو کر اولاد پیدا کرنا چاہئیے - ایسی اولاد پیدا کرنا گناہ نہیں ہے - بدمعاشی گناہ ہے - اس لئے بدمعاشی کی اولاد پیدا کرنا گناہ ہے ؛

سوال ۲۳ - کیا اپنے گوتر میں بیاہ کرنا قابل اعتراض ہے ؟ اگر ہے تو کیوں ؟ کیا ابتدائے دنیا میں ایسا ہوا تھا ؟

جواب - اپنے گوتر میں بیاہ کرنے سے جسم و دماغ کی کافی طور پر نشو و نما نہیں ہوتی - اور نہ طاقت اور محبت کی ترقی ہوتی ہے - لہذا اپنے گوتر میں بیاہ کرنا مناسب نہیں - ابتدائے دنیا میں کوئی گوتر نہیں تھا - اس لئے اُس وقت کا سوال بیکار ہے ؛

سوال ۲۴ - گایتری کا جاپ کا کوئی پھل بھی ہے یا نہیں - اگر ہے تو کیوں ؟

جواب - وید میں ہدایت کی گئی ہے - کہ انسان کا

چلن گائیتری کے مطابق ہونا چاہیئے۔اس لئے اگر طریقہ سے گائیتری کا جاپ کیا جائے۔تو اس کا نتیجہ بہت عمدہ ہوتا ہے۔جو کام کیا جائے۔اُس کا نتیجہ ملنا لازمی ہے۔اچھا کام ہوگا۔نتیجہ بھی اچھا ہوگا۔بُرا کام ہوگا۔نتیجہ بھی بُرا ہوگا۔

سوال ۲۵۔ دھرم ادھرم کا انسان کے اندرونی جذبات کے ساتھ تعلق ہے۔یا بیرونی نتائج کے ساتھ؟ اگر کوئی آدمی کسی ڈوبتے ہوئے آدمی کو بچانے کو ندی میں کود پڑے اور خود بھی غرق ہو جائے۔تو اُسے خودکشی کا گنہگار مانا جائیگا یا نہیں؟

جواب۔دوسروں کے فائدہ کے لئے کوشش کرتا ہوا آدمی اگر مر جائے۔تو اُسے ثواب ملتا ہے۔یہ گناہ نہیں ہے۔

متذکرہ بالا سوال و جواب آریہ سماج فرخ آباد کے ہفتہ وار اجلاس میں سُنائے گئے اور بعدازاں بھارت شدشا پرورتک میں شائع ہوئے۔

سوامی جی لوگوں کو اچھے خوبصورت اور بامعنی نام رکھنے کی ہدایت کیا کرتے تھے۔ایک دن مہاراج کے پاس کئی آدمی بیٹھے تھے۔کئی عورتیں بھی آگئیں۔ان میں سے ایک کی گود میں ایک ننھا بچہ تھا۔سوامی جی نے پوچھا۔اس کا نام کیا ہے؟ اُس عورت

نے جواب دیا - بھیا - سوامی جی نے کہا - ایسے نام نہ رکھا کرو - نام نہایت عمدہ اور بامعنی ہونا چاہئے - آج سے اس بچے کو بھودیو کہا کرو +

مہاراج معمولی معمولی واقعات سے غیر معمولی نتائج نکالا کرتے تھے - ایک دن گاڑی میں بیٹھے اپنے ڈیرہ سے آریہ سماج کو جا رہے تھے - راہ میں ایک کتا بھونکتا ہوا گاڑی کے پیچھے بھاگا - تھوڑی دیر تک تو وہ بھاگتا رہا - مگر تھک کر پیچھے لوٹ گیا - اس وقت سوامی جی نے اپنے ایک ساتھی سے کہا - من گھڑت مذاہب کا بھی یہی حال ہے - اوّل اوّل بہت شور مچاتے ہیں - مگر آخر میں ہار کر رہ جاتے ہیں +

فتح گڑھ میں لیکچر دیتے ہوئے مہاراج نے کہا - آریہ سماج کے دس اصول اس قدر مکمل اور جامع ہیں کہ اُن پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا - دوران لیکچر میں ایک شرابی نے شور مچانا شروع کر دیا - لوگوں نے اُسے خاموش کرانا چاہا - لیکن وہ شور مچاتا ہی گیا - مگر سوامی جی کی ایک گرج سُنتے ہی چپ ہو گیا +

سوامی جی کے ست سنگوں میں اکثر آتما پرماتما اور آچار وچار پر ہی بات چیت ہوا کرتی تھی - دنیوی معاملات کی طرف چنداں دھیان نہ دیتے تھے - ایک دن سیٹھ نربھے رام سے خیر و عافیت پوچھی اُس نے جواب دیا -

مہاراج! آپ کی مہربانی روپیہ پیسہ بیٹے پوتے سبھی کچھ ہے۔ اس لئے خوش ہوں۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ سیٹھ جی! دھرم کرم اور پرماتما سے علیحدہ ہو کر اپنے آپکو خوش سمجھنا اودیا (جہالت) کی نشانی ہے +

ایک دن کئی آدمیوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا۔ اس ملک میں کئی دیانند پیدا ہونگے۔ ویدک دھرم کی ترقی کے زمانہ میں اُن دغاباز آدمیوں سے اس دھرم کی حفاظت کرنا آریوں کے لئے عقلمندی کا اور بہادری کا کام ہوگا +

فرخ آباد کے مجسٹریٹ سکاٹ صاحب تھے۔ بڑے نیک اور فراخ دل۔ مہاراج کے لیکچروں میں اکثر آتے رہتے تھے۔ جس دن لیکچر نہ ہوتا۔ اُس دن ڈیرے پر آ جاتے۔ مہاراج سے انہیں عقیدت تھی۔ اُن کے پاؤں میں کچھ نقص تھا۔ لنگڑا کر چلتے تھے۔ ایک دن پوچھنے لگے۔ کرموں کا پھل ملتا ہے اس کا ثبوت کیا ہے۔ سوامی جی نے پوچھا۔ آپ کے پاؤں میں نقص کیوں ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ خدا کی مرضی۔ اس پر مہاراج نے کہا۔ خدا کی مرضی نہ کہئے۔ یہ کرموں کا پھل ہے۔ جس نتیجہ کا یہاں باعث نہ دکھائی دے اُسے پہلے جنم کے کرموں کا پھل کہا جاتا ہے +

فرخ آباد کے بازار کی ناپ ہو رہی تھی۔ راہ میں

ایک چھوٹی سی قبر پڑتی تھی۔ اُس پر لوگ دھوپ وغیرہ جلایا کرتے تھے۔ شری مدن موہن لعل جی نے سوامی جی سے کہا۔ سکاٹ صاحب آپ کی بہت مانتے ہیں۔ آپ کا ایک اشارہ کافی ہے وہ اس قبر کو صاف کر دینگے۔ توہم پرستی کا اڈہ اُڑ جائیگا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ ایسی اُلٹی پٹی مجھے نہ پڑھائیے۔ ایسے ٹیڑھے طریقوں سے کسی مذہب کو نقصان پہنچانا پاپ ہے۔ کمینگی۔ ذلت اور بے انصافی ہے۔ شاہانِ اسلام نے سینکڑوں مندروں کو اور اُن کی مورتوں کو ملیا میٹ کر دیا۔ مگر کیا مورتی پوجا بند ہو گئی۔ ہمارا کام لوگوں کے دلوں سے مورتیوں کو نکالنا ہے۔ نہ کہ اینٹ پتھر کے مندروں کو توڑنا پھوڑنا ؎

مہاراج کے دل میں ہمدردی کا جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا۔ غریبوں اور مصیبت زدہ لوگوں کو دیکھ کر اُن کی طبیعت پر رقت طاری ہو جاتی تھی۔ ایک دن شری کالی چرن کے باغ میں کئی لوگوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کہ اتنے میں ایک عورت اپنا مرا ہوا بچہ میلے گندے کپڑے میں لپیٹے ہوئے گذری۔ مہاراج نے پوچھا۔ مائی! تم نے اس پر سفید کپڑا کیوں نہیں لپیٹا۔ اُس نے رو کر کہا۔ مہاراج! میرے پاس سفید کپڑا کہاں ہے؟ غریب ہوں۔ مہاراج کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ روتے ہوئے بولے۔ کل

یہی بھارت سونے کی کان تھا۔ امن و آرام کی جگہ تھا۔ عظمت اور عزت یہاں کھیلتے تھے۔ مگر آج یہ حالت ہے کہ بھارت کے مرے ہوئے بچوں کے تن کو ڈھانپنے کے لئے اُن کے والدین کو اچھا کپڑا بھی دستیاب نہیں ہوتا۔ یہاں کے آریہ پرشوں میں سوامی جی کے اُپدیشوں سے حوصلہ پیدا ہو گیا۔ پس اُنہوں نے ایک سبھا قائم کی۔ اُس میں ہزاروں روپے جمع کئے۔ اور اُس رقم کا کچھ حصہ وید بھاشیہ کے لئے سوامی جی کو دیا۔

گیارھواں باب

فرخ آباد میں امرت برکھا کرنے کے بعد سوامی جی مہاراج ۸؍اکتوبر ۱۸۷۹ء کو کانپور پہنچے۔ اور ایک اشتہار کے ذریعے آریہ سماجوں اور آریہ سماجیوں کو اطلاع دی۔ کہ مفصلۂ ذیل اصحاب کو وید بھاشیہ کے لئے چندہ جمع کرنے کا حق حاصل ہے۔ ٹھاکر مکند سنگھ اور منا سنگھ ساکن چھلیسر۔ سمرتھ دان جی ساکن بمبئی۔ اندرمن جی۔ بختاور سنگھ جی سیکرٹری آریہ سماج شاہجہانپور۔ رام سرن داس جی پریذیڈنٹ آریہ سماج میرٹھ۔ لالہ سائیں داس جی سیکرٹری آریہ سماج لاہور۔ بلدیو داس

و ڈاکٹر بہاری لال جی سکرٹری آریہ سماج گورداسپور۔چوہدری
لچھمن داس جی ممبر آریہ سماج امرتسر۔ پنڈت سُندر لال پریاگ۔
ارجن آدھار واچسپتی لکھنو۔ مادھولال سکرٹری آریہ سماج داناپور
تمام اصحاب چندے کی رقوم فرخ آباد کے مہاشہ جسراج
گوہے رام کے پاس بھیج کر رسید منگوا لیں۔میری کتابیں
مہاشہ سمرتھ دان جی اور اندرمن جی سے مل سکینگی +

کانپور سے چل کر مہاراج پریاگ اور میرزا پور میں
ٹھیرتے ہوئے ۳۰ر اکتوبر کو دانا پور میں رونق افروز
ہوئے۔ اہل داناپور مہاراج کے درشنوں کو ترستے تھے۔
جس طرح چاتک بادلوں کے لئے ترستا ہے۔ اُنہیں
منتیں مناتے، درخواستیں کرتے۔ اور کوشش کرتے
برسوں ہو گئے تھے۔ جب اُن کو معلوم ہوا۔ کہ سوامی
جی آرہے ہیں۔ تو اُن کی باچھیں کھل گئیں۔طبیعت میں
مسرت کی لہریں اُٹھنے لگیں۔ اُس دن وہ پھولے نہ
سماتے تھے۔ سب کی آنکھوں سے مسرت ترشح ہوتا تھا۔
جس وقت گاڑی کو سٹیشن پر پہنچنا تھا۔ اُس سے بہت
عرصہ پہلے ہی شہر سے سٹیشن تک گاڑیوں کا تانتا بندھ
گیا۔ سٹیشن پر اتنا ہجوم تھا۔ کہ میلا معلوم ہوتا تھا۔
بھگتوں نے سوامی جی کو گاڑی میں بٹھایا۔ اور جلوس
کی صورت میں شہر کو لے چلے۔ کچھ دیر تک شری مادھورام
جی کے مکان پر آرام کر کے اور کچھ کھا پی کر جونس صاحب

کے بنگلہ کو تشریف لے گئے - یہاں اُما پرساد نامی ایک آدمی نے کہا کہ آپ کے اُپدیش صداقت پر مبنی ہیں لیکن اگر لوگ نہ مانینگے۔ تو آپ کیا کر سکتے ہیں - سوامی جی نے جواب دیا- اگر لوگ ہمارے خیالات ایک دفعہ سُن لیں - تو ہمارا مقصد پورا ہو جائے گا- یہ خیالات اُن کے دل سے نکلنے والے نہیں۔ سوئی کے مانند چُبھ جاتے ہیں - بظاہر وہ ان خیالات کو کیسا ہی چھپائیں - مگر تنہائی میں یار دوستوں کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے ان کا اظہار قدرتی ہے ؀

مہاراج کے لیکچر کے لئے اُن کے بھگتوں نے ایک پنڈال بنایا تھا - وہاں وہ لیکچر دیا کرتے تھے- لیکچروں کا مضمون پرماتما- پرکرتی وغیرہ ہوتا تھا- ایک دن کچھ مسلمانوں نے اُس جلسہ گاہ کے عین پاس ایک مولوی کا وعظ شروع کرا دیا - مگر زیادہ گڑ بڑ نہ ہو سکی - پولیس نے اُنہیں جلد ہی وہاں سے ہٹا دیا ؀

مہاشہ گلاب چند لال جی سوامی جی کے عقیدتمندوں میں سے تھے- اُنہوں نے ایک دن عرض کیا- مہاراج مسلمانوں کے خلاف کچھ نہ کہئے گا - یہ لوگ بڑی جلدی بگڑ جاتے ہیں - اور فساد کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں سوامی جی اُس وقت تو چپ رہے مگر لیکچر میں اسلام کا زبردست کھنڈن کرتے ہوئے بولے- مجھ سے

کہا جاتا ہے۔ اسلام کے خلاف نہ بولو۔ مسلمان بگڑ جائینگے۔ مگر میں سچائی کو کیسے چھپاؤں؟ جب اسلام کا زمانہ تھا۔ اُنہوں نے ہمارا تلوار سے کھنڈن کیا۔ بڑے شرم کی بات ہے۔ آج مجھے زبان سے بھی کھنڈن کرنے سے روکا جاتا ہے۔ مگر میں آج کل کے مذہبی آزادی کے زمانہ میں کھنڈن سے کیسے رُک سکتا ہوں۔ لیکچر کے خاتمہ پر جب ڈیرے کو واپس آئے۔ تو کہنے لگے۔ آج کل کی گورنمنٹ کسی مذہب پر نکتہ چینی کرنے سے کسی کو نہیں روکتی۔ یہ ویدک دھرم کے لئے بڑی سہولت ہے۔ پنجاب کے ایک شہر کا بیان کرتے ہوئے کہا۔ وہاں میں نے اعلان کیا کہ کل عیسائی مذہب پر ایک نظر ڈالی جائیگی۔ لیکچر کے وقت وہاں بہت سے دیسی اور انگریز عیسائی اور پادری بیٹھے تھے۔ نیز کمانڈر ان چیف بھی آئے ہوئے تھے۔ میں نے اپنی پوری قوت سے عیسائیت پر ریویو کیا۔ اُس پر حملے کئے۔ بائبل میں اجتماع ضدین ثابت کیا۔ مگر خفا ہونا تو دُور رہا کمینڈر صاحب بڑے خوش ہوئے۔ اور مجھ سے ہاتھ ملا کر بولے۔ بلا شبہ آپ بے خوف ہیں کہ ہماری موجودگی میں بھی ہمارے مذہب کے خلاف بولتے ہوئے نہیں ہچکچاتے۔ تو بھلا دوسروں سے آپ کب ڈرتے ہونگے*

پھولوں۔ پتّوں اور پھلوں کو بغیر ضرورت کے توڑنا

شاستروں میں بُرا سمجھا گیا ہے۔ اس لئے سوامی جی بھی ان کو خواہ مخواہ ضائع نہ کرنے دیتے تھے۔ ایک دن آپ بنگلہ میں ٹہل رہے تھے۔ کہ مہاشہ اننت لال درشنوں کے لئے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے یونہی گلاب کا ایک پھول شاخ سے توڑ لیا۔ سوامی جی نے ڈانٹ کر کہا۔ تم نے بُرا کیا۔ یہ پھول شاخ کے ساتھ ہی بہار دیتا تھا۔ تم نے اسے بلا ضرورت توڑا۔ اس کے بعد وہ اندر آ کر بیٹھ گئے۔ اور مورچھل سے مکھیاں اُڑانے لگے۔ اننت لال نے انکساری سے عرض کی۔ آپ نے مجھے پھول توڑنے سے منع کیا۔ مگر آپ خود مورچھل سے مکھیاں اُڑاتے ہیں۔ کیا اس سے مکھیوں کو تکلیف نہیں ہوتی؟ مہاراج نے جواب دیا۔ نقصان دہ اور حقیر جانوروں کو دور کرنے کی آپ ہی جیسے آدمیوں نے مخالفت کی ہے۔ اس نام نہاد رحمدلی ہی نے بھارت کو اس حالت میں پہنچایا ہے۔ آپ جیسے مچھر مکھی سے ڈرنے والے کمزور آدمی ضرورت پڑنے پر میدان جنگ میں کیا کرینگے؟

سوامی جی اپنے سیوکوں کو پرانا یام کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کی رائے تھی۔ کہ اس سے خوفناک بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور روحانی خوبیاں نشو و نما حاصل کرتی ہیں۔ جلال جاگتا ہے۔ اور دماغ منوّر ہو جاتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ پرانا یام کرنے سے

دل دماغ اور حواس آدمی کے قابو میں ہو جاتے ہیں۔ طاقت اور چستی میں ترقی ہوتی ہے۔ اور عقل اس قدر بڑھ جاتی ہے۔ کہ سخت مشکل اور لطیف ترین مضامین کو بھی فوراً سمجھ جاتی ہے ✦

ٹھاکرداس نام کے ایک نیک آدمی دان پور میں رہتے تھے۔ اُنہیں جب یوگا بھیاس کی بہت لگن لگی۔ تو اُنہوں نے ایک اناڑی آدمی سے پرانا یام سیکھنا شروع کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ بیمار ہو گئے۔ اور اُن کی انتڑیوں میں گرہ پڑ جانے کے باعث اُنہیں تکلیف رہنے لگی نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ بہت کمزور ہو گئے۔ ایک دن اُنہوں نے مہاراج سے اپنی تکلیف کا ذکر کیا۔ مہاراج نے اُنہیں تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ فکر نہ کرو۔ ہم یوگ آسن سے آپ کی تین سالہ بیماری دو اڑھائی پل میں دور کر دینگے۔ تب مہاراج نے اُنہیں ایک کوٹھڑی میں لے جاکر پیٹھ کے بل لٹا دیا۔ اور کہا گھٹنے کھڑے کر لو۔ اُن کے پاؤں پر اپنے پاؤں رکھ کر دباؤ ڈالا اور پھر اُن کا سر پکڑ کر اوپر اُٹھایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ تندرست ہو گئے۔ اور اُن کی بیماری دُور ہو گئی ✦

ایک دن ٹھاکرداس نے سوامی جی سے پوچھا۔ نراکار پرماتما کے درشن کیسے ہوں! سوامی جی نے جواب میں کہا جس طرح نہایت لطیف ذرّے ہوا میں اُڑتے پھرتے ہیں

مگر نظر تبھی آتے ہیں۔ جب سورج کی کرنیں جھروکہ میں سے ہوکر اُن کو منور کرتی ہیں۔ اس طرح پرماتما ہر جگہ موجود ہے۔ مگر اُس کے درشن تبھی ہوتے ہیں جب دل کے جھروکہ میں اُس کا دھیان کیا جائے ٭

ایک دن جونس صاحب کئی پادریوں کو ہمراہ لے کر سوامی جی کے پاس آئے اور کہنے لگے۔ کوئی اُپدیش کیجیے۔ سوامی جی نے کہا۔ پرماتما کی چیزیں سب کے لئے ہیں۔ دیکھو سورج اور چاند سب کو یکساں روشنی دیتا ہے۔ پانی اور ہوا میں سب کا ایک سا حصّہ ہے۔ جس طرح یہ اشیا سب کے لئے ہیں۔ اسی طرح سچّا مذہب بھی سب کے لئے ایک سا ہونا چاہیے۔ اُس سچّے مذہب کو تلاش کرنے کے لئے اگر کوئی محقق تمام مذاہب میں بھٹکتا پھرے اور اُن پر اعتماد کرے۔ تو اُسے اُس سچّے مذہب کا کبھی علم نہ ہو سکے گا۔ ہاں اگر وہ دُون تمام مذاہب میں سے نچوڑ نکال لے۔ تو اُسے پتہ لگے گا کہ کم و بیش سچائی تمام مذاہب میں پائی جاتی ہے۔ سچائی کو تمام مذاہب قبول کرتے ہیں۔ سبھی کہتے ہیں۔ کہ نیکی کرنا اچھی بات ہے۔ سب پر رحم کرنا اعلےٰ درجہ کی خوبی ہے۔ مصیبت زدہ بیمار لوگوں کی امداد کرنا اور مستحق اشخاص کو خیرات دینا نیک کام ہے۔ غرضیکہ نیکی اور دھرم کے جن حصّوں میں تمام مذاہب یک رائے ہیں۔ وہی دھرم

سچا دھرم ہے - وہی قدیم اور ایشور کی طرف سے ہے - باقی سب اپنی اپنی کھینچا تانی ہے کہ محمد - جیسے اور شری کرشن کے بغیر مکتی نہیں مل سکتی - اتنا کہ کر مہاراج نے پوچھا - آپ کو اس پر کچھ کہنا تو نہیں - جونس صاحب نے کہا - آپ کی تقریر ہی ایسی ہے - کہ اس پر کچھ کہنا مشکل ہے - جب آپ ایسے آزاد اور فراخ دل ہیں تو چھوت چھات کیوں مانتے ہیں - آپ کو ہمارے ساتھ کھانا کھانے میں کیا اعتراض ہے ؟ سوامی جی نے جواب دیا - کسی کے ساتھ کھانے پینے میں نہ کوئی دھرم ہے نہ ادھرم - ایسے رسم و رواج ہر ملک میں علیحدہ علیحدہ بن جاتے ہیں - پر اصلی دھرم کے ساتھ ان کا کوئی علاقہ نہیں - لیکن سمجھ سوچ والے آدمی بغیر ضرورت ملک اور قوم کے اصولوں کو نہیں توڑتے - نہ اُن کے خلاف خیالات پھیلاتے ہیں - آپ ہی بتائیے - کیا آپ اپنی بیٹی کا بیاہ کسی دیسی بھائی سے کر دینگے ؟

جونس صاحب نے کہا - ہم ایسا کرنے کو کبھی تیار نہ ہونگے ؟

سوامی جی نے پوچھا - کیا دھرم کے خیال سے ؟ اُنھوں نے جواب دیا - نہیں اپنی قوم کے رسم و رواج کے خیال سے ۔

تب پھر مہاراج نے کہا - ہم بھی اسی طرح اپنی قوم کے رسم و رواج کے مطابق آپ لوگوں کے ساتھ نہیں کھاتے

پہنے۔ یہ سُن کر وہ صاحب مطمئن ہو گئے +

جونس صاحب نے پھر پوچھا۔ ہندؤں میں مورتی پوجا کا رواج کیسے چلا؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ آریوں کے دھرم گرنتھوں میں مورتی پوجا کی اجازت نہیں ہے۔ اس کے رواج کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے لوگ اپنے گھروں میں اپنے بزرگوں کی مورتیاں بنا کر رکھتے ہونگے اور انہیں اپنے بزرگوں کی یادگار سمجھتے ہونگے۔ اور بہت دیر کے بعد انہیں مورتیوں کی پوجا شروع ہو گئی ہوگی۔ آپ کے ہاں لوگ یسوع مسیح اور مریم کی مورتیاں رکھتے ہیں۔ اور اُن کی پوجا کرتے ہیں۔ جہالت کے یہ نشان ہر مذہب میں موجود ہیں +

جونس صاحب یہ باتیں سُن کر بے حد خوش ہوئے اور سوامی جی سے ہاتھ ملا کر چلے گئے۔ پھر ایک دن جونس صاحب اور کئی پادری سوامی جی کے پاس آئے۔ اور گئو رکھشا پر بات چیت ہونے لگی۔ سوامی جی نے جونس صاحب سے پوچھا۔ بھلائی کیا ہے؟ جونس صاحب نے کہا۔ آپ ہی فرمایئے۔ تب سوامی جی نے کہا۔ جس کام سے زیادہ تر آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچے۔ میں اُسے ہی بھلائی سمجھتا ہوں۔ جونس صاحب بولے۔ ٹھیک ہے۔ سوامی جی نے بڑی قابلیت سے ثابت کیا۔ کہ گئو رکھشا سے زیادہ تر آدمیوں کو زیادہ سے زیادہ فیض

پہنچنا ہے۔ اس پر جونس صاحب نے گٹو مانس نہ کھانے
کا عہد کیا۔ اور واپس چلے گئے +

جن دنوں سوامی جی اہل دان پور کو دھرم کی ہدایت
کر رہے تھے اُنہی دنوں سناتن دھرم سبھا نے پنڈت چتربھج
کو علیگڈھ سے بلوایا اور اُس کے لیکچر کرانے لگے۔ چتربھج
بڑا چالاک آدمی تھا۔ اُس نے اپنے لیکچروں میں مسلمانوں
کو بھڑکانا شروع کیا۔ دان پور کے آریہ اُس کی چالاکی کو
تاڑ گئے۔ اور اُنہوں نے یہ سب کچھ سوامی جی کے گوش گزار
کر دیا۔ ایک دن لیکچر کے خاتمہ پر کچھ لوگوں نے سوامی جی
سے کہا۔ گنج بہاری شاہ کے مکان پر چلئے۔ وہاں پنڈت
چتربھج بھی آئیگا۔ مباحثہ کی شرائط طے کر لیجئے۔ سوامی جی
سادہ دلی سے اُن کے ساتھ ہو لئے۔ جب اُس مکان
میں پہنچے۔ تو کیا دیکھتے ہیں۔ کہ وہاں بہت سے مسلمان
اور ہندو بھرے ہوئے ہیں۔ اور فساد کرنے پر تُلے
بیٹھے ہیں۔ سوامی جی نے کہا۔ چتربھج کہاں ہیں۔ اُن کو
بلوائیے۔ تاکہ مباحثہ کی شرائط طے کر لی جائیں۔ مگر چتربھج
خود وہاں نہ آیا تھا۔ دھرم سبھا کے سکرٹری نے کہا۔ آپ
ہمیں سے بات چیت کر لیجئے۔ مہاراج نے پھر دوبارہ
زور سے کہا۔ مجھے یہاں چتربھج کے ساتھ شرائط طے
کرنے کے لئے بُلایا گیا ہے۔ میں اُنہیں سے بات چیت
کرونگا۔ دھرم سبھا کا سکرٹری بولا۔ چتربھج تو آپ کا منہ

دیکھنا بھی پاپ سمجھتے ہیں۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہو۔ ہم سے کہئے۔ سوامی جی نے کہا۔ اگر وہ ہمارا منہ دیکھنا پاپ سمجھتے ہیں۔ تو درمیان میں کپڑا ڈال کر انہیں پردہ میں بٹھا دیجئے مگر ان سے بات چیت ضرور کرائیے۔ اس وقت رات کے نو بج چکے تھے۔ یکایک کسی نے چراغ بجھا دیا۔ اور لوگ تالیاں بجانے لگے۔ ساتھ ہی قہقہہ بھی بلند ہوا۔ اس طرح کی بیہودگیاں دیکھ کر شری مادھولال جی کو جوش آگیا اور وہ گرجدار آواز میں بولے۔ یاد رکھئے۔ اگر آپ نے کوئی چھیڑ چھاڑ کی۔ تو آپ بھی یہاں جیتے جی نہ لوٹینگے۔ یہ کہکر آریہ پُرشوں نے سوامی جی کو گھیرے میں لے لیا اور وہاں سے روانہ ہوئے۔ ایک آدھ آدمی نے سوامی جی پر کنکر پھینکے۔ مگر وہ بخیریت اپنی جگہ جا پہنچے۔

پُرانے رامپور کا رہنے والا "درگا اوستھی" براہمن مہاراج کے درشنوں کا پیاسا تھا۔ مگر برادری سے ڈرتا تھا۔ کہ کہیں کوئی حقہ پانی ہی نہ بند کر دے۔ ایک دن وہ سات گھڑی رات رہے اس جگہ جا کھڑا ہوا۔ جدھر سے سوامی جی گزرا کرتے تھے۔ سوامی جی اُدھر سے گزرے تو اس کا دل باغ باغ ہو گیا۔ سوامی جی تیزی سے چلے جاتے تھے۔ اور درگا اوستھی اُن کی من موہنی چھب کو پیاسی آنکھوں سے دیکھتا ہوا پیچھے چلا جاتا تھا۔ کوٹھی کے قریب پہنچ کر سوامی جی ٹھیر گئے۔ اور اُن سے

بولے۔ کیا آپ کو کچھ پوچھنا ہے؟ بھگت نے پہلے اپنی
دُکھ کی کہانی سُنائی۔ اور پھر کہا۔ بھگوان! میں آپ کے
پرم پوتر (نہایت مقدس) پاؤں کی مٹی کو اپنے ماتھے پر
لگانا چاہتا ہوں۔ مجھے اس خوش نصیبی سے محروم نہ رکھئے۔
سوامی جی نے بہتیرا کہا۔ کہ ان باتوں میں دھرا ہی کیا
ہے مگر بھگت کی بار بار کی درخواستیں سُن کر مہاراج نے
اپنا پاؤں اُس کے سر کے ساتھ لگا دیا۔ درگا اوسٹھی اس
مٹی کو اپنے مُنہ اور ماتھے پر لگا کر خوشی سے متوالا
ہو کر اپنے گھر کو چلا گیا +

ایک رات کا ذکر ہے سوامی جی بارہ بجے جاگ اُٹھے۔
اور اِدھر اُدھر پھرنے لگے۔ اُن کے پاؤں کی آہٹ سُن کر
ایک ملازم بھی جاگ اُٹھا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ سوامی
جی بڑی گھبراہٹ میں ہیں۔ اور اُن کا دل بیتاب ہے۔
اُس نے عرض کی۔ مہاراج! کوئی تکلیف ہو۔ تو حکم دیجئے
میں دوا لانے کے لئے حاضر ہوں۔ اور اگر ضرورت ہو تو
حکیم بھی ساتھ لیتا آؤں۔ سوامی جی نے لمبی سانس لیکر
کہا۔ بھئی! یہ بڑی تیزی سے بڑھتی ہوئی تکلیف کسی
حکیم کی دوا سے رفع ہونے والی نہیں۔ یہ تکلیف بھارت
کے محنتی لوگوں کی حالت زار کے خیال سے پیدا ہوئی
ہے۔ عیسائی لوگ کول بھیل وغیرہ بھارت باسیوں کو
عیسائی بنانے کے لئے اپنی چالوں کے تانے بانے تن رہے

ہیں - اور روپیہ تو پانی کے مانند بہا رہے ہیں - اور
ہندوؤں کے پروہت ہیں کہ کمبھ کرن کی نیند سو رہے
ہیں - اُن کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی - میں
اب یہ چاہتا ہوں - کہ راجوں مہاراجوں کو راہ راست
پر لاؤں - اور بھارت کو بچانے کے لئے اُن کو ایک
مالا میں پرو دوں ⁂

مہاراج کے پاس جو آتا وہ اُس کے جذبات کو بھانپنے
میں بہت ماہر تھے - ایک ہی لفظ بولنے سے اُس کی
طول طویل تقریر کا مطلب سمجھ جاتا اُن کے لئے بالکل
معمولی بات تھی - کسی کے سوال کا ایک ہی لفظ سُن کر
اُسے جواب دینا شروع کر دیتے تھے - اس سے حاضرین
بڑے حیران ہوتے تھے - اُن کے پاس آنے جانے والے
سمجھنے لگ گئے کہ مہاراج کے صاف شفاف آئینۂ دل
پر ہمارے خیالات کا عکس پڑ جاتا ہے - جس کے
باعث وہ ہماری بات کے ایک ہی حصّہ کو سن کر
کامل خیال کا علم حاصل کر لیتے ہیں ⁂

ایک آدمی نے پوچھا - بھگوان! ابھیاس میں دل یکسو
کرنے کی بہت سعی کرتا ہوں - مگر اس کے خیالات منتشر
رہتے ہیں - اُن میں یکسوئیت نہیں پیدا ہوتی - سوامی جی
نے مذاق کے طور پر کہا - یکسوئیت نہیں پیدا ہوتی -
تو بھنگ کا ایک لوٹا چڑھا لیا کرو - یہ جواب سُن کر

اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا۔ کہ انہیں کیسے معلوم ہو گیا۔ کہ میں بھنگ پیا کرتا ہوں سچ ہے مہاپُرشوں کی طاقت کی تھاہ کسی نے نہیں پائی۔ اُن کو دیکھ کر آدمی دنگ رہ جاتا ہے ٭

ایک اور آدمی نے ایک دن پوچھا۔ مہاراج! اُپاسنا (عبادت) میں دل لگانے کے لئے کچھ اُپدیش کیجئے۔ سوامی جی نے ہنس کر کہا۔ ایک اور بیاہ کر لو۔ پھر دل خودبخود لگ جائیگا۔ یہ جواب سُن کر وہ آدمی بہت نادم ہوا۔ اور ساتھ ہی حیران ہوا۔ نادم اس لئے ہوا۔ کہ اُس نے ایک بیوی کی موجودگی میں دوسرا بیاہ کر لیا تھا۔ حیران اس لئے ہوا۔ کہ سوامی جی کو اس کا علم کیسے ہو گیا ٭

سوامی جی صداقت کو بہت اہمیت دیتے تھے اور صداقت ہی پر تمام تر اصلاح کا دار و مدار سمجھتے تھے۔ اُن کا اعتقاد تھا۔ کہ جب تک کسی آدمی۔ یا قوم میں صداقت شعاری کی صفت نہیں پیدا ہوتی۔ تب تک اُس کی ترقی کے دن دُور ہی رہتے ہیں۔ سچے آدمی کی وہ بہت عزت کرتے تھے۔ اور اُس سے محبت سے پیش آتے تھے۔ جلسہ گاہ میں آتے وقت اور وہاں سے جاتے وقت پہلے نمستے کیا کرتے تھے۔ میل ملاقات کے وقت بھی وہ ہر ایک کو مُسکراتے ہوئے پہلے نمستے کہا کرتے تھے۔ اُن کی اس خوبی پر لوگ فریفتہ

ہو جاتے تھے۔ ان میں غرور کا نام تک نہ تھا۔ انکساری بہت زیادہ تھی۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے اُن سے کہا۔ "بھگون! آپ تو رشی ہیں"۔ مہاراج نے جواب دیا۔ رشیوں کی عدم موجودگی میں آپ مجھے رشی کہ رہے ہیں۔ مگر سچ جانئے۔ کہ اگر میں سناد وغیرہ رشیوں کا ہمعصر ہوتا تو میرا شمار پنڈتوں میں بھی مشکل سے ہو سکتا۔

دان پور میں نخل دھرم کو اُپدیش کے آب حیات سے سینچنے کے بعد سوامی جی کارتک سدی چتردشی سمبت ۱۹۳۶ کو وہاں سے چل کر اُسی دن کاشی پہنچے۔ یہاں آپ کی تشریف آوری کا یہ ساتواں اور آخری موقع تھا۔ پنڈت بھیم سین کے نام سے ایک اشتہار شائع ہوا۔ اور گوشے گوشے میں لگایا گیا۔ کہ شری سوامی دیانند جی مہاراج یہاں تشریف لائے ہیں۔ اور وجے نگر کے آنند باغ میں اُترے ہیں۔ وہ مورتی پوجا اور پرانوں کا زبردست کھنڈن کرتے ہیں۔ اور انہیں خلاف وید ثابت کرتے ہیں۔ جو پنڈت ان امور میں سوامی جی سے اختلاف رکھتا ہو۔ وہ آکر مباحثہ کر لے۔ مگر کسی بھی مہامہو پادھیائے کی آنکھ نہ کھلی۔ تب دوسری مرتبہ پھر اشتہار دیا گیا۔ پنڈت صاحبان گھروں میں بیٹھے تو بڑی ڈینگیں مارتے تھے۔ مگر سوامی جی کے سامنے جانے کی کسی میں ہمت نہ تھی۔ جس طرح کیلے کے درختوں کو توڑنے مروڑنے والے ہاتھی شیر کی گرج سُن کر

چنگھاڑتے ضرور ہیں۔ مگر طاقت سے نہیں بلکہ خوف سے۔ اسی طرح شاستری پنڈت سوامی جی کے نعرے سُن کر چلاتے تو بہت تھے۔ مگر قریب آنے کی ہمت ان میں نہ تھی ۔

کرنل الکاٹ میڈم بلیوٹسکی اور اُن کے تین چار دیگر رفیق ۱۵ دسمبر ۱۸۷۹ء کو سوامی جی کے درشن کرنے کاشی آئے اُن کے پہنچنے کے ایک دن بعد راجہ شو پرساد بھی آ گئے اور سوامی جی سے تھوڑی دیر تک بات چیت کرنے کے بعد وہ الکاٹ صاحب سے ملنے چلے گئے ۔

سوامی جی نے جب دیکھا کہ مباحثہ کے لئے تو کاشی کا کوئی پنڈت تیار نہیں ہوتا۔ تو انہوں نے لیکچر شروع کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ پنڈت بھیم سین کی طرف سے اشتہار شائع ہوا۔ کہ سوامی جی ماگھ سدی ۸ سمبت ۱۹۳۶ کو بنگالی ٹولہ کے اندر پنڈری پاٹھشالا میں لیکچر دینگے۔ نیز کرنل الکاٹ کی بھی تقریر ہوگی۔ یہ اشتہار دیکھ کر کاشی کے کچھ آدمیوں نے ایک کمینہ چال چلی اور صاحب کلکٹر سے جا کر کہا۔ اگر سوامی جی کا لیکچر ہوا۔ تو فساد ہو جائیگا۔ سوامی جی کے بہت تھوڑے پیرو سارے شہر کی آبادی سے لڑ بھڑ کر کس طرح فساد کرینگے۔ اس پر ذرا غور نہ کر کے کلکٹر صاحب نے لیکچر کی ممانعت کر دی اور ممانعت کا پروانہ سوامی جی کو عین اس وقت ملا۔

جب وہ پنڈت جی پاٹھشالا کے دروازے پر پہنچے۔ کلکٹر کے اس حکم پر پائونیر نے اپنی ۲۰ دسمبر ۱۸۷۹ء کی اشاعت میں رائے زنی کرتے ہوئے لکھا "ہمیں خیال تھا کہ ہندوستان کے حکام کسی کے دھرم پرچار میں مداخلت نہیں کرتے ولی کے اعلان کا بھی یہی مطلب ہے۔ مگر آج یہ بات سوچنی پڑتی ہے کہ عہد برطانیہ میں ہم کو مذہبی آزادی حاصل ہے کہ نہیں۔ ایک آدمی جس کی قابلیت میں کسی کو اعتراض نہیں۔ پانچ سالوں سے برابر شہر شہر گھوم کر ویدوں کا پرچار کر رہا ہے۔ وہ ایک پرماتما کی عبادت کا اُپدیش دیتا ہے۔ اُس نے دلیلوں اور حوالوں سے ثابت کر دیا ہے کہ ستی کی رسم اور مورتی پوجا خلاف وید ہیں جو بیہودہ اور لغو رسمیں ہندوستان میں رائج ہیں۔ وہ اُن کے خلاف بولتا ہے۔ وہ اپنے ملک کی اصلاح میں دن رات محو رہتا ہے۔ آج بھارت کے نوجوانوں میں جو ترقی کی اعلیٰ خواہش پائی جاتی ہے۔ یہ اُسی کے اُپدیشوں کا نتیجہ ہے۔ گورنمنٹ کے خلاف اُس نے آج تک کبھی ایک لفظ نہیں کہا۔ اُس نے اپنی تقریروں میں کئی مرتبہ کہا ہے۔ کہ یہ عہدِ برطانیہ ہی کی برکت ہے۔ کہ کسی کی مذہبی سرگرمیوں میں دخل نہیں دیا جاتا۔ یہ مہاپُرش آریہ سماج کا بانی آچاریہ سوامی دیانند سرسوتی ہے۔ سوامی جی نے کاشی میں جا کر اشتہاروں کے ذریعے

بلچل پیدا کی۔ خود غرض لوگ اُن کی مخالفت پر اتنے تلے کہ کلکٹر صاحب کے پاس جا کر اُن کا لیکچر بند کرا دیا۔ اس امر کی تشریح کرنا بیکار ہے کہ ایک یوروپین مجسٹریٹ نے اُن کا لیکچر بند کر کے ایک غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ یقیناً وال صاحب جب خود غور کرینگے۔ تو اُن کو معلوم ہوگا کہ اُنہوں نے اپنی اس حرکت سے اس زمانہ کے نہایت قابل پنڈت اور اعلےٰ درجہ کے مہاتما کے دل کو صدمہ پہنچایا ہے" اور صرف پاؤنیئر ہی نے نہیں بلکہ کئی دیگر اخبارات نے بھی وال صاحب کی اس حرکت کے خلاف رائے زنی کی۔ آخرکار کسی بالائی دباؤ سے یا ازخود اپنے فعل پر پشیمان ہو کر وال صاحب نے ۲۷ دسمبر ۱۸۷۹ء کو سوامی جی کی خدمت میں انسپکٹر بھیج کر اُن کو اطلاع دی کہ اب آپ کو اپنے خیالات ظاہر کرنے کی اجازت ہے۔ ساتھ ہی وال صاحب نے سوامی جی سے ملاقات کی اور اپنے حکم امتناعی کے بارے میں کہا۔ یہ سب کچھ آپ ہی کی حفاظت کے لئے کیا گیا تھا۔ ایک تو محرم کے دنوں میں آپ کا لیکچر آپ کو جوکھوں میں ڈال دیتا۔ دوسرے کاشی کے ایک معزز آدمی نے ہم سے کہا تھا۔ کہ اگر سوامی جی لیکچر دینگے تو فساد ہو جائیگا۔ سوامی جی نے کہا۔ آپ سرکاری آدمی ہیں۔ انتظام کرنا آپ کا کام ہے۔ جب آپ کو اطلاع موصول ہوئی تھی۔ کہ کچھ لوگ فساد کرنا چاہتے ہیں۔ تو

آپ کو چاہئے تھا۔ کہ جلسہ گاہ میں پولیس تعین کرتے۔ نہ کہ لیکچر ہی بند کر دیتے۔ وال صاحب نے اپنی غلطی تسلیم کی اور آیندہ کے لئے محتاط رہنے کا وعدہ کیا +

کہا جاتا ہے۔ کہ صوبہ کے گورنر نے وال صاحب سے کیفیت طلب کی تھی۔ کہ تم نے سوامی جی کے لیکچر کیوں بند کئے ہیں۔ لیکچروں کی قانونی رکاوٹ تو رفع ہو گئی۔ مگر سوامی جی پھاگن سُدی نومی سمبت ۱۹۳۶ تک اپنی جگہ پر ہی ست سنگ لگاتے رہے اور خواہش مند اصحاب وہیں جاکر بات چیت کرتے رہے +

پھاگن سدی دسمی سے لکشمی کُنڈ پر شام کے سات بجے سے ۹ بجے تک سوامی جی کے زبردست لیکچر ہونے لگے۔ ان لیکچروں میں اُنھوں نے غلط اور بے بُنیاد نام نہاد مذہبی باتوں کا خوب کھنڈن کیا۔ چیتر سُدی ۶ کو جب یہ سلسلہ ختم ہوا۔ تو اُسی دن آریہ سماج قائم کیا گیا +

ان لیکچروں نے ایک دفعہ تو کاشی کی دیواریں ہلا دیں۔ ہر جگہ ان لیکچروں ہی کے چرچے چھڑے تھے۔ پنڈت لوگ لیکچروں میں جاتے تھے۔ مگر مباحثہ کرنے کو آگے نہ بڑھتے تھے۔ سوامی جی اپنے آدمیوں سے کہا کرتے تھے۔ کہ پہلے مباحثہ میں تاراچرن بھٹاچاریہ نے بڑی ٹیڑھی چال سے کام لیا تھا۔ جو کتاب اُنھوں نے میرے سامنے

رکھی وہ ہاتھ کی لکھی تھی اور خاص اس مطلب سے لکھی گئی تھی۔ کہ مجھ سے پڑھی نہ جائے۔ اب کے میں اس طرح کے دھوکے میں نہ آونگا۔ پنڈت لوگ اپنے ودیارتھیوں کے روبرو مجھے گالیاں دیتے ہیں۔ مگر سامنے نہیں آتے“؀

ایک دن ایک براہمن نے پوچھا۔ آپ مورتی کا کھنڈن کیوں کرتے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ میں نے آج تک ایک بھی مورتی کا کھنڈن نہیں کیا۔ ہاں مورتی پوجا کا کھنڈن ضرور کرتا ہوں؀

سوامی جی کے ملازموں میں ایک ونیش رام نامی محرر تھا۔ وہ اوپر سے تو اپنے آپ کو سوامی جی کا بڑا بھگت ظاہر کرتا تھا۔ مگر جان بوجھ کر سوامی جی کے کاموں میں غلطیاں کر جاتا تھا۔ سوامی جی کے سامنے بڑی چکنی چپڑی باتیں کرتا تھا۔ مگر اُن کی غیر حاضری میں کہتا۔ یہ سادھو ہمارے ہتھکنڈے کیا جانے۔ ہم اس کی کتابوں میں اس قسم کی باتیں ملا دینگے اور اس طرح سے ملا دینگے۔ کہ اسے قیامت تک معلوم نہ ہو سکے۔ آخرکار وہ سوامی جی کی نگاہ سے نہ بچ سکا۔ اور اُسے محرر کے کام سے علیحدہ کر دیا گیا؀

سوامی جی کے کئی ملازم کئی باتیں سوامی جی کے خیال کے خلاف کیا کرتے تھے۔ ودیارتھی کئی باتیں بار بار سمجھانے پر بھی نہ تسلیم کرتے۔ مہاراج نے ایک دن

سب کو جمع کر کے کہا۔ آپ لوگوں کو مجھ پر یقین نہ آنے کے کئی سبب ہیں۔ ایک تو آپ میں صداقت کے لئے کشش نہیں ہے۔ دوسرے آپ گناہوں کے روپے سے پلے ہیں۔ تیسرے آپ مُردوں کی عزت کرنے والے بن گئے۔ آپ کو یہ خیال ہی نہیں ہے۔ کہ زندہ لوگوں کی عزت و توقیر کرنا بھی آپ کا دھرم ہے ٭

آپ کا ایک ملازم ایک دن آنند باغ میں بیر توڑ رہا تھا۔ اُنہوں نے اُسے پاس بُلا کر اُپدیش کیا۔ کہ آئندہ کے لئے باغ کے مالک سے اجازت لئے بغیر کبھی بیر نہ توڑنا ٭

کاشی کے کوتوال صاحب سوامی جی کے بھگت بن گئے تھے۔ اُنہوں نے اُن کے باورچی سے کہ دیا تھا۔ کہ جس شے کی ضرورت ہو۔ دوکان سے ہمارے حساب میں لے آیا کرو۔ ایک دن کوتوال نے سوامی جی سے کہا۔ آج بڑوا منگل کا میلہ ہے۔ اگر جناب چلیں تو کشتی کا انتظام کیا جائے۔ مہاراج نے جواب دیا۔ جس میلہ میں بازاری عورتوں کا ناچ اور گیت ہوتے ہوں۔ وہ بڑوا منگل نہیں بھڑوا منگل کا میلہ ہے۔ ایسے میلہ میں شریک ہونا مجھے گوارا نہیں ٭

کوتوال صاحب نے بڑی محنت سے مہاراج کے لئے ایک عمدہ سی گدّی بنوا کر نذر کی۔ ایک سیتل پاٹی بھی

پیش کی ۔ ہر روز خدمت میں آیا کرتے تھے ؛
ایک دن پنڈت ہریشچندر آپ کے پاس آئے ۔ اُس وقت سوامی جی کرنل الکاٹ کو اپنی سوانح عمری لکھوا رہے تھے ۔ اثنائے گفتگو میں پنڈت ہریشچندر نے کہا ۔ آپ کے کھنڈن سے لوگوں میں نفرت کے جذبات ترقی پا رہے ہیں ۔ مہاراج نے اپنے ہاتھ ملا کر کہا ۔ میرا مقصد اِس طرح لوگوں کو باہم ملانا ہے ۔ میں چاہتا ہوں کہ کول بھیل سے لے کر براہمن تک سب میں ایک قومی زندگی کی بیداری ہو ۔ چاروں ذاتوں کے لوگ ایک دوسرے کو اپنا حصّہ سمجھیں ۔ مگر کیا کریں ۔ اصلاح کے بغیر اتحاد ناممکن ہے ۔ میرا کھنڈن محبت اور اصلاح پر مبنی ہے ؛
ایک دن ایک بھگت نے پوچھا ۔ جہاں آریہ سماج نہ ہو وہاں آریوں کو اپنے دھرم کی محافظت کے لئے کیا کرنا چاہئے ۔ مہاراج نے جواب دیا ۔ جہاں ایک ہی آریہ سماجی ہو ۔ اُسے سوادھیائے (مطالعہ) کرنا چاہئے ۔ جہاں دو ہوں اُنہیں آپس میں مل کر بات چیت اور سوال و جواب کرنا چاہئے اور اگر دو سے زیادہ ہوں ۔ تو ست سنگ کیا کریں اور کسی مذہبی کتاب کا مل کر مطالعہ کیا کریں ۔ ایک پڑھتا جائے ۔ دوسرے سُنتے جائیں ؛
سوامی جی کو کھلی ہوا میں بیٹھنا بہت مرغوب تھا جس کمرہ میں بیٹھ کر کام کیا کرتے تھے ۔ وہ کبھی کبھی زیادہ

آدمی آجانے سے کھچا کھچ بھر جاتا تھا۔ جوں ہی لوگ باہر جاتے۔ سوامی جی اُٹھ کر باہر ٹہلنے لگتے۔ کبھی کبھی گھومنے کے لئے بھی نکل جاتے۔ رات کے وقت اُن کی خوابگاہ کی دونو کھڑکیاں کھلی رہتی تھیں۔ تازہ ہوا کی آمد و رفت کا اُنہیں بڑا خیال رہتا تھا۔ مُنہ پر کپڑا ڈال کر کبھی نہ سوتے تھے ؛

کُھلی جگہ میں بیٹھ کر کام کرنا۔ ایک ہی نشست میں گھنٹوں تک کام جاری رکھنا۔ وقت مقررہ پر کام شروع کر دینا اور اُسے ختم کر کے ہی اُٹھنا یہ اُن کی فطرت کا جزو بن گیا تھا۔ وہ ہمیشہ وقت مقررہ پر باہر گھومنے باہر جاتے اور وقت پر واپس آ جاتے تھے۔ اُن کا روزانہ پروگرام گھڑی کی سوئیوں کی طرح مقرر تھا۔ ملنے جُلنے میں۔ مرجادا پالن میں اور رہنے سہنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ اُن کی طبیعت میں سادگی اور نرمی بہت تھی۔ مگر صاف کہنے میں وہ لگی لپٹی نہ اُٹھا رکھتے تھے۔ اُن کے دل میں دوسروں کے لئے بڑا پیار تھا۔ کوئی ملنے آتا۔ تو بڑی اچھی طرح سے ملتے اور خاطر و مدارات سے پیش آتے۔ چھوٹے بڑے سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتے۔ اُن کی گفتگو بڑی شیریں تھی۔ وہ باتیں کرتے تو لوگ اُن کی طرف پیاسی آنکھوں اور محبت بھرے دل سے دیکھا کرتے تھے۔ مگر جب مباحثہ میں

اُترتے ۔ تو اُن کا چہرہ سورج کے مانند سُرخ ہو جاتا تھا
اُس وقت اُن کی طرف کسی سے دیکھا نہ جاتا تھا ۔ ایسا
معلوم ہوتا تھا ۔ جیسے کوئی شیر گرج رہا ہے ٭

کاشی میں رہتے ہوئے سوامی جی نے کئی اور کاموں
کے علاوہ ۱۲ فروری سنہ۱۸۸۰ع کو لکشمی کُنڈ پر مہاراجہ
وجے نگر کی جگہ میں ویدک مدرنالیہ (پریس) جاری کر کے
اُسی میں اپنی کتابیں چھپوانے کا انتظام کیا ۔ اور تب
اعلان کر دیا ۔ کہ بساکھ کرشن ایکادشی سمبت ۱۹۳۶ کو ہم
یہاں سے چلے جائینگے ۔ اس لئے جس کسی کو ہم سے
کچھ پوچھنا ہو ۔ پوچھ لے ۔ اور جس کسی کو کوئی شک ہو ۔ وہ
ہم سے مل کر رفع کر لے ۔ اتنے دنوں تک کسی کو کچھ
پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی تھی ۔ کسی کو بھی سوامی جی کے
لیکچروں پر اعتراض نہ سوجھا تھا ۔ نہ کسی کو اُن کی کتابوں
میں کوئی فروگزاشت یا غلطی نظر آئی تھی ۔ مگر جب سوامی
جی کا اسباب ریلوے سٹیشن کو جانے لگا ۔ اور وہ بھی
روانہ ہونے لگے ۔ تو راجہ شو پرشاد نے خط بھیجا اور
کچھ سوال کئے ۔ مہاراجہ صاحب کا یہ فعل نہایت ذلیل
قسم کا تھا ۔ تاہم مہاراج نے جواب بھیجا ۔ کہ میں جانے
کو تیار ہوں ۔ آپ جلد آ جیئے ۔ اور اپنے سوالوں کے
جواب لے جائیے ۔ پر آتا کون ؟ وہ تو محض اُنگلی کو
خون لگا کر شہید بننا چاہتے تھے ۔ کسی طرح مشہور ہونے

کی خواہش تھی - سوامی جی بڑی دیر تک انتظار کرتے رہے
مگر جب وہ نہ آئے - اور گاڑی کا وقت ہو گیا - تو وہ
وہاں سے چل کر لکھنو پہنچ گئے - وہاں شری راما دھار
اور سرجودیال وغیرہ اصحاب نے آپ کو موتی محل میں
ٹھیرایا - ایک دن اس جگہ کی خوبصورتی اور عمدگی دیکھ کر
راما دھار نے کہا - اگر ایسا خوبصورت آریہ سماج کا مندر بنے
تو خوب ہو - اس پر مہاراج نے کہا - ایسا وسیع مندر بننا
کوئی مشکل بات نہیں - اگر آپ اُن کو پکا آریہ سماجی
بنا لیں تو یہی جگہ آریہ سماج کا مندر بن سکتا ہے - راما دھار
جی! پہلے آدمیوں کو محبت سے اپنا بناؤ - پھر اُن کے
مکان خود بخود تمہارے بن جائینگے ‹

ایک دن راما دھار نے لمبی سانس لیکر کہا - بھگون!
آپ اتنی محنت کرتے ہیں مگر لوگ پورانک لیلائیں چھوڑتے
ہی نہیں - ان کی اصلاح کیسے ہوگی؟ یہ کہیں ہمیں بھی تو
نہ لے ڈوبیں گے - سوامی جی نے جواب دیا - براہمو سماجیوں
اور عیسائیوں کے مانند قوم کی اجتماعی زندگی کو کم کر دینا
ہمارا مقصد نہیں - اُنہی میں رہتے ہوئے اپنے کام کو
جاری رکھو - اور ویدک دھرم کا پرچار کرتے جاؤ - یہ
لوگ تمہاری مخالفت کریں - اور تم سے نفرت کریں - تب
بھی اُن کو اپنانے کی کوشش کرو - مگر اپنے مقصد سے
ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہو - آخر یہ سب تمہارا ہی

روپ بن جائینگے - تیزی سے کچھ آدمی آگے نکل جاتے ہیں - مگر بزرگی سب کو ساتھ لے کر آگے بڑھنے میں ہے*

ایک دن مہاراج لیکچر دے کر اپنی رہنے کی جگہ کو جا رہے تھے - سرجومل وغیرہ کئی آدمی اُن کے ہمراہ تھے - راہ میں ایک ضعیف بڑھیا ملی - اُس کے تن کے تمامتر کپڑے پھٹے پُرانے تھے - مہاراج کو آتے دیکھ کر اُس نے منت آمیز لہجہ میں کہا - بابا! میں کئی دِن کی بھوکی ہوں - میری خبرگیری کرنے والا کوئی نہیں - بھگوان تیرا بھلا کرے - آج کچھ کھانے کو دِلادے - یہ جگر خراش الفاظ سُن کر سوامی جی کے پاؤں رُک گئے - اُس کا دُکھ دیکھ کر سوامی جی کا دل بھر آیا - آنکھوں سے آنسو بہنے لگے - اپنے آدمیوں سے بولے - ایک دن وہ تھا - جب بھارت سونے کی کان تھا - اور یہاں کھانے پینے کی چیزوں کی اتنی کثرت تھی - کہ کوئی بھوکا آدمی نظر نہ آتا تھا - ایک یہ دن ہے کہ اس بڑھیا کو فاقہ مستی نے ایسا بیتاب کر دیا ہے کہ یہ بھی نہیں جانتی - کہ جس سے میں مانگ رہی ہوں - وہ خود بھی مانگ کر کھاتا ہے - سوامی جی نے بڑھیا کو کھانے کے لئے دلادیا - تب آگے چلے*

جب سوامی جی لکھنؤ آئے - اُس وقت اُن کی طبیعت ٹھیک نہ تھی - جب صبح سیر سے واپس آتے - تو دہی

پیا کرتے تھے۔ یہ خدمت رامادھار جی کے سپرد تھی ؛

بارھواں باب

لکھنؤ سے چل کر سوامی جی ۲۰ مئی ۱۸۸۰ء کو فرخ آباد تشریف لے گئے۔ اور لیکچروں سے لوگوں کو نہال کرنے لگے۔ اُن کی تشریف آوری سے بہت عرصہ پیشتر کچھ غنڈے لوگوں نے مل کر ایک آریہ سماجی کو زد و کوب کیا تھا۔ اور مقدمہ چلنے پر سکاٹ صاحب نے اُنہیں سزا دی تھی۔ جب سوامی جی وہاں آئے۔ تو آریہ سماجیوں نے اُنہیں اپنی فتح کی یہ خبر سُنائی۔ سوامی جی نے کہا۔ ہمیں لوگوں کے سخت دلوں کو نرم بنانا ہے۔ اور دور بھاگتے ہوؤں کو اپنی جانب کشش کرنا ہے۔ وہ بے شک ہم پر ظلم کریں۔ مگر ہم کو چاہیئے کہ اپنے عظیم الشان مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُن سے محبت کا سلوک روا رکھیں۔ دھرم کے نام پر انتقام لینا سراسر غیر واجب ہے ؛

سکاٹ صاحب جب سوامی جی سے ملے۔ تو ہنستے ہوئے بولے۔ آپ کے ایک آدمی کو ایک آدمی نے

مارا تھا۔ ہم نے اُسے مُناسب سزا دیدی۔ سوامی جی نے کہا "صاحب! سنیاسی تو اپنے قاتل کو بھی تکلیف میں دیکھ کر خوش نہیں ہوتا۔ اس آشرم میں اپنے پرائے سب اس کے لئے یکساں ہو جاتے ہیں۔" مہاراج کی اِس وسیع الخیالی سے سکاٹ صاحب بے حد متاثر ہوئے*

فرخ آباد سے چل کر مہاراج یکم جولائی ۱۸۸۰ء کو مین پوری پہنچے۔ اور ٹھاکر سنگھ کے باغ میں اُترے۔ یہاں اُن کے تین چار زبردست لیکچر ہوئے۔ اُن میں شہر کے قریباً سبھی لوگ اور کلکٹر صاحب شامل ہوتے تھے۔ مہاراج کے ہر ایک لیکچر سے لوگوں کے دلوں پر تاثیر ہوتی تھی۔ اور وہ بے اختیار واہ وا کرتے تھے۔ مین پوری کے ہزاروں لوگوں کو اپنے اُپدیشوں کے آب حیات سے سینچ کر مہاراج ۶ جولائی کو میرٹھ کی طرف چلے گئے*

۸۔ جولائی کو مہاراج میرٹھ پہنچے۔ اور شریمان رام سرن داس جی کی کوٹھی میں قیام فرمایا۔ یہاں اُنہوں نے ایک ایک دو دو ہفتے تک کئی لیکچر سلسلہ وار دئے۔ جن سے اہلِ میرٹھ کو بے حد فیض پہنچا۔ ایک دن مہاراج کے لیکچر میں کئی مسلمان، عیسائی اور ہندو اعتراضات نوٹ کرتے جاتے تھے۔ مگر لیکچر کے خاتمہ پر اُنہوں نے وہ کاغذ پھاڑ ڈالا۔ جب لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی۔ تو کہا۔ ہمارے سوالوں کے جواب لیکچر ہی میں آ گئے

ہیں +

سوامی جی کی دلی خواہش تھی۔ کہ کسی طرح بھارت کی دیویوں کی بھی اصلاح ہو اور اُن میں تعلیم کی روشنی پھیلے۔ وہ اس رمز کو جانتے تھے۔ کہ اولاد میں نئی زندگی کی بُنیاد رکھنے والے ہاتھ عورتوں ہی کے ہاتھ ہیں۔ شیریں لوریوں سے اور ہلکی ہلکی تھپکیوں سے ماں اپنے بیٹے میں وہ جذبات بھر دیتی ہے۔ جو کسی بھی دوسرے ذریعہ سے نہ بھرے جا سکتے ہیں۔ عورت قومی زندگی کی جڑ ہے۔ اولاد کو ترقی کی بلند ترین چوٹی پر لے جانے کے لئے جگمگاتی ہوئی روشنی ہے۔ مگر اُنہیں کوئی ایسی آریہ دیوی نظر نہ آتی تھی۔ جو اپنی سادہ لوح بہنوں کی تعلیم کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھائے۔ جو عورتوں کی اصلاح کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کو تیار ہو +

مہاراج کو یہی فکر دامنگیر تھا۔ کہ اُنہیں شری رما کے خطوط موصول ہونے لگے۔ یہ خطوط عقیدت، محبت اور عزت کے جذبات سے معمور تھے۔ شری رما نے ان خطوط میں جہاں سوامی جی کے درشنوں کی خواہش کا اظہار کیا۔ وہاں یہ بھی لکھا۔ کہ میں آپ کے ہر حکم کی تعمیل کرونگی۔ مہاراج نے شری رما سے ملنا منظور کر لیا اور شری رما نے میرٹھ آکر سوامی جی کے درشن کئے۔ یہ رمابائی مہاراشٹر کے ایک براہمن کی بیٹی تھی۔ اُس کی سنسکرت کی قابلیت

مسلمہ تھی ۔مگر وہ کچھ آزاد خیال تھی ۔ایک بنگالی سے بیاہ کرنا چاہتی تھی ۔اس لئے اُس کے رشتہ داروں نے اُسے گھر سے الگ کر دیا تھا ۔وہ کلکتہ سے میرٹھ آئی ۔اِس وقت اُس کے ہمراہ ایک ملازم ایک ملازمہ اور بنگالی تھا ۔اغلباً یہ بنگالی وہی ذات شریف تھے جن سے رمابائی بیاہ کرنا چاہتی تھی ٭

رمابائی کے میرٹھ میں کئی ایک لیکچر ہوئے ٭

اُن دنوں پنڈت بھیم سین ۔جوالادت ۔پالی رام اور جیوتی سروپ وغیرہ کئی ودیارتھیوں نے سوامی جی سے ویشیشک درشن پڑھنا شروع کیا ۔رمابائی بھی پڑھتی تھی ۔مہاراج کے پڑھانے کا طریقہ بڑا عمدہ تھا ۔تشریح کرنے کا ڈھنگ بے نظیر ۔رمابائی اور دوسرے ودیارتھی عش عش کرتے تھے ۔کسی کا کیسا ہی شک کیوں نہ ہوتا ۔پڑھتے پڑھتے دور ہو جاتا تھا ٭

مہاراج نے رمابائی کو اُپدیش دیا ۔کہ اس وقت آریہ قوم کی بیٹیوں کی حالت بے حد افسوسناک ہے ۔یہ دنیا بھر کے توہمات اور بُرے رسوم میں پھنسی ہوئی ہیں ۔آپ زندگی بھر برھمچارنی رہ کر اُن کی اصلاح کریں ۔اُن کی تعلیم کا بیڑا اُٹھائیں ۔اور اُن کو اس حالت زار سے بچائیں اس کام کے لئے جو روپے کی ضرورت ہوگی ۔وہ آپ کو آریہ سماج دیگا ۔مہاراج نے یہ بھی کہا ۔کہ میں نے سوا ئے

آپ کے کسی عورت کو سامنے بیٹھ کر اُپدیش نہیں دیا۔ آپ کو یہ
موقع اسی لئے دیا ہے کہ آپ تعلیم یافتہ ہیں۔ ممکن ہے
میرے لفظوں سے آپ برہمچارنی رہ کر کام کرنے کا عزم
کر لیں۔ اور عورتوں کی اصلاح کے مفید کام میں ہمہ تن
محو ہو جائیں ؎

شری رما بائی نے عاجزانہ انداز سے جواب دیا۔ مہاراج!
گرہستی لوگ بھی تو اصلاح کا کام کر سکتے ہیں۔ انہیں بھی
تو نیکی کا کام کرنے کے لئے کافی موقع مل جاتا ہے۔ اس
پر سوامی جی نے جواب دیا۔ رشتہ داری کے کئی گونہ تعلقات
میں بندھے ہوئے آدمی اتنا کام نہیں کر سکتے۔ جتنا کہ
ایک برہمچاری یا برہمچارنی کر سکتی ہے۔ جو آدمی ایک دو
شخصوں کو اپنی محبت کا مرکز بنا لیتے ہیں۔ اُن میں
خدمت عامہ کے جذبات اتنے طاقتور نہیں رہتے۔ نہ
اُنہیں کام دھندہ سے فرصت ملتی ہے۔ اور پھر جب
بیٹا بیٹی پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو اُن کے پالنے کا فکر
دامنگیر ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی کسی کی جُدائی کا غم بھی
برداشت کرنا پڑتا ہے۔ خاوند اور لڑکی لڑکے کی موت
سارے آرام کو نگل جاتی ہے۔ جب انسان اس طرح کے
گرہست کے گڑھے میں گر جاتا ہے۔ تو خدمت خلق
کے جذبات ایک ایک کر کے فنا ہو جاتے ہیں۔ اس
لئے رما! آپ اپنی زندگی کو دوسروں کے لئے وقف

کر دیں۔ اور عورتوں کی اصلاح کا قابل تعریف کام شروع کریں +

جس طرح بخار کے جوش میں آدمی کو روٹی کھانا اچھا نہیں لگتا۔ اُسی طرح تقدیر کی تاثیر سے شریمتی رما کے دل میں مہاراج کے خیالات کو جگہ نہ ملی۔ وہ ساری عمر برہمچارنی رہ کر کام کرنے کو تیار نہ ہوئی +

رما سوامی جی سے اور کتابیں بھی پڑھنا چاہتی تھی۔ مگر سوامی جی نے اُسے اور وقت دینا منظور نہ کیا۔ ایک مہینے سے زیادہ عرصہ تک رما بائی نے سوامی جی کے اُپدیش سُنے اور پھر کلکتہ چلی گئی۔ مہاراج نے اُسے روانگی کے وقت اپنی تمام کتابوں کی ایک ایک جلد عنایت کی +

سوامی جی اپنے آدمیوں میں بیٹھتے۔ تو گزشتہ زندگی کے واقعات سُنانا شروع کر دیتے تھے۔ ایک دن کہنے لگے۔ ایک جگہ ہمارا لیکچر سُن کر کلکٹر صاحب نے کہا۔ اگر آپ کے کہنے پر لوگ عمل کرنے لگ جائیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیں بوریا بستر اُٹھا کر یہاں سے بھاگنا پڑیگا۔ میں نے کہا۔ میرا مدعا آپ مطلقاً نہیں سمجھے۔ میرے لیکچروں کا لب لباب یہ ہے کہ تعلیم یافتہ اور جاہل مطلق لوگوں کا کبھی اتحاد نہیں ہو سکتا۔ اس لئے جب تک بھارت کے لوگ تعلیم یافتہ نہ ہو جائیں۔ تب تک باہمی

تعلق کی حقیقی مسرت کبھی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ سن کر کلکٹر صاحب نہایت خوش ہوئے +

اپنی سیاحت کا ذکر کرتے ہوئے مہاراج نے کہا۔ آپ لوگ مجھے آج کل اتنی سیر کرتے دیکھ کر حیران ہوتے ہیں۔ مگر میں پہلے تو ایک ایک دن میں چالیس چالیس کوس تک نکل جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ میں نے گنگا کے منبع سے لے کر اس دریا کے اتصال بحر تک سفر کیا تھا۔ جپ کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ بدری نارائن میں میں نے بھگوتی گایتری کا جپ انوشٹھان کیا تھا۔ زمانۂ طالب علمی کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔ جب کبھی رات کو پڑھنے کے لئے تیل نہ ملتا تھا۔ تو میں دکانداروں کے چراغوں کی لو میں پڑھ لیا کرتا تھا۔ تپ کا بیان کرتے ہوئے کہا۔ موسم گرما کی خوفناک گرمی سے تپے ہوئے توے کی طرح گرم بالو پر میں نے کئی دوپہریں کاٹی ہیں۔ سردی کی ٹھٹھرتی ہوئی راتیں میں نے سربلند پہاڑوں کی چوٹیوں پر برہنہ تن بسر کی ہیں +

رشبا مل ویش سوامی جی کا بھگت تھا۔ ایک دن جب وہ آپ کی خدمت میں آیا۔ تو آپ نے کہا۔ راہ میں آپ کو ایک سانپ دکھائی دیا اور آپ خوف زدہ ہو گئے۔ اُس نے حیرت سے اس واقعہ کی صداقت کا اعتراف کیا۔ جب وہ جانے لگا تو سوامی جی نے اُس سے کہا۔

چھاتا لے لیا ہوتا۔ تو پانی پڑنے پر بھیگنے سے تو بچ جاتے۔ شبابل کو اس وقت برکھا کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ مگر راہ میں ایسی بارش ہوئی۔ کہ سڑکوں پر پانی پھرنے لگا۔ اور وہ بڑی مشکل سے گھر پہنچا॰
ایک دن کچھ آدمیوں نے عرض کیا۔ اگر آپ حکمت عملی سے کام لیں۔ تو بڑی کامیابی ہو۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ یہ حکمت عملی مجھے پہلے ہی بڑی مہنگی پڑی ہے۔ اب مجھے اس میں اعتماد نہیں۔ راجہ جے کرشن داس کہا کرتے تھے۔ اس بات کے رکھنے سے لوگ خوش ہونگے۔ اس بات کو نہ چھیڑنے سے آسانی رہیگی۔ جے پور میں شیوؤں نے کہا۔ ویشنوؤں کا کھنڈن کر دو۔ تو ہم آپ کے پیرو بن جائینگے۔ وہ تو ویسے ہی رہے۔ مگر اب جو میں جے پور میں جا کر شیومت کی بے بنیاد باتوں کے خلاف بولتا ہوں۔ تو ٹھاکر اپنے گلے کی رودراکش کی مالا دکھا کر کہتے ہیں۔ یہ بھی تو آپ ہی نے پہنائی تھی۔ اب آپ کی کونسی بات کو سچا جانیں॰
کرنل الکاٹ اور بلیوٹسکی شملہ جاتے ہوئے راہ میں میرٹھ اترے۔ ان دنوں باہمی رنجیدگی بڑھنے کے آثار نظر آتے تھے۔ اس لئے مل کر اس مضمون پر بات چیت کی گئی۔ وہاں یہ تصفیہ ہوا کہ سنی سنائی بات پر یقین نہ کیا جائے۔ وہم پیدا کرنے والی باتوں کا تصفیہ گورو چیلا

پالن کر کر لیا کریں۔ یا خط و کتابت سے۔ کرنل اور میڈم نے یہ بھی عہد کیا کہ وہ کسی آریہ سماجی کو اپنی سوسائٹی کا ممبر بنانے کی کوشش نہ کرینگے ۔

میرٹھ میں امرت برکھا کرنے کے بعد بھادوں سُدی دوا دشی سمبت ۱۹۳۷ کو مہاراج وہاں سے چل کر مظفر نگر پہنچے۔ اور نشی مان نہال چند کے بنگلہ میں ٹھیرے۔ مہاراج کے کئی عالمانہ لیکچر ہوئے۔ اُن سے لوگوں کو بہت فیض پہنچا۔ لالہ بھگوانداس وغیرہ کئی اصحاب نے مہاراج کے قدموں میں بیٹھ کر سوال کئے اور جواب پا کر مطمئن ہو گئے۔ شرادھوں کے دن تھے۔ سوامی جی نے اس وہم کا بڑے زور سے کھنڈن کیا۔ اس سے لوگوں پر پر بہت اثر ہوا ۔

لالہ نہال چند نے پوچھا۔ ایک آدمی نے اپنی زندگی میں بہت سی دولت جمع کی۔ وہ مر کر ایسے ویسے جنم میں چلا گیا ہے۔ اُس کی جمع کردہ دولت اگر اُس کے بیٹے وغیرہ شرادھ میں صرف کرتے ہیں۔ تو اس کا پھل اُسے کیوں نہ ملے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ پھل اپنے ہی کام کا ملتا ہے۔ اگر بیٹوں کی نیکیاں باپ کو ملتی ہیں۔ تو یہ بھی ماننا پڑیگا۔ کہ جو بیٹے باپ کی دولت سے بد چلنی کرتے ہیں۔ اُن کا پھل بھی باپ کو ملے گا۔ اپنے بزرگوں کی دولت پا کر نیک کام تھوڑے ہی لوگ

کرتے ہیں۔ عام طور پر لوگ گناہ ہی کیا کرتے ہیں +
ایک بھگت نے تعلیم نسوان سے متعلق کہا۔ لوگ کہتے ہیں۔ کہ عورتوں کو پڑھانے سے اُن میں خرابی آجائیگی۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ اگر تعلیم کا نتیجہ گناہ ہے۔ تو مردوں کو بھی نا تعلیم یافتہ ہی رہنا چاہئے۔ مگر زیادہ تر گناہ ان پڑھ ہی کیا کرتے ہیں۔ عورتوں میں تعلیم کا پرچار ضروری چیز ہے۔ ایک آدمی نے پوچھا۔ کیا جہالت کے رفع ہونے سے آدمی کو سُکھ ملتا ہے۔ جواب میں فرمایا۔ سُکھ دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ جو علم سے حاصل ہوتے ہیں۔ دوسرے وہ جو جہالت سے پیدا ہوتے ہیں۔ سچا سُکھ وہی ہے۔ جو علم سے پیدا ہو۔ یہ سکھ جہالت کی بربادی اور علم کی تحصیل سے حاصل ہوتا ہے۔ جہالت کا سُکھ پشو حیوان محسوس کرتے ہیں۔ انسان محدود ہونے کے باعث محدود العلم ہے۔ اس لئے جاہل ہو جاتا ہے۔ پرماتما فاصلہ اور وقت سے بالا ہے اس میں جہالت کا شائبہ بھی نہیں +

جس مکان میں سوامی جی ٹھیرتے تھے۔ اُس میں ایک دن ایک سانپ نکل آیا۔ مہاراج نے اُسے اُسی وقت ایک ودیارتھی سے مروا دیا۔ میڈم بلیوٹسکی نے تحریر کیا ہے کہ بنگال میں ایک دفعہ سوامی جی لیکچر دے رہے تھے۔ ایک بدمعاش نے ایک زہری ناگ

اُن کے پاؤں میں چھوڑ دیا۔ سوامی جی نے اپنے پاؤں کی ایڑی اُس کے سر پر رکھ کر اُسے مسلتے ہوئے کہا۔ جن کے دیوتا اس حالت میں کچلے جاتے ہیں۔ خود اُن کی اپنی حالت زار کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ سوامی جی مظفرنگر سے پھر میرٹھ تشریف لے آئے۔ اسوج بدی چتردشی کو آریہ سماج کا دوسرا سالانہ جلسہ تھا۔ سوامی جی اُس میں شامل ہونے کو پہنچ گئے۔ دونو دن شام کے وقت مہاراج کے لیکچر ہوئے۔ اُن میں اُنہوں نے اپنے آدمیوں سے کہا۔ کہ تھیا سوفیکل سوسائٹی سے خبردار رہیں۔ میڈم کی کراماتوں پر بھی روشنی ڈالی۔ یہ دونو لیکچر آریہ سماج اور تھیا سوفیکل سوسائٹی کی علیحدگی کا اعلان تھے۔ ثابت ہو گیا ہے۔ کہ اسکی ذمہ واری کا بار میڈم بلیوٹسکی ہی کے سر پر ہے۔

اس سوسائٹی کے بانیوں کا سوامی جی کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ الکاٹ صاحب اور میڈم بلیوٹسکی سوامی جی کو اپنا روحانی رہنما مانتے تھے۔ انہوں نے اپنی تمام سوسائٹیوں کا پریزیڈنٹ سوامی جی ہی کو مقرر کیا تھا۔ سوسائٹی کی سب کارروائی پر مہاراج کی منظوری سے اُن کے نام کی مہر لگائی جاتی تھی۔ اور کرنل الکاٹ اُن کے نام سے دستخط کیا کرتے تھے۔ دنیا کی تمام تھیا سوفیکل سوسائٹیاں آریہ سماج کی شاخیں متصوّر

ہوتی تھیں ۔

وقت کے کندھوں پر سوار یہ تمام کائنات تبدیل ہوتی رہتی ہے ۔ زمین کے اوپر جو جو چیزیں ہیں ۔ اپنے رنگ بدلتی رہتی ہیں ۔ ایسی حالت میں کسی آدمی کے خیالات کا اعتقادات کا اور مذہب کا ۔ عہد کا اور قول و قرار کا اور رفاقت کا تبدیل ہو جانا موجب حیرت نہیں ۔ حیرت استقلال پر ہوتی ہے ۔ بیرونی اور اندرونی اثرات نے چند ہی سال میں گورو چیلے کے تعلق کو ڈھیلا کر دیا ۔ آریہ سماج اور تھیاسوفیکل سوسائٹی کے تعلقات کشیدہ ہونے لگے ۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ اس تعلق کے ڈھیلا ہونے اور آخرکار ٹوٹ جانے کے سوال پر غور کیا جائے ۔ اور اس کی وجوہات پر نظر ڈالی جائے ۔ یہ بلاشبہہ درست ہے ۔ کہ کرنل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی نے جو چٹھی مہاراج کے نام امریکہ سے روانہ کی تھی ۔ وہ ایمانداری سے لکھی گئی تھی ۔ اُس میں اُنہوں نے عقیدت سے اپنے آپ کو مہاراج کے قدموں میں ڈال دیا تھا ۔ مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں اس امر کو بھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے ۔ کہ سوامی جی انگریزی نہ جانتے تھے ۔ اور یہ امریکن اصحاب سنسکرت اور ہندی سے ناواقف تھے ۔ اُنہوں نے باہمی خط و کتابت کے لئے ہریشچندر بمبئی باسی کو ذریعہ بنایا ۔ اُس وقت مغربی تہذیب کی فریب وہ چاندنی

ہندوستان پر چھائی ہوئی تھی۔ کھانے پینے، رہنے سہنے اور بولنے چالنے میں تقلید کی دیوانگی جوبن پر تھی تعلیم یافتہ طلقہ اپنے بزرگوں کی راہ پر چلنا اپنی کسر شان تصور کرتا تھا۔ اپنی تاریخ کے نام پر لوگ ناک بھوں چڑھاتے تھے۔ انہیں ہندوستانی تمدن کی ہر ایک چیز بری معلوم ہوتی تھی۔ ایسے وقت میں کسی مغربی عالم کے منہ سے آریہ دھرم کی تعریف میں کچھ سننا بڑی بھاری خوش نصیبی سمجھا جاتا تھا۔ ان لوگوں کی ذرا سی ہمدردی بھی بڑی بات بن جاتی تھی۔ اس حالت، اس زمانہ اس وقت میں اگر ہریشچندر نے یہ سمجھ لیا ہو کہ یہ اصحاب ویدوں کو تو مانتے ہی ہیں دوسرے فرق خود بخود مٹ جائینگے۔ ان کے یہاں آنے، رہنے اور یہاں کے رسوم و رواج کی طرفداری کرنے سے اور سوامی جی کو اپنا گورو مان لینے سے آریوں کا اثر بہت زیادہ ہو جائیگا۔ ان خیالات سے اگر انہوں نے چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ بہرحال چند ایک باتیں ایک دوسرے سے پوشیدہ رہیں۔ جب سوامی جی کی ان اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ تب بھی مترجم سے کام لیا جاتا تھا۔ یہ مترجم کا کام بڑا مشکل کام ہے۔ نا قابل مترجم جب ایک کی بات دوسرے کو سمجھانے لگتے ہیں۔ تو جھٹ پٹ مطلب پر

دوڑ جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بیچ ہی میں کھا جانا اُن کے لئے معمولی بات ہوتی ہے۔ اپنی طرف سے بات بڑھا دینے کا چسکا بھی بُرا ہوتا ہے۔ تھیاسوفیکل سوسائٹی کے آریہ سماج سے الگ ہونے کا ایک سبب یہ بھی ہے۔ کہ الکاٹ اور بلیوٹسکی نے پتہ نہیں بھارت باسیوں کے متعلق کیسے کیسے نقشے دل میں بنا رکھے ہونگے۔ مگر یہاں آکر اُنہیں معلوم ہوا ہوگا۔ کہ ہندوؤں کی زیادہ تر تعداد سوامی جی کے خلاف ہے۔ اُن کے سامنے بھی وہ سوامی جی کے خلاف بولتے تھے۔ اُنھوں نے سوچا۔ ان کے ساتھ مل کر ہماری عزت میں بھی بٹّہ لگ جائیگا۔ اس لئے وہ کچھ کچھ الگ ہٹ گئے۔ یہاں آکر اُن کے لئے یہ پتہ لگانا بھی بڑا آسان تھا۔ کہ یہ لوگ ہر کسی کے پیچھے چلنے لگ جاتے ہیں۔ آریہ سماج سے الگ ہونے پر ہزاروں آدمی اُن کے بھی پاؤں چومنے کو تیار ہو جائینگے۔ بھارت کے بھولے بھالے لوگوں کو اپنا چیلا بنانا مشکل نہیں *

ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ راجہ شو پرشاد وغیرہ سوامی جی کے کٹر مخالف لوگ مہاراج کے خلاف کرنل الکاٹ کے کان بھرتے ہونگے۔ سوامی جی کا ساتھ چھوڑ دینے کا مشورہ دیتے ہونگے۔ آریہ سماج سے الگ ہونے پر پُرزور دلائل دیتے ہونگے۔ لالچ دکھاتے ہونگے۔

کرنل الکاٹ اور میڈم بلیوٹسکی آریہ سماج کے ممبران کو اپنی سوسائٹی میں ملانے لگ گئے تھے۔ اسے بھی سوامی جی نے نامناسب خیال کیا*

نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گورو اور چیلوں میں کشیدگی بڑھتی گئی۔ اسی کشیدگی کو مٹانے کے لئے سوامی جی نے ان دونو اصحاب کو شملہ جاتے ہوئے میرٹھ میں اُترنے کے لئے لکھا۔ وہ وہاں ٹھیرے بھی۔ مگر دل کے کانٹے دلوں ہی میں رہے*

آریہ سماج اور تھیاسوفیکل سوسائٹی کی علیحدگی کی ایک وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے۔ کہ تھیاسوفیکل سوسائٹی میں سرکاری ملازم بھی داخل ہونے لگ گئے تھے۔ یہ سوسائٹی آریہ سماج کی ایک شاخ تھی اور آریہ سماج کا بانی اس سوسائٹی کا پریزیڈنٹ تھا۔ کئی لوگ ایسی حالت میں ممبر بننے سے کتراتے ہونگے۔ اس کے متعلق میڈم بلیوٹسکی نے خود بھی ایک بیان دیا ہے*

سوامی جی میڈم کی کراماتیں پسند نہ کرتے تھے۔ وہ اول تو اُنھیں یوگ کی سدھیاں ہی نہ تسلیم کرتے تھے۔ اور اگر کر بھی لیتے۔ تو اُن کی نمایش سے نفور تھے۔ اس لئے وہ سوامی جی سے خفا تھیں*

گویا جب کرنل اور میڈم نے سوامی جی کو گورو تسلیم کیا۔ اور خط و کتابت شروع کی۔ اور پھر ہندوستان آئے

اُس وقت اُن کے دل میں کوئی کھوٹ نہ تھا۔ وہ حقیقی عقیدت سے سوامی جی کے چیلے بنے تھے۔ مگر ہندوستان میں آنے کے بعد اُن کے دل میں فرق آگیا۔ ایک دوسرے کے جذبات کو سمجھنے میں بھی غلطیاں ہوئیں۔ مگر سوامی جی نے اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے کو تھیاسوفیکل سوسائٹی کے سر پر سے قربان کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تھیاسوفیکل سوسائٹی کی پریزیڈنسی کو پرے ہٹا دیا۔ اور ٹھیک وقت پر آریہ سماجیوں کو اعلان کے ذریعے اطلاع دے دی کہ آریہ سماج اور کرنل الکاٹ وغیرہ کی سبھا کے تعلقات منقطع کر دئے گئے ہیں۔ اس قطع تعلق کے بواعث مفصلہ ذیل خطوط سے بخوبی ظاہر ہونگے۔ جنہیں سکرٹری پروپکارنی سبھا نے حاصل کرکے کاتک سدی ۱ سمبت ۱۹۴۶ کے "پروپکاری" میں شائع کیا تھا:۔

میڈم صاحبہ کا خط بابو چھیدی لال مہاشہ کے نام

شملہ۔ اکتوبر ۱۸۸۰ء

میرے پیارے بابو جی!

یہ چٹھی جو میں آپ کو لکھ رہی ہوں۔ آپ کی نسبت سوامی جی سے زیادہ متعلق ہے۔ مجھے اس امر کا یقین نہیں۔ کہ سوامی جی کے پاس لائق اور قابل یقین مترجم ہیں۔ اس لئے میں آپ سے التجا کرتی ہوں

کہ آپ اس کا ترجمہ سوامی جی کے پاس جہاں تک ہو سکے۔ جلد بھیج دیجئے۔ آپ ہمارے دوست ہیں۔ اور آپ پر دوسرے آریہ سماجیوں کی نسبت مجھے زیادہ اعتماد ہے +

اگر آپ آریوں کی بات اپنے دل میں ایسی سمجھتے ہیں جیسی کہ میں تھیاسوفی کی سمجھتی ہوں۔ تو آپ اسے نہایت احتیاط سے پڑھینگے۔ اور جب سوامی جی کا جواب آئیگا تو اُسے میرے پاس بھیج دینگے +

آخری ملاقات میں سوامی جی نے کہا تھا۔ کہ آپ اس وقت یہ عہد کریں۔ کہ جب کوئی آدمی آپ کے پاس آ کر کہے۔ کہ سوامی جی نے آپ کے اور آپ کی سوسائٹی کے خلاف یہ کہا ہے۔ یا یہ کیا ہے تو آپ مجھے فوراً اُس کی اطلاع دینگے۔ جس سے مجھے اس بات کا موقع مل جائے۔ کہ میں اپنی طرف سے آپ کے دل میں فرق نہ پڑنے دوں۔ میرا بھی آپ کے ساتھ یہی سلوک ہوگا۔ میں نے سوامی جی کے اس فرمان کو منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ وہی وقت سامنے آیا ہے +

میں نے اُن سے عہد کیا تھا۔ کہ اگر کوئی آدمی آ کر مجھ سے کوئی ایسی بات کہیگا۔ جس سے ہمارے اور اُن کے مابین میل ملاپ کی بجائے کشیدگی بڑھ جائے۔ تو میں جب تک سوامی جی سے نہ پوچھ لونگی۔ تب تک

اُس پر یقین نہ کروں گی - آئندہ کے لئے میرا بھی یہی طرزِ عمل ہوگا - لیکن اس وقت مجھے نہ کسی نے کچھ کہا ہے - نہ یہ سُنی سُنائی گپ ہے - میں جاننا چاہتی ہوں کہ سوامی جی اس کا کیا جواب دیتے ہیں ؟

میرٹھ آریہ سماج کا دوسرا سالانہ جلسہ ابھی ختم ہوا ہے - اُن میں کئی آریہ سماجوں کے ممبران شریک تھے - ایسے وقت میں سوامی جی نے سب کے روبرو یہ عجیب وغریب الفاظ کہے :- "جب کسی دیگر سوسائٹی کے آدمی آریہ سماج کے معزز ممبران کو اپنی سوسائٹی میں داخل ہونے کو کہیں - یا داخل کرنے کی کوشش کریں - تو اُنہیں یہ جواب دینا چاہیئے - کہ اگر آپ کی سوسائٹی کے قواعد اور اصول آریہ سماج کے ساتھ ملتے ہیں تو اُس میں داخل ہونے سے کوئی فائدہ نہیں - اگر وہ کہیں - کہ ہمارے اصول آریہ سماج کے اصولوں سے مختلف ہیں - تو آریہ سماجیوں کو اُنہیں جواب دینا چاہیئے - کہ آریہ سماج کے اصول ناقابل تردید ہیں - لہٰذا جس سوسائٹی کے اصول قابل تردید ہوں - اُس سوسائٹی میں شامل ہونے کی ہمیں کیا ضرورت ہے" ؟

درحقیقت روم کا پوپ اس سے زیادہ اور کیا کہتا ہے - سوامی جی مغرور براہمنوں کے دھوکا کے مخالف ہیں - اُن کے کہنے کا یہ مطلب ہرگز نہ ہوگا ؛

اُنھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ غیر ممالک کی سوسائٹی میں

ایسی محبت اور دوستی کبھی نہیں ہو سکتی - جیسی کہ ایک ہی خیال اور ملک کے آریہ ممبران میں ہو سکتی ہے ؎

اُنہوں نے دوسرے دن کہا "تھیا سوفیکل سوسائٹی کے آدمی آریہ سماجیوں کو اپنی سوسائٹی میں ملانے کی کوشش کرتے ہیں - آریہ سماجیوں کو چاہئے - کہ ایسا موقع آ پڑنے پر اُنہیں بھی وہی جواب دیں - جو میں نے کل بتایا تھا - تھیا سوفی والوں کے لئے ایسی کوشش سخت نا مناسب ہے" ؎

اُن کے اس فقرے کا کیا مطلب ہے ؟ ہم نے آپ کے سوائے اور کسی بھی آریہ سماجی کو اپنی سوسائٹی میں ملانے کی کوشش نہیں کی - ہاں بمبئی ، لاہور اور دیگر شہروں کے آریہ سماجی ہماری سوسائٹی کے ممبر ہیں - مگر اُن کو شامل کرنے کی ہم نے کبھی کوشش نہیں کی ؎

ہمارے اور آریہ سماج کے اصولوں میں صرف اس قدر اختلاف ہے - کہ ہم اپنے ہر ایک ممبر کے مذہب کی توقیر کرتے ہیں - ہم ہر ایک مذہب کے آدمی کو خواہ وہ آریہ سماجی ہو - خواہ عیسائی ہو - خواہ بت پرست ہو - اپنی سوسائٹی میں لے لیتے ہیں - ہم اپنے ممبران کے مذہب پر کبھی حملہ نہیں کرتے - سوامی جی اپنے خیال کے ہیں - جو خیالات اُن کے ہیں - وہی آریہ سماجیوں کے ہیں - اور یہ ممبر ہونے کا ضروری قاعدہ ہے - ہم نہ سوامی جی اور ہر ایک سماجی کو اپنا

برادر خاص سمجھتے ہیں ۔

اُن کے تھیاسوفیکل سوسائٹی میں ملنے میں کوئی امر مانع نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ سوامی جی اڑھائی سال سے ہمارے سب سے اعلےٰ ممبران میں سے ایک ہیں۔ اور ہمارے بہت سے انگریز اور امریکن ممبران کے گورو ہیں۔ میں ایشور کو خالق مالک نہیں مانتی ہوں۔ اس لئے آپ کے سماج میں نہیں شامل ہو سکتی۔ تو بتائیے۔ کہ وہ برادری کا جذبہ جس میں زیادہ فائدہ ہے کن میں زیادہ ہے۔ سب سے خاص اور دوسرے درجہ کی برادری کا جذبہ کون سا ہے۔ کیا وہ جس میں سب آدمی شامل ہو سکتے ہیں۔ یا وہ جس میں تھوڑے سے آدمیوں ہی میں برادرانہ الفت اور باہمی حفاظت کا خیال پیدا ہو سکے۔ سوامی جی کے الفاظ عجیب و غریب ہیں۔ اور ایک طرح سے ہماری طرف سے اُن کے دل میں فرق پیدا کرتے ہیں۔ اب تک میرا خیال تھا۔ کہ سب آریہ سماجی اور ہماری سوسائٹی کے ممبر آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ جب سے ہماری ملاقات سوامی جی سے ہوئی ہے۔ اس بات کی زیادہ اشاعت اُنہوں نے کی ہے۔ اور اس مضمون کے خط بھی اُنہوں نے آریہ سماجیوں کو لکھے تھے ۔

ہمارے لنڈن اور امریکہ کے ممبر آریہ سماجیوں کو اپنا بھائی سمجھتے ہیں۔ مگر جو انگریز ہندوستان میں ہیں۔ وہ ایسا

نہیں سمجھتے - جو انگریز یہاں ہمیں ملے ہیں - اور خاص کر جو شملہ میں ہیں - وہ کہتے ہیں - کہ تھیاسوفی سوسائٹی کے ممبران سے چاہے وہ انگریز ہوں چاہے ہندوستانی ہم بھائیوں کا سا سلوک روا رکھنے کو آمادہ ہیں - مگر وہ یہ بھی کہتے ہیں - کہ سوامی جی کے علاوہ دیگر آریہ سماجیوں سے ویسا ہی سلوک کرنے کی کوئی زبردست وجہ ہمارے پاس موجود نہیں - سوامی جی کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ بہت سے یوروپین بھائیوں کے گورو ہیں - یہ الفاظ کل مجھے ایک نئے ممبر نے کہے تھے - وہ آدمی فوجی اخبار کے دفتر کا پریزیڈنٹ ہے ؀

اسی وجہ سے میں نے آپ کو اور دو ایک دیگر اصحاب کو سوسائٹی میں داخل ہونے کا مشورہ دیا تھا ؀

باقی رہی یہ بات کہ آریہ سماجی ہم میں شامل ہوں یا نہ ہوں - اس کی ہمیں پروا نہیں - ان میں انہی کا اور شاید سماجوں کا نقصان ہے ؀

پولیس کے سب سے بڑے عہدیدار ہینڈرسن صاحب سوسائٹی میں شامل ہو گئے ہیں - اس سے ہمارا مقصد پورا ہو گیا ہے - ہماری سوسائٹی کی ممبری اختیار کرتے وقت انہوں نے کہا - کہ میں اس سوسائٹی کا اس لئے ممبر بنتا ہوں - کہ اس سے بڑے بڑے فیض پہنچے ہیں - آپ نے اور الکاٹ نے اٹھارہ مہینوں میں وہ

بات حاصل کر لی ہے - جو ہم انگریز برسوں میں بھی نہیں کر سکے - اُنہوں نے یہ بھی کہا کہ انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان جو خلیج حائل ہے - اُسے آپ خشک کر رہے ہیں - آپ کی وجہ سے ہم اُن کی بیش از بیش عزت کرنے لگے ہیں - اور وہ ہم سے نفرت چھوڑ رہے ہیں - وہ ہمارے کام کی عظمت تسلیم کرنے لگے ہیں - مجھے اُمید ہے کہ جیسے اُن کے خیالات ہیں - ویسا ہی وہ عملی طور پر کر کے بھی دکھا دینگے - گر جب سوامی جی کا ذکر چلا - تو اُنہوں نے بھی کہا - کہ تھیاسوفی کے مانند سوامی جی کی رائے نہیں ہے - اُن کے خیال اتنے آزادانہ نہیں نظر آتے - آریہ سماج پرماتما کو دُنیا کا مصنّف ماننے والوں کا گروہ ہے - ایسی حالت میں ہم اُن سے بھائیوں کا سا سلوک کیسے کریں +

ان واقعات سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ آریہ سماجیوں کو تھیاسوفیکل سوسائٹی میں داخل ہونے سے فائدہ ہے یا نقصان - اُن کو فائدہ ہے اور یہ آپ دیکھ لینگے - مگر اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا - کہ ہم نے سوامی جی کے آریہ سماجیوں کو کبھی اپنی سوسائٹی میں داخل کرنے کی سعی کی ہے - ہم نے ایسا کبھی نہیں کیا - تا ہم وہ ہمارے بھائی ہیں - سوامی جی نے اپنے الفاظ سے آریہ سماجیوں کے دل ہماری طرف سے ہٹا دئے ہونگے -

مگر تغیر اس امر کا انہیں اختیار ہے "۔

تھیاسوفیکل سوسائٹی میں بہت سے انگریزوں کی شمولیت کا ذکر کرتی ہوئی میڈم صاحبہ لکھتی ہیں :- "اس خط کا ترجمہ کر کے سوامی جی کو بھیج دیجئے گا۔ میں جاننا چاہتی ہوں کہ وہ اس شکوہ کا کیا جواب دیتے ہیں۔ ہم آپس میں دوست رہینگے؟ یا یکایک دشمن بن جائینگے؟ چھنی لال کو میری طرف سے پیار کرنا۔ شو نارائن اور دوسروں کو برادرانہ اُلفت "۔ راقمہ ایچ۔ پی۔ بلیوتسکی

اس کے جواب میں سوامی جی نے حسب ذیل خط لکھا:-

" ایچ پی میڈم بلیوتسکی صاحبہ! آشیرباد! آپ کا خط مورخہ ۸۔ اکتوبر سنہ ۱۸۸۰ء چھیدی لال رئیس میرٹھ نے مجھے ڈیرہ دون بھیجا۔ اُس کا جواب سلسلہ وار صاف صاف دیتا ہوں۔ آپ کے جو خطوط امریکہ سے میرے پاس آئے اور اُن کا جو جواب میں نے دیا۔ نیز سہارنپور، میرٹھ۔ کاشی اور پھر میرٹھ میں جو آپ سے ملاقات ہوئی۔ اُن کے مطابق اور اپنے عقیدہ کے بموجب میں ہمیشہ عمل کرتا ہوں۔ مگر آپ کا طرز عمل ویسا نہیں معلوم ہوتا پہلے آپ نے جو لکھا تھا۔ جو کچھ پہلی ملاقات میں ظاہر کیا تھا اُس کے مطابق اب برتاؤ کہاں ہے؟

وہ خطوط چھپوا کر شائع کر دئے گئے ہیں۔ جن میں آپ نے لکھا تھا۔ کہ ہم سنسکرت پڑھینگے۔ اور اپنی سوسائٹی

کو سماج کی شاخ بنا دینگے - جو خطوط میں نے آپ کے پاس بھیجے تھے - اُن کی نقل بھی میرے پاس ہے - دیکھئے! تھوڑے دن ہوئے - جب آپ سے بیرٹھ میں آریہ سماج اور تھیاسوفیکل سوسائٹی سے متعلق بات چیت ہوئی تھی - اُس وقت میں نے سب کے روبرو کیا آپ سے نہیں کہا تھا - کہ آریہ سماج کے اصولوں اور سوسائٹی کے اصولوں میں کوئی بھی فرق نہیں - اسی بات کی میں نے بمبئی میں بذریعہ خط آپ کو اطلاع دی تھی - اور اب تک میں اس بات پر قائم ہوں - کہ آریہ سماجیوں کو مذہبی معاملات میں سوسائٹی میں شریک ہونا مناسب نہیں - کیا یہی بات آپ نے اور کرنل الکاٹ نے اپنی کتاب " اُپدیش اور مباحثہ" میں نہیں درج کی - اور کیا یہ نہیں لکھا - کہ سچے دھرم - سچی تعلیم - درست اصلاح اور بہتری و بہبودی کے اصول جیسے آریہ ورت کے آدمیوں میں ہمیشہ سے چلے آئے ہیں ویسے کبھی کہیں نہیں تھے - اور نہ اب ہیں ؁

اب قابل غور یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں تھیاسوفی والوں کو آریہ سماج میں شامل ہونا چاہئے - یا آریہ سماجیوں کو تھیاسوفی والوں میں - میں نے یا کسی آریہ سماجی نے آج تک کسی تھیاسوفی کے ممبر کو آریہ سماج کا ممبر بنانے کی کوشش نہیں کی - آپ اپنے دل میں سوچئے کہ آپ نے کیا کیا ہے اور کیا کر رہی ہیں؟

آپ نے کئی آریہ سماجیوں کو اپنی سبھا میں داخل ہونے کی ترغیب دی - کئی اصحاب سے فیس داخلہ کے دس روپے بھی وصول کئے - میرٹھ کی ملاقات کے بعد بھی کیا آپ نے بابو چھیدی لال کو انبالہ میں ممبر بنانے کی نہیں کوشش کی - اور شملہ سے اُن کو اس مطلب کا خط نہیں بھیجا - اِنہی وجوہات کی بنا پر ہم نے آریہ سماج میرٹھ کے سالانہ جلسہ پر کہا - کہ اگر آپ کو میڈم یا کرنل یا کوئی دیگر تھیاسوفسٹ یا کوئی کسی دیگر انجمن کا آدمی اپنی سوسائٹی میں داخل ہونے کو کہے - تو اُسے یہ جواب دینا چاہئے گا - کہ اگر آریہ سماج اور تھیاسوفیکل سوسائٹی کے اصول ایک جیسے ہیں - تو ہم اور آپ ایک ہی ہیں - اور اگر اصولوں میں فرق ہے - تو ملنے کی کوئی ضرورت نہیں جب تک آریہ سماج کے اصولوں میں کوئی بات قابل تردید نہ ثابت ہو جائے - تب تک وہ ناقابل تردید ہیں ؛

اب فرمائیے - غلطی سے مبرّا پوپ کے مانند میرے خیالات ہیں یا آپ کے ؟

ممالک غیر کے سماج میں دوستی اور محبت ویسی کبھی نہیں ہو سکتی - جیسی کہ ایک ہی ملک کے سماج میں ہوتی ہے - یہ بات میں نے اُس وقت کہی تھی - اب کہتا ہوں اور آیندہ بھی کہونگا - مگر یہ بات میں نے جس ضمن میں کہی

بتی۔ وہ یہ تھا۔ کہ جن کا ملک ایک ہے۔ زبان ایک ہے۔
پیدائش اور رہنا ایک ہے۔ جن کے بیاہ وغیرہ آپس میں
ہوتے ہیں۔ اُن میں جتنا باہمی پیار ہو سکتا ہے۔ اتنا فائدہ
اور ویسی ترقی ایک ملک والوں کو دوسرے ملک والوں سے
نہیں ہوتی۔ مثلاً صرف زبان میں فرق ہونے سے مجھے اور
یوروپین اصحاب کو باہمی فیض کے بجائے تکالیف پہنچی ہیں؛
دوسرے دن بھی میں نے انہی باتوں کا اعادہ کیا تھا۔
کیونکہ مریض کو مرض سے آگاہ کرنا اور اُسے دوا دینا
ضروری ہے؛
ہم تھیاسوفی کے ممبروں کو آریہ سماج کا حصہ اور شاخ
مانتے آئے ہیں اور جہاں تک بن پڑیگا۔ آئندہ بھی مانینگے۔
اُن کو آریہ سماج میں ملانے اور اُن سے دس روپیہ چندہ
لینے کی کوشش نہ پہلے ہم نے کی ہے نہ اب کرتے ہیں۔
ہاں جو آدمی آریہ سماج اور سوسائٹی میں نہیں ہیں۔ وہ
اُپدیش سُن کر آریہ سماج کے ممبر بن جاتے ہیں۔ اور ہم
اُنہیں بخوشی تمام سماج میں شامل کر لیتے ہیں؛
آپ جو لکھتی ہیں کہ آپ کے علاوہ بمبئی۔ لاہور اور
دوسرے شہروں کے آریہ سماجی ہماری سوسائٹی کے ممبر ہیں۔
مگر ہم نے اُن کو ممبر بنانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ غلط
ہے۔ آپ نے بمبئی میں سمرتھ دان جی وغیرہ کو اور پریاگ
میں پنڈت سندر لال جی وغیرہ ممبران کو اپنی سوسائٹی میں

شامل ہونے کے لئے کہا۔ اس کا گواہ میں خود ہوں۔
میں جب تک نہ سُنتا۔ تب تک مجھے علم کیسے ہو سکتا تھا۔
جس طرح میرا نام اپنے ممبران میں لکھتی ہو۔ ویسا ہی دوسری
جگہوں میں بھی آپ نے کیا ہوگا۔ یہ امر یقینی ہے ؎
آپ نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ آریہ سماج کے اصولوں
کے خلاف ہم میں یہی بات ہے کہ ہم سب مذہبوں کی
توقیر کرتے ہیں۔ سب مذاہب کے آدمیوں کو اپنی سوسائٹی
میں ملا لیتے ہیں۔ اُن کے عقیدہ پر حملہ نہیں کرتے بلکہ
اُنہیں اپنا بھائی بنا لیتے ہیں۔ ہماری سوسائٹی کا ممبر ہونے
کے لئے اُن کے رستے میں یہ کوئی رکاوٹ نہیں حائل
ہو سکتی ؎
میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کہ آپ کا مذہب کیا ہے؟
اگر آپ کہیں کہ ہمارا مذہب فلاں مذہب کے خلاف ہے۔
تو ایسا آدمی آپ کی سوسائٹی میں نہیں لیا جا سکتا۔ اگر
کہو۔ کہ ہمارا مذہب کسی کے خلاف نہیں ہے۔ تو اُس میں
کسی کو آنے کی کیا پڑی ہے۔ مسلمان دیگر مذہب والوں
کو بے ایمان کہتے ہیں۔ اور اُن میں شامل ہونا غیر واجب
سمجھتے ہیں۔ پھر ایسے لوگ آپ کی سوسائٹی کے ممبر کیسے
بن سکتے ہیں۔ اگر وہ تہ دل سے دوسرے مذاہب کے
ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ تو اُن کا مذہب کہاں رہا؟
اگر اپنا مذہب قائم رکھیں۔ تو آپ کی سوسائٹی میں نہیں

رہ سکتے - ایک دل سے ایک وقت میں دو کام نہیں ہو سکتے - ان سب باتوں کا جواب وقت بتلے گا - اچھی طرح سے فیصلہ اُس وقت ہوگا - جب ہم آمنے سامنے ہونگے ✤

"کیا یہ بات بالکل غیر ممکن نہیں ہے کہ سوامی جی اڑھائی برس سے ہمارے سب سے اعلے ممبران میں سے ایک ہیں"

بھلا آپ ہی کہئے - کہ میں نے آپ کی سوسائٹی کا ممبر بننے کی کب درخواست کی تھی - میں نے بمبئی میں آپ کو خط بھیج کر اطلاع دی تھی کہ میں ویدوں کے مطابق - قدیم اور آریہ ورت کے دھرم کے علاوہ اور کسی بھی سماج یا سبھا کے اصولوں کو نہ مانتا تھا - نہ مانتا ہوں - نہ مانونگا - یہ دھرم میری روح کے اندر سما چکا ہے - میری جان چلی جاوے - پر میں اس دھرم کو نہ چھوڑونگا ✤

یہ قصور آپ لوگوں ہی کا ہے کہ بغیر کہے سُنے اپنی مرضی سے میرا نام آپ نے اپنے ممبران میں لکھ لیا - پس یہ سچ کیسے ہو سکتا ہے - کیا آپ اس بات کو بھول گئی ہیں - کہ میرٹھ میں میں نے آپ کی موجودگی میں الکاٹ صاحب سے کہا تھا - کہ آپ نے بمبئی کونسل میں میرا نام بطور ممبر کیوں درج کیا؟ جو میری مرضی نہ ہو - وہ کام آپ کبھی نہ کیجئے گا - جو کام آپ لوگ خود بخود کر لیں - اُسے میں منظور نہ کرونگا - اس پر الکاٹ صاحب صاحب نے کہا تھا - کہ ایسی بات آئندہ نہ ہوگی ✤

یں نے بمبئی میں خط بھی لکھ دیا تھا۔ کہ اگر آپ نے میرا نام اپنے ممبران کی فہرست میں درج کر لیا ہو۔ تو کاٹ دیجئے۔ اس کے باوجود آپ نے لکھا ہے کہ میں آپ کا ممبر ہوں۔ تو کیا یہ درست ہے؟ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ آئے تھے ودّیارتھی اور چیلہ بننے کی نیت سے اور خواہش یہ ہے کہ گورو اور اچاریہ کا رتبہ مل جائے؟

آپ پرماتما کو دنیا کا خالق نہیں مانتیں یہ اسی ۱۹۳۷ کے بھادر پد کی بات ہے۔ اس باب میں آپ نے پہلے کبھی کچھ نہیں کہا۔ البتہ پرمودرداس منتر اور ڈاکٹر لاج رس نے مجھ سے کاشی میں اس سے متعلق ذکر کیا تھا۔ پرمودرداس سے میں نے کہا تھا۔ کہ آپ میڈم کا مفہوم نہ سمجھے ہونگے۔ میں نے داموردداس سے پچھوایا۔ تو اُنہوں نے کہا۔ مانتی ہیں۔ کیا یہ بیان غلط ہے؟ میری باتیں عجیب و غریب ہیں۔ باتیں تو آپ کی عجیب و غریب ہیں۔ میں آپ کو بہن کے مانند سمجھتا ہوں۔ اور کوئی خاص امر مانع نہ ہوا۔ تو آئندہ بھی ایسا ہی سمجھونگا۔ میرا اور تمام نیز آریہ سماجیوں کا ہمیشہ سے یہی خیال ہے کہ آریہ ورت۔ انگلستان اور امریکہ کے تمام آدمی آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دوست ہیں اور مساوی ہیں۔ مگر ہم یہ دھرم کے حسن سلوک کے ساتھ مانتے ہیں۔ جھوٹ اور ادھرم کے ساتھ نہیں مانتے؟

یہاں انگریز آریوں سے خواہ کیسا ہی سلوک کریں۔ مگر میں تو تمام انسانوں کے ساتھ نیک دل سے برتاؤ کرتا رہا ہوں اور اب بھی کرتا ہوں۔ اُن لوگوں کا یہ خیال کہ "ہم کوئی وجہ نہیں دیکھتے۔ کہ سوامی جی کے علاوہ دیگر آریہ سماجیوں سے ہم کیوں برادرانہ سلوک کریں"۔ اُس وقت تک ہے۔ جب تک وہ آریوں کے قدیم سوانحات۔ چلن۔ عظمت اور علم و شجاعت وغیرہ اعلےٰ خوبیوں سے واقف نہیں۔ اور ویدوں کے اصلی معانی کی طرف سے تاریکی میں ہیں۔ جب اُن کو اِن امور سے آگاہی ہو جائیگی۔ تو اُن کا وہم مٹ جائیگا۔ تاہم میں پرماتما کا شکر گزار ہوں کہ ہم نے آپس کی کشیدگی، اور مخالفت اور دشمنی سے نیز جینیوں اور مسلمانوں کے دستبرد سے کسی حد تک آزادی اور رہائی حاصل کر لی ہے۔ تمام اصحاب اپنے خیال کے مطابق کتابیں تصنیف کرتے ہیں اور آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر ملکہ معظمہ۔ پارلیمنٹ اور ہندوستان میں حکومت کے نمائندے نیک دل، قابل اور سمجھدار نہ ہوتے۔ تو کیا میں اس طرح آزادی سے لیکچر دے سکتا۔ لہٰذا میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں +

آپ کو بخوبی یاد ہوگا۔ کاشی کے مراسلہ کے جواب میں آپ نے مجھے تحریر کیا تھا۔ کہ آپ ویدوں کو چھوڑ دیں۔ تب بھی ہم نہ چھوڑینگے۔ آپ کا یہ خیال بڑا

مبارک اور قابل تعریف ہے۔ اگر تمام یورو پین اس امر میں متفق ہو جائیں۔ تو کیا بات ہے؟ اور اگر وہ اس اصول کو نہ بھی مانیں۔ تو ہم آریہ سماجیوں کو کیا ضرر پہنچ سکتا ہے۔ ہمارے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ہم تو ویدوں کو ابتدائے دنیا سے مانتے چلے آئے ہیں۔ کیا ہوا۔ جو کچھ عرصہ سے ناواقفیت کے باعث کچھ آریہ وید کے خلاف چلنے لگ گئے ہیں ۔

ایسی حالت میں جس کا دل چاہے سماج میں شامل ہو۔ اگر کوئی نہیں شامل ہوتا۔ تو ہمارا کیا نقصان ہے۔ نقصان اُس کا اپنا ہے۔ ہم تو سب کی ترقی میں اپنی ترقی سمجھتے ہیں اور یہی ہماری آرزو ہے ۔

یہ بات ہر شخص کہہ سکتا ہے کہ فلاں آدمی کی نسبت میں فراخ دل ہوں۔ اُس کا زاویہ نگاہ تنگ ہے۔ فلاں آدمی پرماتما کو دنیا کا خالق مالک مانتا ہے۔ ہم اُس سے کیوں محبت کریں۔ مگر ان باتوں سے آپ کے خیال کی تردید ہو جاتی ہے کہ ہم سب کو اپنا دوست سمجھتے ہیں۔ ذرا سوچ کر دیکھئے۔ کہ نقصان کے اسباب کن کی طرف ہیں۔ ہمارا تو یہ اصول ہے کہ کسی کو نقصان نہ پہنچانا چاہیئے۔ سب کو فائدہ پہنچایا جائے۔ یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ کہ اگر تھیاسوفی والے آریہ سماج کی مخالفت کرینگے۔ تو ہمیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکینگے۔ مگر اپنے برادرانہ سلوک

کو چھوڑ بیٹھنا اپنا نقصان کرنا ہوگا۔ ہمارا مشن اب بھی یہی ہے کہ جو نیک آدمی ہیں اُن سے دوستی کا سلوک کیا جائے۔ جو بُرے ہیں اُن کو نیک بنایا جائے۔ اب آپ اپنے خیالات اور برتاؤ کو مبنی بر انصاف ثابت کیجئے۔ الکاٹ صاحب کو میری طرف سے نمستے کہدیجئے گا۔

ماگھ بدی ۶ سمبت ۱۹۳۷ دیانند سرسوتی

متذکرہ بالا دونو خطوں کو نقل کرتے ہوئے زبان کی نسبت مفہوم پر زیادہ دھیان دیا گیا ہے۔

میرٹھ آریہ سماج کے جلسہ کے موقع پر آخری اُپدیش دیتے ہوئے سوامی جی نے کہا۔ مجھے لوگ کہتے ہیں کہ جو کوئی آتا ہے آپ اُسے ہی ممبر بنا لیتے ہیں۔ میرا جواب صاف ہے۔ میں وید کو سب سے اوپر درجہ دیتا ہوں۔ میرے خیال میں وید ہی ایک ایسی کتاب ہے جس کے جھنڈے تلے تمام آریہ جمع ہو سکتے ہیں۔ اس لئے جو آدمی کہدے میں وید کو مانتا ہوں۔ اور آریہ ہوں۔ اُسے آریہ سماج میں ضرور داخل کر لو۔ ایسے آدمی کو جواب نہیں دیا جا سکتا۔ لوگ تفریق کی باتوں پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ مگر آپ لوگ اس کی بجائے میل ملاپ کی باتوں پر زیادہ دھیان دیں۔ معمولی فرق اور مخالفت کی باتوں کو بھول کر میل جول کی باتوں میں اتفاق پیدا کرو۔ ایسے اتفاق سے مخالفت کی باتیں خود بخود مٹ جاتی

ہیں ۔

اب آپ کو اپنا فرض خود سرانجام دینا چاہیئے۔ اپنی زندگی کو اونچا اُٹھاؤ۔ اور اپنی ضروریات کو خود پورا کرو۔ اس وقت یہ حالت ہے کہ جب کوئی مخالف آجاتا ہے تو آپ مجھے بُلانے کے لئے تار پر تار دینا شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی شک پیدا ہوتا ہے۔ تو میرے پاس آتے ہو۔ اُپدیش کراتا ہو۔ تو میری طرف دیکھتے ہو۔ جب کبھی باہمی مخاصمت پیدا ہوتی ہے۔ کشیدگی بڑھ جاتی ہے۔ ان بن زیادہ ہونے لگتی ہے۔ دشمنی کے آثار نظر آتے ہیں۔ تو اُسے مٹانے کی کوشش مجھے ہی کرنا پڑتی ہے میں ہی آکر اُس رنجش کو رفع کرتا ہوں۔ آپ کے ضمیر میں تباہی اور تفرقہ نہیں پڑنے دیتا۔ اور آپ کی محبت کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں دیتا۔ مگر مہاشیو! میں ہمیشہ آپ کے ساتھ نہ رہونگا۔ قدرت کے اٹل قانون کے ماتحت میری زندگی بھی ختم ہونے والی ہے۔ موت اپنے وسیع پیٹ میں سب کو ہضم کر لیتی ہے۔ آخر اس جسم کے کچے گھڑے کو اُس کے ہاتھوں ٹوٹنا ہے ۔

سوچو! اگر اپنے پاؤں پر خود کھڑا ہونا نہ سیکھو گے تو میری آنکھ بند ہونے کے بعد کیا کروگے۔ ابھی سے اپنے آپ کو سنبھالنا شروع کر لو۔ اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی کوشش کرو۔ اپنی ضروریات کو خود پورا

کرنے کے قابل ہو۔کسی دوسرے پر اعتقاد نہ رکھو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میں ایسے بےشمار آدمی پیدا ہونگے۔ جو بڑے اعلےٰ پایہ کے کام کرینگے۔اور اپنے مشن کے لئے دل و جان سے کوشش کرینگے۔ آریہ سماج وسیع ہو جائیگا۔ اور کچھ ہی دنوں کے بعد یہ بلغیچے ہرے بھرے پھولے پھلے اور لہلہاتے ہوئے نظر آئینگے ایشور کی مہربانی سے یہ سب کچھ ہوگا۔ مگر میں نہ دیکھ سکونگا ✦

مہاراج کی اس تقریر کا لوگوں پر بڑا اثر ہوا۔سب کے دل اُمڈ آئے۔اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مہاراج کے قول سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ وہ ہونے والے واقعات کو اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں۔ اور اپنے روحانی بیٹوں کو علیٰحدہ ہوتے وقت کا اُپدیش کر رہے ہیں۔گویا اس کشتی کا یہ سمجھدار کھوّیا اب وداع ہوا چاہتا ہے۔ اور کشتی والوں کو سب کچھ سمجھا کر ملاّح کے کام کے طریقے بتا رہا ہے ✦

تیرھواں باب

مہاراج آریہ سماج میرٹھ کے جلسہ کو شاندار کامیابی سے ختم کر کے ڈیرہ دون کو روانہ ہوئے۔ راہ میں سہارنپور کے ریلوے سٹیشن پر کچھ دیر کے لئے ٹھیرے۔ جب وہاں کے آریہ سماجیوں کو یہ اطلاع ملی۔ تو وہ درشنوں کو بھاگے بھاگے آ گئے۔ دوران گفتگو میں لکشمی دت نام کے ایک نجومی نے کہا میں نجوم کے بموجب سوالوں کا جواب دیتا ہوں۔ اور میرے جواب صحیح ہوتے ہیں ؛

سوامی جی نے جواب دیا۔ ایسے جواب نرے اٹکل پچو ہوا کرتے ہیں جیسے ایک کوّا اُڑتا ہوا جب آم کے پیڑ کے نیچے سے نکلا۔ تو اچانک اُس پر اوپر سے ایک آم کا پھل ٹوٹ کر گرا۔ اُس کے صدمہ سے کوّا گر کر مر گیا۔ آم کے گرنے کا خیال نہ کوّے کو تھا۔ نہ آم جانتا تھا۔ کہ یہ کوّا اس طرح مریگا۔ ایسی باتیں حسن اتفاق سے ہو جاتی ہیں۔ آپ کے جواب بھی کبھی اتفاق سے درست ثابت ہو جاتے ہونگے۔ اگر حساب کا کام ہوتا۔ تو حساب میں کبھی غلطی نہیں ہوتی۔ اُس کے قواعد

بندھے ہیں۔ مگر آپ کے جواب تمام درست نہیں ہوتے ٭
ایک آدمی نے پوچھا۔ مہاراج کسی بچے کی پیدائش کے موقع پر جو دس دن تک سوتک مانا جاتا ہے۔ کیا یہ شاستر کے بموجب ہے؟ جواب دیا۔ منوسمرتی کے مطابق تو نوزائیدہ بچے کی ماں ہی کو ایک رات کا سوتک ہوتا ہے۔ باپ کو بھی نہیں۔ یہ سوتک یوں ہی جھمیلا ہے۔ اس کے باعث لوگ ہون۔ سندھیا وغیرہ بھی بھول بیٹھے ہیں۔ بُرائیوں کو چھوڑتے نہیں۔ نیکیاں چھوڑتے جاتے ہیں۔ ایسی بُری رسمیں کس کام کی جن کے باعث بھلے کام چھوٹتے ہوں۔ بُرے گلے پڑتے ہوں ٭

شری بھولا ناتھ جی نے سنجیدگی سے کہا۔ جین مت والوں نے اخبارات میں اشتہار شائع کئے ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو قید کرانا چاہتے ہیں۔ اس مطلب کے اشتہارات سہارنپور میں بھی جگہ بجگہ چسپاں ہوئے ہیں۔ یہ سُن کر مہاراج کے صاف، پاکیزہ خوبصورت اور کھلے ہوئے مُنہ کا رنگ ذرا بھی متغیر نہ ہوا۔ بلکہ انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔ بھئی! سونا آگ میں پڑ کر کندن ہو جاتا ہے۔ مخالفت کی آنچ سے سچائی کی چمک چہار گنا زیادہ ہو جاتی ہے۔ دیانند کو تو اگر کوئی توپ کے مُنہ کے آگے رکھ کر بھی پوچھیگا۔ کہ سچائی کیا ہے۔ تب بھی اُس کے منہ سے وید کے منتر ہی

اب تو میں نے جینیوں کے اور بھی کئی گرنتھ دیکھ لئے ہیں۔ وہ میرے سوالوں کے جواب ہرگز ہرگز نہ دے سکینگے ٭

اس طرح اپنے امرت کے سے الفاظ سے اپنے سیوکوں کے مردہ دلوں کو زندگی دیکر مہاراج ڈیرہ دون کی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ جب گاڑی روانہ ہو گئی۔ تو پریمی آریہ سماجیوں نے نمستے کی اور اپنے شہر کو چلے گئے ٭

سوامی جی ۷۔ اکتوبر ۱۸۸۰ء کو ڈیرہ دون پہنچے۔ اور لالہ بلدیو سنگھ کی کوٹھی میں قیام کیا۔ اُن کی تشریف آوری اور لیکچروں کے اشتہارات چسپاں ہو گئے۔ لوگ جوق جوق آتے تھے۔ سوال کرنے والے آ کر سوال کرتے اور مطمئن ہو کر لوٹ جاتے۔ کئی سناتن دھرمی پنڈت اور پادری مباحثہ کی باتیں تو بہت بناتے تھے مگر سامنے آکر مباحثہ کرنے کی ہمت کسی میں نہ تھی ٭

ایک دن مہاراج بیٹھے شنکوک کا جواب دے رہے تھے۔ کہ ایک مولوی کچھ پوچھنے کو آگے بڑھا۔ مگر جب بولنے لگا۔ تو زبان لڑکھڑا گئی ٭

لوگوں کے اصرار کرنے پر مہاراج ایک دن ہوا گھر دیکھنے گئے۔ اس کا منیجر ایک یوروپین سوامی جی کو ہر ایک چیز بڑی عزت سے دکھاتا تھا۔ جگہ جگہ پر سوامی جی بتلاتے جاتے تھے۔ کہ ان اشیاء کا ذکر ہماری کتابوں میں آیا ہے ٭

مہاراج لیکچر کے شروع میں پدم آسن مار کر اور آنکھیں بند کر کے پرارتھنا کرتے۔ پہلے اوم کا نعرہ گونجتا یہ گونج میٹھی اور دل کو موہنے والی ہوتی تھی۔ اسے سُن کر دل بے خود ہو جاتا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ گویا کوئی راگی سُریلی بنسری بجا رہا ہے۔ ایسی رسیلی آواز کسی نے کبھی نہ سُنی تھی۔ یہ اوم بڑی لمبی آواز میں کہتے تھے۔ اُن کے لب بند ہو جانے کے باوجود بڑی دیر تک یہ آواز ہوا میں گونجتی رہتی تھی۔ اوم کے بعد سوامی جی منتر گا کر پڑھتے تھے۔ اس کے بعد آنکھیں کھول کر ایک دفعہ ساری سبھا پر آنکھوں سے بجلی پھینکتے۔ اُس وقت بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ہم پر کسی غیبی طاقت کا اثر ہو رہا ہے۔ اور ہماری طبیعت سوامی جی کی طرف خود بخود کھنچی جاتی ہے۔ سوامی جی کی آنکھوں میں در اصل زبردست روحانی طاقت تھی۔ جب وہ آنکھیں چاروں طرف پھراتے۔ تو لوگوں کے دلوں کے تاروں سے جھنکار کی آواز پیدا ہوتی ؛

بحث مباحثہ کے مضمون میں پہلے آپ دوسرے کا خیال ظاہر فرماتے۔ پھر اُس کے حق میں دلیلوں کی جھڑی لگا دیتے۔ اُس وقت سبھی کو یہ معلوم ہوتا تھا۔ کہ ان دلیلوں کا جواب دیتے وقت سوامی جی بے بس ہو جائینگے اور ان سے جواب نہ دیا جائیگا۔ مگر جب وہ ان کا

جواب دینے لگتے۔ تو لوگوں کی حیرت کا ٹھکانا نہ رہتا۔ سارے شکوک سلسلہ وار رفع ہو جاتے۔ اُس وقت بال کی کھال نکالنے والے منطقی بھی مہاراج جی کے غیر معمولی دماغ کا کرشمہ دیکھ کر سناٹے میں آ جاتے +

سوامی جی کا ایشور کے مضمون پر ایک لیکچر اہل ڈیرہ دون کے لئے امول موتی بن گیا۔ اُنہوں نے ایشور بھگتی کا بیان ایسے طریقے سے کیا۔ کہ لوگوں کے دل پریم کے رس سے بھرپور ہو گئے۔ جسم کے بال کھڑے ہو گئے۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کی دھار بہنے لگی۔ اُنہوں نے اُس تقریر میں یہ بھی کہا۔ کہ سندھیا ضرور کرو۔ یہ پرماتما کا ست سنگ ہے۔ اُپاسنا کے وقت اُپاسک اپنے دیو کے بہت ہی قریب پہنچ جاتا ہے۔ اور پرماتما کی خوبیاں اُس کے اندر آ جاتی ہیں +

مہاراج کے لیکچر دو دو گھنٹے تک ہوتے رہتے تھے۔ وہ اُس وقت اپنے پاس گھڑی نہ رکھا کرتے تھے۔ مگر عین وقت پر لیکچر بند کر دیتے تھے +

کئی اصحاب نے سوامی جی کا فوٹو لینے کی کوشش کی۔ اوّل اوّل تو وہ رضامند نہ ہوئے۔ کہتے ہیں نے آج تک کسی کو اپنی تصویر نہیں اُتارنے دی۔ مگر لوگوں کے اصرار پر اُنہوں نے تصویر اُتروانا منظور کر لیا چنانچہ کنور بلبیر سنگھ نام کے ایک معزّز آدمی نے اُن کا

فوٹو لیا۔ سر پر صافہ اور گلے میں دوپٹے والا فوٹو ڈیرہ دون ہی میں لیا گیا تھا ۔

اہل ڈیرہ دون کو راہ راست دکھلانے کے بعد سوامی جی ۲۱ نومبر ۱۸۸۰ء کو میرٹھ آ گئے۔ اُن دنوں ویدک پریس کے مینیجر مہاشہ بختاور سنگھ جی کے بارے میں کچھ شکایات سُنی جاتی تھیں۔ سوامی جی اس کام میں کچھ دیر محو رہے۔ پھر پریس کا کام پنڈت بھیم سین کے سپرد ہو گیا۔ اور خود ۲۵ نومبر کو آگرہ تشریف لے گئے۔ یہاں آپ نے لالہ گردھاری لال کے مکان پر قیام کیا ۔

شریان لکشمن پرساد جی سوامی جی کے بڑے بھگت تھے۔ آپ ہی آگرہ بھر میں اُن کے کام کے محافظ تھے۔ اُنہوں نے اپنے یار دوستوں کی امداد سے سوامی جی کے لیکچروں کا انتظام سفید عام سکول کے مکان میں کیا۔ یہ جگہ پیپل منڈی میں تھی۔ وہاں ۲۸ دسمبر سے ۲۲ جنوری تک ہر روز شام کو لیکچر ہوتے رہے۔ ان لیکچروں میں ایسی دلکشی تھی۔ کہ لوگ تین تین چار چار کوس سے چل کر سُننے کو آتے تھے۔ اُن کی دلیلیں سُن کر لوگوں کی طبیعت لوٹ پوٹ ہو جاتی تھی ۔

اُن کے منطق کے سامنے کوئی ٹھیر نہ سکتا تھا۔ ایک بنگالی ڈاکٹر آگرہ میں رہتا تھا۔ وہ خدا سے منکر تھا۔ اُس کی دلیلیں بڑی زبردست مانی جاتی تھیں۔ اُس نے

اپنے علم کا سکہ لوگوں کے دلوں پر جما رکھا تھا۔ وہ ایک دن ہجوم ساتھ لیکر سوامی جی کے لیکچر میں آیا۔ لیکچر کے بعد رفع شکوک کے لئے وقت دیا جاتا تھا۔ اُس دن سب سے پہلے وہ بنگالی ڈاکٹر کھڑا ہوا۔ لوگوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ آج سوامی جی کو ایک سخت پتھر سے ٹکرانا پڑا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو جیتنا ٹیڑھی کھیر ہے۔ مگر تھوڑی ہی دیر میں لوگوں کی حیرت حد سے بڑھ گئی۔ اُنہوں نے دیکھا۔ کہ بنگالی ڈاکٹر دو تین مرتبہ بول کر منہ سے جھاگ چھوڑتا ہوا ہار کر بیٹھ گیا۔ اُس دن اہل آگرہ کے دلوں پر سوامی جی نے اپنی منطق کی مہر لگا دی۔ تمام لوگ واہ وا کرتے ہوئے واپس لوٹے ؛

سوامی جی کے لیکچروں کے اثر سے ۲۵ دسمبر کو آریہ سماج قائم ہو گیا۔ یہاں آپ نے ٹھاکر شیام لال سنگھ کے تین بیٹوں کو اپنے مبارک ہاتھوں سے یگیوپویت پہنایا ؛

ایک دن مہاراج نے آگرہ کے بشپ صاحب سے مل کر کہا۔ آؤ پہلے ہم سب آپس میں مل کر ایک دھرم قائم کریں۔ اور پھر خدا سے منکروں کے مذہب کو اکھاڑ ڈالینگے۔ بشپ صاحب نے اس اتحاد کے رستے میں کئی مشکلات دکھائیں۔ جواب میں سوامی جی نے کہا۔

کہ اگر سب لوگ وید کو مان لیں۔ تو کوئی بھی دقت نہ رہے۔ بات چیت کے بعد مہاراج اُن کا بڑا گرجہ دیکھنے گئے۔ جب اندر گھسنے لگے۔ تو ایک عیسائی نے کہا جناب! سر پر سے پگڑی اُتار کر اندر داخل ہو جیئے۔ سوامی جی آگے نہیں بڑھے اور بولے۔ ہمارے ملک میں سر پر پگڑی پہن کر کسی جگہ جانا عزت و توقیر کی علامت ہے۔ ہم اپنے تمدن کے خلاف نہ چلینگے۔ ہاں اگر آپ کہیں۔ تو ہم جوتا اُتار سکتے ہیں۔ اُس نے کہا۔ دونو کو اُتارنا چاہیئے۔ تب سوامی جی باہر ہی سے تصویریں دیکھ کر واپس آ گئے +

ایک دن سوامی جی گئو رکھشا پر لیکچر دیتے ہوئے بتا رہے تھے۔ کہ گئو کشی سے کیسے کیسے نقصان ہوتے ہیں۔ پاس ہی بیٹھا ہوا ایک براہمن بے طرح بگڑ رہا تھا۔ لوگوں نے اُسے چُپ کرایا اور پوچھا۔ دیوتا! کپڑوں سے باہر کیوں ہوئے جاتے ہو۔ اُس نے کہا۔ انہوں نے گئو ہتیا سے ہونے والے نقصانات کا بیان کرتے ہوئے گئو کشی کا لفظ کیوں منہ سے نکالا ہے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ اس لئے کہ گئو کشی سے جو جو نقصان ملک کو پہنچتے ہیں۔ اُن سے لوگ واقف ہو جائیں۔ اور وہ گئو رکھشا کرنے پر تیار ہو جائیں +

اس جواب سے براہمن اور بھی بگڑ گیا۔ اور وہ سوامی جی کو گالیاں دیتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ سوامی جی

نے کہا۔ ہمارے اہل وطن اپنے فائدہ اور نقصان سے کس قدر ناواقف ہیں۔ یہ نام سے اس قدر گھبراتے ہیں۔ کہ آگ بھبھوکا ہو جاتے ہیں۔ مگر اُس کے خلاف کام کرنے کو تیار نہیں ہوتے جس ملک میں ایسے عقل سے خالی آدمی رہتے ہوں۔ وہاں زندگی کی جگہ کہاں ہے؟

ایک دن مہاراج ایک بھیڑئے کی ماند میں پلے ہوئے ایک آدمی کو دیکھنے گئے۔ اُسے بچپن ہی میں ایک بھیڑیا اُٹھا کر لے گیا تھا۔ پھر وہ کسی طرح عیسائیوں کے ہاتھ لگ گیا۔ جس وقت مہاراج اُسے دیکھنے گئے۔ اُس وقت وہ شخص ایک کرتا پہنے تھا۔ اور معمولی انسانی اطوار بھی سیکھ چکا تھا۔ سوامی جی کو دیکھ کر اُس نے دست بستہ ہو کر پیسہ مانگا۔ اس پر سوامی جی نے کہا۔ اتنی دیر حیوانوں میں رہ کر بھی پیسہ کی محبت نہ گئی۔ مہاراج کے اشارہ سے اُن کے ایک ساتھی نے اُسے کچھ پیسے دیئے +

پنڈت کالیداس جی سینٹ جونس کالج میں سنسکرت کے ہیڈ پروفیسر تھے۔ وہ کسی زمانہ میں چھ سات مہینے شری ورجانند سے بھی پڑھتے رہے تھے۔ آگرہ کے بہت سے پنڈت اور عقیدت کیش سیٹھ اُن کے پاس جا کر کہنے لگے۔ سوامی دیانند نے تمام اہل شہر کا

یقین ہلا دیا ہے۔ مورتی پوجا سے لوگوں کا اعتقاد اُٹھتا جاتا ہے۔ آپ اُن کو قائل کیجئے۔ تاکہ اُن کے خیالات کی اشاعت کی روک تھام ہو سکے +

پنڈت کالیداس نے جواب دیا۔ سوامی جی سے مباحثہ کرنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ جب میں ورجانند کے پاس پڑھا کرتا تھا۔ اُن دنوں یہ صاحب بھی وہیں پڑھا کرتے تھے۔ گورو جی کے سامنے بعض اوقات ایسے ایسے سوال رکھا کرتے تھے۔ کہ اُن کو بھی کہنا پڑتا تھا۔ اس کا جواب ہم کل دینگے۔ بھئی ایسے قابل آدمی کی مخالفت کرنا اپنے آپ کو آگ میں گرانے کے برابر ہے۔ حقیر پروانہ چراغ کا کیا بگاڑ سکتا ہے ؟

مگر تاہم وہ ایک دن سوامی جی کے پاس گئے۔ اور اثنائے گفتگو میں اُن سے کہنے لگے۔ بھگون! سندھیا تو تین وقت کرنا لکھا ہے۔ آپ دو وقت کیوں بتاتے ہیں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ شاستر میں دو وقت کی ہدایت ہے۔ تین وقت کا خیال آریوں کا نہیں ہے +

سوامی جی مشکل مسائل کو سمادھی میں حل کیا کرتے تھے۔ اُن کو یقین تھا۔ کہ سمادھی کی حالت میں انسان میں پرماتما کا نور سیدھا پرتو فگن ہوتا ہے +

اُس زمانہ میں برمھانند جی آگرہ کالج میں تعلیم حاصل

کرتے تھے۔ وہ ایک دن سوامی جی سے ملنے گئے۔
اُس وقت وہاں سوامی جی تو نہ تھے۔ البتہ بھیم سین اور
جوالادت بیٹھے آتما پرماتما کی باتیں کر رہے تھے۔
برمھانند نے پوچھا۔ آپ کوئی ایسا آدمی بھی جانتے ہیں۔
جسے آتما کا گیان (روح کا علم) ہو؟ جواب میں جوالادت
نے کہا۔ اس وقت سب سے بڑے آتم گیانی ہمارے
سوامی جی ہیں۔ ہم نے اُنہیں کئی دفعہ دھیان میں اچل
دیکھا ہے۔ اُن کو یوگ میں درجۂ کمال حاصل ہے۔
ہمیں وید بھاشیہ لکھاتے وقت کئی دفعہ جب کوئی مشکل
آن پڑتی ہے۔ تو اُٹھ کر چلے جاتے ہیں۔ اور سمادھی
لگا لیتے ہیں۔ پھر واپس آکر پہلی عبارت میں سے کئی
کئی سطریں کٹوا دیتے ہیں۔ اور نئے معانی لکھاتے ہیں۔
اُن کا ضمیر اس قدر صاف اور منوّر ہے۔ کہ ساتویں
کوٹھڑی میں کئے گئے فعل کا بھی اُنہیں علم ہو جاتا ہے۔
وہ ہمیں اُپدیش کیا کرتے ہیں۔ کہ جب آدمی کے دل
کی گرہیں کھل جاتی ہیں تو اُسے آتم گیان حاصل ہو جاتا
ہے۔ تلوں میں تیل کے مانند پرماتما آتما میں موجود
ہیں۔ اس لئے اُن کا بھی اُسی وقت احساس ہو جاتا ہے۔

اہل آگرہ کے دلوں کو اُپدیش امرت سے سینچ کر مہاراج
ہندوستان کے راجوں مہاراجوں کی اصلاح کرنے کے لئے
راجستھان کو روانہ ہوئے۔

راجستھان کانڈ

پہلا باب

پھالگن سُدی دسویں سمبت ۱۹۳۸ کو مہاراج بھرتپور پہنچے۔ اور ریلوے سٹیشن کے قریب ایک معزّز آدمی کے باغ میں قیام فرمایا۔ وہاں دس دن تک لیکچر دئے۔ اور پھر وہاں سے جے پور کو تشریف لے گئے۔ یہاں آپ بدن پورا میں اچرولی کے ٹھاکروں کے باغ میں ٹھیرے۔ اُن کے ست سنگ سے جے پور کے لوگوں نے بہت فائدہ اُٹھایا۔ یہاں سے چل کر اجمیر گئے۔ اور سیٹھ فتح مل جی کے باغ میں ڈیرہ کیا۔ اشتہارات سے لوگوں کو اطلاع دے کر لیکچر شروع کئے گئے۔ لوگ آتے

تھے اور محو ہو کر سُنتے تھے۔ یہ لیکچر رات کے سات بجے سے نو بجے تک ہوتے تھے۔ حاضرین درمیان میں اُٹھنے کا نام تک نہ لیتے تھے۔ تمام نر لوگ خاموش، بے حس و حرکت ہو کر اپنی للچاتی ہوئی آنکھوں سے مہاراج کی دلفریب شکل کو دیکھا کرتے تھے۔ کسی طرف سے کوئی آواز نہ آتی تھی۔ لوگ سُن سُن کر سیر نہ ہوتے تھے۔ یہی چاہتے تھے۔ کہ وہ سُنتے جائیں اور لیکچر کبھی ختم نہ ہو۔ اُپدیش کے خاتمہ پر تمام لوگ سوامی جی کی تعریف کرتے ہوئے گھروں کو جاتے تھے۔ سوامی جی کے اُپدیشوں میں ناقابل بیان رس ہوتا تھا۔ جو ایک دن سُن لیتا۔ اُسے ایسا لطف آتا۔ کہ دوسرے دن سب سے پہلے پہنچنے کی کوشش کرتا۔ شری ہیرالال جی ساکن نصیر آباد کو سوامی جی نے دست خاص سے یگیوپویت دیا۔ اور دھرم کرم کا اُپدیش بھی کیا۔

چند ایک خود غرض پنڈت سوامی جی سے مباحثہ کرنے کی گپیں تو ہانکتے تھے۔ مگر انہیں وہ دل نہ ملا تھا۔ انہیں وہ دماغ حاصل نہ تھا۔ وہ روح اُن کے جسم میں نہ تھی۔ کہ انہیں سوامی جی کے سامنے جانے کا حوصلہ ہوتا۔

اِن دنوں پنڈت لیکھرام جی کے دل میں سوامی جی کے درشن کے خیال نے زور مارا۔ اُنھوں نے اپنا

تمام کام کاج چھوڑ دیا۔ اور اجمیر چلے گئے۔ ۱۷ مئی ۱۸۸۱ء کی صبح کو سوامی جی کے حضور میں حاضر ہوئے۔ اور ادب سے جھک کر اُن کے قدموں میں نمستے کہی۔ اُن کی محبت کے رس میں سموئی ہوئی آنکھوں کو۔ خوبصورت چہرے کو، شاندار چوڑی پیشانی کو اور گرے ہوؤں کو اُٹھانے والی مقدس شکل و صورت کو دیکھ کر موہیال خاندان کے بیر سپوت کو بیحد خوشی حاصل ہوئی۔ اُنھیں رستے کی تکان آن واحد میں بھول گئی۔ اور وہ پیاسی آنکھوں سے سوامی جی کے حسین چہرے کو تاکنے لگے۔

پنڈت جی نے ہاتھ باندھ کر پوچھا۔ مہاراج آکاش (ایتھر) اور پرماتما دونو ہر جگہ موجود ہیں۔ یہ دونو ایک جگہ میں ایک ہی وقت میں کیونکر رہتے ہیں؟

سوامی جی نے پاس پڑا ہوا ایک پتھر اُٹھا لیا اور پوچھا۔ اس میں آگ ہے یا نہیں۔ پنڈت جی نے جواب دیا۔ ہے۔ پھر سوامی جی نے باری باری سے اُسی پتھر میں ہوا۔ پانی۔ مٹی کے ہونے کا سوال کیا اور پنڈت جی نے اثبات میں جواب دیا۔ تب سوامی جی نے کہا۔ آپ نے سمجھ لیا۔ کہ ایک پتھر میں سب چیزیں موجود ہیں۔ اصول یہ ہے کہ جو چیز جس سے لطیف ہوتی ہے۔ وہ اُس میں رہ سکتی ہے۔

پرماتما سب سے لطیف ہے۔ وہ سب چیزوں کے اندر بسا ہوا ہے ٭

بھگوان نے تاڑ لیا۔ کہ اِس بھگت کے دِل کی زمین زرخیز ہے۔ اُس میں دھرم کے پیڑ کا بیج بونے کے خیال سے اُنہوں نے کہا۔ آپ اپنے تمام شکوک رفع کر لیجئے۔ پنڈت جی نے اُس وقت دس سوال پوچھے۔ جن میں سے صرف یہ یاد رہے۔ باقی بھول گئے ٭

سوال۔ جیو اور برہم کے علیحدہ علیحدہ ہونے کا کوئی ثبوت دیجئے؟

جواب۔ یجروید کا چالیسواں ادھیائے جیو اور برہم کے علیحدہ ہونے کا ثبوت ہے ٭

سوال۔ مسلمان اور عیسائی مذہب کے آدمیوں کو شدھ کرنا چاہیئے یا نہیں؟

جواب۔ ضرور کرنا چاہیئے ٭

سوال۔ بجلی کیا شے ہے۔ اور کس طرح پیدا ہوتی ہے؟

جواب۔ بجلی ہر جگہ ہے۔ رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔ بادلوں کی بجلی بھی ہوا اور بادلوں کی رگڑ سے ظہور پذیر ہوتی ہے ٭

مہاراج نے پنڈت جی سے کہا۔ جب تک آپ کی عمر پچیس برس کی نہ ہو۔ تب تک بیاہ نہ کرانا۔ دھرم بیر

جب اپنے پرم دھیر اور کرم بیر گورو سے وداع ہونے لگے۔ تو اُن سے بولے۔ گورو دیو! کوئی اپنی نشانی عنایت کیجئے۔ مہاراج نے اپنے بھگت کو بڑے پیار سے اشٹادھیائی کی ایک جلد دی۔ اس کے بعد ہونہار آریہ مسافر اُن سے رخصت ہو کر اپنے صوبہ کو لوٹ آئے ؁

ایک دن مغربی سائنس کا ایک زبردست عالم سوامی جی کے پاس آیا۔ وہ یوگ کی سدھیوں کو وہم سے زیادہ درجہ نہ دیتا تھا۔ اُس نے یوگ و بھوتیوں کے متعلق پوچھا کیا آپ انہیں مانتے ہیں۔ سوامی جی نے یوگ سدھیاں ثابت کر کے جواب دیا۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ میرا اتنا کام بغیر یوگ کے ہو رہا ہے۔ اسی بات سے اُس کا پتھر دل موم ہو گیا۔ اور اُسے آریہ سماج سے محبت ہو گئی ؁

راؤ بہادر سنگھ جی والیٔ ریاست مسودا کو جب اطلاع ملی۔ کہ سوامی جی اجمیر میں تشریف فرما ہیں۔ تو اُنہوں نے ایک معزز آدمی کو خط دے کر سوامی جی کی خدمت میں بھیجا۔ اور ریاست مسودا میں تشریف لانے کی درخواست کی۔ پس مہاراج اساڑھ بدی دوادشی سمبت ۱۹۳۸ کو مسودا تشریف لے گئے اور رام باغ میں قیام کیا۔ دوسرے دن سے اُن کے لیکچر دھرم۔ پالیٹکس اور مسئلہ تناسخ پر ہونے شروع ہو گئے ؁

پادری شول برڈ ایک دیسی پادری کے ساتھ سوامی جی

سے ملنے آئے۔ اُس وقت راؤ صاحب سوامی جی کے پاس ہی بیٹھے تھے۔ اُنھوں نے ایک نوکر سے کہا۔ پادری صاحب کے لئے کُرسی لے آؤ۔ جب وہ کُرسی لا کر فرش پر رکھنے لگا۔ تو مہاراج نے کہا۔ فرش اُلٹ لو۔ راؤ صاحب کے سوال پر کہا۔ آپ سب فرش پر بیٹھے ہیں اگر کرسی فرش پر رکھی جاے۔ تو پادری صاحب کے جوتے فرش پر ہونگے۔ اور یہ تہذیب کے خلاف ہے کہ جس فرش پر آپ لوگ بیٹھے ہوں۔ اُس پر دوسرا آدمی جوتا پہنے بیٹھ جائے +

سوامی جی نے شول بریڈ سے کئی سوالات کئے۔ مگر وہ کسی کا بھی جواب نہ دے سکے۔ شول بریڈ کے سوال پر سوامی جی نے جواب دیا۔ وید میں اشومیدھ گئومیدھ کا کہیں بھی ذکر نہیں ہے۔ ایک دیسی عیسائی نے کہا۔ سوامی جی! آپ راجوں مہاراجوں ہی کو اُپدیش دیتے ہیں۔ غریبوں کو کیوں نہیں سمجھاتے؟ سوامی جی نے کہا۔ میں ہر جگہ گھومتا ہوں۔ میرے لیکچر بھی عوام ہی میں ہوتے ہیں۔ ان میں معمولی سے معمولی آدمی شریک ہو سکتا ہے۔ اور ویسے اگر دیکھو تو اصول کے مطابق پیاسے ہی کو کنوئیں کے پاس آنا چاہئے۔ کنوئیں کو پیاسے کے پاس نہ جانا چاہئے +

ان ایام میں وہاں جینیوں کا سادھو سدھ کرن

آیا ہوا تھا۔ ایک دن وہ گھومتے ہوئے سوامی جی کو مل گیا۔ اور بڑے اکڑپن سے کہنے لگا۔ آپ کی توند بڑی بڑھ گئی ہے۔ کیا اس میں گیان بھرا ہوا ہے۔ اس پر لوہے کا توا باندھ دیجئے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھٹ جائے آپ کو گیان کی بدہضمی بھی ہو رہی ہے۔ مہاراج نے اس بکواس پر ذرا توجہ نہ دی۔ نہ اُس کے مذاق کا جواب دیا۔ سنجیدگی سے بولے۔ یہ آپ مُنہ پر پٹی کیا باندھتے ہیں۔ اور گرم پانی کیوں پیتے ہیں؟ اس پر دیر تک بات چیت ہوتی رہی ٭

صبح جب سوامی جی سیر کرنے جایا کرتے تھے۔ تو راؤ صاحب دوربین لیکر سوامی جی کو دیکھتے رہتے تھے۔ اُس دن جب اُنہوں نے دیکھا۔ کہ اُن سے کوئی بات چیت کر رہا ہے۔ تو وہ فوراً گھوڑے پر سوار ہو کر وہاں جا پہنچے۔ راؤ صاحب کو دیکھ کر سادھو کھسک گیا۔ اور راؤ صاحب سوامی جی کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے واپس آ گئے ٭

شراون بدی ۲ سمبت ۱۹۳۸ کو سوامی جی نے حسب ذیل سوال سوجاکرن جی کے پاس بھیجے :-

جین مذہب کے اندر آپ "ڈھونڈیک" لوگ منہ پر پٹی باندھنا اچھا سمجھتے ہیں۔ آپ کا یہ خیال وہم ہے۔ جیو اجر اور امر ہے۔ وہ منہ کی ہوا سے نہیں مر سکتا

اگر جانوروں کو تکلیف ہونے سے گناہ کا مرتکب ہونا
سمجھتے ہو۔ تو یہ بھی درست نہیں۔ اُن کو تکلیف پہنچائے
بغیر گزارہ ہی نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ کا یہ خیال ہے
کہ سارا کرۂ ہوائی جیوؤں سے بھرا پڑا ہے۔ منہ پر
پٹی باندھنے سے جتنے بچ سکیں اُتنے ہی غنیمت ہیں۔
تو بھی ٹھیک نہیں۔ جس طرح آگ جلا کر دروازہ بند
کر دینے سے گرمی بڑھتی جاتی ہے۔ اُسی طرح منہ بند
کر لینے سے ہوا زیادہ گرم ہو جاتی ہے۔ اور اُس سے
جیوؤں کو زیادہ تکلیف ہوتی ہے ×

مُنہ کے مانند ناک سے بھی تو ہوا نکلتی رہتی ہے۔
اُس سے بھی جیو مرتے ہونگے۔ تو آپ ناک پر پٹی
کیوں نہیں باندھتے۔ ان دلیلوں سے آپ اہنسک
نہیں ہو سکتے۔ منہ پر پٹی باندھنے سے منہ میں بد بو
پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ بیماریاں ہیں۔ بدبو
پھیلانے والا آدمی دوسروں کی نسبت زیادہ بُرا ہے۔
پھر آپ سادہ پانی پینے سے پرہیز کرتے ہیں اور
گرم کرکے پیتے ہیں۔ یہ بھی آپ کی غلطی ہے۔
آپ کے خیال کے مطابق پانی جیوؤں سے بھرا ہے۔
جب اُسے کھولایا جاتا ہے۔ تو جیووں کو زیادہ تکلیف
ہوتی ہے۔ بلکہ بیچارے زندہ ہی جل جاتے ہونگے۔
ممکن ہے آپ کہ دیں۔ کہ ہم تو گرم نہیں کرتے۔ اس

لئے اُن کو جلانے کا پاپ ہمیں نہیں لگتا۔ مگر آپ کا یہ خیال بھی غلط ہے۔ اگر آپ کو گرم پانی کی نہ ضرورت ہو۔ تو وہ گرم کیوں کیا جائے۔ لہذا اُن کی موت کے ذمہ وار آپ اور صرف آپ ہیں ٭

آپ کے مذہب میں ایسی ہی کئی نامناسب باتیں پائی جاتی ہیں۔ آپ کا خیال ہے کہ پیسہ بھر قند میں لاتعداد جیو ہیں۔ یہ بھی غلط ہے۔ محدود میں لامحدود کیسے سما سکتا ہے؟

اس کا جو جواب سادھو سوجاکرن نے دیا۔ اس کا لب لباب یہ ہے:۔

جب کسی مکان میں آگ لگتی ہے۔ تو اس کے دروازے میں سے جو جیو اندر جاتے ہیں۔ وہ سب مر جاتے ہیں۔ ادھر ادھر سے جانے والے نہیں مرتے۔ اسی طرح منہ پر پٹی باندھنے سے منہ کے راستے زیادہ جیو نہیں مرتے۔ چولھے پر رکھے ہوتے برتن میں سے جب بھاپ نکلتی ہے۔ تو اس پر ہاتھ رکھنے سے ہاتھ جلنے لگ جاتا ہے۔ اگر اس پر کپڑا رکھ دو۔ تو جو ہوا اس میں سے ہوکر گزریگی۔ وہ اتنی گرم نہ ہوگی۔ اسی طرح منہ پر کپڑا رکھنے سے زیادہ جیو نہیں مرتے ٭

اس کا جواب پھر سوامی جی نے دیا کہ:۔

ہوا سب جانداروں کی زندگی کا باعث ہے۔ اس کے بغیر کوئی جیو زندہ نہیں رہ سکتا۔ اس کے بغیر آگ بھی نہیں جل سکتی۔ ہوا نہ ملے۔ تو چراغ بھی بجھ جاتا ہے۔ شعلہ کو اگر باہر نکلنے کو دروازہ کی راہ نہ ملے۔ تو دوسرے رستے سے زبردستی باہر نکل جاتا ہے۔ مگر بجھتا نہیں۔ اسی طرح منہ پر پٹی باندھنے سے مُنہ کی ہوا ناک وغیرہ کی راہ سے زور سے نکل جائیگی اور باہر کے جیووں کو ہلاک کر دیگی۔ بھاپ پر ہاتھ رکھنے سے وہ سرد نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اگر ہاتھ نہ رکھا جائے۔ تو وہ چاروں طرف پھیل کر جلد ٹھنڈی ہو جاتی ہے۔ برتن کے مُنہ پر ہاتھ رکھنے سے اس لئے نہیں جلتا۔ کہ گرم بھاپ سیدھی اوپر کو جاتی ہے۔ اگر سامنے سے اُسے روک دیا جائے تو وہ بزور دوسری راہ سے باہر نکل جائیگی ٭

آپ کا ہوا کے جیوں پر رحم کرنا دنیا کے اصول کے خلاف ہے۔ اگر گرمی سے ٹھنڈی ہوا کے جیو مرجاتے ہیں۔ تو موسم گرما کی خوفناک گرمی سے جب ہوا سخت گرم ہو جاتی ہے۔ تو بھبھوکے کی لُو چلنے لگتی ہے۔ تو اُس وقت سب جیو مرجاتے ہونگے۔ اسی طرح گرم ہوا کے جیووں کا پوس کے جاڑے میں خاتمہ ہو جانا چاہئے ٭

جب سوامی جی کا یہ جواب الجواب لے کر لوگ سادھو سوجاکرن کے پاس گئے۔ تو دو اڈھائی سو آدمیوں کا ہجوم ہو گیا۔ لوگوں نے کہا۔ اب آپ اس کا جواب لکھ دیجئے۔ مگر پہلے ہی بڑی مشکل سے جواب دیا تھا۔ اب کے ہمت نہ ہوئی۔ اُس نے صاف جواب دے دیا۔ کہ میں جواب نہ دونگا ؞

سادھو جی کے دم چھوڑ دینے سے جین لوگوں پر بے حد اثر ہوا۔ اُن کو اپنا مذہب پُر وہم نظر آنے لگا۔ اُدھر سوامی جی اپنے لیکچروں میں جینیوں سے متعلق رائے زنی کرتے رہتے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ایک دن بہت سے جینیوں نے مل کر مہاراج کی خدمت میں عرض کی۔ آپ نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ اب ہمیں جین مذہب دل کی تسلی نہیں دے سکتا۔ مہربانی فرما کر ہمیں یگیوپویت دیجئے۔ اور آریہ سماجی بنا لیجئے۔ اس پر مہاراج نے راؤ صاحب کو یگیہ کی ساگمری کے لئے حکم دیا۔ چنانچہ شراون پورنماسی سمبت ۱۹۳۸ کو راو صاحب کی طرف سے یگیہ کیا گیا۔ پہلے ہون ہوا۔ بعد میں مہاراج نے اپنے دست مبارک سے تینتیس آدمیوں کو یگیوپویت پہنا کر آریہ بنا لیا۔ مسودا کے ان جین لوگوں کے آریہ دھرم اختیار کرنے سے مارواڑ کے دیگر جین لوگوں پر بھی اثر ہوا۔ اور آریوں کے حوصلے بھی بڑھ گئے ؞

بہادر پد کرشن ڈوج کو بھرتپور کے راجپوتوں۔ چھتریوں ویشوں کائیستھوں اور چارن لوگوں نے سوامی جی سے یگیوپویت لئے۔ اُس دن بھی راؤ صاحب ہی نے یگیہ کرایا ؎

کہتے ہیں۔ کہ مارواڑ کی ریاستوں میں جو لوگ مغلوں کے زمانہ میں مسلمان ہو گئے تھے۔ اُن کو وہاں کے ہندو لوگ سوامی جی کے زمانہ تک اپنی لڑکیاں بیاہ دیتے تھے۔ مہاراج نے اپنے ہندوؤں کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔ جان بوجھ کر اپنی پیاری لڑکیوں کو مسلمان ہونے پر مجبور نہ کرو۔ اور اُن پر یہ ظلم نہ کرو۔ مہاراج کے الفاظ لوگوں کے دلوں میں گھر کر گئے۔ چنانچہ اُنہوں نے عہد کیا۔ کہ ہم آئندہ اس گناہ کے مرتکب نہ ہونگے۔ اس طرح سوامی جی نے بیسیوں لڑکیوں کے مذہب کو بچا لیا ؎

اتنے میں ریاست راٹپور سے سوامی جی کے پاس خط آنے لگے۔ اُنہوں نے راؤ صاحب سے رائے مانگی۔ سوامی جی کی روانگی کے خیال سے راؤ صاحب کا دل بھر آیا۔ اُنہوں نے کہا۔ آپ کا یہاں سے چلے جانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہوگا۔ مگر آپ کو روکنا بھی ناممکن ہے۔ میں آپ کے احکام پر عمل پیرا ہونگا۔ اور جہاں تک، ہو سکیگا وید بھاشیہ

میں بھی امداد دیتا رہونگا ٭

مہاراج کی روانگی کے دن راؤ صاحب نے الوداعی جلسہ کا انتظام کیا۔ چنانچہ قلعہ کی ڈیوڑھی کے آگے ایک خوبصورت پنڈال بنایا گیا۔ جس میں ایک بیش قیمت فرش بچھا تھا۔ سوامی جی کی گاڑی اُن کے رہنے کی جگہ سے چل کر سارے شہر میں سے ہوتی ہوئی قلعہ کے سامنے آکر رُکی۔ ساری سبھا نے اُٹھ کر تعظیم کی اور سوامی جی کو ایک اونچے آسن پر بٹھایا گیا۔ اس وقت سوامی جی نے راجہ اور رعایا کے فرائض پر ایک نہایت پُر اثر لیکچر دیا۔ اس کے بعد راؤ صاحب نے اُٹھ کر ایڈریس پڑھا۔ جس میں سوامی جی کے احسانوں کی تعریف کی گئی تھی۔ اس کے بعد راؤ صاحب نے سوامی جی کے گلے میں مالا پہنائی۔ اور پانچ سو روپیہ قدموں میں رکھ کر نسکار کی۔ آشیرباد دیتے ہوئے سوامی جی نے ایک ہار راؤ صاحب کے گلے میں ڈالا۔ اور تب راؤ صاحب اور دیگر اصحاب سے بات چیت کرتے ہوئے سوامی جی گاڑی میں بیٹھ گئے۔ کوئی آدھ کوس تک چار سو آدمی سوامی جی کو رخصت کرنے گئے۔ آخر میں سوامی جی نے گاڑی روک کر اُن کو پھر اُپدیش کیا۔ اور اُنہیں رخصت کر دیا۔ لیکن راؤ صاحب چار کوس تک اُن کے ساتھ ساتھ چلے گئے ٭

مہاراج بہادر پد کرشن نومی سمبت ۱۹۳۸ کو مسودا سے وداع ہوئے اور دوسرے دن رائپور پہنچ گئے۔ یہاں انہوں نے مادھوداس کی باغیچی میں ڈیرہ لگایا۔ اُن کی تشریف آوری کی خبر سُن کر ٹھاکر ہری سنگھ مع اپنے رشتہ داروں کے درشن کرنے آئے اور ایک اشرفی اور پانچ روپے نذر کر کے پاؤں میں سر جُھکایا۔ مہاراج کے کہنے سے سب لوگ بیٹھ گئے۔ خیروعافیت دریافت کرنے کے بعد سوامی جی نے اُنہیں ایک نہایت قابل قدر اُپدیش دیا اور اُس کے ضمن میں ٹھاکر کو سمجھایا۔ کہ پرجا کی خوشی۔ فرائض کی سرانجام دہی۔ لوگوں کی اصلاح۔ شریف اور قابل آدمیوں کی تقرری پر خاص دھیان دینا چاہیئے" سوامی جی کے لیکچروں سے چند ایک معزز مسلمان بہت چراغ پا ہوئے۔ مگر انہوں نے دیکھا کہ سوامی جی کو ضرر پہنچانا اُن کی طاقت سے باہر ہے۔ اس لئے اُنہوں نے ایک قاضی کو سوامی جی کے سامنے لا کھڑا کیا۔ سوال جواب میں سوامی جی نے قرآن زمین پر رکھ دیا۔ اس پر قاضی صاحب بڑے گرم ہوئے اور جھنجھلا کر بولے۔ آپ نے یہ کیا غضب ڈھایا۔ کہ پاؤں کی جگہ قرآن رکھ دیا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ قاضی صاحب! گھبرائیے نہیں۔ ذرا خیال کیجیے۔ کہ یہ کاغذ بنتے کن چیزوں سے ہیں۔ سیاہی

کے تیار ہونے کا طریقہ دیکھئے پھر سوچئے کہ پریس میں چھپے ہوئے کاغذات کی کیا حالت ہوتی ہے۔ اور وہ کہاں کہاں رکھے جاتے ہیں ؟

قاضی صاحب لاجواب ہو کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اپنے آدمیوں کو ساتھ لے کر چلے گئے ؂

شریان روپ سنگھ ساکن پنجاب گھومتے پھرتے سوامی جی کی خدمت میں پہنچے۔ مہاراج کو انکساری سے نمستے کی اور پاؤں چھو کر کہا۔ مہاراج ! آپ نے اہل پنجاب کو تو اپنی مہربانی سے فیض یاب کیا۔ مگر صوبۂ سرحدی کی طرف کیوں نہ تشریف لے گئے۔ جواب دیا۔ آپ صاحبان کی طرف سے ہم بے فکر ہیں۔ اس وقت راجستھان میں پرچار کی بڑی ضرورت ہے ؂

سوامی جی کے اُپدیش اُن کے رہنے کی جگہ پر ہر روز ہوتے تھے۔ اُن میں ٹھاکر صاحب بھی آیا کرتے تھے۔ وہ ایک یگیہ کرانے کا ارادہ بھی کر رہے تھے۔ مگر اُن کی بیوی کے مرجانے کی خبر نے یہ نیک ارادہ عمل میں نہ آنے دیا۔ ایک آدمی نے کہا۔ سوامی جی ! آپ بھی ٹھاکر صاحب سے اظہار افسوس کرنے تشریف لے جایئے۔ اس کے جواب میں سوامی جی نے کہا۔ میں نے دنیا کے تمام تعلقات منقطع کر لئے ہیں۔ کسی کا جینا مرنا میرے لئے یکساں ہے۔ میں نہ کسی کی پیدائش پر مبارک باد

دینے جاتا ہوں۔ نہ کسی کی موت پر افسوس کا اظہار کرتا پھرتا ہوں۔ میرا تعلق صرف اُپدیش اور دھرم سے ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز سے نہیں ٭

اس جگہ سوامی جی نے ویدانگ پرکاش سماس تک لکھ لیا٭

بیس دن رائپور میں اُپدیش کرنے کے بعد جب سوامی جی رخصت ہونے کو تھے۔ اُس دن ٹھاکر صاحب نے اپنے والد اور دیگر رشتہ داروں کو بھیج کر سوامی جی کو عزت سے وداع کیا۔ چنانچہ ۸۔ دسمبر کو سوامی جی بیاور پہنچے۔ اور دوسرے ہی دن لوگ جوق جوق خدمت اقدس میں حاضر ہونے لگے۔ پادری شول بریڈ اور دیگر کئی اصحاب کئی دن تک مباحثہ کرتے رہے۔ اور بھی کئی آدمیوں نے اپنے شکوک رفع کئے۔ سوامی جی نے کئی دن تک لیکچر دیئے ٭

چندو لال جی کے والد کی سوامی جی میں بڑی عقیدت تھی۔ ایک دن اُنہوں نے بیٹے کو پکار کر کہا۔ بیٹا چندو لال! سوامی جی کی خدمت کیا کر۔ ایسے مہاپرشوں کے درشن روز روز نہیں ہوتے۔ باپ کے کہنے کے کہنے کے مطابق چندو لال جی سوامی جی کی خدمت میں جاتے اور سچے دل سے اُن کی خدمت کیا کرتے۔ اُن کے خیالات ویدانت کے سانچے میں ڈھلے تھے۔ اُنہوں نے سوامی جی سے سوال بھی کئے۔ سوامی جی

نے اُن سے کہا۔ تم ابھی نوجوان ہو۔ اصل حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ ہمارا ستیارتھ پرکاش غور سے پڑھو۔ تمہارے شکوک از خود رفع ہو جائینگے۔ کچھ دیر کے بعد چندولال جی نے ستیارتھ پرکاش پڑھا۔ اور اُن کے شکوک رفع ہو گئے ؂

بیاور میں سوامی جی نے بارہ تیرہ یوم تک قیام کیا۔ اور پھر مسودا چلے گئے۔ وہاں پندرہ دن ٹھیرے۔ اس کے بعد بنیڑا کے ٹھاکر صاحب کے اصرار پر آشون شکلا ۱۴ کو چل کر تین مقامات میں ایک ایک رات قیام فرماتے ہوئے بنیڑا پہنچے۔ یہاں تک پہنچانے کے لئے ٹھاکر صاحب مسودا نے ایک ٹانگا۔ ایک رتھ۔ اسباب لادنے کے لئے ایک گاڑی اور حفاظت کو چار سوار ساتھ کئے۔ بنیڑا کے راجہ صاحب نے سوامی جی کا خیر مقدم کیا۔ اور شہر سے باہر جھامرا مندر کے قریب ایک خیمہ نصب کر کے اس میں سوامی جی کے رہنے کا انتظام کیا ؂

راجہ صاحب نے اپنے گورو سے مل کر فیصلہ کیا۔ کہ تین چار دن تک سوامی جی سے کوئی سوال نہ پوچھا جائے۔ ان ایام میں اگر ہمیں یقین ہو جائے۔ کہ اُن کے ساتھ بات چیت کرنے کی ہم میں طاقت ہے۔ تو پھر جو کچھ پوچھنا ہوگا۔ پوچھ لیا جائیگا۔ شام کو جب

مہاراجہ صاحب سوامی جی سے ملنے آئے۔ اُس وقت
سوامی جی ایک کوپین لگائے ہوئے تھے۔ اور شیام رنگ
کے آسن پر بیٹھے تھے۔ اُن کی خوش نصیب چوڑی
پیشانی کی شان کو، اُن کی چمک دار آنکھوں کی بجلی کو،
اُن کے حسین چہرے کی عظمت کو اور اُنکے دیوتاؤں
کے سے جسم کی دلکشی کو دیکھ کر راجہ صاحب کے دل
میں عقیدت کا دریا لہریں مارنے لگا۔ نزدیک آکر انہوں
نے اُن کے پاؤں چھوتے ہوئے کہا۔ بھگوان! یہ
ہماری خوش نصیبی ہے کہ شری مہاراج یہاں تشریف
لائے ہیں۔ آپ کے درشنوں نے لوگوں کو نہال کر دیا ہے
سوامی جی نے مہاراجہ صاحب سے خیر وعافیت پوچھی اور کہا
کوئی سوال پوچھنا ہو تو پوچھئے۔ اُنہوں نے جیو اور پرماتما
کے بارے میں سوال کیا۔ سوامی جی نے کہا۔ جیو پرماتما
سے الگ ہے۔ پھر سوامی جی نے مثال دی۔ کہ جس
طرح آکاش سارے مندر کے آس پاس اور اندر سمایا ہوا
ہے۔ مگر پھر بھی مندر آکاش سے الگ ہے۔ اِسی
طرح پرماتما جیو میں بھرا ہوا ضرور ہے۔ مگر اُس سے
الگ ہے۔ ایک دن راج گورو بھی مہاراجہ صاحب
کے ساتھ آیا۔ مہی دھر کے بھاشیہ پر بات چیت چل پڑی
سوامی جی نے مہی دھر کے بھاشیہ کا ایسا کھنڈن کیا۔
کہ راج گورو کے لب بند ہو گئے۔

مہاراج کے لیکچروں میں ہزاروں آدمی آتے تھے۔
ایک دن اُس مذہب کا کھنڈن کیا۔ جس کے پیرو جسم
پر چکر کا نشان بناتے ہیں۔ اور کہا۔ اگر جسم کا ایک عضو
جلانے سے سورگ ملتا ہے۔ تو بھاڑ میں گر کر جل مرنے
سے تو اُسی وقت مُکتی (نجات) بل جانی چاہیئے۔ سوامی
جی کے لیکچروں سے راجہ صاحب نے بہت فائدہ اُٹھایا۔
اُن کے دو راجکماروں کو بھی خدمت میں بیٹھنے کا موقع
ملا۔ یہاں سے سوامی جی چتوڑ کو روانہ ہوئے۔

۲۷۔ اکتوبر ۱۸۸۱ء کو سوامی جی چتوڑ تشریف لے
گئے۔ اور گھمبیری ندی کے کنارے رنڈیشور مہادیو
کے مندر میں ٹھیرے۔ اُن دنوں وہاں چہل پہل تھی۔
لارڈ رپن وہاں دربار منعقد کرنے کو تھے۔ اس لئے
اودے پور میں جس قدر بھی راجے اور ٹھاکر تھے سب
بڑے کرّ و فر سے وہاں آئے تھے۔ میواڑ کی تمام تر
عظمت اپنے پورے جاہ و جلال میں وہاں موجود تھی۔
شری سجن سنگھ بھی مع اپنے عیال و اطفال اور عملہ
کے وہیں موجود تھے۔

سوامی جی کا ست سنگ شام کو لگتا تھا۔ اس میں
تقریباً تمام راجے شامل ہوتے تھے۔ اور حاضری بھی
بہت زیادہ ہوتی تھی۔ کویراج شیام داس جی سوامی
جی کے بھگت تھے۔ وہ جب جلسہ میں جاتے۔ تو

ایک دکشنی شاستری کو بھی ساتھ لے جایا کرتے۔ چھ سات
دن کے بعد شاستری نے سوامی جی سے اس مضمون پر
بات چیت کی۔ کہ پدارتھ چھ ہیں یا سات؟ سوامی جی
نے ثابت کیا۔ کہ پدارتھ صرف چھ ہیں ٭

ہوتے ہوتے سوامی جی کی تعریف مہاراجہ کے
کانوں تک پہنچی۔ تو اُنھوں نے کویراج فتح سنگھ جی اور
راج پنڈت کو سوامی جی کے پاس بھیجا۔ کہ اُن کا اُٹھنا
بیٹھنا۔ کھانا پینا۔ رہنا سہنا اور عام سلوک دیکھ آؤ۔ اُن
دونو نے وہاں سے لوٹ کر جگت گورو کی خوبیوں اور
عظمت کی تعریف کے پُل باندھ دئے۔ اب تو مہاراجہ
صاحب کے دل میں بھی درشن کی خواہش پیدا ہوئی۔
چنانچہ ایک دن کئی راجوں کو ہمراہ لے کر سوامی جی کے
درشنوں کو چلے۔ مگر اُن سے کہہ دیا۔ کہ ہم اپنا آپ
سوامی جی پر ظاہر نہ کرینگے۔ کیونکہ ہم ایسے سنیاسی
سے اپنی عزّت نہیں کرانا چاہتے ٭

سوامی جی کی خدمت میں پہنچ کر رانا صاحب نے
خدمت خلق کے پُتلے پرم ہنس کو نہایت عزّت سے
نمسکار کیا۔ اور پھر پاس رکھے ہوئے پٹڑے پر بیٹھ
گئے۔ اُس وقت مہاراج نے راجوں کے دھرم کا
ایسی خوبی سے بیان کیا۔ کہ سب کے منہ سے
واہ وا کے کلمے نکلنے لگے۔ جس طرح کورے گھڑے میں

پانی کا قطرہ سما جاتا ہے۔ سفید دوپٹے پر بسنتی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اُسی طرح اُپدیش کا ایک ایک لفظ مہارانا کے دل میں گھر کرتا جاتا تھا۔ ان کا دل عجیب وغریب قسم کے اثرات سے بھرتا جاتا تھا ؂

لیکچر کے خاتمے پر مہاراج نے مہاراجہ صاحب شاہپور سے مخاطب ہو کر خیر و عافیت دریافت کی۔ اور پھر مہارانا صاحب کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ آپ سے پہلے تو ملاقات کبھی نہیں ہوئی۔ آپ کی تعریف۔ مہاراجہ صاحب شاہپور خاموش رہے۔ سوامی جی نے دوسری دفعہ پھر پوچھا۔ تو اُنہوں نے کہا۔ آپ رانا صاحب سجن سنگھ ہیں۔ سوامی جی نے اُن کی طرف عجیب نگاہوں سے دیکھا اور کہا۔ آپ کو اس طرح چپ چاپ آنا۔ اور معمولی جگہ بیٹھ جانا زیب نہیں دیتا ؂

مہارانا صاحب نے انکساری سے جواب دیا۔ بھگون! آپ جیسے مہاپرشوں کے پاس معمولی حالت میں آنا اور معمولی جگہ پر بیٹھ جانا ہی گرہستیوں کو زیب دیتا ہے۔ شان و شوکت سے تو ہم دوسرے راج درباروں میں جاتے ہی رہتے ہیں۔ سنیاسیوں کے پاس بھی اگر ہم اُسی طرح سج دھج سے جائیں تو اس میں کوئی خصوصیت نہ رہیگی۔ یہی تو ایسی جگہ ہے۔ جہاں حکمران بھی آ کر انکسار کی تعلیم پاتے ہیں ؂

اُس دن کے ست سنگ سے مہاراجہ صاحب کی طبیعت پر بہت اثر ہوا۔ اُنہوں نے ایک دفعہ گاڑی بھیج کر سوامی جی کو اپنے مکان پر بھی بُلایا اور اُپدیش سننے کے بعد اُدےپور تشریف لے چلنے کی درخواست کی۔ سوامی جی نے کہا۔ بمبئی سے لوٹتے ہوئے ہم اُدےپور ضرور آئینگے +

سوامی جی کے دل میں عورتوں کے لئے بہت عزّت کا جذبہ تھا۔ آپ نے اُن سے متعلّق کسی قسم کی بھی نکتہ چینی نہیں کی۔ تمام آچاریوں میں سے سوامی دیانند ہی ایسے ہیں جنھوں نے عورتوں کی عظمت کو بلند کیا ہے۔ اور اُن کے لئے مساوی حقوق کا اعلان کیا ہے۔ اس سے پہلے تمام آچاریہ عورتوں کی غلامی پر زور دیتے رہے ہیں۔ اور اُنہیں شودر کہتے رہے ہیں۔ اور سب سے زیادہ ظلم عورتوں پر اگر کسی نے کیا ہے۔ تو وہ ویدانت کے آچاریہ ہیں۔ سوامی دیانند اُن کی آزادی کے زبردست حامی تھے۔ سوامی جی نے اُنہیں دوِج تسلیم کیا ہے۔ اور شاستر کا حق دیا ہے۔ اُن کی کسی کتاب میں عورتوں کی عظمت کو داغ لگانے والا کوئی لفظ نہیں ہے۔ اُس بڑے ریفارمر کے دل میں عورتوں کے لئے کس قدر عزّت و توقیر کا جذبہ تھا۔ وہ اس واقعہ سے ظاہر ہوگا +

ایک دن سوامی جی لیکچر کے بعد کئی راجوں اور پنڈتوں کے ساتھ سیر کرنے جا رہے تھے۔ مورتی پوجا پر بات چیت ہونے لگی۔ اتنے میں وہ ایک دیہاتیوں کے دیوتا کی جگہ کے پاس پہنچ گئے۔ اُس وقت وہاں چند ایک ننھے بچے آپس میں کھیل رہے تھے۔ سوامی جی نے یکایک وہاں سر جُھکایا۔ اور پھر آگے بڑھے۔ ایک پنڈت نے کہا سوامی جی! مورتی پوجا کا کھنڈن خواہ آپ کتنا ہی کیوں نہ کریں۔ مگر دیوتاؤں کی طاقت کا ثبوت بھی ظاہر ہے۔ اُس مورتی کے سامنے آپ کا سر خود بخود جُھک گیا۔ سوامی جی اُسی جگہ کھڑے ہو گئے۔ اور اُن بچوں میں کھیلتی ہوئی ایک چار سالہ لڑکی کی طرف اشارہ کر کے بولے "دیکھتے نہیں ہو۔ یہ ماتری شکتی ہے۔ جس نے ہم سب کو پیدا کیا ہے" یہ الفاظ سُن کر تمام لوگ خاموش ہو گئے۔ ڈیرہ پر پہنچنے تک اُن کے کانوں میں وہی الفاظ گونجتے رہے۔

اُن دنوں وہاں جیون گری نام کے ایک سنیاسی ٹھیرے ہوئے تھے۔ سوامی جی نے اُنہیں مباحثہ کے لئے للکارا۔ مگر کوی شیام داس نے اُنہیں اس ذلّت سے بچا لیا۔ جیون گری سوامی جی سے کد رکھتے تھے اور دل ہی دل میں جلتے رہتے تھے۔

دُوسرا باب

مہاراج کی روانگی کے دن مہارانا صاحب نے بگھی بھیج کر اُنہیں محل میں بُلوایا۔ بڑی عقیدت سے پانچسو روپے نذر کئے۔ اور پاؤں چھو کر درخواست کی کہ اودے پور میں جلد ہی تشریف لائیے گا ؛

مہاراج دو ماہ تک چتوڑ میں پرچار کرنے کے بعد بمبئی کو روانہ ہوئے۔ اِس وقت سوامی جی کو خیال آیا۔ کہ مہاراجہ صاحب اندور بہت دیر سے اندور چلنے کو کہہ رہے ہیں۔ چلو ادھر ہی سے ہوتے چلیں۔ مگر جب آپ وہاں پہنچے۔ تو اتفاق سے مہاراجہ صاحب غیر حاضر تھے۔ جج شری نواس جی نے سوامی جی کے ٹھیرنے کا انتظام کیا اور اُنہیں کوئی تکلیف نہ ہونے دی۔ ایک ہفتہ تک وہاں کے لوگوں کو صداقت کے اُپدیش دے کر آپ پوش سُدی ایکادشی سمبت ۱۹۳۸ کو بمبئی تشریف لے گئے۔ بمبئی میں مہاراج کی یہ تشریف آوری مقامی سماج کے سالانہ جلسہ کی تقریب میں تھی۔ سوامی جی کی گاڑی جس وقت پلیٹ فارم

پر پہنچی۔ اُس وقت کرنل الکاٹ اور آریہ سماجی اصحاب
وہاں موجود تھے۔ سوامی جی گاڑی سے اُترے تو
سب نے سر جھکا کر نمستے کی۔ سوامی جی نے نہایت
محبت کے ساتھ سب سے خیر و عافیت پوچھی۔ اور اس
کے بعد گاڑی میں بیٹھ کر بالیشور کی گئوشالا میں تشریف
لے گئے۔ یہ مقام ساحل سمندر پر ہے اور نہایت دلکش
ہے۔ سمندر کی سربلند لہریں آکر اس کے ساتھ ٹکراتی
ہیں۔ یہاں پر سوامی جی نے تحریر کا بہت سا کام کیا۔
بمبئی کے ٹون ہال میں پادری یوسف نے ۱۷ جنوری
۱۸۸۲ء کو ایک لیکچر دیا۔ اس لیکچر کا مضمون یہ تھا۔
کہ عیسائیت ہی الٰہی مذہب ہے۔ اور یہی دنیا میں
اشاعت پائے گا۔ سوامی جی نے دوسرے دن ان
پادری صاحب کو چٹھی لکھی۔ کہ آپ نے جو لیکچر میں
کہا ہے کہ عیسائیت الٰہی مذہب ہے اور یہی دنیا
میں اشاعت پائیگا۔ یہ غلط ہے۔ اگر آپ اپنے دعوے
کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور یہ نہیں چاہتے کہ یہاں
کے لوگ بغیر ثبوت کے آپ کا خیال صحیح تسلیم کرلیں
تو میں نہایت خوشی سے آپ کے ساتھ مباحثہ کرنے
کو تیار ہوں۔ آئندہ انوار کو شام کے پانچ بجے کا وقت
اور فرام جی کاؤس جی انسٹی ٹیوٹ کی جگہ میں لیکچر کے
لئے مقرر کرتا ہوں۔ اگر آپ کو کچھ عار ہو تو کوئی

دوسری جگہ تجویز کر دیں۔ چونکہ آپ اور میں دونو ایک دوسرے کی زبان سے نا آشنا ہیں۔ اس لئے ضرور ہے کہ سوال و جواب کا ترجمہ کرکے عوام کو سنا دینے کا انتظام کیا جائے۔ اور تمام مباحثہ تحریری ہو۔ اور اس پر ہم دونو کے دستخط ہوں۔ یہ مباحثہ تہذیب یافتہ لوگوں کی حاضری میں ہو اور بعد میں طبع کرا دیا جائے تا کہ لوگوں کو یہ دیکھنے کا موقع مل سکے۔ کہ کون سا مذہب سچا اور کون سا جھوٹا ہے ؎

اس خط کا ترجمہ الکاٹ صاحب نے کیا تھا ؎

پادری صاحب نے جواب میں لکھا۔ مباحثہ کرنا مجھے منظور نہیں۔ اس لئے سوامی جی نے تاریخ مقررہ پر لیکچر دیا اور عیسائیت پر بے حد دلچسپ نکتہ چینی کی۔ اس لیکچر کے خاتمے پر الکاٹ صاحب نے بھی عیسائیت کی کئی خامیوں اور کمیوں کا ذکر کیا ؎

آریہ سماج بمبئی کا جلسہ بڑی دھوم دھام سے منعقد ہوا۔ اس میں ایک دکشنی پنڈت نے وید منتر گا کر لوگوں کے دل موہ لئے۔ سوامی جی کے اپدیشوں نے تو لوگوں کی آنکھیں کھول دیں ؎

اس موقع پر دان پور سے شری جنک دھاری لالجی وغیرہ کئی اصحاب سوامی جی سے ملنے آئے۔ اور مل کر بہت محظوظ ہوئے۔ سوامی جی نے اُن سے کہا۔

دان پور سے روانگی کے وقت آپ کی خواہش تھی کہ فلاں فلاں سوال پوچھینگے۔ اب موقع ہے۔ پوچھتے کیوں نہیں؟ یہ سُن کر اُن کو سخت حیرت ہوئی۔ کہ سوامی جی نے ہمارے دل کی بات کیسے جان لی؟

شری جنک دھاری لال سوامی جی کی کوٹھی سے باہر بیٹھ کر اپنے سوالات کو سلسلہ وار لکھنے لگے۔ تا کہ سوامی جی سے اُن کے جواب پوچھیں۔ مگر جوں ہی کوئی سوال کاغذ پر لکھتے۔ اُسی وقت اُس کا جواب اُن کے ذہن میں پھر جاتا۔ اس طرح اُنہوں نے تمام سوال لکھے اور ازخود جواب مل جانے پر قلم زن کر دیئے۔ اب اُن کے سوالوں کا جواب تو مل گیا۔ مگر دل میں سخت حیران تھے۔ سوچتے تھے۔ بات کیا ہے۔ جن سوالوں کو لوہے سے سخت سمجھا تھا۔ وہ یہاں روئی کے گالے ثابت ہوئے۔ جیسے کوئی غیبی طاقت دماغ میں بیٹھی جواب دے رہی ہے۔ اتنے میں سوامی جی باہر آئے اور ہنسکر بولے۔ کہئے! سب سوال نوٹ کر لئے۔ جنک دھاری لال نے عرض کیا۔ اور تو کچھ اب پوچھنا باقی نہیں رہ گیا ہے۔ اُپاسنا کا طریقہ بتا دیجئے۔

سوامی جی نے جواب دیا۔ یہ تو ہم نے آپکو دان پور ہی میں بتا دیا تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے اُس کے مطابق عمل نہیں کیا۔ مجھے پرانا یام کر کے دکھاؤ۔

جنک دھاری لال نے پرانا یام کر کے دکھایا۔ سوامی جی نے کہا۔ طریقہ غلط ہے۔ چاہیئے کہ جب ہوا کو اندر سے باہر نکالو۔ تو اُس وقت مولادھار چکر میں کشش پیدا کرو۔ اور اُس کے اندر کی ہوا کو اوپر اُٹھاؤ۔ مگر یہ آپ سے ہوتا نہیں۔ اس لئے معمول طریقہ سے پرانا یام کیا کریں ؛

جنک دھاری لال جی نے پھر پوچھا۔ چنچل من اِدھر اُدھر بھٹکتا پھرتا ہے۔ اسے کیسے ٹھہرایا جائے اور کس جگہ ٹھہرایا جائے؟ سوامی جی نے اس کے جواب میں ایک عالمانہ اُپدیش دیا۔ جنک دھاری لال جی کے ایک رفیق نے پوچھا۔ بھگوان! مجھے بھی پرماتما کی پوجا کا طریقہ بتائیے۔ سوامی جی نے اُس کے چہرے پر نگاہیں جما کر جواب دیا۔ "پہلے یم نیم کا پالن کرو۔" اُس شخص نے تین مرتبہ یہ سوال کیا۔ اور ہر بار سوامی جی نے یہی جواب دیا۔ اس پر وہ آدمی رنجیدہ اور اُداس ہو کر کوٹھی سے باہر آ گیا۔ اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا۔ اتنی دور آئے۔ مگر کچھ حاصل نہ ہوا۔ اُنہوں نے سمجھایا۔ سوامی جی تو دلوں کی بات جان جاتے ہیں۔ آپ کو یم نیم نہ بتاتے۔ تو اور کیا بتاتے ؛

اب تو اُس آدمی کی بھی آنکھیں کھلیں۔ کہ جب میں

ایک مقدمہ میں جھوٹی شہادت دے کر آیا ہوں - اور یہاں سے جا کر بھی ویسا ہی بُرا فعل مجھ سے سرزد ہونے والا ہے تو مہاراج نے مجھے ٹھیک ہی اُپدیش دیا ہے - اس سے بڑھ کر کسی اُپدیش کا میں مستحق نہ تھا +

ایک آدمی نے پوچھا - پاتنجل شاستر کا وبھوتی پاد کیا درست ہے - انہوں نے جواب دیا - آپ بے فائدہ شک کرتے ہیں - یوگ شاستر تو حرف بحرف درست ہے - کوئی پُران تھوڑا ہے - مگر وہ ہے عمل کرنے والا اور محسوس کرنے والا شاستر - دوسرے علوم میں کامیاب ہونے کے لئے کئی کئی برس صرف کرنے پڑتے ہیں - اس کے لئے اگر آپ ۳ مہینے میرے پاس رہیں اور میرے کہنے پر چلیں - تو آپ کو سب کچھ معلوم ہو جائے +

ایک بھگت نے کہا - آپ یوگ وغیرہ کے گہرے رموز عوام کے روبرو ظاہر کر دیتے ہیں - یہ نامناسب معلوم ہوتا ہے - غیر مستحق آدمیوں کو اُپدیش دینا ایسا ہے - جیسا سوروں کے آگے موتی پھینکنا +

مہاراج نے جواب دیا - نیک آدمی! اتنے بڑے ہجوم میں کوئی نہ کوئی ہنس بھی آ ہی جاتا ہوگا - پھر پرماتما کی مہربانی ہو تو سوٗر بھی ہنس بھی بن جاتے ہیں +

سری کرشن کی بات چلی - تو کہا - وہ مہاگیانی (فاضل اجل)

مہاپرش (بڑے آدمی) اور یوگی راج تھے۔ کبھی کبھی اپنے لیکچروں میں بھگوت گیتا کے شلوک بھی سنایا کرتے تھے ٭

سوامی جی نے آریہ جاتی کی اصلاح کرتے وقت شودروں کی طرف پورا دھیان دیا ہے اور اُن کو وید شاستر پڑھنے کا مستحق قرار دیا ہے۔ وہ اُن کی ترقی کے وکیل ہیں۔ اور اُن کو وید پڑھنے کا مستحق ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ کیا ایشور بھی طرفداری کرتا ہے جو شودروں کو وید پڑھنے سے منع کرے۔ اور دوسروں کو اجازت دے۔ اگر پرمیشور کی یہی خواہش ہوتی۔ کہ شودر نہ پڑھیں۔ نہ وید سنیں۔ تو وہ انہیں کانوں اور آنکھوں سے محروم رکھتا۔ اُس نے مٹی۔ پانی۔ ہوا۔ آگ۔ چاند سورج اور اناج جس طرح سب کے لئے بنائے ہیں۔ اُسی طرح ویدوں کا ظہور بھی سبھی کے لئے کیا ہے ٭

ایک دن ایک آدمی مہاراج کے پاس آیا۔ آپ نے پوچھا۔ آپ کون ہیں؟ آپ کیا کام کرتے ہیں؟ کچھ سنسکرت بھی پڑھی ہے کیا؟

اُس نے جواب دیا۔ بھگون! میں براہمن ہوں۔ اب کام کاج کچھ نہیں کرتا۔ پنشن پر گزارہ ہے۔ سنسکرت تو نہیں پڑھی۔ پر کچھ شلوک حفظ ہیں۔

سوامی جی نے کہا۔ اُپدیش کا کام کیوں نہیں کرتے؟ اُس نے جواب دیا۔ رات دن بال بچوں کا خیال لگا رہتا ہے۔ ان حالات میں اُپدیش کا کام کیسے ہوگا؟ فرمایا۔ آپ کو پنشن ملتی ہے۔ اُس میں آپ کے لڑکے اور پوتے کا گزارہ ہوتا رہیگا۔ آپ براہمن ہیں۔ آپ کے بزرگ قدیم زمانہ میں جگت گورو سمجھے جاتے تھے۔ اور لوگوں کی بہبودی میں دن رات محو رہتے تھے۔ آپ بھی اُن کے نقش قدم پر چلیئے۔ اُن کی طرح لوگوں کی خدمت کا عہد کیجئے۔ اور بھیلوں کی بستی میں چلے جائیے۔ وہ عیسائی ہوتے جاتے ہیں۔ اُن کو اُپدیش دے کر بچائیے۔ اور آریہ جاتی کے کٹتے ہوئے پاؤں کی اور ٹوٹتی اُنگلیوں کی حفاظت کیجئے لیکن اس براہمن کی ایسی قسمت نہ تھی۔ کہ یہ کام کر گزرتا۔

سوامی جی کے اُپدیشوں سے وہاں کے آریوں میں ہمت و جُراَت کا ظہور ہوا۔ اور اُنہوں نے آریہ مندر تعمیر کرنے کے لئے گڑگام میں زمین خرید لی۔ اور مندر بنانے کی کوشش کرنے لگے۔ سوامی جی کسی سے روپیہ نہ مانگتے تھے۔ مگر لوگ اُن کے اثر سے خود بخود دیدیتے تھے۔

سوامی جی کہتے تھے۔ دان اپنی طاقت دیکھ کر کرو۔ جوش میں آ کر جلدی سے کوئی کام کر بیٹھنا اور بعد

پچھتانا وہ اچھا نہ سمجھتے تھے۔ اکثر کہا کرتے تھے۔ دان اتنا دو۔ کہ تمہیں محتاج نہ ہونا پڑے۔ کام اتنا کرو۔ جس سے دل نہ ہارو۔ اور پاؤں پیچھے ہٹانے کی ضرورت نہ پڑے ؎

بمبئی سماج مندر بنانے کے لئے فنڈ کھولا گیا۔ لوگ اُس میں مقدور بھر دان دینے لگے۔ انہی ایام میں ایک سیٹھ سوامی جی کے پاس آکر کہنے لگا۔ میرے پاس دس ہزار روپیہ ہے۔ یہ ساری رقم میں آریہ سماج کے لئے دیتا ہوں۔ آپ منظور کیجئے۔ سوامی جی نے اُس کے جذبہ کی بہت تعریف کی اور کہا۔ مجھے خوشی ہے کہ آپ کے دل میں آریہ دھرم کے لئے اس قدر محبت ہے۔ مگر میں آپ سے سارا روپیہ لے کر آپ کی اولاد کو دوسروں کا محتاج نہیں بنانا چاہتا۔ جس دھرم پر چلنے سے پہلا دھرم خراب ہو جائے۔ وہ دھرم درست نہیں ہو سکتا۔ اُس مندر کی کیا عظمت ہوگی جسے بنانے کے لئے آپ کا کاروبار بند ہو جائے۔ اور آپ کے اخراجات کا انتظام نہ ہو سکے۔ ہاں آپ سے ایک ہزار روپیہ لیا جا سکتا ہے ؎

مہاراج کی زندگی ہمت اور محنت کی زندگی تھی۔ اس میں سستی کا شائبہ تک نہ تھا۔ اُن کے آدمیوں میں بھی سستی۔ بے پروائی اور کاہلی نہ تھی۔ ہر ایک آدمی کچھ نہ کچھ کرتا ہی نظر آتا تھا۔ سوامی جی اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ

جس طرح دیو یگیہ کے بعد دیوؤں کا دیا ہوا کھانے پینے میں گناہ نہیں۔ اسی طرح لوگوں کو فیض پہنچا کر اُن سے لے کر کھانا قابلِ اعتراض نہیں۔ کسی سے کھانا لیتے وقت پہلے یہ سوچے کہ میں اُس کے لئے کیا کر رہا ہوں۔ اور مجھے یہ کھانا کھانے کا حق حاصل ہے کہ نہیں۔ مفت میں حرام کی کمائی کھانا نہایت ذلیل فعل ہے ؂

ایک دن کا ذکر ہے۔ ایک انگریزی خواں پنجابی سوامی جی کے درشن کرنے آیا۔ سوامی جی کے کہنے کے مطابق اُس کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کا انتظام ڈیرہ ہی پر کر دیا گیا کئی دنوں تک وہ آدمی آرام سے رہا۔ اُس کا روزانہ پروگرام چھڑی گھماتے شہر میں چکر لگانا اور تھک ٹوٹ کر چارپائی پر آ لیٹنے تک محدود تھا۔ ایک دن مہاراج نے اُسے اپنے پاس بُلایا۔ اور کہا۔ مہاشہ! جو چیز جس قدر کام کی ہے۔ اُسی قدر اچھی ہے۔ آدمی بھی وہی اچھا ہے جو کام کا ہے۔ اب آپ سوچئے۔ کہ آپ وقت بیکار کھو کر اپنی قدر و قیمت کو کیوں کم کر رہے ہیں۔ دیکھئے میں بھی دوسروں کی روٹی کھاتا ہوں۔ لیکن دوسروں کے کام میں صبح سے شام تک لگا رہتا ہوں۔ بے فکر اور سُست پڑے رہنا اور دوسروں کی روٹی کھانا میرے اصول کے خلاف ہے۔ ہر انسان کو ہمت و محنت سے کام لینا چاہئے۔ آپ بھی میرے ہم خیال بن جائیں۔ اور

جب تک آپ اس شہر میں ہیں - مجھے انگریزی کے خط ترجمہ کرکے سنایا کریں - اس پنجابی نے سوامی جی کا کہنا سر آنکھوں پر رکھا اور اسی دن سے یہ کام کرنا شروع کر دیا +

جسٹس رانا ڈے ہندوستان میں قومی زندگی کی مشعل روشن کرنے والوں میں سے تھے - انہیں بھی سوامی جی پر بہت عقیدت تھی - اکثر سوامی جی کے درشنوں سے شاد کام ہوا کرتے تھے - ایک دن وہ سوامی جی سے ملنے آئے تو سوامی جی کام میں مشغول تھے - انہیں دیر تک انتظار کرنا پڑا - جب سوامی جی اپنا کام کر چکے تو جسٹس رانا ڈے صاحب سے بات چیت شروع ہوئی +

سوامی جی کو اپنے مہمانوں کے آرام و آسائش کا بڑا خیال رہتا تھا - ایک دن ایک بنگالی ان کے درشن کرنے آیا - اور پاؤں چھو کر بیٹھ گیا - اثنائے گفتگو میں اس نے پانی مانگا - سوامی جی نے اپنے ایک گوجراتی چیلے سے کہا - انہیں پانی پلاؤ - گوجرات کے ہندو ڈاڑھی نہیں رکھتے - اس بنگالی کی لمبی ڈاڑھی دیکھ کر سوامی جی کے چیلہ نے اسے مسلمان سمجھا - اور ڈونے میں پانی پلا دیا - اس وقت تو سوامی جی چپ رہے مگر جب وہ بنگالی چلا گیا - تو انہوں نے اس چیلہ کو بلا کر سرزنش

کی اور کہا تم کو ابھی تک تہذیب کے معمولی قواعد بھی نہیں معلوم ہوئے۔ تم نے اُسے گلاس میں پانی کیوں نہ پلایا؟

چیلہ نے جواب دیا۔ مسلمان کو برتن میں پانی پلاکر میں برتن کیسے خراب کر لیتا۔ مہاراج نے جواب دیا۔ یہ تو مسلمان نہیں تھا۔ ایک بڑا بھاری ہندو زمیندار تھا۔ مگر میرے پاس تو عیسائی مسلمان سبھی آتے رہتے ہیں۔ اُن کی کسی طرح بھی بےعزتی نہیں ہوتی چاہئے۔ آئندہ خیال رکھنا کہ خواہ کوئی کسی مذہب کا ہو۔ جب پانی مانگے۔ اُسے گلاس میں دیا کرو"۔

اُن دنوں سنسکرت کے مشہور مغربی پنڈت مونیئر ولیمس صاحب بمبئی میں آئے ہوئے تھے۔ سوامی جی کی شہرت سُن کر اُن سے ملنے آئے۔ اوّل اوّل گفتگو سنسکرت میں شروع ہوئی۔ مگر مونیئر ولیمس صاحب کو مشق نہ ہونے کے باعث سنسکرت میں بولنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے سوامی جی نے ایک مترجم منگوا لیا۔ اب سوامی جی سنسکرت بولتے تھے۔ اور صاحب بہادر انگریزی۔ اُن کی انگریزی کا ترجمہ سوامی جی کو سنایا جاتا تھا۔ بڑی طول طویل گفتگو کے بعد مونیئر ولیمس صاحب نے اس ملاقات کو اپنی خوش نصیبی پر محمول کیا۔ اور کہا آپ کے خیالات بڑے شُستہ اور بلند ہیں۔ یوروپین علما

میں بھی ان کی اشاعت ہونی چاہیئے۔ اگر آپ مغرب کی سیاحت کرنا چاہیں۔ تو آپ کے اخراجات کے لئے روپیہ مَیں ادا کرونگا۔ سوامی جی نے اپنے مہمان کی اس فراخ دلی کا شکریہ ادا کیا۔ اور کہا۔ جس ہندوستان میں مَیں رہتا ہوں۔ وہاں جہالت کا اندھیرا ایسا ہے کہ ہاتھ کو ہاتھ نہیں سوجھتا۔ یہاں کے باسی دن بدن آفت اور افلاس کی طرف بڑھے جا رہے ہیں۔ یہاں کی سوسائٹی میں رسوم بد بھی بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ اِس لئے میں اِس کی اصلاح کرنا اپنا دھرم سمجھتا ہوں۔ دوسرے وہاں جانے کے لئے وہاں کی زبان سیکھنا ضرور ہے۔ جس قدر عرصہ میں مَیں انگریزی سیکھ سکونگا۔ اُس قدر عرصہ میں یہاں اصلاح کا کام بہت ہو سکیگا۔ تیسرے جس جسم کے اِس قدر لوگ مخالف ہیں۔ اُس پر اب زیادہ بھروسہ بھی نہیں ہے۔ تھوڑے سے عرصہ میں اگر اس سے اسی ملک کی خدمت کا کام ہو سکے۔ تو بہت اچھا ہے۔ اس کے بعد مونیئر ولیمس صاحب رخصت ہو گئے۔

سوامی جی کے عظیم الشان کاموں میں گئو رکھشا کا کام بھی شامل ہے۔ گئوکشی کے خلاف آریہ لوگ سخت نفرت کا اظہار تو کیا ہی کرتے تھے۔ مگر تنظیم کر کے گئو رکھشا کرنے کا خیال سب سے پہلے سوامی جی ہی نے پیش کیا۔ اُن سے پہلے کسی آدمی کو یہ خیال کبھی نہ آیا تھا۔

گئو رکھشا سے ان کا مطلب صرف یہی نہ تھا۔ کہ اپاہج، ضعیف۔ اور قریب المرگ دو گئوئیں پنجرہ پول میں بند کرکے گئو رکھشا کے نقارے بجائے جائیں۔ اور دودھ دینے والی گائیں اور بار اٹھانے والے بیل ذبح ہوتے رہیں۔ انھوں نے اپنے سنگھٹن کا نام گئو رکھشا اور کرشی سدھار (کسانوں کی اصلاح) تجویز کیا تھا۔ ان کا خیال تھا۔ کہ جب تک تندرست اور جوان گئوئیں اور بیل ذبح ہونے سے نہ بچائے جائینگے۔ تب تک گئو رکھشا نہ ہوسکے گی۔ مہاراج کی دور رس نگاہیں یہ بھانپ گئی تھیں کہ گئو رکھشا کے اس وقت تک کچھ معنی نہیں جب تک کہ تمام گئوؤں کی حفاظت کی کوشش نہیں کی جاتی۔ کسانوں کو کھیت جوتنے کے لئے، رہٹ چلانے کے لئے، چرسا کھینچنے کے لئے، کھلیان سے اناج اور بھوسہ ڈھونے کے لئے نیز دیگر کاموں کے لئے زراعتی ملک میں بیلوں کی قدم قدم پر ضرورت ہے۔ شہروں میں عمدہ دودھ کا انتظام کرنے کے لئے ہزاروں گئوؤں کی پرورش کا انتظام ہونا چاہیئے۔ شہریوں اور دیہاتیوں کو گئوؤں کی عمدہ نسل دینے سے ہی گئو رکھشا کا کام ہو سکتا ہے ؎

سوامی جی نے گئو رکھشا پر سینکڑوں لیکچر دئے۔ ہزاروں مسلمانوں اور عیسائیوں کو گئو رکھشا کی اہمیت

کا قائل کیا۔ "گئو کرو نا ندھی" نامی ایک قابل قدر اور مدلل کتاب شائع کی۔ اور آخر کار تمام گئو رکھشکوں کو ہم آواز بنا کر ملکہ وکٹوریہ کے پاس فریاد پہنچانے کو تیار ہوئے۔ سوامی جی کو یقین تھا۔ کہ گئوکشی بند کرنے کے لئے اگر تمام لوگ دستخط کر دیں۔ تو ہر دلعزیز لارڈ رپن ہی کے عہد میں ملکہ وکٹوریا گئوکشی بند کر دینے کے احکام جاری کر دیگی۔ اس لئے اُنھوں نے لوگوں سے دستخط کرانے کے لئے ہندوستان بھر میں گشتی چٹھیاں بھیجیں اور گئو رکھشا کی اہمیت پر مفصلہ ذیل خیالات کا اظہار کیا :۔

" اوم۔ دنیا میں ایسا کون آدمی ہے۔ جو آرام ملنے پر خوش اور دکھ پہنچنے پر رنجیدہ نہ ہوتا ہو۔ انسان پر جب کوئی احسان کرتا ہے۔ تو اُسے مسرت ہوتی ہے۔ اسی طرح اُسے دوسروں پر احسان کر کے مسرت ہونی چاہیئے۔ کیا صفحہ زمین پر کوئی آدمی ایسا تھا۔ ہے۔ یا آیندہ ہوگا۔ جو رفاہ عام کے دھرم اور نقص امن کے ادھرم کے بغیر دھرم ادھرم کی کوئی شکل ثابت کر سکے۔ وہ آدمی مبارک ہیں۔ جو اپنے تن من دھن سے دنیا کو زیادہ سے زیادہ فیض پہنچاتے ہیں۔ اور وہ آدمی لعنتی ہیں۔ جو اپنی جہالت سے خود غرضی میں مبتلا ہو کر تن من دھن سے دوسروں

کو نقصان پہنچا کر دنیا کی تکالیف میں اضافہ کرتے ہیں۔
ابتدائے دُنیا سے یہی قاعدہ مُقرر ہے۔ کہ پرماتما کی بنائی ہوئی اشیاء آرام و آسائش کے لئے ہیں۔ تھوڑے فائدے کی خاطر بڑے فائدے کو قربان کر دینا قواعد دُنیا کے خلاف ہے۔

دنیا میں زندگی کے لئے دو ضروری چیزیں ہیں۔ کھانے کی چیزیں، اور پینے کی چیزیں۔ لوگوں کو کھانے پینے کے لئے کثرت سے چیزیں دستیاب ہو سکیں۔ اس کے لئے ہندوستان کے راجے مہاراجے اور رعیت کے آدمی گائے وغیرہ جانوروں کو نہ مارتے تھے۔ نہ کسی کو مارنے دیتے تھے۔ اور یہ احتیاطیں اب تک اُن کے مدنظر ہیں۔ ان احتیاطوں سے کھانے پینے کی اشیاء کم نہیں ہوتیں۔ اور تمام لوگوں کا بڑے آرام سے گزارہ ہو سکتا ہے۔

رعایا اور راجہ کا جس قدر نقصان گئوکشی سے ہوتا ہے اُتنا کسی دیگر فعل سے نہیں ہوتا۔ ایک گائے کے قتل سے چار لاکھ اور ایک بھینس کے ہلاک کرنے سے بیس ہزار آدمیوں کا نقصان ہوتا ہے۔ اس امر کو ہم اپنی کتاب گئوکرونا ندھی میں تفصیل سے ثابت کر چکے ہیں۔ اس لئے مناسب ہے۔ کہ ہم سب ہم آواز ہو کر راج راجیشوری مہارانی وکٹوریا کی خدمت میں عرض کریں۔ کہ اُن کے انصاف کے عہد میں جو گئوکشی کا ظلم ہو رہا

ہے ۔ اُسے بند کیا جائے ٭

اس امر کا ہمیں کامل یقین ہے کہ علم ۔ مذہب اور رعایا پر شفقت کرنے والی مہارانی وکٹوریا ۔ اُن کی گورنمنٹ اور اُن کے نائندے وائسرائے صاحب اس تباہی آور اور بربادی بخش گئوکشی کو حوصلہ اور جرأت سے جلد ہی بند کر کے ہم سب کو شکرگزار کرینگے ۔ ذرا خیال تو فرمائیے بے شمار طریق سے منفعت بخش گائے وغیرہ جانوروں کے قتل ہونے سے دودھ گھی کس قدر مہنگا ہو رہا ہے کسانوں کو کس قدر تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لوگوں کی جان عذاب میں ہے ۔ مگر یہ نقصان دن بدن زیادہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے ۔ جب جب ہی کوئی آدمی تعصب سے بالا ہو کر غور کرتا ہے ۔ تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ خدمت خلق دھرم ہے ۔ اور لوگوں کو نقصان پہنچانا ادھرم ۔ کیا یہ عقل کا فرمان نہیں ہے کہ جس سے زیادہ تر آدمیوں کو زیادہ تر فیض پہنچتا ہو ۔ اُس کو کبھی نقصان نہ پہنچانا چاہیئے ۔ بلکہ اُس کی حفاظت میں جان تک لڑا دی جائے ٭

رحیم ۔ کریم ۔ منصف ۔ عالم کل ۔ قادر مطلق پرماتما اس دنیا بھر کے لئے فائدہ بخش کام کے سرانجام دینے میں تمام لوگوں کو عقل دے ٭ دستخط ٭

اشتہار ـــ سب آریوں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ

جو خط اوم سے شروع ہوتا ہے اور دستخط پر ختم ہوتا ہے۔ وہی صحیح ہے۔ اُسی پر دستخط کرنا واجب ہے۔ دستخط کنندہ کو تحریر کرنا چاہئے۔ کہ میرے صوبہ یا علاقہ میں اتنی آبادی ہے اور میں اُن سب کی طرف سے یہ دستخط کر رہا ہوں۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ جتنے لوگوں کی طرف سے دستخط کئے جا رہے ہوں۔ اُن سے تحریری اختیارات اس امر کے حاصل کر کے اپنے پاس محفوظ رکھ لئے جائیں۔ جو مسلمان یا عیسائی اصحاب اس کارِخیر میں امداد دینا چاہیں۔ وہ دستخط کر سکتے ہیں۔ مجھے کامل یقین ہے کہ آپ جیسے باہمت اور فراخ دل اصحاب کی امداد سے یہ نیک کام عمدہ طور سے سر انجام پا جائے گا ۔

بمبئی ۔ چیت کرشن نومی
سمبت ۱۹۳۹

دیانند سرسوتی

سوامی جی نے یہ کام بڑے جوش و خروش سے شروع کیا ۔ اور جگہ بجگہ دستخطوں کے لئے کوششیں ہونے لگیں ۔ اسی زمانہ میں سوامی جی نے آریہ سماج اور تھیاسوفیکل سوسائٹی کی علیحدگی کا آخری اعلان کر دیا ۔

تیسرا باب

سوامی جی کو گوجرات کاٹھیاواڑ اور آگرہ اودھ وغیرہ صوبوں کی طرف سے متواتر بلایا جا رہا تھا۔ مگر سوامی جی والیان ریاست کی اصلاح کے خیال سے راجستھان کو روانہ ہوئے۔ اور ۲۲ جون ۱۸۸۲ء کو بمبئی سے روانہ ہوکر ۲۴ جون کو کھنڈوا پہنچے۔ بعد ازاں اندور۔ رتلام اور جاورہ وغیرہ مقامات میں ہوتے ہوئے ۲۴ جولائی کو داخلِ چتوڑ ہوئے۔ مہاراج کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی ریاست کی طرف سے اُن کے رہنے سہنے کا انتظام کر دیا گیا تھا۔ ٹھاکر جگن ناتھ اُس وقت ریاست کے خاص اہلکار تھے۔ اُنہوں نے مہاراج کی خدمت کرنے کا بار اپنے ذمہ لیا۔ اور سوامی جی نے دو ہفتہ تک وہاں قیام کیا ؛

۱۰۔ اگست کو چتوڑ سے چل کر ۱۱۔ اگست کو اودے پور پہنچے۔ اور نولکھا باغ کے ایک خوبصورت سفید راج مندر میں اُن کے رہنے کا انتظام ہوا۔ اِس وقت اُن کے ساتھ رامانند برہمچاری۔ سوامی آتما نند جی اور پنڈت بھیم سین جی تھے۔ نیز ایک دو ملازم تھے۔ جس دن سوامی جی نے

اپنے قدموں سے اودے پور کی سرزمین کو رونق بخشی۔
اُسی دن مہارانا صاحب اور اُن کے وزرا اور پروہت درشنوں کو حاضر ہوئے۔ قدیم راجوں کے مانند رانا سجن سنگھ سب سے آگے پیدل چلتے تھے۔ اور اُن کے پیچھے سینکڑوں آدمیوں کا ہجوم تھا۔ سوامی جی کے پاس پہنچ کر رانا صاحب نے نہایت ادب سے نمسکار کی اور خیرو عافیت دریافت کرنے کے بعد بیٹھ گئے۔ اور کچھ دیر بات چیت کرکے واپس چلے گئے ؛

یہاں سوامی جی صبح اُٹھکر گوردھن پہاڑ تک سیر کرنے جایا کرتے تھے۔ مگر کچھ دنوں کے بعد رانا صاحب سویرے ہی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اس لئے سوامی جی نے یہ لمبی سیر ترک کر دی۔ ان دنوں باغ ہی میں پھر پھرا کر اپنا معمول پُورا کر لیتے تھے ؛

اودے پور میں تشریف آوری سے ایک ماہ بعد سوامی جی سے اور مولوی عبدالرحمان سے تحریری سوال و جواب ہوئے۔ جو نیچے درج کئے جاتے ہیں :-

سوال۔ ایسا مذہب کون سا ہے۔ جس کی مذہبی کتاب سب آدمیوں کی بول چال اور قدرتی قواعد کو ثابت کر سکے۔ جتنے مذاہب پائے جاتے ہیں۔ وہ علیحدہ علیحدہ ممالک کی زبانوں میں اس طرز سے بنے ہیں۔ کہ ایک دوسرے سے نہیں ملتے۔ جو مذہب جس جگہ

پیدا ہوا ہے۔ اُس کی تمام تر خوبیاں اُسی جگہ تک محدود ہیں۔ ہر ایک مذہب میں ایسی باتیں عام ہیں جنہیں دوسرا دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا۔ لہٰذا سچا مذہب کون سا ہے ؟

جواب۔ مذہب سے متعلق تمام کتابیں ہٹھ دھرمی سے بھری ہیں۔ اس لئے اُن میں سے یقین کے قابل ایک بھی نہیں۔ میرے خیال میں جو کتاب گیان دینے والی ہے۔ وہ سچی ہے۔ اُس میں تعصب نہیں ہو سکتا۔ وہ قانون قدرت کے مطابق ہوتی ہے۔ آج تک میں نے تحقیق کر کے دیکھا ہے کہ وید ہی ایک ایسی کتاب ہے۔ وہ کسی خاص ملک کی زبان میں نہیں ہے۔ وہ گیان ہے۔ اُس کی زبان گیان کی زبان ہے اس لئے وید ہی پر ایمان لانا چاہیئے ۔

سوال۔ کیا وید مذہب کی کتاب نہیں ہے ؟

جواب۔ نہیں۔ وید گیان کی کتاب ہے ۔

سوال۔ مذہب آپ کسے کہتے ہیں ؟

جواب۔ تعصب سے بھرے ہوئے اصولوں کے مجموعہ کا نام مذہب ہے ۔

سوال۔ آپ نے میرے سوال کے جواب میں وید پیش کیا ہے۔ کیا اُس میں سب خوبیاں موجود ہیں ؟

جواب۔ واقعی ۔

سوال - آپ نے کہا ہے وید کسی ملک کی زبان میں نہیں ہے - جو زبان کسی بھی ملک کی زبان نہیں ہے وہ سب سے زبردست کیسے ہو سکتی ہے ؟

جواب - جو زبان کسی خاص ملک کی زبان ہوتی ہے - وہ ہر ایک ملک کی زبان نہیں ہو سکتی +

سوال - جواب واضح نہیں ہے +

جواب - جس طرح آکاش کسی خاص جگہ نہیں ہے - پر ہر جگہ ہے - اسی طرح وید کی زبان کسی خاص ملک کی زبان نہیں ہے - مگر سب زبانوں کے اندر موجود ہے +

سوال - یہ زبان کس کی ہے ؟

جواب - یہ زبان گیان کی ہے +

سوال - اس کا بولنے والا کون ہے ؟

جواب - ہر جگہ حاضر ناظر پرماتما +

سوال - سننے والا کون ہے ؟

جواب - اگنی - وایو وغیرہ چار رشی جو دنیا کی ابتدا میں ظاہر ہوئے +

سوال - ایشور نے یہ زبان انہی کو کیوں سنائی - کیا وہ اس زبان سے واقف تھے ؟

جواب - وہ رشی سب سے اعلیٰ کرموں والے تھے - پرماتما ہی نے انہیں اس زبان کا گیان بخشا تھا +

سوال - کوئی دلیل ؟
جواب - علت معلول کا سلسلہ اس کا جواب ہے اور برہما وغیرہ رشی گواہ ❊
سوال - صفحۂ زمین پر جتنے لوگ ہیں کیا وہ ایک نسل کے ہیں ؟
جواب - مختلف نسلوں کے - ابتدائے دنیا میں اتنی ہی روحیں انسانی جامہ اختیار کرتی ہیں - جتنی گربہ سرشتی میں انسانی جسم کے قابل ہوتی ہیں - اور وہ روحیں بے شمار ہوتی ہیں ❊
سوال - اس پر کوئی دلیل ؟
جواب - اب بھی سب الگ الگ والدین کی اولاد ہیں ❊
سوال - تمام آدمیوں کے جسم کیا ایک ہی قسم کے تھے ؟
جواب - رنگ - لمبائی چوڑائی میں فرق تھا ❊
سوال - دنیا کی پیدائش کب ہوئی ؟
جواب - دنیا کو پیدا ہوئے ایک ارب چھیانوے کروڑ اور کئی لاکھ سال گزر چکے ہیں ❊
سوال - آپ کسی مذہب کے اصولوں کی پیروی کرتے ہیں یا نہیں ؟
جواب - جو مذہب عقل کے مطابق ہے میں اس کے تمام اصولوں کی پیروی کرتا ہوں ❊
سوال - آپ کون کون سی شے کو انادی (غیر پیدا شدہ)

تسلیم کرتے ہیں ؟

جواب - پرماتما - مادّہ - اور رُوح یہ تین چیزیں غیر پیدا شدہ ہیں ؛

سوال - جو چیز ہماری عقل کی حدود سے باہر ہے - ہم اُسے غیر پیدا شدہ کیسے مان لیں ؟

جواب - جو چیزیں نہیں ہیں وہ کبھی نہیں ہو سکتیں - جو چیزیں ہیں - وہ پہلے بھی تھیں اور ہمیشہ رہینگی ؛

سوال - اگر وید پرماتما کا بنایا ہوا ہوتا - تو سورج وغیرہ کے مانند تمام دنیا کو اُس سے فیض پہنچتا ؟

جواب - وید مقدس سورج وغیرہ ہی کے مانند سب کو فیض پہنچاتا ہے - تمام مذاہب کی کتابوں اور علم کی کتابوں کا مآخذ وید ہی ہے - یہ سب سے پہلی کتاب ہے - اس لئے جو جو باتیں علم اور سچائی کی دوسری کتب میں پائی جاتی ہیں - وہ سب وید ہی سے لی گئی ہیں - نقصان دہ اور بُری کہانیاں اُن کتابوں کے مصنّفوں کی تصنیف سے ہیں - وید میں کسی کا کھنڈن منڈن نہیں ہے - اس لئے اُس میں غیر جانبداری ہے ؛

ایک دن صبح کے وقت بہار کا ایک براہمن لکڑی اور کمنڈل لئے نولکھا باغ میں آ نکلا - اُس نے دور سے دیکھا کہ کوئی مہاتما پدم آسن لگائے دھیان میں محو بیٹھے ہیں - وہ اور بھی قریب آ کر اُن کی دلکش اور خوبصورت

شکل کو پیاسی نگاہوں سے ٹکٹکی لگا کر دیکھنے لگا۔ طلوع ہوتے ہوئے سورج کی سنہری کرنیں اُن کے کُندن کے مانند منوّر جسم کو اور بھی خوبصورت بنا رہی تھیں۔ سونے کے کلسے کی طرح اُن کی پیشانی چمک رہی تھی۔ تپے ہوئے تانبے کے مانند اُن کی دونو مٹھیاں کسی ہوئی خوبصورت معلوم ہو رہی تھیں۔ چڑھتے ہوئے سورج کے مانند اُن کے گلابی ہونٹوں پر ایک خاموش، عجیب اور ناقابل بیان مسرت آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ اجنبی اس دیوتاؤں کے سے روپ کو دیکھنے میں ایسا محو ہوا؛ ایسا محو ہوا۔ کہ تصویر کے مانند ایک ٹک سوامی جی کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا۔ کہ اس خوبصورت سونے کی تصویر کے چاروں طرف روشنی کا ایک قلعہ سا بنا ہوا ہے ✤

کچھ دیر کے بعد سوامی جی کی سمادھی کھلی۔ اِدھر اُنہوں نے اوم کو سُریلے سُر میں گانا شروع کیا۔ اُدھر بہاری براہمن نے اپنا سر اُن کے قدموں میں رکھ دیا۔ دو چار ہی باتوں میں اجنبی کو معلوم ہو گیا۔ کہ یہ بھگوان دیانند ہیں ✤

تب اس براہمن نے عرض کیا " بھگوان! میں بہار کا رہنے والا براہمن ہوں۔ میں نے ویاکرن اور درشن شاستروں کا مطالعہ کیا ہے۔ خصوصاً ویدانت کا مطالعہ بہت غور سے کیا ہے۔ ترک وطن کر کے گھومتا پھرتا ہوں۔ میرا لباس سنیاسیوں کا سا ہے نام سہجانند۔ مگر کسی سے باقاعدہ

سنیاس نہیں لیا۔ آپ کی شہرت سُن کر دُور سے چل کر آیا ہوں۔ براہ مہربانی مجھے سنیاس دیں۔ بھگوان نے سہجانند کی پیٹھ پر اپنا دست شفقت پھیرتے ہوئے کہا۔ اگر آپ کی یہی خواہش ہے۔ کہ اپنی زندگی کی جڑ کو محنت کے پانی سے سینچیں۔ تو چلئے ہمارے ہی ڈیرہ پر چل کر آرام کیجئے۔ وقت ملنے پر سنیاس کی بات چیت بھی ہو جائیگی*

سہجانند سوامی جی کے پاس ہی رہنے لگے۔ آخر کار مہاراج نے اُسے قابل سمجھ کر اپنے سیوکوں میں داخل کر لیا۔ اور اُسے سنیاس دے کر اُپدیش کیا۔ کہ سنیاسیوں کو محض پرماتما پر انحصار رکھنا چاہیئے۔ صبح اور شام اوم نام کا جاپ کیا کرو۔ یہی ہم لوگوں کا پشت و پناہ ہے۔ اِس کے جاپ سے چنچل چت کی چنچلتا دُور ہو جاتی ہے۔ پاپ کا کیچڑ دھونے کے لئے اِس سے بڑھیا کوئی صابن نہیں۔ مہامنیوں کا خزانہ یہی ہے۔ اِسی میں اُن کا آنند بستا ہے*

نشانہ لگانے کے وقت جس طرح بہادر نشانہ باز ٹکٹکی لگا کر صرف اپنے نشانہ کی چیز ہی کو دیکھتا ہے۔ اُسی طرح دل کو یکسو کر کے اوم کا جاپ کرنے سے دل کی مراد مل جاتی ہے۔ جب زیادہ دیر تک اس بھگتی یوگ کو کرتے رہو گے۔ تو سمادھی کے شیریں پھلوں سے

خود بخود آگاہ ہو جاؤگے اور تمہارے دل کو شانتی مل جائیگی۔ اور تمہاری خواہشیں سیر ہو جائینگی ٭

اس اُپدیش کے ساتھ سوامی جی نے سہجانند کو دھرم کے دس لکشن بتائے اور اُن پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اپنی کتابوں میں بھی سوامی جی نے یہی لکھا ہے کہ اسی دس لکشنوں والے دھرم پر خود چلنا اور دوسروں کو چلانا سنیاسیوں کا دھرم ہے۔ اُن کا مخصوص کام یہی ہے کہ گرہستی لوگوں کو تمام اقسام کے سچے وبوہاروں کا اپدیش کریں ٭

کچھ دیر بعد سہجانند کو سوامی جی نے پرچار کی ترغیب دی کہا۔ آپ تعلیم یافتہ ہیں۔ قابل اور سمجھدار ہیں۔ آپ کے پاس وقت بھی ہے۔ آریہ سماجوں میں دورہ کیجئے۔ اور جگہ جگہ اُپدیش کے کام کی تیاری کیجئے۔ سہجانند نے سر جُھکا کر اس اُپدیش کو قبول کیا۔ اُنہوں نے دیکھا۔ کہ سوامی جی رات کے وقت صرف چار گھنٹے آرام فرماتے ہیں۔ اور پھر اُٹھ کر دھیان میں محو ہو جاتے ہیں ٭

نولکھا باغ کے پاس ایک بڑا لمبا چوڑا تالاب ہے۔ مہاراج گوردھن پربت کو اُس کے کنارے کنارے جایا کرتے تھے۔ اور سورج نکلنے سے بہت عرصہ پہلے جایا کرتے تھے۔ سہجانند جی جب سیر کو جاتے۔ تو سوامی جی اُنہیں واپس آتے ملا کرتے تھے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔

سہجانند نے دیکھا۔ کہ سوامی جی نو لکھا باغ سے بہت دور فاصلے پر پانی کی سطح کے اوپر پدم آسن لگائے بیٹھے ہیں۔ جیسے کنول پانی پر تیرتا ہو۔ اپنے گورو کی اس روحانیت نے سہجانند کے دل پر عجیب اثر کیا۔ اُس خاموشی کے وقت میں، اُس سنسان جگہ میں۔ اُس چپ چاپ تالاب کے بالائی حصہ پر وہ تپے ہوئے سونے کے مانند ایسے خوبصورت، ایسے دلکش دکھائی دیتے تھے۔ جیسے سمندر میں سے سورج طلوع ہو رہا ہو۔

کبھی کبھار سوامی جی لمبی سمادھی بھی لگایا کرتے تھے۔ اپنی کوٹھڑی کے روشندان کھول دیتے۔ دروازے بند کر دیتے۔ اور دھیان میں محو ہو جاتے۔ اس سے ایک دن پہلے اپنے ملاقاتیوں سے کہدیتے۔ کل نہ آنا۔ سمادھی لگانے سے پہلے اپنے ملازموں سے بھی کہ دیتے تھے۔ آج اتنے بجے تک ہماری کوٹھڑی کے قریب کوئی نہ آئے۔ نہ کوئی دروازہ کھٹکھٹائے۔ ملازم سمجھتے تھے۔ آج سوامی جی کی طبیعت کچھ سُست ہے اندر پڑے آرام فرماتے ہیں۔ چلو چھٹی ملی۔ اِدھر اُدھر چکر لگا آئیں۔ مگر سہجانند اس قسم کے آدمی نہ تھے۔ اُنھوں نے اپنے گورو کو جان اور پہچان لیا تھا۔

اودے پور میں ایک روز سانس تک کو روک کر سوامی جی نے چوبیس گھنٹے کی سمادھی لگائی۔ اُنھوں نے

سہجانند کو یہ راز پہلے ہی بتا دیا تھا۔ اور کہ دیا تھا۔ کہ اگر تم چاہو تو خاموشی سے دیکھ سکتے ہو۔ سہجانند جی نے سوامی جی کی اس حالت کو رات میں کئی مرتبہ دیکھا۔ اس وقت سوامی جی کا جسم بے حس و حرکت تھا۔ مگر اُن کے چہرے کا جلال، پیشانی کا نور۔ اور جسم کی خوبصورتی بے عدیل و بے نظیر دکھائی دیتی تھی۔ اُن کے چاروں طرف شانتی برس رہی تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ شانتی نے سوامی جی کی شکل اختیار کر لی ہے +

سوامی جی کے آئینۂ دل میں دوسروں کے دل کی بات کا عکس پڑ جاتا تھا۔ اور توجہ کرنے پر وہ دور دراز کے واقعات بھی معلوم کر جاتے تھے +

ایک روز کا ذکر ہے سہجانند جی اور رانا سجن سنگھ جی سوامی جی کے پاس بیٹھے تھے۔ کہ معاً سوامی جی نے کہا۔ پنڈت سندر لال آ رہے ہیں۔ اگر پہلے اطلاع دیدیتے۔ تو گاڑی کا انتظام کر دیا جاتا۔ رانا صاحب نے جواب دیا۔ گاڑی کا انتظام اب بھی ہو سکتا ہے۔ اس پر سوامی جی نے کہا۔ اب تو بیل گاڑی میں آ رہے ہیں۔ ایک بیل کا رنگ سیاہ ہے۔ دوسرے کے جسم پر سرخ و سفید دھبتے ہیں۔ کل یہاں پہنچ جائینگے۔ دوسرے دن مہاراج کی بات کی تصدیق ہو گئی +

ایک دن دو سادھو سوامی جی سے ملنے آئے۔

سہجانند جی نے اُن کی آمد سے سوامی جی کو مُطلع کیا۔ سوامی نے کہا۔ ابھی ہمیں کچھ کام کرنا باقی ہے۔اس اثنا میں آپ اُنہیں کھانا کھلا دیں۔چنانچہ اُن کو کھانا کھلا دیا گیا۔ اتنے میں سوامی جی نے اُنہیں اپنے پاس بُلایا۔ اور بڑی دیر تک بات چیت کرتے رہے۔جب جانے لگے۔ تو بولے۔ مہاراج! آپ مستحق آدمیوں کو اُپدیش کیا کریں۔ جو لوگ آپ کے پاس آتے ہیں۔وہ سب کے سب اس قابل نہیں ہوتے۔اور کھنڈن کے مضامین کے قابل تو بہت ہی کم آدمی ہوتے ہیں ٭

سوامی جی نے جواب دیا۔ دھرم اپدیش میں مستحق غیر مستحق دیکھنا بڑا مشکل ہے۔اُپدیش کا حق ہر کسی کو حاصل ہے۔کون بچّہ ایسا ہے۔ جو کڑوی دوا پینا قبول کریگا۔اُس کے رشتہ دار اُسے زبردستی پلاتے ہیں۔ہمارا کھنڈن بھی کڑوی دوا ہے۔ اور لوگ اسے پینا نہیں چاہتے۔ نہ جانتے ہیں کہ یہ اُن کے لئے فائدہ بخش ہوگی۔ لہذا اُنہیں یہ دوا زبردستی ہی پلانا پڑتی ہے۔مہاتما جی! آپ کے دھرم کے رشتہ دار اور قوم کے اعضا سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں مسلمان اور عیسائی ہو رہے ہیں۔اور آپ ہمیں مستحق غیر مستحق کا سبق دینے چلے ہیں۔یہ وقت تو کام کرنے کا ہے۔ دھرم کی ناؤ کو چٹان کے ساتھ ٹکرانے سے بچانے اور بھنور سے

نکالنے کا ہے - پہلے دھرم کے آسمان سے تباہی کے
بادلوں کو دُور کر لیجئے - بعد میں مستحق غیر مستحق کا سوال
بھی دیکھا جائیگا +

سہجانند جی اودے پور ہی سے اُپدیش کا کام کرنے
کے لئے روانہ ہو گئے +

پنڈت موہن لال وشنولال وغیرہ کئی اصحاب سوامی
جی سے پڑھا کرتے تھے - اُن کی دیکھا دیکھی مہارانا
صاحب کو بھی پڑھنے کا شوق ہوا - چنانچہ وہ بھی پڑھنے
لگے - اُنہیں سنسکرت پہلے بھی آتی تھی - ویاکرن کا صرف
و نحو سوامی جی نے اُنہیں سلیٹ پر لکھ کر سمجھا دیا -
پھر سارا یوگ درشن پڑھایا - نیائے اور ویشیشک کے کچھ
حصے بھی پڑھا دے - منوسمرتی بھی پڑھائی - راجاؤں
کے دھرم پر ایسے اُپدیش دئے کہ رانا صاحب بیحد
موثر ہوئے - سوامی جی کا قول تھا - کہ منوسمرتی ہر آدمی
کو پڑھنی چاہئے - اس کے مطالعہ کئے بغیر انسان کو
اپنے فرائض کا علم نہیں ہوتا - یہ کتاب آریہ دھرم کا
عطر ہے - آریہ ریتی اور نیتی کا خزانہ ہے +

سوامی جی نے مہارانا صاحب کو تمام مانو دھرم شاستر
پڑھایا - اُن کا معانی بیان کرنا - تشریح کر کے سمجھانا -
موقع محل بتانا - اور مثالیں دے کر مضمون کو صاف کرنا
اس غضب کا تھا - کہ مضمون سامنے کھڑا ہو جاتا تھا -

اور کسی وہم و گمان کی گنجائش نہ رہتی تھی +

سوامی جی نے ملاوٹ کے شلوک سمجھنے کا گر یہ بتایا کہ جہاں سلسلہ ٹوٹتا ہو۔ اور کوئی بات پہلی بات کے متضاد پائی جاتی ہو۔ اُسے ملاوٹ سمجھ لو۔ مثال کے طور پر منوسمرتی میں عقل کے مطابق سزا دینے کا حکم ہے۔ اگر ایک ہی جرم دو آدمی کریں۔ اُن میں سے ایک انجان ہو۔ دوسرا سمجھدار۔ تو حکم ہے کہ سمجھدار آدمی کو زیادہ سزا دی جائے۔ مگر درمیان میں آکر براہمن کے لئے اس قاعدہ کو ڈھیلا کر دیا گیا ہے۔ اس لئے یہ ملاوٹ ہے۔ سوامی جی نے مہارانا صاحب کو مہابھارت کے کچھ حصّے بھی پڑھائے +

رانا صاحب کا معمول تھا۔ کہ صبح کے وقت سوامی جی سے ہر روز ملنے آیا کرتے تھے۔ جس دن صبح نہ آسکتے۔ اُس دن شام کو آتے۔ ایک دن پوچھنے لگے۔ بھگون! آپ جب کسی مجسّم چیز کا خیال دل میں جمانے کے خلاف ہیں۔ تو دھیان کس کا کیا جائے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ پرماتما کی کوئی شکل فرض کرکے اُس کا دھیان جمانا نامناسب ہے۔ وہ حاضر ناظر ہے۔ ہر جگہ موجود ہے۔ سب کا مالک ہے۔ عالم کل ہے۔ ان خوبیوں کا ان اوصاف کا دھیان کرنا چاہئے +

ایک دن پنڈیا موہن لال وشنولال نے عرض کی۔

مہاراج ! ہندوستان کی کامل قومی ترقی کب ہوگی ؟
جواب دیا - ایک دھرم - ایک زبان - ایک مقصد کے بغیر بھارت کی نجات نہ ہوگی - سب قوموں کی مرکزی جگہ اتحاد ہے - جہاں زبان - جذبات - اور خواہشات میں اتفاق ہو جائے - وہاں ایک ایک کرکے تمام سُکھ داخل ہو جاتے ہیں - جس طرح ساگر میں ندیاں سما جاتی ہیں - میں چاہتا ہوں کہ دیس کے راجے مہاراجے اپنے اپنے علاقہ میں اصلاح کریں - لوگوں کو ایک زبان - ایک خیال اور ایک مذہب پر جمع کریں - بھارت کی اصلاح خود بخود ہو جائیگی +

پنڈیا موہن لال جی نے پوچھا - جب آپ کا مقصد اتحاد ہے - تو آپ مختلف مذاہب کا ایسی سختی سے کھنڈن کیوں کرتے ہیں - اس سے تو مخاصمت اور بھی زیادہ ہونے کا اندیشہ ہے +

مہاراج نے جواب دیا - میرا مذہبی مقصد عالمگیر ہے - میں اُسے تنگ نہیں کر سکتا - بھارت باسی لمبی تان کر ایسے غافل پڑے ہیں - کہ شیریں الفاظ اُن کو جگا نہیں سکتے - اصلاح کی طرف یہ لوگ دیکھتے تک نہیں - بُری رسموں اور بیہودہ اعتقادات کے کھنڈن کے تازیانوں سے بھی اگر یہ لوگ جاگ اُٹھیں - تو میں پرماتما کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرونگا - پنڈیا جی ! کوئی ملک آدمیوں سے خالی

نہیں ہو جایا کرتا۔ آدمی زندہ ہی رہتے ہیں۔ مگر گوروؤں
لیڈروں اور بزرگوں کی سستی۔ بے پروائی اور آرام طلبی
سے خیال۔ زبان اور مذہب جو اتحاد کے ضروری حصے
ہیں۔ بدل جاتے ہیں۔ قوم کے احساسات اور جذبات
مرجاتے ہیں۔ اور چلن اور عقل میں فرق آ جاتا ہے
رہنے سہنے کے طریقے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ بالکل وہی
وقت اس قوم پر آیا ہوا ہے۔ اگر کوشش نہ کی گئی۔
تو آریہ قوم رفتار زمانہ کے بھنور میں پھنس کر اپنی تقدیس
کھو بیٹھے گی۔ گزشتہ آرام طلبیوں کے باعث کروڑوں آدمی
مسلمان ہو گئے ہیں۔ اب روزانہ سینکڑوں کی تعداد میں
عیسائی ہو رہے ہیں۔ ایسے وقت میں تو اگر اپنے
آدمیوں کو چوٹیاں پکڑ کر بھی ہلایا جاتے۔ تو قابل اعتراض
نہیں۔ بھائی! یہ کڑوا کام میں اپنی ذاتی اغراض کے
لئے نہیں کر رہا۔ مجھے تو اس کی اجرت میں مخالفت۔
مذمت۔ گالیاں۔ اینٹ پتھر اور زہر ہی مل رہے ہیں۔
مگر اپنی قوم کی محبت مجھے ان تباہیوں اور مخالفتوں
میں بھی اصلاح پر آمادہ کئے ہوئے ہے۔

پنڈیا جی نے سوامی جی کے پاؤں چھو کر کہا۔ آپ کا
خیال درست ہے۔ اگر دو چار دھرم کے آچاریہ بھی آپ
کے ہم خیال ہو جائیں۔ تو تھوڑے ہی عرصہ میں ہندو قوم
کا بیڑا پار ہو سکتا ہے۔

ترغیبوں میں پھنس کر بڑے بڑے مہاتما بھی اپنی مرجادا کھو بیٹھتے ہیں۔معمولی آدمیوں کا کیا شمار ہے۔ یہ ترغیب بڑے بڑے عابدوں کی عبادت کو روز روشن میں لوٹ لیتی ہے۔قوم کے تاج اس کے قدموں میں لوٹتے ہیں۔جہاں کبھی خوبصورت مندر آسمان سے باتیں کرتے تھے۔وہاں آج اس کی بدولت چمگادڑ بستے ہیں۔ اُلو بولتے ہیں اور گیدڑ روتے ہیں۔جس بزرگ نے اس دیو کو جیت لیا ہے۔جس عابد نے اس جادوگر پر فتح حاصل کر لی ہے۔وہ اس دنیا سے بالا ہے ؛

بھگوان دیانند کے بھگتوں کی عقیدت زیادہ ہو جاتی ہے۔جب وہ یہ واقعہ پڑھتے ہیں۔کہ مہاراج نے اس ترغیب کو پاؤں تلے مسلا ہوا تھا۔ایک دن تنہا بیٹھے تھے کہ رانا صاحب آکر کہنے لگے۔ بھگون! آپ مورتی پوجا کا کھنڈن ترک کر دیں۔یہ پالیسی کے خلاف ہے۔ اگر آپ میری یہ بات قبول کر لیں۔تو ایک لنگ مہادیو کے مندر کی گدی آپ کی ہے۔ ویسے تو یہ ریاست بھی اُسی مندر کی نذر ہے۔مگر خاص اُس مندر کے ساتھ جو جائداد ملحق ہے۔اُس کی آمدنی لاکھوں روپے ہے۔یہ سب کچھ آپ کا ہوگا۔آپ ساری ریاست کے گورو ہونگے ؛

یہ سُن کر سوامی جی جھنجھلا اُٹھے۔آپ مجھے حقیر

لالچ دے کر پرماتما سے پھرانا چاہتے ہیں۔ اور اُس کے احکام کے خلاف عمل کرانا چاہتے ہیں۔ رانا صاحب! آپ کی جس چھوٹی سی ریاست اور جائداد کی حدود سے میں بھاگ کر باہر نکل سکتا ہوں۔ وہ مجھے اننت (لامحدود) پرماتما کے احکام کے خلاف چلنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ پرماتما اور اُس کی محبت کے روبرو آپ کی اس ریاست کی حقیقت ہی کیا ہے۔ لاکھوں آدمیوں کا اعتقاد میرے اعتقاد پر منحصر ہے۔ خبردار! یہ الفاظ مجھے دوبارہ نہ کہئے گا۔ میرے خیال کو ڈگمگانے کی طاقت آسمان اور زمین کی کسی بھی چیز میں نہیں ہے ؛

رانا صاحب اُن کی صداقت کے جوش سے سورج کی طرح چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ کر چونک پڑے اور اپنے دل میں حیران رہ گئے۔ پھر تھوڑی دیر ہاتھ باندھ کر بولے۔ بھگون! میں نے آپ کے خیال کا استقلال دیکھنے کے لئے ہی یہ ترغیب پیش کی تھی۔ میری گستاخی معاف کیجئے۔ اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ دنیا کی کوئی بھی شے آپ کے استقلال کو ڈانواڈول نہیں کر سکتی اور یہ ناممکن ہے کہ آپ کا خیال اپنی جگہ سے ہل جائے ؛

سوامی جی نے رانا صاحب کو یہ بھی اُپدیش دیا کہ اپنا پروگرام بناؤ۔ تین گھڑی رات رہے اُٹھو۔ رفع حاجت وغیرہ سے فارغ ہو کر ہاتھ منہ دھوؤ۔ پھر دانت صاف

کرو۔ اس کے بعد ایک گلاس سرد پانی پیو۔ اور سب سے الگ ہو کر پرماتما کا دھیان کرو۔ مہاراج نے رانا صاحب کو صبح کی پرارتھنا کے کچھ منتر بھی یاد کرائے۔
پھر کہا۔ اگر ہو سکے۔ تو پیدل ورنہ بگھی پر سیر کرو۔ اس کے لئے ایک گھنٹہ کافی ہے۔ اس دوران میں ہر ایک شے کو پوری احتیاط سے دیکھنا چاہیئے۔ جب واپس آؤ۔ تو جہاں سارا دن بیٹھنا ہو۔ وہاں ہون کرو۔ دن کے نو بجے ریاست کا کار و بار شروع کر دو۔ دس بجے کے بعد کھانا کھاؤ۔ اور اگر طبیعت چاہے۔ تو کچھ دیر کے لئے سو جاؤ۔ پھر چار بجے تک دربار کا کام کرو۔ اس کے بعد لباس تبدیل کر کے گھوڑے پر سوار ہو چاہے فوج دیکھو۔ چاہے باغوں مندروں۔ سڑکوں کا معائنہ کرو۔ دن چھپے محلوں میں واپس چلے جاؤ۔ اس وقت کچھ پڑھنا چاہیئے۔ گیان دھیان کی بات چیت سننا چاہیئے۔ اور نیک اور عقلمند اصحاب سے ملاقات کرنی چاہیئے۔ یہ سب کام دو گھنٹے کے اندر اندر ختم ہو جانا چاہیئے۔ اس کے بعد کھانا کھاؤ اور آدھ گھنٹہ چہل قدمی کرو۔ نیز راگیوں سے گانا سنو۔ مگر راگ میں زیادہ دلچسپی لینا نادرست ہے۔ شاعروں کی شیریں بیانیوں کے لطف بھی اُٹھاؤ۔ اور چارن نیز کٹر کھیتوں کے کبت بھی سنو۔ مگر ان میں لغویات کو دخل نہ ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد سو جاؤ۔ اور چھ گھنٹے آرام کرو۔ تنہا سونا بہت عمدہ ہے۔ شاستر کے مطابق گرہستھ کے تعلقات پورے کرو +

یہ سب کچھ کہکر سوامی جی نے پوچھا۔ آپ اس پروگرام پر عمل کرینگے۔ رانا صاحب نے سر جھکا کر کہا۔ کل ہی سے اس پر عمل کرونگا۔ اور اُنہوں نے کیا بھی ایسا ہی +

مہاراج نے رانا صاحب کو شاستر پڑھا کر، دھرم کے رموز بتا کر، ریاست کی حفاظت اور اصلاح کے طریقے سُنا کر، جسمانی ترقی کے گُر سکھا کر اور دیگر کئی معنی خیز باتیں سمجھا کر اُنہیں پُورا آریہ بنا لیا۔ اور اُن میں آریہ سماج کے لئے گہری محبت اور زبردست ہمدردی پیدا کر دی +

سوامی جی علمی کاموں میں لوگوں کی حوصلہ افزائی کیا کرتے تھے۔ ایک دن چارن پاٹھشالا دیکھنے گئے۔ ودیارتھیوں کا امتحان لینے کے بعد اُن سب کو اپنی طرف سے پریتی بھوجن دیا۔ سوامی جی نے مہارانا صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد تمام ریاست کے راجوں اور ٹھاکروں کے لڑکوں کے لئے ایک پاٹھشالا کھولنے کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ کہ رانا جی بیمار ہو گئے۔ اور یہ کام درمیان ہی میں رہ گیا +

ایک دن رانا صاحب کو منوسمرتی پڑھاتے ہوئے کہا۔

اگر کوئی حاکم جائز حکم دے۔ تبھی اُس کی تعمیل کرنی چاہئے ورنہ نہیں ٭

اس پر سردار گڑھ کے ٹھاکر سوہن سنگھ نے عرض کیا۔ بھگون! یہ رانا صاحب ہمارے مالک ہیں۔ اگر یہ ہمیں کوئی حکم دیں اور ہم اُس کو دھرم کے خلاف سمجھ کر اُس کی تعمیل نہ کریں۔ تو ہمارا علاقہ چھن جائیگا ٭

سوامی جی نے کہا۔ کوئی فکر نہیں۔ دھرم کے لئے دولت اور ٹھکرائی چلی جائے۔ تو بھی مضائقہ نہیں۔ ادھرم کی دولت اور ٹھکرائی کی نسبت بھیک مانگ کر روٹی کھا لینا کہیں بہتر ہے ٭

سوامی جی ابھی اودے پور ہی میں تھے۔ کہ دسہرہ آگیا۔ یہ تہوار وہاں بڑی دھوم دھام سے منایا جاتا ہے۔ اس موقع پر رانا جی کی سواری بڑی شان و شوکت سے نکلتی ہے۔ دربار منعقد ہوتا ہے اور کئی بھینسے کاٹے جاتے ہیں۔ مہاراج کے کہنے پر سوامی جی بھی اس تہوار میں شریک ہوئے۔ وہاں جا کر اُنہیں پتہ لگا۔ کہ یہاں بھینسے قتل کئے جائینگے۔ رانا صاحب سے بولے۔ آپ راجہ ہیں۔ آپ کا کام انصاف کرنا ہے۔ میں اُن بھینسوں کا وکیل بن کر آپ کے سامنے کھڑا ہوں۔ آپ انصاف کیجئے۔ کہ اُن کا قتل کیونکر جائز قرار دیا جا سکتا ہے۔ دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ آخرکار رانا صاحب

نے کہا - یہ قدیم زمانہ سے رسم چلی آتی ہے - اسے یکایک نہ ہم اُڑا سکتے ہیں - نہ اُڑانا چاہیئے - ہاں آپ کے حکم کے مطابق اِسے آہستہ آہستہ گھٹا کر اُڑا دیا جائیگا ؞

سوامی جی کے احکام کی تعمیل کرنے کو رانا صاحب ہمیشہ تیار رہتے تھے - مگر سوامی جی مذہبی امور کے سوائے اور کسی بھی معاملہ میں دخل نہ دیتے تھے - ایک دن کا ذکر ہے کہ رانا صاحب جب سوامی جی کے درشن کر کے محلوں کو لوٹے - تو سوامی جی کے پاس پچاس پٹیل آئے اور سوامی جی سے اپنے مقدمہ کی بات چیت کرنے لگے - رانا صاحب نے اُن زمینداروں کو سوامی جی کے پاس جاتے دیکھ لیا تھا - اس لئے اُنھوں نے عبدالرحمان سے کہا - جا کر معلوم کرو - کہ ان لوگوں نے سوامی جی سے کیا عرض کیا ہے - اُس نے جا کر کہا - ان لوگوں نے اپنے مقدمہ کا ذکر چلایا تھا - اس پر سوامی جی نے یہ کہکر روک دیا کہ ہم سادھو ہیں - کسی دنیاوی جھمیلے میں دخل نہیں دیتے ؞

اُس وقت رانا صاحب نے کہا - مولوی صاحب ! دیکھا میں نہ کہتا تھا - کہ سوامی جی ریاست کے معاملات میں مطلقاً دخل نہیں دیتے - دنیا کے جھگڑے رگڑے سے آزاد - بھلا کوئی اور آدمی بھی آپ نے کبھی دیکھا ہے ؟

اودے پور میں قیام کے دوران میں سوامی جی نے

پروپکارنی سبھا قائم کی۔ اور اپنی تمام جائداد (؟) وغیرہ اُس کے نام لکھ دی۔ سوامی جی کا وصیت نامہ حسب ذیل ہے:۔

میں دیانند سرسوتی مفصلۂ ذیل تیئیس آریہ پرشوں کی سبھا کو اپنے کپڑوں۔ کتابوں۔ روپے اور پریس وغیرہ پر تمام حقوق دیتا ہوں۔ اور اسے بہتری عامہ کے کارِ خیر میں صرف کرنے کے لئے کار مختار بنا کر وصیت لکھ دیتا ہوں۔ کہ وقت پر کام آئے +

اس سبھا کا نام پروپکارنی سبھا ہے اور مفصلہ ذیل تیئیس اصحاب اس کے ممبر ہیں:۔

۱۔ شریمن مہاراج ادھیراج مہیندر یادو آریہ کل دواکر مہارانا شری ۱۰۸ سجن سنگھ جی ورما جی۔سی۔ایس۔آئی مہاراجہ اودے پور پریزیڈنٹ۔ ۲۔ رائے بہادر لالہ مولراج ایم۔اے۔ ای۔اے۔سی آریہ سماج لاہور وائس پریزیڈنٹ۔ ۳۔ شری کوبراج شیاملداس جی آریہ سماج میرٹھ سکرٹری۔ ۴۔ لالہ رام سرنداس جی آریہ سماج میرٹھ سکرٹری۔ ۵۔ پنڈیا موہن لال وشنولال اودے پور اسسٹنٹ سکرٹری۔ ۶۔ شریمن مہاراج ادھیراج شری ناہر سنگھ ورما والئ ریاست شاہ پور۔ ۷۔ شری راؤ تخت سنگھ بیدلے میواڑ۔ ۸۔ شریان راج رانا شری فتح سنگھ جی بھیل واڑہ۔ ۹۔ شریان ماوت ارجن سنگھ جی ورما۔ ۱۰۔ شری مہاراج شری راج سنگھ ورما اودے پور۔ ۱۱۔ شریان

راؤ شری بہادر سنگھ جی ورما مسودا ضلع بجنور - ۱۲ - رائے بہادر پنڈت سندر لال سپرنٹنڈنٹ ورکشاپ علیگڑھ - ۱۳ - راجہ جے کرشن داس جی - سی - ایس - آئی - ڈپٹی کلکٹر بجنور - ۱۴ - ساہو دُرگا پرساد آریہ سماج فرخ آباد - ۱۵ - ساہو جگن ناتھ پرساد آریہ سماج فرخ آباد - ۱۶ - سیٹھ نربھے رام پردھان آریہ سماج فرخ آباد بساور (راجپوتانہ) - ۱۷ - لالہ کالی چرن رام چرن منتری آریہ سماج فرخ آباد - ۱۸ - شری چھیدی لال گماشتہ کمسریٹ چھاونی مرار گوالیار - ۱۹ - لالہ سائیں داس منتری آریہ سماج لاہور - ۲۰ - شری مادھوداس منتری آریہ سماج دانا پور - ۲۱ - راؤ بہادر راج مان راجیشوری پنڈت گوپال راؤ ہری دیش مکھ ممبر کونسل گورنر بمبئی - ۲۲ - رائے بہادر مہادیو گوبند راناڈے جج پونا - ۲۳ - شری پت شیام جی کرشن ورما پروفیسر سنسکرت یونیورسٹی آکسفورڈ لندن بمبئی *

وصیت نامہ - (۱) اس سبھا کو جس طرح میری زندگی میں میری تمام اشیا کی حفاظت کر کے اُنہیں مفصلۂ ذیل بہتری و بہبودی کے کام میں لانے کا حق حاصل ہے - اُسی طرح میری موت کے بعد بھی ہوگا :-

(الف) وید ویدانگ وغیرہ شاستروں کے پرچار - اُن کی تشریح کرنے کرانے - پڑھنے پڑھانے - سُننے سُنانے - چھاپنے چھپانے میں *

(ب) ویدک دھرم کے اُپدیش اور تعلیم یعنی اُپدیشک

منڈلی قائم کرکے اُسے مختلف ممالک اور جزائر
میں بھیجنے میں ❖
(ج) آریہ ورت کے یتیم اور بے بس آدمیوں کی تعلیم
و تربیت میں ❖
۲- جس طرح میری زندگی میں یہ سبھا سب انتظام کرتی
ہے اُسی طرح میرے بعد بھی تیسرے یا چھٹے مہینے
ویدک پریس کے حساب کی پڑتال کے لئے کسی ممبر
کو روانہ کیا کرے - وہ ممبر وہاں جاکر تمام خرچ اور
آمدنی دیکھے - اُس کے نیچے اپنے دستخط کرے اور اُس
کی ایک ایک نقل تمام ممبران کو بھیجے - اگر پریس کے
انتظام میں کوئی نقص دیکھے تو اُس کے دفعیہ کی تجویز
لکھ کر تمام ممبران کو روانہ کرے - تمام ممبران اُس پر
اپنی اپنی رائے لکھ کر پریزیڈنٹ کو بھیج دیں - اور
پریزیڈنٹ تمام رائیں پڑھ کر مناسب کارروائی کرے -
اس کام میں کوئی ممبر سستی اور لاپروائی سے کام
نہ لے ❖
۳- اس سبھا کو مناسب ہے - کہ جس طرح یہ کام بہبودی
عامہ کا ہے - اُسی طرح اسے جرات ، محنت، سنجیدگی
اور فراخ دلی سے سرانجام دے
۴- مندرجہ بالا تیئیس اصحاب کی سبھا میرے بعد میری
قائم مقام سمجھی جائیگی - یعنی جو اختیار مجھے اپنی جائداد

پر ہے۔ وہی اختیار سبھا کو ہوگا۔ اگر کوئی ممبر خود غرضی سے قواعد کی خلاف ورزی کرے۔ یا کوئی دیگر آدمی دست اندازی کرے۔ تو وہ جھوٹا سمجھا جائیگا ‡

۵۔ اس سبھا کو نہ صرف میری جائداد کی حفاظت اور ترقی کے ہی تمام حقوق حاصل ہیں۔ بلکہ میری موت پر میرے آخری سنسکار کے بھی حقوق حاصل ہیں۔ میری موت کے بعد میری لاش کو نہ دفن کیا جائے، نہ پانی میں بہایا جائے۔ نہ جنگل میں پھینکا جائے۔ صرف چندن کی چتا بنائی جائے اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو دو من چندن۔ چار من گھی۔ پانچ سیر کپور۔ ڈھائی من اگر تگر اور دس من لکڑیوں سے ویدک طریقہ سے جیسا کہ سنسکار ودھی میں درج ہے۔ چتا بنا کر وید منتر پڑھتے ہوئے لاش کو جلایا جائے۔ اور وید کے خلاف کوئی رسم ہرگز ہرگز نہ ہو۔ اگر وہاں اس سبھا کا کوئی بھی ممبر موجود نہ ہو۔ تو جو کوئی موجود ہو وہ اسی طریقہ سے کارروائی سرانجام دے۔ اور اخراجات کی رقم پروپکارنی سبھا سے لے لے ‡

۶۔ میری زندگی میں اور میرے بعد اس سبھا کو اختیار حاصل ہے۔ کہ جس ممبر کو چاہے علیحدہ کر کے کسی دیگر قابل آریہ کو اس کا قائم مقام مقرر

کر دے۔ مگر کوئی بھی ممبر علیحدہ نہ کیا جا سکیگا: تاوقتیکہ اُس کے کسی کام میں کوئی ناجائز حرکت نہ ثابت ہو جائے ✤

۷۔ میری طرح اس سبھا کو بھی چاہیئے کہ وصیت کی تشریح اور اُس کے قواعد کی تعمیل کسی ممبر کی علیحدگی اور اُس کی جگہ دوسرے آدمی کی تقرری میں کامل احتیاط اور کوشش سے کام لے۔ اگر ممبران کی رائے میں اختلاف ہو۔ تو کثرت رائے سے فیصلہ کیا جائے۔ پریزیڈنٹ کا ووٹ ڈبل ہوگا ✤

۸۔ یہ سبھا تین سے زائد ممبران کو قصور ثابت ہو جانے پر بھی علیحدہ نہ کریگی: تاوقتیکہ اُن کے بجائے دیگر ممبران کا تقرر نہ کر لیا جائے ✤

۹۔ اگر کسی ممبر کا انتقال ہو جائے۔ یا وہ ویدک دھرم کے خلاف ہو جائے تو پریزیڈنٹ کو چاہیئے۔ کہ تمام ممبران کی رائے سے اُسے الگ کر کے اُس کی جگہ کسی اور قابل آریہ پُرش کو مقرر کرے۔ لیکن اِس اثنا میں معمولی کارروائی کے سوائے کوئی نیا کام نہ شروع کیا جائے ✤

۱۰۔ اس سبھا کو اختیار ہے کہ تمام انتظامات کرے اور نئے طریقے سوچے۔ لیکن اگر سبھا کو اپنے خیال پر کامل یقین نہ ہو۔ تو تحریری طور پر تمام آریہ سماجیوں سے مشورہ کیا جائے اور جس بات کے حق میں

کثرت رائے ہو۔ اُس کے بموجب عمل درآمد کیا جائے +

۱۱۔ انتظام کو کم و بیش کرنا۔ منظور یا نا منظور کرنا کسی ممبر کو الگ کرنا یا مقرر کرنا۔ آمدنی و خرچ کی پڑتال کرنا۔ اور دیگر کارروائیاں ایسی ہیں۔ کہ پریزیڈنٹ کو شائع کرا کے تمام ممبران کو اطلاع دینا چاہیئے۔ اور یہ کارروائی ہر سال یا چھ ماہ کے بعد ہونی چاہیئے +

۱۲۔ اگر اس وصیت سے متعلق کوئی جھگڑا اُٹھے۔ تو اُسے عدالت میں نہ لے جائے۔ بلکہ جہاں تک ممکن ہو۔ سبھا گھر ہی میں اس کا تصفیہ کرلے۔ لیکن اگر گھر میں کسی طرح بھی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو۔ تو ایسی حالت میں عدالت سے رجوع لانا ناگزیر ہوگا +

۱۳۔ اگر میں اپنی زندگی میں کسی قابل آریہ پُرش کو کچھ انعام دینا چاہوں۔ اور اُس کی رجسٹری کرا دُوں۔ تو سبھا کو اسے تسلیم کرنا چاہیئے +

۱۴۔ اپنی زندگی میں مجھے اور میرے بعد اس سبھا کو حالات و واقعات کے مطابق ان قواعد میں ترمیم و تنسیخ کرنے کا حق حاصل ہوگا +

دستخط "دیانند سرسوتی"

راناجی کے ہاں بال بچہ پیدا ہونے والا تھا۔ ایک دن بات چیت کے دوران میں سوامی جی نے رانا صاحب سے کہا۔ آپ کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا۔ اور یکم فروری ۱۸۸۳ء

کو سوامی جی کا قول درست ثابت ہوا۔ مہارانا صاحب کے محلوں میں خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ چاروں طرف سے لوگ مبارک باد دینے لگے۔ رانا صاحب نے یہ اطلاع سوامی جی سے اُن کے رہنے کی جگہ پر عرض کی۔ اور آٹھ سو روپیہ یتیم خانۂ فیروز پور کو دان دیا +

ایک دن رانا صاحب نے سوامی جی سے عرض کیا۔ اگر آپ درشنوں کا بھاشیہ کریں۔ تو اُسے طبع کروانے کے لئے بیس ہزار روپیہ میں دینے کو تیار ہوں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ وید بھاشیہ تو ختم ہو لے۔ پھر اس پر بھی غور کرونگا +

جس سیسودیہ بنس کی پرشکوہ عظمت کو مہارانا پرتاپ نے مشرق مغرب تک وسیع کر کے آسمان بنا دیا۔ جس بنس نے "جو راکھے نج دھرم کو۔ تیہی راکھے کرتار" کو اپنا معراج قرار دیا۔ جس بنس کے بیروں نے اپنی آن بان اور مان مرجادا کی حفاظت کے لئے مرمٹنا قبول کیا۔ مگر کائرپن کر اُسے بٹہ نہیں لگایا۔ جس بنس کی بہو بیٹیوں نے جلتے ہوئے شعلوں میں جل مرنا منظور کیا۔ مگر اپنے اعلیٰ اور متبرک چلن کی سفید چادر کو بدچلن آدمیوں کا ذلیل ہاتھ نہ لگنے دیا۔ اس عظیم الشان اور بڑے بنس کے قائم مقام شرین مہارانا سجن سنگھ کو اپنا پیرو بنا کر جگت گرو دیانند چلنے کو تیار ہوئے۔ ہر چند یہ جُدائی مہارانا صاحب

کو بہت شاق گزری۔ مگر ایسے نرموہ مہاپرش کو روکنے کی طاقت کس میں تھی ؂

یکم مارچ سنہ ۱۸۸۳ء کو سوامی جی نے اودے پور سے روانگی کا فیصلہ کیا۔ اس دن ان کے اعزاز میں ایک شاندار جلسہ کیا گیا۔ سوامی جی کو ایک بلند و بالا آسن پر بٹھایا گیا۔ ان کے گلے میں ایک خوبصورت مالا پہنائی گئی۔ اور ایک درباری نے مہارانا صاحب کی طرف سے سوامی جی کو ایڈریس پیش کیا۔ جس میں سوامی جی کے احسانوں کے لئے ان کا شکریہ ادا کیا گیا تھا ؂

چوتھا باب

سوامی جی اودے پور سے روانہ ہو کر چتوڑ ہوتے ہوئے پھاگن بدی اماوس سمبت ۱۹۳۹ کو شاہ پور میں رونق افروز ہوئے اور سرکاری باغ میں قیام کیا۔ مہاراجہ صاحب شاہ پور نے چتوڑ میں سوامی جی کے کئی مرتبہ درشن کئے تھے۔ اور مہاراج کی شخصیت سے مسحور ہو کر مہاراجہ صاحب نے ان سے شاہ پور آنے کی درخواست کی تھی۔ سوامی جی نے جواب دیا تھا۔ کہ موقع ملنے پر ہم ضرور

آئینگے۔ اُسی وعدہ کو ایفا کرنے کی غرض سے سوامی جی شاہ پور تشریف لے گئے تھے۔ سوامی جی کی آمد سے مہاراجہ شاہ پور بے حد خوش ہوئے۔ اور اُس دن شام کو خدمت میں حاضر ہوکر نمسکار وغیرہ کے بعد سوال پوچھنے لگے۔ مہاراجہ صاحب پانچ دن تک سوال کرتے رہے۔ اس کے بعد شام کے چھ بجے سے رات کے نو بجے تک ایک گھنٹہ بات چیت کرتے۔ دو گھنٹے پڑھتے۔ سوامی جی مہاراجہ صاحب کو منوسمرتی پڑھاتے تھے۔ اُن کے سمجھانے کا طریقہ نہایت عجیب تھا۔ منوسمرتی کے بعد سوامی جی نے یوگ درشن پڑھایا۔ اور اِس کے خاتمہ پر چند ایک حصّے ویشیشک کے بھی پڑھائے۔ سوامی جی صبح کے وقت باہر سیر کرنے جایا کرتے تھے کسی کسی دن مہاراجہ صاحب بھی جاکر درشن کرتے اور پرانایام کا طریقہ سیکھتے۔

سوامی جی نے اپنی کتابوں میں سنیاس کی بڑی عظمت بیان کی ہے۔ وہ مطمئن، اپنے جذبات پر قادر اور عالم فاضل آدمی ہی کو سنیاس کا مستحق بیان کرتے ہیں۔ انہوں نے سنیاس لے کر بھکشا کا مستحق اُسے ہی قرار دیا ہے۔ جو اپنی زندگی دوسروں کے لئے وقف کر دے۔ دن رات پرائے فائدہ کا خیال کرے۔ اور آٹھوں پہر لوگوں کی بہتری کا سبق یاد رکھے۔ جو آدمی انسانوں کی بہتری اور بہتری کے خیال سے محروم ہیں۔ اپاہجوں کے مانند

گلی گلی میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں۔ ایک ایک آدمی کے روبرو ہاتھ پھیلاتے ہیں۔ اور گھر گھر کے ٹکڑوں کے چٹورے بن جاتے ہیں۔ وہ سنیاس آشرم کی عظمت اور اہمیت کو ملیامیٹ کر دیتے ہیں۔ اُن کا خیال تھا کہ جسمانی طاقت ہوتے ہوئے لوگوں کی بہتری نہ کرنے والے آدمی کا دوسروں کے ٹکڑوں پر پڑا رہنا ایک قسم کا ذلیل فعل ہے۔ اس لئے سوامی جی نے ایسے لوگوں کے لئے جو خدمت عامہ کا کام نہیں کرنا چاہتے۔ یا نہیں کر سکتے۔ ستیارتھ پرکاش کے پہلے ایڈیشن میں تحریر فرمایا ہے کہ:- باہر کے جس قدر کام ہیں۔ اُن سب کو ترک کر کے یوگا بھیاس وغیرہ میں مصروف ہو جائیں۔ ضمیر کی تمام خرابی اور محبت دشمنی سے پاک و صاف ہو کر وید کا مطالعہ کرتے رہیں۔ اور اپنے کھانے پینے اور کپڑوں کا خرچ اپنے بیٹوں سے لیں۔ رہنے کے لئے شہر سے باہر جگہ بنائیں۔ اور اپنی مکتی کے لئے کوشش کریں" +

شاہ پور میں سوامی جی نے ایک ہونہار براہمن نوجوان کو سنیاس دیا۔ اور اُس کا نام ایشورانند رکھا۔ وہ تعلیم یافتہ تھا۔ مگر زیادہ پڑھنے کے لئے اُسے پریاگ بھیج دیا۔ اور اپنے پریس کے مینجر کو لکھ دیا۔ کہ جب تک یہ سادھو پڑھتا رہے۔ اسے پانچ روپے مہینا دیتے جاؤ +

گوپال راؤ نامی ایک براہمن سوامی جی کی سوانح عمری

لکھ رہا تھا۔ چتوڑ کے حالات لکھتے ہوئے اس نے بیان کیا۔کہ وہاں فتری مہاراجہ صاحب سوامی جی سے ہر روز دو مرتبہ ملتے تھے۔اس پر ایک نوین ویدانتی سادھو امرت رام نے سوامی جی کو شاہ پور میں لکھا کہ گوپال راؤ نے آپ کے پاس مہاراجہ صاحب کا دو مرتبہ آنا لکھا ہے اور یہ غلط ہے ؛

سوامی جی نے سادھو کا خط دیکھتے ہی گوپال راؤ کو یہ خط لکھا:- پنڈت گوپال راؤ ہری جی! خوش رہو۔ آج ایک سادھو کا خط ملا ہے، وہ آپ کے پاس بھیجتا ہوں۔سادھو کا خیال درست ہے۔مگر حالات چتوڑ میں نہ معلوم یہ کس نے لکھ دیا ہے۔اس وقت وہاں مہاراجہ صاحب اودے پور سے میری ملاقات صرف تین مرتبہ ہوئی تھی۔آپ نے روزانہ دو دفعہ لکھ دیا۔آپ جانتے ہیں۔ایسی باتوں کی تصحیح کا مجھے موقع نہیں ملتا ؛

اگرچہ آپ صادق الخیال ہیں۔آپ کی نیت نیک ہے۔ نیک ارادے سے کام کر رہے ہیں۔مگر جب آپ کو میرے صحیح حالات کا علم ہی نہیں ہے تو اس کے لکھنے کی کوشش نہ کیجئے۔تھوڑے سے جھوٹ کی آمیزش بھی تمام کئے کرائے کو خراب کر دیتی ہے۔ جواب جلدی دیجئے گا ؛ دیانند سرسوتی

ایک دن ایک منطقی پنڈت سوامی جی سے بحث

کرنے لگا۔ سوامی جی نے کہا "دیودتو گرامم گچھتی" کا ترجمہ منطق کے طریقہ سے کرو۔ وہ آدھ گھڑی تک بولتا رہا۔ بعد میں سوامی جی نے اُس کی تقریر میں کئی نقص دکھائے اور کہا۔ اس کا صاف ترجمہ یہ ہے کہ دیو دت گاؤں کو جاتا ہے۔ مگر منطقی لوگ اس کا ترجمہ ایسا لایعنی بنا دینگے۔ کہ کوئی کچھ سمجھ نہ سکے۔ سوامی جی نے یہ بھی کہا۔ دیوتا جی! پہلے آرش کتابوں کے درشن تو کریجئے۔ پھر منطق کی باتیں بھی کر لینا"۔

ایک دن سوامی جی کے پاس ایک آدمی پتاشے لایا۔ سوامی جی نے کہا۔ یہ پتھر پر چڑھے ہوئے ہیں۔ میں نہ لونگا۔ اُس نے پوچھا۔ آپ کو کیسے علم ہوا؟ سوامی جی نے کہا۔ دیکھو انہیں سیندور لگا ہوا ہے۔

ایک دن سوامی جی بڑے زور سے مورتی پوجا کا کھنڈن کر رہے تھے۔ ایک پنڈت نے کہا۔ والمیکی رامائن میں لکھا ہے کہ شری رام نے مہا دیو کی پوجا کی تھی۔ سوامی جی نے کہا۔ ترجمہ غلط کرتے ہو۔ اُس کا ترجمہ یہ ہے۔ یہاں پرمیشور نے مجھ پر مہربانی کی ہے۔

ایک آدمی نے آکر عرض کی۔ صرف نام ہی سے مکتی ہو جاتی ہے۔ بھوساگر پار اُترنے کے لئے اُس کے اوصاف کے علم کی ضرورت نہیں۔

سوامی جی نے جواب دیا۔ پرماتما کے حاصل کرنے کے

لیئے اُس کے اوصاف کا علم لازمی ہے۔ جس طرح الفاظ کے ساتھ ہی اُس کے معنی معلوم ہو جاتے ہیں۔ پانی کہنے پر اُس کی خاصیتوں کا یقین ہو جاتا ہے۔ اُسی طرح نام لینے کے ساتھ ہی نامی کے اوصاف کا علم ہو جانا چاہیئے +

سوامی جی کبھی پکّی روٹی کو محض اڈمبر خیال کرتے تھے ایک سادھو سوامی جی سے پڑھتا تھا۔ وہ ایک دن چوکے کے سوال پر باورچی سے لڑنے لگا۔ سوامی جی نے اُسے اپنے پاس بلا کر کہا۔ آپ سنیاسی ہو گئے۔ مگر یہ چوکے کا وہم ابھی تک نہ چھوٹا۔ یہ تو چاروں ورنوں کے تفرقات کو مٹانا ہوتا ہے۔ اور عالمگیر رشتہ کے خیال کی زمین پر محبت کا پھل تعمیر کرنا ہوتا ہے +

سوامی جی کو اپنی خواہشات اور جذبات پر پورا پورا قابو تھا۔ دماغ کے لطیف تر تاروں پر اُن کو ایسی قدرت تھی۔ کہ نیند بھی اُن کے ماتحت تھی۔ شاہ پور میں سوامی جی دو پہر کے وقت تھوڑی سی دیر کے لئے سو جایا کرتے تھے۔ اور اُن دنوں سولہ منٹ کی نیند لیتے تھے۔ اور اُٹھ کر ہاتھ منہ دھوتے تھے۔ نوکر گھڑی لئے دیکھتا رہتا تھا۔ جونہی سولھواں منٹ ختم ہوتا۔ سوامی جی اُٹھ بیٹھتے اور ہاتھ منہ دھو کر کام کاج میں مصروف ہو جاتے۔ رات کو سوامی جی ٹھیک دس بجے پاک و صاف مگر معمولی بستر پر سویا کرتے تھے۔ بھگتوں

سے بات چیت کرتے کرتے جب دس بجنے کا پہلا ٹن سنائی دیتا۔ تو فوراً کروٹ بدل لیتے۔ اور گھڑیال کی دوسری آواز پر نیند میں غافل پڑے ہوتے۔ اُن کی اس غیر معمولی خوبی پر لوگ بڑے حیران ہوتے تھے ؛

یوگ کے باعث اُن کے حواس خمسہ اس قدر صاف و شفاف ہو گئے تھے۔ کہ لطیف سے لطیف بات کو بھی فوراً پہنچ جاتے تھے ؛

سوامی جی کے رہنے کی جگہ پر خس کی ٹٹیاں لگا دی گئی تھیں۔ دو پہر کو جب لو چلنے لگتی۔ گرمی کی شدت سے جب زمین آسمان تپنے لگتے۔ تو اُن ٹٹیوں پر پانی چھڑکا جاتا تھا۔ اس سے اندر کی ہوا سرد اور خوشبودار ہو جاتی تھی۔ ایک دن جب پانی چھڑکا گیا۔ تو سوامی جی نے کہا۔ آج کہیں سے بدبو آ رہی ہے۔ چاروں طرف دیکھا گیا۔ کہیں کوئی گلی سڑی شئے نظر نہ آئی۔ ٹٹیوں پر چھڑکنے کے لئے ایک حوض میں پانی جمع رہا کرتا تھا۔ اُس میں سے باسی پانی نکال کر ہر روز تازہ پانی بھر دیا جاتا تھا۔ سوامی جی نے ملازم کو بُلا کر پوچھا۔ سچ بتاؤ۔ تم نے جو پانی خس کی ٹٹیوں پر ڈالا ہے۔ وہ باسی تھا۔ یا تازہ ؟

اُس نے عرض کی۔ میں نے حوض سے کل کا تمام پانی نکال دیا تھا۔ کوئی گھڑے دو گھڑے کے قریب رہ گیا

ہوگا۔ لیکن نئے پانی کے قریباً ایک سو گھڑے ڈالے ہیں
تب سوامی جی نے کہا۔ اُسی باسی پانی کی بو آ رہی ہے۔
اس وقت ٹٹیاں اُتار دو۔ اور آئندہ کے لئے احتیاط رکھنا۔
کہ کبھی باسی پانی نہ چھڑکا جائے۔ بھگوان کی سونگھنے کی
اس قدر تیز طاقت دیکھ کر لوگوں کو یقین ہو گیا۔ کہ یہ
یوگ ہی کا کرشمہ ہے ۔

جس وقت سوامی جی اودے پور میں لیکچر دے رہے تھے۔
اُن ایام میں مہاراجہ پرتاپ سنگھ اور راؤ راجہ تیج سنگھ نے
آپ کی خدمت میں خطوط بھیج کر جودھ پور تشریف لانے کی
عرض کی تھی۔ اور سوامی جی نے قول دیا تھا۔ کہ ہم شاہ پور
سے ہو کر جودھ پور آئینگے۔ یہاں مہاراجہ جسونت سنگھ
کی طرف سے ایک اور خط موصول ہوا۔ اور سوامی جی
نے روانگی کے لئے جیٹھ کرشن ۴ سمبت ۱۹۴۰ کا دن
مقرر کر دیا۔ روانگی کی تیاریاں دیکھ کر مہاراجہ صاحب
شاہ پور نے سوامی جی سے کہا۔ بھگون! راجہ لوگ
عیش و آرام میں پڑے ہوئے ہیں۔ جہاں آپ جا رہے
ہیں۔ وہاں بازاری عورتوں کا زیادہ کھنڈن نہ کیجئے گا۔
سوامی جی نے جواب دیا۔ بڑے بڑے درختوں کو
ناخن گیر سے نہیں کاٹا جا سکتا۔ اُس کے لئے تو سخت
قسم کے ہتھیاروں کی ضرورت ہے ۔

مہاراجہ صاحب شاہ پور نے سوامی جی کی روانگی کے

وقت اڑھائی سو روپیہ نذر کیا - اور پچاس روپے ماہوار ایک اپدیشک کے لئے دینا منظور کیا - نیز اُس وقت ایک ایڈریس بھی پیش کیا گیا - آریہ لوگوں نے عرض کیا - جہاں آپ جا رہے ہیں - وہاں کے لوگ بڑے سخت ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کے دھرم اُپدیشوں سے جوش میں آ کر لوگ آپ کو کچھ ضرر پہنچا بیٹھیں - سوامی جی نے جواب دیا - اگر لوگ ہماری اُنگلیوں کی بتیاں بنا کر بھی جلا دیں - تو بھی کوئی پروا نہیں - ہم اُپدیش ضرور کرینگے ﴿

مہاراج نہایت عزت کے ساتھ شاہ پور سے روانہ ہو کر اور جیٹھ بدی ۵ کو اجمیر ٹھیر کر پالی ریلوے سٹیشن پر پہنچے - وہاں جودھ پور سے مہاراجہ صاحب کی طرف سے چارن نول دان وغیرہ اصحاب سوامی جی کو لے جانے کے لئے ایک ہاتھی، تین اونٹ، تین رتھ ایک بگھی گاڑی اور چار فوجی سوار لے کر آئے تھے ﴿

پالی سے چل کر سوامی جی دو راتیں رستے میں ٹھیرے - اور جیٹھ بدی ۸ کو جب جودھ پور سے تین کوس کے فاصلے پر رہ گئے - تو صبح کی ہوا میں پیدل چلنے لگے - ان کو دیکھ کر اُن کے ساتھی بھی گاڑیوں سے اُتر آئے اور سوامی جی کے پیچھے پیچھے چلنے لگے ﴿

مہاراجہ صاحب جودھ پور کی طرف سے سوامی جی کے خیر مقدم کا نہایت اعلےٰ انتظام کیا گیا تھا - راؤ راجہ

تیج سنگھ جی۔ اور راؤ راجہ جوان سنگھ سوامی جی کا خیر مقدم کرنے کے لئے پرتاپ گڑھ تک پیدل آئے۔ اُنہوں نے دُور سے دیکھا کہ ایک سنیاسی سنجیدہ چال سے چلا آ رہا ہے۔ اُس کے ایک ہاتھ میں لمبا سوٹا ہے۔ اور پیشانی طلوع ہونے ہوئے سورج کی پہلی کرن سے بیش قیمت جواہر کے مانند منوّر ہو رہی ہے۔ جب سوامی جی اُن دونو راجوں کے قریب پہنچے۔ تو اُنہوں نے جھک کر قدم چھوئے اور مؤدبانہ طریق سے مزاج عالی کی خیروعافیت دریافت کی۔ مہاراج نے اُنہیں آشیرواد دے کر پوچھا۔ آپ اس قدر دور تک پیدل کیوں آئے ہیں۔ آپ کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ راؤ راجہ تیج سنگھ کے دل میں تو سوامی جی کے درشنوں ہی سے بھگتی کا دریا لہریں مارنے لگا تھا۔ اُنہوں نے جھک کر عرض کیا۔ شری مہاراج کے استقبال کی خاطر پیدل چل کر آنا ہمارے لئے عین خوش نصیبی ہے۔ اس کے بعد دونو معزّزین نے سوامی جی کو نہایت عزّت و توقیر سے لیجا کر میاں فیض اللہ خاں کے باغ میں ٹھیرایا۔ اُس باغ کے دروازہ پر مہارانا راجہ شری پرتاپ سنگھ بھی موجود تھے۔ اُس وقت سوامی جی کے ساتھ آنریبل راؤ بہادر شری گوپال راو ہری دیش مکھ کے قابل فرزند لکشمن راؤ بھی تھے۔ یہ صاحب خاندیش میں ڈپٹی کلکٹر تھے اور وہاں سے چھٹی لے کر سوامی جی سے یوگ کے طریقے سیکھنے آئے تھے +

مہاراجہ صاحب کی طرف سے چارن نول دان مع چار ملازموں کے سوامی جی کی خدمت میں مقرر کئے گئے۔ چھ فوجی سپاہی اور ایک حوالدار پہرے پر متعین کئے گئے۔ مہاراج کے دودھ کے لئے ایک گائے مہیا کی گئی۔ اور راو راجہ تیج سنگھ کو حکم ہوا۔کہ سوامی جی کی خدمت کا خود خیال رکھیں۔ راؤ راجہ تو مہاراج کے بھگت بن ہی چکے تھے۔اُنہوں نے اس حکم کو ایسا سمجھا۔ جیسے اُن کی خوش نصیبی کا سورج چڑھ آیا ہو ؟

جس دن سوامی جی جودھپور میں تشریف لے گئے۔ اُسی دن سے لوگ جوق در جوق خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ اور سوال و جواب کے ذریعہ ہی اُپدیشوں کی مسلسل برکھا ہونے لگی۔ اُن کے بولنے کا طریقہ، دلیلیں اور مثالیں حاضرین کی طبیعت کی لہلہاتی ہوئی شاخوں پر ساون کی پُھوار کا کام کرتی تھیں۔ راٹھور سردار اور راٹھور راجپوت پربھو دیانند کی شرن میں آنے لگے۔ اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ کا دل تو سوامی جی کی بھگتی سے اس طرح کھل گیا تھا۔ جس طرح ہوا کے جاں بخش جھونکوں سے پھول کھل جاتا ہے۔ اُن کو ہر وقت یہی خیال رہنے لگا۔کہ سوامی جی کو کوئی تکلیف نہ ہو۔ وہ ہر روز باقاعدہ سوامی جی کے ہاں حاضر ہوتے اور اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے۔ اُن کی اس عقیدت نے دیگر راجپوتوں پر بھی اثر کیا۔ چارن

طرف نمستے کی دلآویز آواز گونجنے لگی۔ اور آریہ سماج کا پرچار ہونے لگا +

مہاراج کے جودھ پور میں تشریف لانے کے سترھویں دن شری مہاراجہ جسونت سنگھ جی بڑی دھوم دھام سے اُن کے درشن کرنے آئے۔ نزدیک آکر اُنہوں نے بڑی عقیدت سے پاؤں چھوئے اور نمسکار کی۔ ایک سو روپیہ اور پانچ اشرفیاں نذر کیں۔ اگرچہ کرسیوں کا اچھا انتظام تھا۔ اور سوامی جی مہاراجہ صاحب کو کرسی پیش کرتے رہے۔ مگر آشرموں کی مرجادا اور دھرم کے رموز کو سمجھنے والے مہاراجہ صاحب نیچے فرش ہی پر بیٹھ گئے۔ اور کہا آپ ہمارے سوامی ہیں اور ہم آپ کے سیوک ہیں۔ اس لئے آپ کے سامنے فرش پر بیٹھنے ہی میں ہماری عزّت ہے +

شری سوامی جی مہاراجہ صاحب کو فرش پر بیٹھے دیکھ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور بولے۔ آپ کو اس طرح بیٹھے دیکھنا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ کہتے کہتے اُنہوں نے نہایت عزّت سے مہاراجہ صاحب کو اُٹھا کر کرسی پر لا بٹھایا۔ اس مہذبانہ سلوک کو دیکھ کر راٹھور بنس کے تمام سرداروں کے دل پر جادو سا ہو گیا۔ اور وہ اُن کی تعریف کرنے لگے۔ تین گھنٹے تک مہاراجہ صاحب سوامی جی کے پاس بیٹھ کر منوسمرتی سے راج دھرم سُنتے رہے

سوامی جی کے الفاظ میں تاثیر تھی۔ وہ مہاراجہ صاحب کے دل میں اترتے جاتے تھے۔ اور ذہن میں گھر کرتے جاتے تھے۔ تھوڑی دیر تک بات چیت بھی ہوئی اور پھر مہاراجہ صاحب نے اٹھتے وقت عرض کیا۔ بھگون! آپ جیسے پرائے دُکھ کو دور کرنے والے رحم دل مہاتماؤں کی یہاں تشریف آوری بڑی مبارک ہے۔ یہ ہماری خوش نصیبی کی صبح پر دال ہے۔ جو آپ یہاں تشریف لائے ہیں۔ لہذا خدمت عالی میں عرض ہے کہ جب تک مہاراج یہاں تشریف رکھیں۔ اپنے اُپدیشوں سے ریاست کے لوگوں کو فیض یاب کرتے رہیں +

اس سے دوسرے ہی دن سوامی جی نے مختلف مضامین پر لیکچروں کا اعلان کر دیا۔ جس بنگلہ میں سوامی جی ٹھیرے ہوئے تھے۔ اسی کے وسیع آنگن میں لیکچروں کا انتظام کیا گیا اور وقت شام کے چار بجے سے چھ بجے تک مقرر ہوا +

پہلے دن جب سوامی جی لیکچر کے لئے چلنے لگے۔ تو راؤ راجہ تیج سنگھ نے عرض کی۔ بھگون! مہاراجہ صاحب کے متعلق کچھ بھی نہ فرمائیے گا +

سوامی جی نے قدرے آور سے کہا۔ کیا آپ مجھ سے جھوٹ کہلوانا چاہتے ہیں۔ یاد رکھئے میں جو کچھ کہونگا۔ سچ کہونگا۔ مگر میرے الفاظ غیر مہذب نہیں

ہوتے۔ نہ ہی کسی خاص آدمی کا نام لیکر سخت الفاظ میں نکتہ چینی کرنے کا عادی ہوں +

راؤ راجہ نے سر جُھکا دیا اور سوامی جی جلسہ گاہ میں پہنچ کر ایک اونچے آسن پر بیٹھ گئے۔ اُس دن مہاراجہ جسونت سنگھ کے علاوہ ریاست کے تمام معزز عہدہ دار وہاں جمع تھے۔ نیز شہر کے سیٹھ ساہوکار بھی آئے ہوئے تھے۔ حاضرین چاتک کی طرح اُن کے الفاظ کے پیاسے تھے۔ اور اُن کے چہرے کی طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جس طرح چاند کی طرف چکور دیکھتا ہے +

ٹھیک وقت پر سوامی جی نے اپنے دونو نین بند کر لئے اور اُن کی روشنی کو اُلٹ کر ترکوٹی مندر کو جگمگا دیا۔ اس کے بعد خوف کو مٹانے والے' نہایت مقدس اوم کو ایسے زور سے بولا۔ کہ لوگوں کے جذبات بے ہوش ہو گئے۔ اُن کو ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ کوئی علم موسیقی کا ماہر کسی مندر کے دروازے بند کر کے بیٹھا بجا رہا ہے۔ اور راگ نے اس سُر کی شکل اختیار کر لی ہے۔ جس طرح بسنت میں پھولوں کی ٹہنی پر بھنورا گونجتا ہے۔ اُسی طرح ہونٹ بند کر کے سوامی جی اوم کی آواز کو گونجا رہے تھے۔ مگر اُس کی عجیب و غریب شیرینی موہنی منتر کا کام کر رہی تھی۔ گرمی کی خوفناک شدت سے تپی ہوئی سرزمین کو جس طرح بادل برس کر

سرد اور مطمئن کر دیتا ہے اُسی طرح یہ اوم کی تان حاضرین کے دلوں پر امن اور خوشی کی برکھا کر رہی تھی۔ ہزاروں آدمیوں کا ہجوم تھا۔ مگر کوئی بھی آدمی ہلتا جُلتا نظر نہ آتا تھا۔ چاروں طرف سنّاٹا تھا۔ اور خاموشی کی حکومت تھی ✤

ہر ایک شخص کو یہی معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہ عجیب وغریب تان میرے کانوں کے بہت قریب اُٹھ رہی ہے اور اُس سے ہر ایک طرف گونج رہی ہے۔ تمام لوگ کئی منٹوں تک یکسو ہوکر اس اوم کے راگ کو سُنتے رہے۔ پھر جب سوامی جی نے منتر گانا شروع کیا۔ تو لوگوں کو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے وہ کچھ نیچے اُتر آتے ہیں۔ جودھ پور کے اہلیان کے لئے یہ بات نئی تھی۔ اُنہوں نے اس سے پہلے ایسا راگ کبھی خواب میں بھی نہ سُنا تھا۔ اُن کے دل خوشی سے اُچھلنے لگے ✤

اس کے بعد سوامی جی کا لیکچر شروع ہوا۔ تو سب کی نگاہیں سمٹ کر اُن کے چہرے پر جم گئیں۔ اور سب کے کان سوامی جی کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اُن کا پہلا لیکچر ایشور کے مضمون پر ہوا۔ اُس میں انہوں نے ایشور کے روپ کا ایسا مکمّل اور عجیب بیان کیا کہ بھگتی کے بھادوں کی جھڑی لگ گئی ✤

لوگ ہمیشہ پورانوں کی پُرانی چاشنی چکھتے چکھتے اُکتا گئے تھے۔ دیو مالا کی دلکش، دلچسپ خوفناک اور فرضی کہانیوں

سے اُن کے دِل اُکتا چکے تھے۔ سوامی جی کے لیکچر نے اُن کے دل کے دروازے کھول دئے۔ اور اُن کو چھل بل سے خالی سچائی کی حقیقت کا پتہ لگا ۔

اس کے بعد ہر روز سوامی جی شام کے چار بجے جلسہ گاہ میں آ جاتے اور گیان کی گنگا بہاکر حاضرین کو نہال کر دیتے۔ وہ اپنے دماغ کی بدولت دلیلوں اور حوالوں کا ایسا سلسلہ باندھتے۔ کہ سُنتے سُنتے ہی تمام شکوک رفع ہو جاتے تھے۔ لیکچر کے خاتمہ پر سوال جواب کے لئے وقت دیا جاتا تھا۔ مگر کوئی شخص شاذ ہی کھڑا ہوتا تھا۔ ہاں کبھی کبھی کوئی دقیانوسی چال چلنے والا قدیم طرز کا پنڈت کچھ پوچھ لیتا۔ مگر ایک دو سوال و جواب ہی میں ہمت ہار دیتا تھا ۔

دودھ کا دودھ پانی کا پانی کرنے والے پرم ہنس کے ست سنگ میں انصاف ہوتا تھا۔ دلیلیں ہوتی تھیں۔ ثبوت ہوتے تھے۔ اور سب سے بڑھکر سچائی کی روشنی ہوتی تھی۔ کوئی کتنا ہی چھلی کپٹی ہوتا۔ مگر وہاں آکر اپنی تمام ترچالیں بھول جاتا تھا۔ اُس کا حوصلہ جاتا رہتا اور اُسے پوچھنے کے قابل کوئی سوال نہ سوجھتا تھا۔ وہ اپنا بچاؤ اسی بات میں سمجھتا تھا کہ اُس شیر نر کے روبرو نہ ہو ۔

جودھپور میں اُن دنوں گنیش پوری نام کے ایک مشہور سنیاسی آئے ہوئے تھے۔ وہ بڑے زبردست پنڈت تھے۔ اپنے ڈیرہ پر سوامی جی کے خلاف بولتے ہوئے زمین آسمان ایک کر دیتے

تھے۔ اور اپنے حق میں ثبوت دینے کے لئے سینہ ٹھوک کر تیار ہو جاتے تھے۔ کچھ اصحاب نے اُن سے جا کر کہا۔ مہاتما جی! سوامی دیانند جی اپنے شاستروں کی قوت سے اور دلیل بازی کی طاقت سے دیو مالا کی لڑیاں توڑ رہے ہیں اور آپ کی پران پاٹھ کی مضبوط پٹڑی کو اُکھاڑنے جا رہے ہیں۔ آپ چل کر اُن سے مباحثہ کیجئے۔ نہیں تو سب کام چوپٹ ہو جائیگا۔ گنیش پوری نے آج کل کرتے کرتے کئی دن تو ٹال مٹول ہی میں گزار دیئے۔ لیکن جب دیکھا کہ ظاہری دبدبہ قائم رکھنے کے لئے مباحثہ کی چکی میں پِسنا ہی پڑیگا۔ تو صاف کہہ اُٹھے۔ کہ بھئی! وہ تو جو کچھ کہہ رہے ہیں سچ کہہ رہے ہیں۔ اُن کے سامنے جانے کی مجھ میں نہ ہمت ہے نہ طاقت۔ مگر اس کے باوجود جب لوگوں نے اُنہیں بہت مجبور کیا۔ تو وہ اپنا ڈیرہ ڈنڈا اُٹھا کر کہیں کو چل دیئے +

راؤ راجہ جوان سنگھ وغیرہ کئی اصحاب نے جلسوں میں اپنے شکوک رفع کئے۔ ایک دن شری مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے پوچھا۔ بھگون! آپ پرماتما ہیں یا آدمی؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ آدمی۔ مہاراجہ صاحب نے کہا۔ ہمارے پنڈت تو ہمیں پرماتما بتایا کرتے ہیں۔ سوامی جی نے اپدیش دیتے ہوئے کہا۔ آپ پرماتما ہوتے۔ تو آپ میں پرماتما کے وصف بھی ہوتے۔ پرماتما عالم کل ہے۔ آپ کا علم محدود

ہے۔ لہذا آپ پرماتما نہیں ہو سکتے۔ پرماتما میں بھول اور غلطی ماننا بڑا بھاری وہم ہے +

مہاراجہ صاحب نے پھر پوچھا۔ بھگون کوئی ایسا طریقہ بتائیے۔ کہ کسی قسم کی خواہشات کے دام فریب میں پھنسے ہوئے میرے جیسے آدمی کی بھی مُکتی ہو جائے۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ آپ لوگوں کے دوسرے کرم تو مکتی کے نہیں ہیں۔ مگر ایک کام کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ اور وہ انصاف ہے۔ اگر آپ لوگوں کے انصاف میں پورے اُترینگے۔ تو آپ کی روح اسی سے صاف ہو جائیگی اور آپ کو نروان مل جائیگا +

مہاراجہ پرتاپ سنگھ ایک دن سوامی جی کو اپنا قلعہ دکھلانے لے گئے۔ اُنہوں نے بہت سی اشیاء دیکھتے دیکھتے وہاں راٹھور بنس کے زبردست بیر سورما مہارانا پرتاپ سنگھ کی ایک دستی تصویر دیکھی۔ اُن کے ڈاڑھی کے بغیر چہرے اور بل کھائی ہوئی مونچھوں سے جلال ٹپکتا تھا۔ سوامی جی نے مہاراجہ صاحب سے مخاطب ہو کر کہا۔ ذرا اس تصویر کی شان تو دیکھئے۔ آپ کے بزرگوں کے چہروں پر ایسا جلال اور دبدبہ ہوا کرتا تھا۔ دیکھئے اس تصویر سے کیسی بہادری ٹپکتی ہے +

مہاراج نے ایک دن اپنی زبردست تقریر میں وشنوؤں کے (چکر انکت) چکر والے مت پر نکتہ چینی کی۔ اور

اُن کے اصولوں کا بڑے زور سے کھنڈن کیا۔ ان کے تلک چھاپ کو وہم بتایا۔ اُس مت کے کئی آدمی لیکچر میں بیٹھے بل کھا رہے تھے۔ مگر اُن کی کچھ پیش نہ جاتی تھی۔ مہاراج کی دلیلوں کے لاجواب اور بے نظیر حملوں کی چوٹ دل میں اُبال کھانے سے کس طرح دور ہو جاتی ٭

ایک پہاڑی پنڈت شری رام بڑا متعصب چکرانکت تھا۔ اُس کے ہاں چیلے چانٹوں کی بھی کمی نہ تھی۔ وہ آگے بڑھا اور مباحثہ کے لئے لکھا پڑھی کرنے لگا۔ مگر کسی فیصلہ پر نہ ٹکا۔ دم آخر تک یہی کہتا رہا۔ کہ میرے مہنتہ وجے سنگھ کو مباحثہ کا صدر مان لو۔ تب میں مباحثہ کرونگا۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ مہنتہ صاحب تو سنسکرت جانتے ہی نہیں۔ اس لئے مباحثہ کے صدر کیسے ہونگے۔ کسی اور پنڈت کا انتخاب کرو۔ اُسے صدر بنا دیا جائیگا۔ مگر اُس پنڈت نے اپنی ضد نہ چھوڑی۔ شری رام نے سامنے آکر مباحثہ نہ کیا۔ مگر اپنے پیروؤں کے دلوں میں آگ لگا دی۔ مہنتہ صاحب کے دل میں بھی گرہ بندھ گئی۔ کچھ ویشنو لوگ بھی سوامی جی کو نقصان پہنچانے کو تیار ہو گئے ٭

سوامی جی اپنے لیکچروں میں مضمون کے ضمن میں تمام مذاہب پر نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ کوئی کیسا ہی زبردست کیوں نہ ہو۔ اُس کے مذہب کے خلاف بولنے سے کبھی نہ ڈرتے تھے۔ جودھ پور میں ایک دن اسلام پر بھی لیکچر دیا۔

اس سے بھیا فیض اللہ خاں کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔ غصہ سے بولے۔ سوامی! اگر مسلمانوں کی حکومت ہوتی تو لوگ آپ کو زندہ نہ چھوڑتے۔ اس حالت میں آپ ایسے لیکچر بھی نہ دیا کرتے۔ سوامی جی نے خان صاحب کو بڑی نرمی سے جواب دیا۔ ایسا وقت ہوتا۔ تو بھی میں کبھی پس و پیش نہ کرتا۔ اور بیکار نہ بیٹھا رہتا۔ بلکہ بغیر کسی خوف کے دو چار راجپوت بیروں کی پیٹھ ٹھونک کر مخالفوں کے پرے صاف کر دیتا۔ سوامی جی کے اس جواب سے خان صاحب سٹپٹا کر رہ گئے۔ مگر کچھ کر نہ سکتے تھے۔ ایک اور دن کا ذکر ہے۔ ان کے لیکچر کے دوران میں ایک مسلمان نوجوان جوش غضب میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور تلوار کی مٹھی پر ہاتھ رکھ کر بولا۔ منہ سنبھالیں۔ ہمارے مذہب سے متعلق کچھ نہ کہیں۔ سوامی جی نے نہایت ملائمت سے کہا۔ بیٹا! تمہارے ابھی دودھ کے دانت ہیں۔ دنیا کے نشیب و فراز سے تم آگاہ نہیں۔ صرف تلوار کو پکڑ سکتے ہو۔ اسے میان سے باہر نہیں نکال سکتے۔ بھلا چنا بھڑکیگا۔ تو کیا بھاڑ پھوڑ ڈالیگا۔ اگر ہم ایسی گیدڑ بھبکیوں سے ڈرنے والے ہوتے۔ تو اتنا بار نہ اٹھا سکتے۔ یہ سن کر وہ نوجوان خاموش ہو کر بیٹھ گیا اور ایسا نادم ہوا۔ کہ پھر سر نہ اٹھا سکا۔

بھیا فیض اللہ خاں کے دل میں بھی اس بات سے گرہ بندھ گئی۔ اور وہ انتقام کے لئے منصوبے سوچنے لگے۔

مہاراج بے حد سادہ دل تھے۔ عوام کے فائدہ کے لئے جو جی میں آتا تھا۔ کہہ دیتے تھے۔ وہ نہ غریبوں کو دھمکاتے تھے۔ نہ امیروں کی خوشامد کرتے تھے۔ دُنیا مکاریوں سے بھری ہے۔ اس میں کھرے کھوٹے کو پرکھنے والا کوئی شاذ ہی نظر آتا ہے۔ اُس مرد اعظم کی عظمت کو اِس فانی دُنیا کے فانی انسان کیا سمجھتے۔ عیش و آرام اور خواہشات نفسانی کے بندوں کو تو ایسے مطلب آشنا ہی اچھے لگتے ہیں۔ جو منہ دیکھی باتیں کرتے ہیں۔ چبا چبا کر چکنی چپڑی گپیں ہانکتے ہیں۔ اور امیر لوگوں کی تعریف کے پُل باندھ دیتے ہیں +

سوامی جی کسی کی سازش کی مطلقاً پروا نہ کرتے تھے۔ اور اپنے کام میں لگے رہتے تھے۔ صبح اُٹھ کر سیر کرنے جاتے۔ اور تنہا مقام پر بیٹھ کر ایک گھنٹہ تک سمادھی لگاتے۔ اس وقت اُن کے جسم پر یا ایک کوپین ہوتی تھی۔ یا ایک دھوتی۔ پاؤں میں جوتا ہوتا تھا اور ہاتھ میں ڈنڈا۔ واپس لوٹتے تو پندرہ بیس منٹ تک کرسی پر بیٹھ کر ایک گلاس دودھ پیتے۔ اس کے بعد ٹھیک آٹھ بجے وید بھاشیہ کا کام شروع کر دیتے۔ اور گیارہ بجے تک کرتے رہتے۔ اس کے بعد غسل فرماتے اور کھانا کھاتے۔ اُن کا کھانا بہت سادہ ہوتا تھا۔ اور سب چیزیں ملا کر ڈیڑھ پاؤ سے زیادہ نہ ہوتا تھا۔ دوپہر ڈھل جاتی۔ تو ستیارتھ پرکاش اور سنسکار ودھی

کے پروف دیکھتے تھے۔ بعد ازاں خط کتابت کا کام کرتے
پھر چار بجے سے کچھ دیر پہلے نہاتے اور سارے بدن
پر مٹی ملا کرتے تھے۔ ریشمی دھوتی۔ ریشمی صافہ اور ایک
لمبا چغہ پہنتے۔ اور ٹھیک چار بجے جلسہ گاہ میں جا کر
چھ بجے تک لیکچر دیتے۔ اس کے بعد دو گھنٹے تک
لوگوں کے سوال سُنتے اور اُن کے جواب دیتے۔ پھر
نو بجے تک مختلف مضامین پر بات چیت کرتے اور
پھر گرم کیا ہوا سیر بھر دودھ مصری ملا کر پیتے تھے ؛

آم سوامی جی کی پسندیدہ غذا تھی۔ تھوڑے سے
آم عموماً چوسا کرتے تھے۔ اور پاس بیٹھے اصحاب میں بھی
تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ یہی وقت اُن کے اخبار سننے کا
تھا۔ جب دس بجتے۔ تو چارپائی پر لیٹ جاتے۔ کبھی کبھی
مہاراجہ صاحب دس بجے تک سوامی جی کے پاس بیٹھے
رہتے۔ جب دس بجے کا وقت ہوتا۔ تو سوامی جی مہاراجہ
صاحب سے کہہ دیتے۔ راجن! اب سونے کا وقت ہو گیا
ہے۔ باقی بات چیت کل ہو گی۔ سوامی جی کا وقت گھڑی
کی سوئیوں کی طرح بٹا ہوا تھا۔ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔
اُن کا ہر کام درجۂ کمال کو پہنچا ہوا تھا ؛

سوامی جی سب کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔
کسی کے باہمی خیالات خواہ کیسے ہی ہوتے۔ مگر سوامی جی
کا ملنے جلنے کا طریقہ سب سے مساوی تھا۔ اُن کا دل کنول کے

پھول کی پنکھڑیوں کے مانند نرم تھا۔ دل موم کی طرح ملائم۔ اور سلوک مرنال کی طرح دلکش۔ اور گفتگو ایسی شیریں تھی۔ کہ شہد کی مٹھاس بھی اُس پر رشک کرتی تھی۔ وُہ تنگ دل نہ تھے۔ اُن کے خیالات بڑے وسیع تھے۔ کسی دُکھی کو دیکھتے۔ تو دل میں رحم کی موجیں اُٹھنے لگتیں۔ کسی کی صدائے جگر خراش سُن لیتے۔ تو ہمدردی جوش میں آجاتی۔ اَن داحد میں پگھل جاتے۔ آنکھوں میں آنسو بھر لاتے۔ اور اُس کی تکلیف کو مصیبت کو دکھ کو دور کرنے کی پوری پوری کوشش فرماتے +

آپ کو آریہ سماجیوں سے ناقابل بیان محبت تھی۔ یہ پودا اُنھوں نے اپنے ہاتھوں سے لگایا تھا۔ اس میں سے گھاس پھوس اور کانٹے وغیرہ اُکھاڑ پھینکنے میں بھی بہت دوڑ دھوپ کرتے رہتے تھے۔ اس کام میں اُنھوں نے دن رات کا آرام قربان کر دیا۔ کسی منکسر آریہ سماجی کو اپنے سامنے سر جھکائے دیکھ کر اُن کی چھاتی اس طرح ٹھنڈی ہو جاتی تھی۔ اُن کا دل، اس طرح پیار کے جذبہ سے بھر جاتا تھا۔ اُن کی آنکھوں سے محبت کا اس طرح سے اظہار ہوتا تھا۔ غرضیکہ اُن کی وہی حالت ہو جاتی تھی۔ جو کسی محبتی باپ کی اپنے پیارے اور قابل بیٹے کو دیکھ کر ہوتی ہے +

سوامی جی کو اپنی روحانی اولاد سے کیا کیا اُمیدیں تھیں۔ وہ اسی بات سے ظاہر ہے کہ ایک دن راؤ راجہ جوان سنگھ

جی نے کہا۔ پربھو! آپ کوئی قابل شاگرد تو بنائیے۔ تا کہ آپ کے مقاصد کی لڑی ٹوٹنے نہ پائے۔ بھگوان نے اپنے بھگت سے کہا۔شاگردوں سے مجھے کوئی اُمید نہیں۔ نہ مجھے کوئی ایسا شاگرد ملا ہے۔ جس کے ہاتھ میں یہ باگ ڈور سونپ جاؤں۔ اب تو میرے شاگرد آریہ سماجی ہی ہیں۔ وہی میری اُمیدیں ہیں۔ وہی میرے خیالات کے مرکز۔ انہی کی محنت پر میرے کاموں کی تکمیل اور خیالات کی کامیابی کا انحصار ہے +

سوامی جی کی جسمانی حالت بہت کام کرنے پر بھی عمدہ تھی۔ اُن کے جسم پر ضعیفی کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے۔ اُن کے ملنے والے اکثر کہا کرتے تھے۔ کہ "سو برس سے پہلے ان کے جسم پر ضعیفی حملہ آور نہ ہو سکیگی۔ چہرے پر کوئی شکن نہیں۔ ان کے جسم کا تھکنا۔ ڈھیلا ہو جانا اور سُست پڑ جانا ایک صدی سے پہلے ممکن نہیں"۔ سوامی جی خود بھی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اگر زہر یا تلوار سے ہمارے جسم کا خاتمہ نہ کر دیا گیا۔ تو یہ جسم عرصۂ زندگی کی انتہائی حد کے آخری لمحہ تک کام کرنے کے قابل رہیگا +

راؤ راجہ تیج سنگھ جی وغیرہ بھگت جب کبھی پاؤں دبانے کے بہلنے سے مہاراج کی پنڈلیوں پر ہاتھ ڈالتے۔ تو اُن کی اُنگلیاں اندر نہ جاتی تھیں۔ اُن کو سوامی جی کے تمام اعضا فولاد کی طرح سخت اور مضبوط

معلوم ہوتے تھے۔ ہڈیوں سے گوشت کا ڈھلکنا تو دور کی
بات ہے۔ اگر کبھی کوئی خدمت کرتے کرتے گوشت کو مٹھی
میں لینے لگتا۔ تو اسے ہڈی۔گوشت یکجان معلوم ہوتے۔
اُن کا جسم لوہے کی طرح متحد۔سخت اور طاقتور تھا۔ اس پر
دنیاوی تفکرات کے حملے نہ ہوئے تھے۔ مگر وہ لوگوں کے
لئے دن رات سوچتے رہتے تھے۔ پاؤں کے انگوٹھے
سے لے کر سر کی چوٹی تک لوگوں کی محبت سے بھرپور
تھے۔ مہاراج تن۔من۔دھن کے ساتھ دل سے، زبان سے
اور فعل سے پروپکار (رفاہ عام) کے لئے وقف ہو چکے تھے۔
مگر اس مکاری۔دھوکے اور دھڑا بندی کے بار سے دبی ہوئی
زمین پر دھرم کی آڑ میں لوگ پاپ کماتے رہتے ہیں۔
اور بعض اوقات تو وہ اپنے ہی آدمیوں پر ایسا ظلم کر
بیٹھتے ہیں۔کہ جس کے تصور ہی سے جسم کے رونگٹے
کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور کلیجہ کانپ اُٹھتا ہے ؛

مہاراج کے درشنوں کے لئے مہاراجہ شری جسونت سنگھ
جی تین دفعہ سوامی جی کے پاس حاضر ہوئے اور تین ہی
مرتبہ اُنہیں اپنے محل میں مدعو کیا ؛

ایک دن جب سوامی جی مہاراجہ صاحب جودھپور سے
ملنے گئے۔ تو اُس وقت وہاں بیسوا ننھی جان آئی ہوئی
تھی۔سوامی جی کو آتے دیکھ کر مہاراجہ صاحب نے ننھی جان
کی پالکی اُٹھانے کا اشارہ کیا۔ اس ننھی جان کی بڑی عزت

تھی۔تمام نوکر چاکر اس سے کانپتے تھے کہ دربار کے عہدیداروں کو بھی اُسے خوش رکھنے کی ضرورت لاحق ہوتی تھی۔ ننھی جان تو وہاں سے چلی گئی۔مگر اس نظارہ نے سوامی جی کا دل بیتاب کر دیا۔وہ رنڈی بازی کے عیب کا بڑا ہی کھنڈن کیا کرتے تھے۔اُنھوں نے سینکڑوں آدمیوں کو پاپ کی اس دلدل سے باہر نکالا تھا۔مہاراجہ صاحب کو اس کوچۂ گناہ میں دیکھ کر اُن کو جوش آگیا۔ کہنے لگے۔ راجن! راجہ لوگ شیر کے مانند سمجھے جاتے ہیں۔اور جگہ بجگہ ٹکریں کھانے والی بیسوا کُتیا کے مانند شمار ہوتی ہے۔ بہادر شیر کا حقیر کُتیا پر عاشق ہو جانا سراسر نامناسب ہے۔اور آریہ قوم کی مرجادا کے خلاف ہے۔شیر کے غار میں ایسے سیاہ افعال والی اس عورت کا کیا کام ہے؟ اس عیب سے دھرم کرم زائل ہو جاتا ہے۔خاندان کی عظمت مٹ جاتی ہے۔اور اس پاپ کی سیڑھیوں پر پاؤں رکھنے کے بعد پھر قدم قدم پر انسان گرتا چلا جاتا ہے۔ اس عیب کو فوراً چھوڑ دینا چاہئیے۔

اُپدیش دینے کے بعد سوامی جی واپس آ گئے۔اپنے بھگتوں سے بات چیت کرتے وقت اُنھوں نے کئی بار کہا۔ ہمارے ملک کے بڑے بڑے آدمیوں کے چالچلن تو اس قدر بگڑ گئے ہیں۔کہ اُن کی تباہی کبھی کی ہو چکی ہوتی۔ اُن کی ناؤ منجھدھار میں غرق ہو جاتی۔اگر ان کی بیویوں کے

دھرم نے انہیں نہ بچا لیا ہوتا۔ یہ کل ونتی ستیاں ہی ان کی محافظت کر رہی ہیں*

ننھی جان اس بات سے آگاہ تھی کہ مہاراج کے اُپدیش رنڈی بازی کے خلاف رام بان کا اثر رکھتے ہیں۔ اور اُن کے کلام ہی سے برسوں کے بگڑے سُدھر جاتے ہیں۔ اُسے یہ بھی خبر مل گئی۔ کہ سوامی جی نے اُسے کُتیا سے تشبیہ دی ہے۔ ان دونو باتوں سے اُس کے کلیجے پر سانپ سا لوٹ گیا۔ اور وہ زہری ناگن دن رات بیتاب رہنے لگی۔ اسی اثنا میں سوامی جی نے مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو حسب ذیل چٹھی لکھی:-

شری یُت مانیہ ور شور بیر مہاراجہ شری پرتاپ سنگھ جی! خوش رہو۔ یہ خط بابا صاحب کو بھی دکھا دیجئے گا*

مجھے اس امر سے بہت افسوس ہوتا ہے۔ کہ مہاراجہ صاحب جودھپور سُستی اور آرام طلبی میں پڑے ہیں۔ آپ اور بابا صاحب مریض ہیں۔ آپ کی ریاست میں سولہ لاکھ سے زائد آدمی بستے ہیں۔ اُن کی حفاظت اور بہتری کا بار آپ کے ذمہ ہے۔ اُن کی اصلاح کا بوجھ بھی آپ ہی کے شانوں پر ہے۔ تاہم آپ لوگ اپنی جسمانی صحت اور ایزادی عمر کی طرف بہت کم دھیان دیتے ہیں۔ یہ امر قابل افسوس ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ لوگ اپنی زندگی کی اصلاح کر لیں۔ تاکہ مارواڑ تو ایک طرف

اپنے ملک بھر کی اصلاح کرنے کے لئے آپ مشہور و ممتاز ہو جائیں۔ آپ جیسے خوش قسمت آدمی دنیا میں بہت کم پیدا ہوتے ہیں۔ اور پھر عمر بھی بہت کم پاتے ہیں ؛

اس کے بغیر ملک کی اصلاح ناممکن ہے۔ آپ جیسے آدمیوں کی جتنی زیادہ عمر ہوگی۔ اُتنا ہی ملک کو زیادہ فیض پہنچے گا۔ اس پر آپ لوگوں کو توجہ دینی چاہئے۔ آیندہ جیسی آپ کی مرضی ؛

آشون بدی ۳ سمبت ۱۹۴۰ دستخط "دیانند سرسوتی"

مہاراج کے اس خط میں راٹھور بنس کی بہتری کا کسقدر خیال بھرا ہے۔ یہ اُس کے ایک ایک لفظ سے ظاہر ہے۔ مگر جو چیز ایک کے لئے آب حیات ہوتی ہے۔ وہی دوسرے کے لئے زہر بن جاتی ہے۔ ننھی جان کے لئے یہ خط پیام مرگ سے کم نہ تھا۔ مہاراج کے اُپدیش نے اُس کے دل میں زخم کر دیا تھا۔ اس خط نے اُس پر نمک چھڑک دیا۔ اُدھر اُسے یہ معلوم ہونے لگا۔ کہ وہ مہاراجہ صاحب کی نگاہوں میں دن بدن گرتی چلی جاتی ہے۔ اُسے یقین ہو گیا۔ کہ بہت جلد وہ باسی پھولوں کے ہار کی طرح پرے پھینک دی جائیگی۔ اس فکر کے خیال نے اُس کی دُشمنی کو دوگنا چہارگنا زیادہ کر دیا۔ جس طرح ہوا سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگتے ہیں ؛

ننھی جان چھیڑی ہوئی ناگن کے مانند بل کھاتی تھی۔

لمبے سانس لیتی تھی۔ انتقام اور بچاؤ کے طریقے سوچتی تھی۔ اُسے یقین ہو گیا تھا۔ کہ اُس کے رنگ میں بھنگ ڈالنے والے۔ اُس کی شر کو بے ثمر کرنے والے سوامی جی ہی ہیں۔ اُنہی کے الفاظ اُس کے پالی ملے دودھ میں کانجی کا چلو بن کر گرے ہیں۔ اس لئے وہ بے انصافی سے، دھوکہ سے، ظلم اور سختی سے سوامی جی کو نقصان پہنچانے کی تیاریاں کرنے لگی ٭

ننھی جان جیسی ناگن کے ساتھ وہ لوگ بھی ہمدردیاں کرنے لگے۔ جنہوں نے کبھی اختلاف رائے سے سوامی جی کی باتوں پر بُرا منایا تھا۔ جو کبھی بھک سے اُڑ جانے والی اشیاء کی طرح اُن کے لیکچروں میں بھڑک اُٹھے تھے۔ وہ بھی سوامی جی کو اپنا مشترک دشمن سمجھ کر اُن کے خلاف سازشیں کرنے لگے ٭

جب کوئی مصیبت آنی ہوتی ہے تو آثار پہلے ہی بُرے نظر آنے لگتے ہیں۔ مہاراج کا ملازم کلّو کہار بڑی محبت سے اُن کی خدمت کیا کرتا تھا۔ مگر جودھ پور آنے کے پانچ مہینے بعد وہ کہار چھ سات سو روپے کی چیزیں لے کر بھاگ گیا۔ رات کو جس کھڑکی سے وہ بھاگا۔ اُس کے آگے برہمچاری رامانند جی کو سونے کا حکم دیا گیا تھا۔ مگر وہ وہاں نہ سوئے تھے ٭

صبح ہوتے ہی کہار کی چوری کا چرچا ہونے لگا۔ ریاست

کی طرف سے حکم ہوا۔ کہ اُسے زمین آسمان چھان کر بھی تلاش کیا جائے۔ مگر حیرت ہے کہ وہ کہار مکھن کے بال کی طرح نکل گیا۔ وہ مارواڑ کے دشوار گزار اور ٹیڑھے راستوں سے آگاہ نہ تھا۔ مگر پھر بھی گرفتار نہ ہوا۔ اس قدر انتظام کی موجودگی میں بھی اُس کا کپور کی طرح اُڑ جانا سوامی جی کے دل میں شک و شبہہ پیدا کرتا تھا۔ اُدھر پہریدار بھی اپنے فرائض کو کامل احتیاط سے سرانجام نہ دیتے تھے۔

ننھی جان نے انتقام لینے کے لئے اور اپنا کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے پرماتما جانے کیا کیا ظلم کرنا تجویز کیا ہوگا۔ وہ اپنے دل کی لگی کو بجھانے کے لئے نہ معلوم کون کون سا دام فریب بچھا رہی ہوگی۔ اپنی بربادی کا غصہ اُتارنے کے لئے اُس نے جو جو کچھ ممکن تھا کیا ہوگا۔ مگر جب تک اپنا نہ پھوٹے۔ تب تک غیر کیا بگاڑ سکتا ہے۔ اپنے ہی چراغ سے محل بھسم ہوتے ہیں۔ اپنی ہی آگ وسیع جنگلوں کو جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ فریب مکر اور لالچ کے قابو میں پھنس کر اپنے ہی آدمیوں نے دنیا میں اپنے آدمیوں کے سر پر ظلم و ستم ڈھائے ہیں۔ ہندوستان کی تاریخ میں ایسے ہزاروں واقعات ملتے ہیں۔ جب دھوکا دہی سے، ذلت سے، اور کمینگی سے ترغیب میں آکر اپنے کُل کلنکی کپوتوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی خاندانی اور ملکی شہرت پر سیاہی مل دینے کا شیطنت سے بھرا ہوا فعل کیا۔

ایسے ہی سیاہ فطرت کے آدمی سوامی جی کے پاس رہتے تھے۔ سوامی جی کی طبیعت دو چار دن سے کچھ سست تھی۔ آشون بدی ۱۴ سمبت ۱۹۴۰ کو رات کے وقت اُنھوں نے اپنے باورچی سے دودھ لے کر پیا اور سو گئے۔ تھوڑی ہی دیر سونے پائے تھے۔ کہ آنکھ کھل گئی۔ معلوم ہوا۔ پیٹ میں درد ہے۔ اس تکلیف میں تین دفعہ قے کی۔ اور خود ہی پانی لے کر کُلّے کرتے رہے۔ جو پاس سوئے ہوئے تھے۔ اُن کو اطلاع نہ دی۔ نہ جگانا مُناسب خیال کیا۔ ان کا معمول تھا۔ کہ بہت تڑکے ہی سیر کو نکل جایا کرتے تھے۔ مگر اُس دن بہت دن چڑھے چار پائی سے اُٹھے۔ اور اُٹھتے ہی ایک اور قے ہوئی۔ اس قے سے اُنہیں کچھ شبہہ ہوا۔ اس لئے اُنھوں نے کچھ پانی پی کر ایک اور قے کی۔ اور اپنے ملازموں سے کہا۔ آج ہماری طبیعت مالش کر رہی ہے۔ اور پیٹ میں گڑ بڑ ہے۔ آپ صاحبان ہون کر ڈالئے۔ تاکہ بنگلہ کی ہوا صاف ہو جائے۔ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی۔ اس کے بعد اُن کے پیٹ میں سخت درد ہونے لگا۔ سوامی جی نے اجوائن کا کاڑھا پیا۔ اس سے درد تو کم نہ ہوا۔ ساتھ ہی دست آنے لگے۔

لوگوں نے ڈاکٹر سورج مل کو بلایا۔ اُنھوں نے اُلٹی بند کرنے کی دوا دیکر پوچھا۔ اب طبیعت کیسی ہے؟ سوامی جی نے جواب دیا۔ پیٹ میں درد بڑا سخت ہے اور مُنہ

خشک ہوتا جاتا ہے - اس پر ڈاکٹر صاحب نے پیاس بند کرنے کی دوا دی - اُس وقت سوامی جی کے پیٹ میں ایسا سخت اور ایسا تیز درد اُٹھتا تھا - کہ اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا - تو تڑپ کر جان دے دیتا - مگر وہ بڑے حوصلہ سے درد برداشت کرتے تھے - نہ ہائے کا لفظ زبان سے نکالتے تھے - نہ گھبراہٹ کا نشان چہرے پر آنے دیتے تھے - آخرکار اُنہیں معلوم ہونے لگا - کہ زہر ہلاہل اُن کے جسم کی نس نس میں سما کر خون کے ایک ایک قطرہ کی زندگی کو برباد کر رہا ہے - اُن کے سارے جسم میں آگ سی لگی ہوئی تھی - تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد درد اُٹھتا تھا - اور سانس تیزی سے آنے لگتا تھا - مگر سوامی جی تھے - کہ اپنے چہرے پر ملال کے آثار نہ آنے دیتے تھے - اور بیماری کے تباہی بخش حملوں کو برداشت کرتے ہوئے پرماتما کے دھیان میں لگے ہوئے تھے +

شام کے چار بجے سوامی جی کی بیماری کی اطلاع مہاراجہ پرتاپ سنگھ کو ملی - اُنہوں نے اُسی وقت ڈاکٹر علی مردان خاں کو معالجہ کے لئے بھیج دیا - ڈاکٹر صاحب نے آکر سوامی جی کی پیٹھ پر پٹی بندھوائی اور پینے کو دوا دی - مگر اس سے افاقہ نہ ہوا - بیماری زیادہ بڑھ گئی - تیس چالیس دست آئے - درد بھی زیادہ ہو گیا - دوسرے دن ڈاکٹر صاحب نے گلاس لگائے - اس سے کھانسی کے ساتھ جو درد اُٹھتا تھا - وہ تو بند ہو گیا -

مگر پیٹ کا شول اسی طرح رہا۔ آشون شکلا یکم کو صبح کے آٹھ بجے جب ڈاکٹر صاحب آئے۔ تو سوامی جی نے کہا۔ ہم جلاب کی دوا لینا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔ یہ تو ٹھیک ہے مگر پہلے کوئی ایسی دوا دینی چاہیئے۔ جس سے کف پھول جائے اور چھ سات جلاب ہوں۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ بیماری دور ہونی چاہیئے۔ دوا خواہ کوئی ہو۔ ڈاکٹر صاحب چلے گئے اور انہوں نے گھر سے گولیاں بنا کر بھیج دیں۔ سوامی جی نے حسب ہدایت کھا لیں۔ آشون شکلا ۲ کو یہ دوا دی گئی۔ دس بجے دستوں کا آنا شروع ہوا۔ رات میں کوئی تیس سے زیادہ دفعہ دست آئے۔ دوسرے دن جب ڈاکٹر صاحب دیکھنے آئے۔ تو سوامی جی نے کہا۔ آپ تو کہتے تھے۔ کہ چھ سات جلاب ہونگے۔ مگر اب تو تیس سے بھی زیادہ آ چکے ہیں۔ ہمارا جی متلاتا ہے اور بار بار ڈوبتا جاتا ہے۔ ساتھ ہی جسم پر بے ہوشی سی چھا جاتی تھی۔ علی مردان خاں کی دوا اُلٹا ہی کام کرتی تھی۔ اس سے دستوں کی بیماری بھی بڑھ گئی۔ تیس پینتیس دست روزانہ آنے لگے۔ آٹھ دس ہی دن میں بھگوان کا جسم کمزور اور بےتاب و تواں ہو گیا۔ زہر کی آگ پر جو چیز پانی کہکر ڈالی جاتی تھی۔ پتہ نہیں کس طرح وہ تیل کا کام کرتی جاتی تھی۔

سوامی جی اونچے درجہ کے سنیاسی تھے۔ کسی کے لئے

بھی بُرا سوچنا اُن کے اصول کے خلاف تھا۔ وہ یہ بھی نہ چاہتے تھے۔ کہ اُن کی وجہ سے کسی کی بدنامی ہو۔ اس لئے دل میں جانتے ہوئے بھی اُنھوں نے کسی معتبر آدمی سے بھی نہیں کہا۔ کہ ہمیں کسی نے زہر ہلاہل پلا دیا ہے +

اس فانی دنیا میں فانی جسم اختیار کر کے کون ہے۔ جو قدرت کے خوفناک اثرات سے بچ رہا ہو۔ ہونہار کے سامنے رشی منی بھی ہار مانتے آئے ہیں۔ اپنی کرموں کی زمین میں جس نے روگ بھوگ کے جیسے بھی پیڑ لگائے ہوں۔ اُن کا پھل بھوگنے پر ہی اُس کا چھٹکارا ہو سکتا ہے۔ بھگوان دیانند جیسے بڑے آدمی اپنے کرموں کا اثر دیکھ کر اُس کے لئے ذریعہ بن جانے والے آدمی پر غصہ نہیں کیا کرتے اُن کی نگاہوں میں ٹھوکر کھا کر گرنے پر زمین کو پیٹنے لگ جانا بچّوں کا کھیل ہے۔ درمیان میں جو آدمی بہانہ بن گیا ہو۔ اُس کو تکلیف میں پھنسانے میں بڑے آدمی کوئی فائدہ نہیں دیکھتے۔ ایسے برھم گیانیوں کی بزرگی اور بھگوت کے بھگتوں کا زیور اپنے جانی دشمنوں کو بھی معاف کر دینا ہے۔ سوامی جی کے ملازموں میں سے کوئی دھوکا یا فریب کرتا۔ اور سوامی جی کو بعد میں پتہ نہ لگ جاتا یہ ناممکن ہے۔ دلوں کے جذبات کو بھی دیکھ لینے والی آریہ آنکھ سے کوئی اپنا کالا چہرہ کیونکر چھپا سکتا تھا۔ سچی بات

تو یہ ہے کہ سوامی دیانند کے رحم سے بھرے ہوئے دل نے جان بوجھ کر اپنی زندگی کے مجرم کو اپنے پیارے راٹھور بنسیوں کے حوالے کرنا منظور نہیں کیا۔ اُن کے دل نے یہ نہیں مانا۔ کہ قاتل کو اپنے بھگت مہاراجوں کے حوالے کریں اور اُسے موت کی سزا دلائیں ٭

راجکوٹ سے ایک مہاشہ نے اخبار ست دھرم پرچارک کو جو اطلاع دی تھی۔ اس کی بنا پر چھاتی ٹھونک کر کہا جا سکتا ہے۔ کہ پربھو دیانند سنیاسی کا رحم بے عدیل تھا۔ اُس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔ اُس مہاشہ نے لکھا تھا۔ کہ جگن ناتھ نامی ایک براہمن سوامی جی کے پاس بڑی دیر سے رہتا تھا۔ اور سوامی جی کو اُس پر کامل اعتماد تھا۔ وہ باورچی خانہ میں باورچی کا کام بھی کیا کرتا تھا۔ معلوم نہیں کس کے بہکانے سے، اُلٹی پلٹی پٹی پڑھانے سے، چکمہ دینے سے، لالچ دکھلانے سے یا کسی اور ترغیب کے جال میں پھنس کر وہ اس گناہ عظیم کے غار میں کود پڑا۔ یہ بے انصافی اور کمینگی کا کام کر گیا۔ اور برہم ہتیا اور گورو ہتیا کے پاپ کا ارتکاب کر بیٹھا۔ ہائے افسوس ایسا ذلیل کام کرتے وقت اُس کا سینہ کیوں نہ پھٹ گیا۔ اور اُس کا کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کیوں نہ ہو گیا ٭

نہایت نیک پرم ہنس جی نے اپنے جسم کے قفس کو تار تار کرنے والے اور زندگی کے ہلاکو جگن ناتھ کو پکڑ لیا۔

اور جگن ناتھ نے اپنے اس کمینہ جرم کا اقبال بھی کر لیا۔ مگر کرم گتی اور کرموں کے پھلوں کے معتقد سوامی دیانند نے اس پر خفا ہونا تو درکنار اسے تو بھی نہ کہا۔ اور سنجیدگی سے رحم کا اظہار کرتے ہوئے بولے۔ جگن ناتھ! میری اس وقت کی موت سے میرا کام نامکمل رہ گیا۔ آپ نہیں جانتے کہ اس سے عوام کے فائدہ کا کس قدر نقصان ہوا ہے۔ اچھا پرماتما کو ایسا ہی کرنا تھا۔ آپ کا بھی کیا قصور ہے۔ یہ لو کچھ روپے ہیں۔ جس طرح بھی ہو سکے۔ ریاست سے باہر نکل جاؤ۔ اور نیپال میں چلے جاؤ۔ اگر یہاں کے مہاراج کو ذرا بھی علم ہو گیا۔ تو وہ آپ کو سزا دینے کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرینگے۔ اور اُن کے غصہ سے آپ کو کوئی بچا نہ سکیگا۔ جگن ناتھ! اب دیر نہ کرو۔ اور چپ چاپ بھاگ جاؤ۔ کسی کو اس واقعہ کا علم نہ ہو جائے۔ میری طرف سے بے فکر رہو۔ میرے دل سے یہ راز کبھی باہر نہ نکلے گا۔

مہاراج نے اپنی شمع زندگی کے گل کرنے والے جگن ناتھ کو گرفتار کیا۔ اُس سے سب کچھ قبول کروایا۔ اُسے زاد راہ کے لئے خرچ دیا اور آخر میں اُسے بال بال بچا کر وہاں سے اس طرح نکال دیا۔ کہ اُن کے نزدیک ترین آدمیوں کو بھی علم نہ ہو سکا۔ اُنہوں نے کسی سے ذکر تک نہ کیا۔ کہ ہمیں زہر دیا گیا ہے۔ جگن ناتھ نے لباس تبدیل کر کے

پندرہ برس نیپال میں گزارے +

مہاراج کے نقوش قدم کو دیکھتے ہوئے گنگا کے کنارے پھرتے ہوئے ہم نے بھی یہ سُنا تھا۔ کہ راج گھاٹ میں سمبت ۱۹۷۰ تک جگن ناتھ نام کا ایک براہمن اکثر آکر رہا کرتا تھا۔ سادھوؤں کے لباس میں تھا اور پاگل سا معلوم ہوتا تھا۔ وہ جودھ پور میں سوامی جی کے ساتھ تھا۔ چند ایک سادھوؤں پر روشن بھی ہو گیا تھا۔ کہ اُس کی دیوانگی مصنوعی تھی۔ اصل میں وہ کوئی قاتل تھا +

بھگوان کرشن چندر نے بھی اپنے پاؤں کے تلوے میں تیر مارنے والے کو معاف کر کے اپنے پاس سے کھسکا دیا تھا۔ مگر جگن ناتھ اور اُس شکاری کے فعل میں رات دن اور زمین آسمان کا فرق تھا۔ شکاری نے شری کرشن کے پاؤں کے درخشاں چکر کو ہرن کی آنکھ سمجھ کر نشانہ بنایا تھا۔ مگر جگن ناتھ نے دیدہ و دانستہ سازش کا شریک کار ہو کر یہ کمینہ یہ ذلیل فعل کیا۔ اس لئے مبارک ہیں سوامی جی مہاراج۔ جنہوں نے ایسے زبردست زہری ناگ کو بھی معافی دیدی اور اُسے نہ صرف زاد راہ دیا۔ بلکہ جان بچانے کا طریقہ بھی سمجھا دیا +

سوامی جی کی بیماری کی خبر آریہ سماجک دنیا کو آشون شکلا ایکادشی کو ملی۔ آریہ سماج اجمیر کے ایک ممبر نے راجپوتانہ گزٹ میں پڑھا۔ کہ سوامی جی جودھپور میں کسی خوفناک مرض

میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ اس خبر سے اُن کا کلیجہ دہل گیا۔ اُنہوں نے اُسی وقت یہ خبر آریہ سماج اجمیر کے ممبران کو دیدی۔ اور اُنہوں نے اپنا ایک ممبر جودھپور میں صورت حال دیکھنے کی غرض سے بھیج دیا۔ اُس نے سوامی جی کی حالت دیکھ کر کہا۔ مہاراج! آپ نے اپنی بیماری کے حالات سے آریہ سماجیوں کو کیوں اطلاع نہیں دی۔ سوامی جی نے جواب دیا۔ بیمار ہو جانا ایک معمولی بات ہے۔ اس کی اطلاع دے کر آپ کے دلوں کو کیوں خراب کرتا۔ ہاں اگر آپ صاحبان کے لئے دل خوش کرنے والی کوئی خوشخبری ہوتی تو وہ آپ کے پاس فوراً پہنچا دیتا۔ اُس آدمی کے اجمیر پہنچنے پر سوامی جی کی بیماری کے برقی تار لاہور، بمبئی اور میرٹھ وغیرہ کی آریہ سماجوں کو روانہ کئے گئے اور پھر سینکڑوں تار اِدھر اُدھر دوڑنے لگے۔ اُس دن تار گھر کے بیرونی دروازے تک ایک عجیب گھبراہٹ اور پریشانی کا عالم طاری تھا۔ کئی بھگت تو اس اطلاع سے ایسے بیتاب ہوئے کہ اپنے اپنے کام کاج چھوڑ کر اُسی وقت جودھپور کو روانہ ہو گئے۔

اُسی دن سوامی جی کو دیکھنے کے لئے جودھپور کا سب سے بڑا ڈاکٹر آیا۔ سوامی جی کوہ آبو پر جانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ اُس نے اس رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔ اُس دن شام کے وقت مہاراجہ جسونت سنگھ مع سرداروں کے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ اور مہاراج کی بیماری سے

متفکر ہوئے۔ اُنھوں نے اڑھائی سو روپیہ سوامی جی کی نذر کیا۔
آشون پورنما کو سفر کی تمام تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ اور دن کے تیسرے پہر مہاراجگان جسونت سنگھ اور پرتاپ سنگھ سوامی جی کو وداع کرنے آئے۔ اُس وقت سوامی جی پلنگ پر پڑے تھے۔ اُن کے قریب کرسیوں پر مہاراج صاحبان بیٹھ گئے۔ اور سوامی جی نے اُن سے بات چیت کی۔ اتنے میں فوجی سوار اور رتھ وغیرہ آ گئے۔ سوامی جی کے لئے ایک خاص پالکی آئی۔ اُس میں خس کی ٹٹیاں لگی تھیں۔ اور ایک پنکھے کا انتظام تھا۔ پالکی کو اُٹھانے کے لئے سولہ کہار مقرر ہوئے۔ ایک آدمی پنکھا کھینچنے کے لئے تھا۔ مہاراج اُس وقت بنگلہ کی بالائی چھت پر تھے۔ سیوک لوگ ہاتھوں ہاتھ نیچے اُتار لائے۔ جب وہ مہاراج کے نہایت کمزور جسم کو پالکی میں رکھنے لگے۔ تو مہاراج جسونت سنگھ نے بھی دونو ہاتھوں سے سہارا دیا۔ اور اپنی قلابین کی پیٹی مہاراج کی کمر سے اپنے ہاتھ سے باندھ دی اور کہا۔ اس سے سفر کی تکلیف کم ہو جاتی ہے۔ مہاراج کی پالکی کے ساتھ ساتھ وہ باغ کے دروازے تک پیدل آئے۔ یہاں پالکی ٹھیر گئی اور مہاراجہ جسونت سنگھ جی اور مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے سوامی جی کے پاؤں چھو کر نمسکار کیا۔ اور پھر دست بستہ عرض کی۔ بھگون! آپ ایسی حالت میں یہاں سے جا رہے ہیں اس کا مجھے بیحد افسوس ہے۔

آپ کی اِس بیماری کو میں اپنے اوپر ایک قسم کا دھبّا سمجھتا ہوں - اگر شریمان جی کامل طور پر صحت حاصل کر کے یہاں سے روانہ ہوتے - تو مجھے نہایت خوشی ہوتی - مگر میرے دل کی دل میں رہ گئی - یہ کہتے کہتے اُن کا دل بھر آیا - سوامی جی نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے کہا - مہاراج! فکر نہ کیجئے - پرماتما کے علم میں جو کچھ ہونا لکھا ہے - اُس میں دخل دینے کی طاقت کس میں ہے - بیماری جسم کے ساتھ دھوپ چھاؤں کی طرح لپٹی ہوئی ہے - اس سات دھاتوں کے مکان میں بیماری کا پیدا ہو جانا تعجب کی بات نہیں - آپ فکر نہ کریں - میں آپ کے محبت بھرے سلوک سے بڑا خوش ہوں - مجھے آپ اپنا خیرخواہ ہی سمجھئے ٭

اب پھر مہاراج کو مہاراجہ صاحب نے نمستے کہی - اور اُداس ہو کر محلوں کو چلے گئے - اُس وقت اور بھی کئی اصحاب وہاں موجود تھے - سب نے سوامی جی کے پاؤں کو چھو کر نمسکار کیا - ڈاکٹر سورج مل مہاراجہ صاحب کے حکم سے ساتھ گئے - اور کوہ آبو پر جودھ پور ہؤس کے مینجر کو سوامی جی کی روانگی کی اطلاع بذریعہ تار دی گئی - اور اُن کے لئے جگہ تیار رکھنے کو لکھا گیا ٭

پانچواں باب

مہاراج شام کو وہاں سے چلے اور ساری رات چل کر صبح کے وقت روپٹ پہنچے۔ وہاں آٹھ پہر تک قیام کیا۔ اور اُس سے دوسرے دن پالی پہنچے۔ وہاں رات کی رات ٹھہرے اور پھر ریل میں سوار ہو کر کھاراچی اُترے۔ وہاں کچھ دن آرام فرمایا۔ اور پھر کارتک کرشنا ۶ کو صبح پانچ بجے آبو مارگ نام کے سٹیشن پر جا پہنچے ؎

سوامی جی کی پالکی جس وقت آہستہ آہستہ پہاڑ پر چڑھ رہی تھی۔ اُس وقت صوبہ پنجاب کے نیک دل فرزند ڈاکٹر لچھمن داس نیچے اُتر رہے تھے۔ یہ خوش نصیب بھگت ضلع جالندھر کے کسی گاؤں کا رہنے والا اور پنڈت بھاگیہ رام کا رشتہ دار تھا۔ اپنے صوبہ کے مخصوص انداز سے اُس نے جھک کر قدموں میں نمسکار کیا اور پھر اُن کی نبض دیکھی۔ یہ سمجھ دار ڈاکٹر نبض دیکھ کر اور سوامی جی کی بیماری کے حالات سُن کر بیتاب ہو گیا۔ سوامی جی نے اُسے اسی قدر کہا۔ کہ اس وقت تو تھوڑی ہی تکلیف ہے۔ مگر اُن کی حالت دیکھ کر بھگت کا دل کانپ گیا۔ اور طبیعت بیقرار

ہو گئی۔ اُس وقت ڈاکٹر لچھمن داس اجمیر جا رہے تھے۔ لیکن اُن کو اتنا صدمہ ہوا۔ کہ وہ اجمیر کی طرف ایک قدم بھی نہ اُٹھا سکے۔ اور سوامی جی کی پالکی کے ساتھ ساتھ کوہ آبو کی طرف چلنے لگے ۔

سوامی جی کو کوئی دو ہفتہ سے ہچکیوں نے تنگ کر رکھا تھا۔ اُن کے زور سے تمام انتڑیاں تن جاتی تھیں۔ اور سارا جسم اینٹھ جاتا تھا۔ پیٹ بار بار کی کھینچ سے دکھنے لگا تھا۔ ڈاکٹر لچھمن داس کی دوا سے یہ تکلیف دوسرے ہی دن دُور ہو گئی۔ دست بھی بند ہو گئے۔ اس قدر عرصہ تکلیف برداشت کرنے کے بعد سوامی جی کو اپنا بھگت ڈاکٹر ملا۔ مگر ہونہار نے اُسے بھی اُن کے پاس نہ رہنے دیا۔ قدرت کو شاید یہ منظور نہ تھا۔ کہ ہندوستان کی بدنصیب سرزمین پر آریوں کی خوش نصیبی کا یہ سورج کچھ دن اور چمک کر اُس کی اندھیری رات کو بھگا دے۔ کارتک کرشنا اشٹمی کو ڈاکٹر لچھمن کو اپنے افسران کا حکم موصول ہوا۔ کہ آپ فوراً اجمیر پہنچیں۔ اُنھوں نے بڑی منت سماجت کی۔ اپنے گورو کی خوفناک بیماری کا ذکر کیا۔ مگر ایک نہ سُنی گئی۔ کسی نے اُن کی درخواستوں پر دھیان نہ دیا۔ آخر بھگت لچھمن داس نے جب دیکھا۔ کہ اُن کے افسران بالا کوئی بات بھی نہیں سُنتے۔ اور اُن کا دل کسی طرح بھی نہیں پسیجتا۔ تو انھوں نے ملازمت سے استعفیٰ دیدیا ۔

بھگت لچھمن داس! تو مبارک ہے۔ تیرا ایثار تیری عظمت کا ثبوت ہے۔ تو نے وہی کر دکھایا۔ جس کی کسی آریہ ماتا کے جائے سے توقع کی جا سکتی ہے۔ تو نے اپنے نام کو بھگتوں کی مالا میں ایک بیش قیمت جواہر بناکر امر اور اٹل کر لیا ہے ÷

بھگت لچھمن داس نے بھگتی کے جوش میں استعفیٰ دے تو دیا۔ مگر اتفاق دیکھئے۔ ہٹیلا افسر اور بھی غضب میں آ گیا۔ اُس کے سخت دل سے نکلے ہوئے حکم نے اُسے سوامی جی کی خدمت سے محروم کر دیا۔ اور زبردستی آبو سے اجمیر بھیج دیا ÷

بھگت لچھمن داس آبو سے نیچے اُترتا تھا۔ مگر صرف جسم سے، دل سے محروم سینہ سے۔ جلتے ہوئے کلیجہ سے۔ تپتے ہوئے جی سے۔ اُس کا پروانۂ دل تو سوامی جی کے پاؤں کے گرد چکر لگا رہا تھا۔ رستے میں آتے ہوئے اُس کے دل کے تاروں پر سے کئی مرتبہ یہ آواز آئی۔ "پرادھین سپنے سکھ ناہیں" ÷

آبو سے اُترتے وقت بھگت لچھمن داس کو کئی آریہ سماجی اوپر جاتے ملے۔ اُنھوں نے بھگت جی کو پہچان کر سوامی جی کا حال اُسی قدر بیتابی سے پوچھا۔ جس قدر بیتابی سے ارجن نے شری کرشن کا حال اودھو جی سے پوچھا تھا۔ بھگت جی نے آنسو بہاتے ہوئے کہا۔ سوامی جی کا حال

نازک ہے۔ کمزوری بہت بڑھ گئی ہے۔ گلے پر، زبان پر، پیشانی پر اور سر پر چھالے پڑ گئے ہیں۔ حلق سے پانی کا ایک گھونٹ بھی بڑی مشکل سے نیچے اُترتا ہے۔ اس اندھیرے میں، یاس کی رات میں، بربادی کے گہرے ساگر میں اُمید کی یہی ایک شعاع چمکتی ہے کہ مہاراج اپنے ہوش و حواس میں ہیں۔ ہائے میں کیا کروں۔ بے بس ہوں۔ ایسے وقت میں سوامی جی سے الگ کر دیا گیا ہوں۔ اگر آپ لوگ سوامی جی کو کسی طرح اجمیر لے آئیں۔ تو بڑا اچھا ہے۔ اسی سے کچھ ہو سکتا ہے۔ بھگت جی اتنا کہہ کر رومال سے آنکھیں پونچھتے ہوئے۔ آبو مارگ سٹیشن کو چلے گئے۔

ٹھاکر بھوپال سنگھ جی سوامی جی کے ہمراہ جودھ پور میں بھی تھے۔ سوامی جی کی خدمتگزاری میں انہوں نے رات دن ایک کر دیا۔ اگرچہ آپ ضلع علیگڈھ کے زمیندار ٹھاکروں میں سے ایک ممتاز ٹھاکر تھے۔ مگر اُنہوں نے سوامی جی کی اُلٹیاں اپنے ہاتھ سے اُٹھا کر پھینکیں۔ اور اتنا ہی نہیں بول و براز تک اُٹھانے میں پس و پیش نہیں کیا۔ اپنے ہاتھوں پر اُٹھا کر سوامی جی کو ٹٹی کی جگہ لے جاتے تھے اور کئی بار اُن کے ہاتھوں پر ہی پاخانہ نکل جاتا تھا۔ مگر ٹھاکر کے چہرے پر کبھی شکن نہیں پڑا۔ وہ گندے کپڑوں کو بھی خود ہی دھویا کرتے تھے۔ جس قدر بھی خدمت کوئی اعلےٰ سے اعلےٰ چیلہ اپنے گورو کی کر سکتا ہے۔ وہ ٹھاکر

بھوپال سنگھ نے کی اور اُس کے لئے دن کا آرام اور راتوں کی نیند حرام کر دی +

میرٹھ سے مہاشہ لچھمن سروپ جی ۔ فرخ آباد سے لالہ شوودیال اور بمبئی سے سیٹھ سیوک لال کرشنداس وغیرہ کئی اصحاب آبو پر پہنچ گئے +

اُن دنوں آبو کے تار گھر کے ملازموں کو سونا نصیب نہ ہوتا تھا ۔ چاروں طرف سے تار آ رہے تھے ۔ کسی کو سر کھجلانے کی فرصت نہ تھی ۔ تار گھر کے آدمی کہتے تھے ۔ کہ اِس قدر تار اس سے پہلے یہاں کبھی نہیں آئے +

سوامی جی سے راجہ پرتاپ سنگھ کو بہت عقیدت تھی ۔ وہ اُن کے پورے طور پر بھگت تھے ۔ سوامی جی کے آبو پر آنے کے دو تین دن بعد وہ بھی آبو پر پہنچ گئے ۔ اور سوامی جی کے رہنے سہنے کا تمام انتظام مکمل کر کے واپس گئے ۔ سوامی جی آبو ہی پر رہنا چاہتے تھے ۔ مگر بھگت لوگ رات دن یہی کہتے تھے ۔ پربھو! اجمیر چلے چلئے ۔ وہاں علاج ٹھیک ہو سکیگا ۔ آپ کے سیوک ڈاکٹر لچھمن داس بھی وہیں ہیں ۔ زیادہ اصرار سے سوامی جی کارتک کرشنا ایکادشی کو اجمیر روانہ ہوئے ۔ اس دن اجمیر کے سٹیشن پر آریوں کا ہجوم تھا ۔ گاڑی آنے پر جب چار پانچ آدمیوں نے مل کر سوامی جی کو گاڑی سے اُتارا ۔ تو اُن کی حالت دیکھ کر اُن کے دل

ریزہ ریزہ ہو گئے۔ سوامی جی کے لئے کوٹھی کا انتظام پہلے ہی سے کیا گیا تھا۔ وہاں لے جاکر انہوں نے سوامی جی کو ایک پلنگ پر لٹا دیا ❊

ڈاکٹر لچھمن داس کی دوا شروع ہوئی۔ مگر فائدہ کچھ نہ ہوا۔ وہ بدل بدل کر دوا دیتے تھے۔ خود بھی زیادہ تر وہیں رہتے تھے۔ مگر اُن کی تمام تر کوششیں بیکار ثابت ہوتی تھیں۔ بیماری دن بدن زیادہ خوفناک شکل اختیار کرتی جاتی تھی۔ لوگوں کے دل بحر یاس میں ڈوبتے جا رہے تھے۔ تیسرے دن پنڈت بھاگ رام جی درشن کرنے آئے۔ سوامی جی نے آہستہ آہستہ اُن کی خیروعافیت پوچھی۔ انہوں نے جواب دیا۔ مہاراج! میں تو اچھا ہوں مگر آپ کو اس حالت میں دیکھ کر کلیجہ شق ہوا جاتا ہے۔ سوامی جی دیر تک سنجیدگی کے عالم میں پنڈت جی کی طرف دیکھتے رہے۔ آخر کار پنڈت جی کچہری چلے گئے ❊

اُسی دن لاہور سے لالہ جیون داس جی اور پنڈت گورو دت جی وہاں پہنچے۔ نمستے کر کے لالہ جی سوامی جی کے پلنگ کی پائنتی پر بیٹھ گئے۔ مہاراج نے اُنہیں آنکھ کھول کر دیکھا اور ہاتھ سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور پھر آریہ سماج لاہور کا حال دریافت کیا۔ اُسی وقت لالہ جی نے سوامی جی سے پنڈت گورو دت کا تعارف کرایا۔ اور پنڈت جی نے اُٹھ کر سوامی جی کو نمستے کی۔

شری مہاراجہ سجن سنگھ جی نے اودے پور سے پنڈیا موہن لال جی کو سوامی جی کی خیر و عافیت دریافت کرنے کے لئے بھیجا۔ پنڈیا جی نے جب دیکھا کہ سوامی جی کے پھیپھڑے بڑے زور سے پھڑک رہے ہیں۔ اور سارا جسم بے حد زار و نحیف ہو گیا ہے۔ اور مضبوط بدن ہڈیوں کا پنجر بن گیا ہے۔ اور اُن کے سر چشمۂ زندگی کو نگل جانے والی موت کی ریگستانی سرزمین آہستہ آہستہ اُن کے قریب سرک رہی ہے۔ تو اُن کا سارا جسم پاؤں سے چوٹی تک کانپ اُٹھا۔ سر چکرا گیا۔ اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ آخرکار اُنہوں نے کلیجہ تھام کر سوامی جی کے پاؤں کو ہاتھ لگایا۔ اور کہا۔ مہاراجہ صاحب آپ کی علالت طبع کی خبر سُن کر بہت بے چین ہیں۔ اور آپ کی صحت کی اطلاع سُننے کو بیتاب ہیں۔ مہاراج! آپ کے جسم کی یہ حالت دیکھ کر میرا دامن صبر ہاتھ سے چھُٹ گیا ہے۔ بھگون! سرزمین ہند کی صبح عظمت کے لئے آپ جیسے بزرگوں کی بہت ضرورت ہے۔ یہ ہماری، ہماری قوم کی، ہمارے ملک کی بدنصیبی ہے کہ آپ کا جسم آج ایسی تکلیف و کرب کی حالت میں ہے؟

سوامی جی نے جواب دیا۔ پنڈیا جی! افسوس نہ کیجئے۔ اب پربھو کی ایسی ہی مرضی ہے۔ جسم کا بننا اور ٹوٹنا تو حباب آسا ہے۔ موج دریا کے مانند ہے۔ موت اس فانی دنیا کا لازمی قاعدہ ہے۔ کوئی ان ہونی بات ہونے لگے۔ تو آدمی افسوس

بھی کرے۔ مگر بن کر ٹوٹنا۔ مجتمع ہو کر منتشر ہونا۔ بن کر بگڑنا۔ پیدا ہو کر مرنا جو دُنیا کا نہ قضا ہونے والا قاعدہ ہے۔ اس کے لئے آدمی کو بہت غور نہ کرنا چاہیئے ٭

کارتک کرشنا ۱۴ کو مہاراج کے جسم پر ناف تک چھالے پڑ گئے۔ دل گھبرانے لگا اور گلا بیٹھ گیا۔ دم رُک رُک کر آتا تھا۔ اور سارے جسم میں جلن ہوتی تھی۔ مگر وہ آنکھیں موندے پرماتما کے خیال میں چپ چاپ پڑے تھے۔ انجان لوگ ان کی اس حالت کو بے ہوشی سے تعبیر کرتے تھے۔ جب جسم اپنے کاروبار میں سست پڑ جاتا ہے۔ اور بولنے سُننے کی قوت جواب دے جاتی ہے۔ تو جتنی جوگی حواس کو بے ہوش کرکے پرماتما کے خیال میں محو ہو جایا کرتے ہیں ٭

کارتک کی اماوس کو دیوالی کے دن، منگلوار کے روز صبح کے وقت سول سرجن نیوٹن صاحب آئے اور سوامی جی کی حالت دیکھ کر کہنے لگے۔ یہ بڑے حوصلہ مند اور مضبوط ہیں۔ ان کی نس نس اور رگ رگ میں بیماری کے زہریلے جراثیم داخل ہو چکے ہیں۔ مگر پھر بھی اُنہوں نے حوصلہ ہاتھ سے نہیں دیا۔ ان کے جسم کو یہ موت کی بیماری خوفناک شعلے کی طرح جلا رہی ہے۔ جسے دیکھ کر انسان کانپ اُٹھتا ہے۔ مگر یہ ہیں کہ خاموش چارپائی پر پڑے ہیں۔ نہ کراہتے ہیں نہ ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ ایسی بیماری میں زندہ رہنا انہی کا کام ہے ٭

ڈاکٹر لچھمن داس نے کہا۔ یہ دیانند اعظم ہیں۔ یہ سُن کر ڈاکٹر صاحب کو اور بھی افسوس ہوا۔ سوامی جی نے اُن کے سوالوں کا جواب اشاروں سے دیا۔ ایک مسلمان حکیم، پیر صاحب بہت مشہور تھے۔ وہ بھی دیکھنے آئے۔ انہوں نے آتے ہی کہ دیا۔ کہ انہیں تو کسی کمبخت نے زہر ہلاہل دے کر اپنے منہ پر سیاہی ملی ہے۔ ان کے جسم پر تمام آثار زہر ہی کے ہیں۔ سوامی جی کی قوت برداشت دیکھ کر پیر صاحب نے اُنگلی دانتوں تلے دبائی۔ اور کہا ایسا حوصلہ مند آدمی ہم نے صفحۂ زمین پر نہیں دیکھا۔

اسی طرح حکیموں کے آنے جانے میں گیارہ بجے کا عمل ہو گیا۔ مریض کا دم پھولنے لگا۔ ہانپتے زیادہ تھے۔ مگر قوت گفتار لوٹ آئی تھی۔ اس سے اُن کے بھگتوں کے چہروں پر خوشی کھیلنے لگی۔ مگر بعد میں علم ہوا۔ کہ یہ تو بجھتے ہوئے چراغ کی آخری روشنی تھی۔ ڈوبتے ہوئے سورج کا آخری اُجالا تھا۔

مہاراج نے رفع حاجت کی خواہش ظاہر کی۔ چار عقیدت مندوں نے مل کر اُٹھایا۔ اور رفع حاجت کی جگہ بٹھا دیا۔ مہاراج نے فراغت حاصل کر کے ہاتھ منہ دھویا اور آسن پر آ بیٹھے۔

اُس وقت سوامی جی نے کہا۔ آج میرے حسب منشا کھانا بناؤ۔ بھگتوں نے خیال کیا۔ آج ان کی طبیعت نسبتاً اچھی ہے۔ شاید کچھ کھائینگے۔ وہ تھال لگا کر سوامی جی کے پاس

لے آئے - سوامی جی نے دیکھ کر فرمایا لے جاؤ - آخر بھگتوں کی استدعا پر چنوں کا چمچہ بھر پانی پیا - اور ہاتھ مُنہ دھو کر پلنگ پر آ گئے - جسم کی تکلیف میں کوئی کمی نہ تھی - مگر وہ اپنے آدمیوں سے کہ رہے تھے - ایک مہینے کے بعد آج طبیعت قدرے ٹھیک ہے - بعض وقت سانس کی تکلیف زیادہ بھی ہو جاتی تھی - اُس وقت وہ آنکھیں بند کر کے خاموش ہو جاتے تھے - اس طرح شام کے چار بج گئے - بھگوان نے حجام کو بُلا کر سر مُنڈانے کی خواہش ظاہر فرمائی - لوگوں نے کہا - بھگون! اُسترا نہ پھروائیے - سر پر پھنسیاں ہیں - خون بہنے لگیگا - مگر اُنہوں نے جواب دیا - کوئی ڈر نہیں - سر منڈوا کر ناخُون اُترواۓ پھر گیلے تولیہ سے سر پونچھا اور تکیہ کے سہارے پلنگ پر بیٹھ گئے اور سوامی آتما نند جی کو محبت سے بُلایا - وہ ہاتھ باندھ کر سامنے آ کھڑے ہوئے - کہا - کہا عزیز میرے پیچھے بیٹھ جاؤ *

گورو کا حکم پا کر سوامی آتما نند تکیہ کی طرف سوامی جی کے پیچھے بیٹھ گئے - سوامی جی نے نہایت محبت سے کہا - عزیز آتما نند! تم اس وقت کیا چاہتے ہو؟ ان الفاظ نے آتما نند جی کا دل ہلا دیا - آنکھوں میں آنسو آ گئے - انہوں نے رُک رُک کر کہا - اس غلام کی تو رات دن یہی دُعا ہے - کہ پرماتما اپنی مہربانی سے شری حضور کو تندرست کر دیں - اس سے بڑھ کر تین لوک میں میری کوئی خواہش

نہیں ؛

سوامی جی نے ہاتھ بڑھا کر آتمانند کے ماتھے پر پھیرا۔ اور جواب دیا "عزیز! اس فانی، لمحہ بھر میں مرجانے والے جسم کو کب تک تندرست رہنا ہے۔ بیٹا! اپنے فرض کو پورا کرتے رہنا۔ گھبرانا نہیں۔ دنیا میں ملاپ اور بچھوڑا قدرتی امر ہے۔ اس سے کوئی بچ نہیں سکتا ؛

یہ الفاظ سن کر آتمانند جی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ گورو کی جدائی کے صدمہ کو سامنے کھڑا دیکھ کر ان کا دل رنج و قلق کے بحر بے پایاں میں غرق ہو گیا ؛

گوپال گری نام ایک سنیاسی کچھ عرصہ سے سوامی جی کے پاس رہتے تھے۔ مہاراج نے انہیں بلا کر کہا۔ آپ کو کچھ ضرورت ہو تو بتا دیجئے۔ انہوں نے بھی یہی جواب دیا کہ ہمیں آپ کی صحت کے سوائے اور کچھ نہ چاہئے۔ اس کے بعد سوامی جی نے دو سو روپے اور دو دوشالے منگوا کر پنڈت بھیمسین جی اور آتمانند جی کو دئے۔ ان دونو نے اشک باری کرتے ہوئے اپنا سر زمین پر رکھا اور یہ چیزیں لوٹا دیں۔ بھگت راج ڈاکٹر لچھمن داس کو بھی سوامی جی نے کچھ روپیہ دینا چاہا۔ مگر انہوں نے بھی ہاتھ باندھ کر انکار کر دیا ؛

اس طرح اپنے آدمیوں سے سوامی جی کو وداع ہوتے دیکھ کر آریہ سماجیوں کی طبیعت پر رقت طاری ہو گئی۔ اور ان کا قلق انتہا کو پہنچ گیا۔ وہ بیتاب ہو کر سامنے آ کھڑے ہوئے۔ سوامی جی

اپنی دونو آنکھوں کی روشنی اُن سب کے چہروں پر ڈال کر سنجیدہ مگر ناقابل بیان محبت کے ساتھ اُن سے آخری مرتبہ وداع ہونے لگے۔ اُن کی محبت کے رس میں سموئی ہوئی آنکھیں اپنے پاکیزہ پیار کے مستحق اصحاب کو حوصلہ تسلی دیتی اور ڈھارس بندھاتی معلوم ہوتی تھیں۔ اس وقت بھی سوامی جی کے چہرے پر ملال نہ تھا۔ گھبراہٹ کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے*

مگر لوگوں کی اُمیدیں لمحہ بہ لمحہ شب یاس کی سیاہی میں غائب ہو رہی تھیں۔ اور اُن کے حوصلہ کے نرم و نازک عنصر آہستہ آہستہ نا امیدی کی ہوا میں اُڑتے چلے جا رہے تھے۔ سوامی جی اُن کے سامنے تھے۔ مگر اُن کی آنکھوں کے آگے رہ رہ کر آنسوؤں کی بدلیاں آ جاتی تھیں۔ مگر تاہم وہ دل کو کڑا کر کے کھڑے تھے۔ اور آخری صدمہ کے لئے اپنے آپکو تیار کر رہے تھے*

شام کے پانچ بج گئے۔ ایک بھگت نے پوچھا۔ مہاراج! کیا حال ہے؟ جواب دیا۔ اچھا ہے۔ روشنی اور اندھیرے کا جذم ہے۔ انہی باتوں میں ساڑھے پانچ بج گئے۔ تو سوامی جی نے سب دروازے کھُلوا دئے اور لوگوں کو اپنے پیچھے کھڑا ہونے کا حکم دیا۔ پھر دریافت کیا۔ آج پکش۔ تاریخ اور دن کون سا ہے۔ پنڈیا موہن لال نے عرض کیا۔ پربھو! آج کارتک کرشن پکش کا آخر اور شکل کا شروع ہے۔ اماس ہے اور منگلوار ہے*

اس کے بعد سوامی جی نے اپنی مبارک آنکھوں کو کمرہ کے چاروں طرف گھمایا۔ اور پھر عالم سنجیدگی میں وید پاٹھ شروع

کر دیا۔ اُس وقت اُن کے گلے میں، آواز میں، سُر میں، اور تلفظ میں ذرا بھی کمزوری معلوم نہ ہوتی تھی +

بھگوان کے ہونہار بھگت پنڈت گورودت جی اُس کمرے کے ایک کونے میں دیوار کے ساتھ لگے بھگوان کے آخری وقت کا یہ منظر دیکھ رہے تھے +

پنڈت جی نے سوامی جی کے پہلی دفعہ درشن کئے تھے۔ اُن کے دل میں ابھی فلسفۂ روح کا خیال جمنے نہ پایا تھا۔ مگر سوامی جی کے آخری لمحوں کو دیکھ کر وہ سنّاٹے میں آ گئے۔ وہ اچھی طرح سے دیکھ رہے تھے۔ کہ مرنے والے کے جسم پر بے شمار چھالے پھوٹ رہے ہیں۔ موت کا کرب اُنہیں بیتاب کئے دیتا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ موت کی آگ اُن کے جسم کو جلاتی جا رہی ہے۔ مگر وہ مطمئن بیٹھے ہیں۔ اور اُنہیں کوئی خیال کوئی فکر نہیں۔ اور وید منتر گا رہے ہیں۔ چہرہ سے خوشی برستی ہے۔ آنکھیں کنول کے مانند کھلی ہیں۔ اور پیشانی عجیب و غریب روشنی سے چاند کے مانند چمک رہا ہے۔ یہ قوت برداشت جسم کا حصّہ نہیں۔ یہ اُنکی روح کی طاقت ہے +

یہ پہلا موقع تھا۔ جب مہرشی کی موت کا منظر دیکھ کر گورودت جیسے زبردست ناستک کے دل میں روحانیت کا ظہور ہوا۔ اور اس ظہور سے وہ چونک پڑے۔ اُنہوں نے کیا دیکھا۔ کہ ایک طرف تو سورگ کو سدھارنے کے لئے پربھو پرم ہنس پلنگ پر بیٹھے پرارتھنا کر رہے ہیں۔ اور دوسری طرف وہ لیکچر دینے کے لباس

ہیں اُس کمرے کی چھت کے ساتھ لگے بیٹھے ہیں۔اس آتم یوگ کا زندہ ثبوت دیکھ کر پنڈت جی کا دل آشکنا کی روشنی سے چمکنے لگا۔گویا ایک طرف سے نکلتی ہوئی روشنی اُن کے دل میں سما گئی ہو +

گورودت اپنے غیبی آتم دانا کو نگاہ عقیدت سے دیکھنے لگے۔سوامی جی نے وید منتر ختم کر کے سنسکرت میں پرماتما سے پرارتھنا شروع کی۔پھر ہندی میں پرارتھنا کی پھر بھگتوں کی پرم گتی بھگونی گایتری کا جاپ کیا۔پھر یکایک خاموش ہو گئے۔اور ظلعی بت کے مانند دیر تک سمادھی کی حالت میں بیٹھے رہے۔اُس وقت اُن کے دیوتاؤں کے سے چہرے کے چاروں طرف صبح مسرت کی روشنی جھلملا رہی تھی +

سمادھی کے بلند و بالا آسمان سے اُتر کر سوامی جی نے دونو آنکھیں کھول دیں۔اور اُن کی روشنی کو وسعت دیتے ہوئے کہا۔ ہے دیا مئے! ہے سرو شکتیمان ایشور!! تیری ہی اچھا ہے۔ سچ مچ تیری ہی اچھا ہے۔ پرماتم دیو! تیری اِچھا پورن ہو۔ آہا! میرے پرمیشور!! تو نے کیسی لیلا کی +

یہ الفاظ کہتے کہتے برہم رشی نے زور سے سانس اندر کھینچا۔اور کچھ دیر اندر روک کر نعرۂ اوم کے ساتھ باہر نکال دیا۔ یہ سوامی جی کی موت کا حال ہے +

اس کے ساتھ ہی وہاں کے لوگوں کی آنکھوں سے

آنسو بہنے لگے ۔ یتیم بچوں کے مانند رو رو کر بھگت لوگوں نے
کمرے کی زمین کو بھگو دیا ۔ اُن کے دُکھ کا، اُن کی تکلیف کا،
اُن کے رنج و قلق کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ۔ اُن سب
کے دل رنج کے بار تلے دب گئے تھے ۔ وہ بہتیرا تھامتے
تھے، مگر اُن کا کلیجہ بار بار منہ کو آ رہا تھا ۔ وہ صبر کرنے
کی کوشش کرتے تھے ۔ مگر اُن سے صبر ہونا نہ تھا ۔ پھوٹ
پھوٹ کر رونے سے اُن کی آنکھیں سوج گئیں ۔ اور ہچکی
بندھ گئی ۔ شدّت غم نے اُن کی طبیعت پر گہرا اثر ڈالا *

بدنصیب بھارت کی قسمت کا سورج دیانند کارتک
کی اماوس سمبت ۱۹۴۰ وکرمی منگلوار کو شام کے چھ بجے
یکایک موت کے استاچل کی اوٹ میں چھپ گیا ۔ اُس
وقت آفتاب بھی غروب ہو رہا تھا ۔ زمین کا اندھیرا جوں جوں
بڑھتا جاتا تھا ۔ اجمیر کے "تار گھر" سے نکلے ہوئے برقی پیغام
دنیائے آریہ سماج میں مایوسی کی، افسوس کی، ناقابل برداشت
رنج و قلق کی سیاہ رات کو اور بھی زیادہ سیاہ کر رہے تھے *

مہاراج کے سورگ باس ہو جانے کی خبر نے آریوں کو
چونکا دیا اور اُن کے سروں پر کوہ غم گرا دئے ۔ اُن کی
آنکھیں گنگا جمنا کے مانند بڑی تیزی سے اشک باری کرنے
لگیں ۔ اُن کے دل بےچین و بےتاب ہو گئے ۔ اُن کی
طبیعتیں اس طرح بے قابو ہو گئیں ۔ کہ اُن کو ایک ایک پل
دروپدی کے چیرہرن کے مانند گزرتا تھا ۔ اور وہ رات تھر

کی رات سے بھیانک معلوم ہوتی تھی +

جس طرح شری رام جی کی جدائی میں بھرت جی بیتاب ہو گئے تھے۔ اور شری کرشن جی کے پرلوک گمن پر اودھو جی اور پانڈوں نے رنج و غم کا اظہار کیا تھا۔ اُسی طرح سوامی دیانند کے سورگ سُدھارنے پر آریہ سماجیوں نے دلی رنج و قلق محسوس کیا۔ اُن کے دوپہر کے سورج کی تیز کرنوں پر یکایک موت کی بدلی چھا گئی۔ سردی کی پورنماسی کے حسین و محبوب چاند پر زمین کا سایہ پڑ گیا۔ اُن کی ترقی، اور اقبال کے طلوع ہوتے ہوئے سورج کو گرہن لگ گیا۔ سرسبز و شاداب پھولے اور پھلے ہوئے آریہ سماج کے باغیچہ پر کلھاڑا رکھا گیا۔ خوشی پر اُداسی کا اندھیرا آ گیا۔ وہ اپنے گورو کی جدائی میں بیتاب تھے اور بلک بلک کر رو رہے تھے +

دوسرے دن کے اخبارات نے ماتمی سیاہ حاشیے دے دے کر کالم کے کالم اس موت پر صرف کر دئے۔ جس سے مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک بھگوان کی وفات حسرت آیات کا غم چھا گیا۔ ہر شہر میں لوگوں نے جلسے کئے اور اس بھاری نقصان پر آنسو بہائے۔ اس عالمگیر ماتم میں امریکہ اور یوروپ بھی شریک ہوئے +

کارتک شکلا کی صبح کو بھگتوں نے سوامی جی کی لاش کو — بجھے ہوئے چراغ کو غسل دیا۔ اُن کی خواہش تو یہ تھی:- کہ سوامی جی کے مردہ جسم پر صرف سرد پانی ہی

پڑے۔ مگر اُن کے گرم آنسو بھی زبردستی گر گر پڑتے تھے۔
غسل دینے کے بعد سوامی جی کی لاش پر چندن وغیرہ خوشبویات
کا لیپ کیا گیا۔ اور پھر قیمتی لباس میں لپیٹ کر پلنگ پر مرنے
کی حالت میں رکھ دیا گیا۔ اُس وقت سینکڑوں آدمی اُن کے
آخری درشن کرنے کو دوڑتے ہوئے آ رہے تھے۔ ہزاروں
آنکھوں کی اشکباری سے اُس کمرہ کی زمین تر ہو رہی تھی۔
ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہاں افسوس کے ساتوں سمندر اُمنڈ
آئے ہیں۔ جب لاش کو اُٹھانے کے لئے ارتھی بننے لگی۔
تو پنڈیا موہن لال جی نے اپنے آریہ بھائیوں کے سامنے
عرض کیا۔ کہ شری مہاراجہ سجن سنگھ جی نے مجھ سے آتے وقت
کہا تھا۔ کہ اگر ہم لوگوں کی بدقسمتی سے سوامی جی جانبر نہ
ہو سکیں۔ تو کسی طرح تین چار دن تک اُن کی لاش نہ
جلائی جائے۔ تاکہ میں اور اُن کے دوسرے بھگت راجے
مہاراجے آخری درشن کر سکیں۔ اور ان کے داہ کرم سنسکار
میں شریک ہو سکیں۔ مگر یہی مناسب سمجھا گیا۔ کہ سنسکار
اُسی دن ہو جائے۔ چنانچہ ارتھی کو پھولوں سے کیلے کے
ٹھنوں سے اور نرم و نازک پتوں سے سجایا گیا۔ اور دس
بجے ارتھی اُٹھائی گئی۔ سینکڑوں آدمی ننگے پاؤں پیچھے چل
رہے تھے۔ رائے بھاگ مل بھی ننگے پاؤں ساتھ ساتھ
چلے۔ سوامی جی کی ارتھی کو پنجاب کے بہادر سپوتوں نے
اُٹھایا۔ رامانند جی اور گوپال گری جی آگے آگے وید منتر

پڑھتے جاتے تھے ۔ اجمیر کے آگرہ دروازہ سے ہوتے ہی ارتھی شمشان میں پہنچی +

ویدی بننے میں کچھ وقت صرف ہوتے دیکھ کر پنڈت بھاگ رام جی نے آریوں کے ڈانواںڈول دل کو تسلی دیتے ہوئے سوامی جی کے عظیم الشان کام کا ذکر کیا اور اُن کے بتائے ہوئے کاموں کی تکمیل کے لئے اپیل کی ۔ پنڈت جی کا گلا بھر بھر آتا تھا ۔ مگر پھر بھی اُنہوں نے ہمّت کر کے اپنا دلی منشا حاضرین پر ظاہر کر دیا ۔ اس کے بعد رائے بہادر پنڈت سُندر لال اپنا جی کڑا کر کے کچھ کہنے کو اُٹھے ۔ مگر دو چار ہی الفاظ کہہ کر رہ گئے ۔ اُن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور رخسار بھیگ گئے +

ویدی تیّار ہوئی ۔ اس پر دو من چندن اور دس من پیپل کی لکڑیاں چنی گئیں ۔ دھڑکتے ہوئے کلیجے اور ٹکڑے ٹکڑے ہوتے ہوئے دلوں کو سنبھال کر آریوں نے اپنے گورو دیو کی لاش کو ویدی پر رکھا ۔ رامانند اور آتمانند جی نے آگ لگائی ۔ آگ لگتے ہی گھی سے سینچی ہوئی چتا سے شعلے اُٹھنے لگے ۔ اس میں چار من گھی ۔ پانچ سیر کپور ۔ ایک سیر کیسر اور دو تولے کستوری خرچ ہوئی ۔ گھی اور سامگری کی آہوتیوں سے شری مہاراج کے پیار کرنے والوں کی اشک آلود آنکھوں کے سامنے اُن کی لاش جل گئی ۔ مہاراج کی امر روح تو پہلے ہی جاگتی جوت میں محو ہو چکی تھی ۔ سیوکوں نے اُن کے جسم کو بھی روشنی کی سیج پر چڑھا کر انسانی نگاہوں سے اوجھل کر دیا +

گورو مہاراج کے قیمتی جسم کو جلا کر نہایت افسوس کے ساتھ آریہ لوگ شہر کو لوٹ آئے۔ اُس دن انکو اپنی زندگیاں بےمعنی اور لایعنی معلوم ہوتی تھیں۔ کسی کام میں اُن کی طبیعت نہ لگتی تھی۔ اپنے خویش و اقارب کو دیکھ کر بھی اُن کو خوشی نہ ہوتی تھی۔ اُن کو اپنے جسم کی دیوٹ پر رکھا ہوا چراغ مسرت کی لو سے محروم دکھائی دیتا تھا +

کارتک شکلا ۲ کو پنڈیا موہن لال جی نے سوامی جی کی وصیت کے بموجب اُن کی تمام اشیاء پر قبضہ کر لیا اور کاغذات اودے پور بھیج دئے +

بھگوان کی ہڈیوں کو چُن کر مہاراجہ صاحب شاہ پور کے عطا کردہ باغ میں دفن کر دیا گیا۔ یہ باغ انّا ساگر کے کنارے پُشکر کی سڑک پر ہے +

سوامی جی کے سورگ باس کے کئی دن بعد تک بھارت باسیوں کے آسمان دل پر افسوس کے بادل منڈلاتے رہے۔ اصلاح کرنے والوں کا دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا۔ بےبسوں اور بیکسوں کا والی چل دیا۔ وہ خاموشی سے چلا گیا۔ مگر اُس کی الکھ کا نعرہ اُسی طرح فضا میں گونجتا رہا۔ اُس کی محبوب شکل آنکھوں کے تلے اُسی طرح پھرتی رہی +

کچھ دنوں تک آریہ سماجیوں کے ساتھ سب نے ہمدردی ظاہر کی۔ اُن کے زخم پر مرہم رکھا۔ مگر متوں کے پیارے اور اپنے غرور کے باعث بہت سے آدمی اس سبھا کو بےبس سمجھنے لگے۔

اور اس باغیچہ کو مالی کے بغیر اُجاڑ خیال کرنے لگے ۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں آریہ سماجیوں کی مخالفت ہونے لگی ۔ کوتہ اندیشوں نے سوامی جی کے سورگباس پر آریہ سماج کی زندگی کے دن اُنگلیوں پر گن دئے ۔ اُنہوں نے خیال کیا ۔ کہ اِس کشتی کا سمجھدار اور باہوش صلاح اسے بھنور سے نکال گیا ہے مگر منجدھار سے یہ پار نہ جا سکیگی ۔ اب اُس کھویا کے بغیر یہ ناؤ اناڑیوں کے ہاتھ پڑکر خود ہی غرق ہو جائیگی ؞

آریہ سماجیوں کے دل کئی دن اور مہینے ڈگمگاتے رہے ۔ اور اُن کی طبیعت پر مایوسی کا خمار چڑھا رہا ۔ اُن کے حوصلے پست ہو گئے ۔ اور اُن کی جرأت کو کہیں ٹھکانا نہ ملا ۔ وہ اپنے آپ کو بےبس اور بےکس تصوّر کرتے تھے ۔ لیکن چند ہی مہینے گزرے تھے ۔ کہ آریوں کے شجر اُمید پر تپتے ہوئے تانبے کے مانند رنگ والی نرم و نازک کونپلیں نکل آئیں ۔ اُن کی فوج کے سمجھدار سپاہی جرنیل کا کام کرنے لگے ۔ اور اپنے گورو کی روشن کی ہوئی شمع کو منور رکھنے کے لئے جی جان سے ساعی ہوئے ؞

جس طرح دُنیا بھر کو خوف زدہ کرنے والے زلزلہ سے سمندر کچھ پیچھے ہٹ کر پھر چار گنا زور سے آگے بڑھتا ہے ۔ اُسی طرح سخت یاس کے بعد آریہ سماجیوں کی ہمّت اور حوصلہ کا سمندر اور بھی طاقت سے اچھل اُچھل کر کناروں پر سے بھی گزر گیا ۔ شہر شہر اور گاؤں گاؤں میں دھرم کے نعرے سُنائی دینے لگے ۔ اُن کے

دھرم پرچار کی مستعدی نے، اصلاح کی لاثانی دھن نے مباحثوں کے بے نظیر طریقہ نے لوگوں کی آنکھیں چندھیا دیں۔ آریوں کا نمستے کا شیریں لفظ اس وقت کا من کو موہ لینے والا منتر تھا۔ اس کو سنتے ہی آریوں کا سینہ محبت سے اچھلنے لگ جاتا تھا۔ وہ اجنبی کے منہ سے یہ لفظ سنتے۔ تو دوڑ کر اسے گلے لگا لیتے۔ اس کا نام پتہ پوچھنے کی ضرورت نہ رہتی۔ یہ لفظ سو تعارفوں کا ایک تعارف تھا۔ تفرقات کو مٹا کر برادرانہ محبت کی لڑی میں دلوں کو پرونے کے لئے اس منتر کو بول دینا ہی کافی تھا۔

اس وقت کے ملاپ میں ایک عجیب و غریب شیرینی آ گئی تھی۔ لوگوں میں نئی ہمت، نئی محبت، نئی زندگی اور نئی لگن پیدا ہو گئی تھی۔ جس طرح آسمان میں شور و شر کرنے والے بادل برکھا کے دنوں میں ہمالہ پر برس کر کارتک کے مہینے میں بالکل خاموش ہو جاتے ہیں۔ اور نیلگوں آسمان میں ان کا ایک ٹکڑا بھی دکھائی نہیں دیتا۔ مگر وہی بادل اس پہاڑ کے بے شمار حصوں سے ندیوں کی شکل میں، نالوں کی صورت میں، چھوٹے چھوٹے چشموں کے لباس میں بہہ کر ہندوستان کی زمین کو ہرا بھرا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح سوامی جی دھرم کے بادل بن کر برسوں تک برکھا کرتے رہے اور آخر کو کارتک کے مہینے میں خاموش ہو گئے۔ مگر ان کے جذبات آریہ بیروں کی شکل میں ملک ملک میں کئی قسم کے طریقوں سے

دھرم کا پرساد بانٹنے لگے +

اُس وقت چھوٹے بڑے دیانند کی سپرٹ سے زندہ ہو رہے تھے۔ اُن کی پیشانی پر وہی بے خوفی تھی۔ الفاظ میں وہی تاثیر۔ اُن کی آنکھوں میں دیانند کی روشنی تھی۔ اُن کے دلوں میں دیانند کے حوصلے۔ اُن کے دماغ میں دیانند کی خواہشیں جھلکتی تھیں۔ اور اُن کے کاموں میں اُسی کرم یوگ کی مستعدی ظاہر ہوتی تھی +

اُس زمانہ میں تمام آریہ لوگ قوم کی بہتری کے گیت گاتے تھے۔ اتحاد کا سبق پڑھتے تھے۔ مجلسی اصلاح کے قواعد مرتب ہوتے تھے۔ اور پرماتما کے بھجن فضا میں گونجتے تھے۔ اُس وقت آریوں کے دلوں میں، دماغوں میں۔ گھروں میں، منڈلیوں میں، مندروں میں، جلسوں میں جہاں دیکھا جاتا تھا۔ وید کا پرچار تھا۔ ایشور کا وچار تھا۔ شکشا کا وستار تھا۔ مجلسی شدھار تھا اور آنند کند بھگوان دیانند کے عظیم الشان اور کبھی بھی نہ بھولنے والے احسانوں کا جے جے کار تھا +

دیانندپرکاش کا اُردو ایڈیشن

مترجمہ

ادیب فطرت نگار فسانہ نویس شدرشن صاحب

ختم ہوا +

عبداللہ کاتب کا لاہور ۲۸ جولائی ۱۹۲۴ء

(مرکنٹائل پریس لاہور میں باہتمام بابو نظام الدین پرنٹر چھپا)